ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان

تعمیر

(پندرہ روزہ) لکھنؤ

16 SEP 1951

۳۸ - امین آباد پارک

۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۵۱ء

۱۲ ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۰ھ

اس شمارہ میں

شرائط ایجنسی

(۱) کم از کم پانچ پرچوں پر ایجنسی دی جائے گی۔
(۲) قیمت پیشگی جمع کرانی ہوگی۔
(۳) پرچے واپس نہ لئے جائیں گے۔
(۴) ۲۰ پرچوں تک کمیشن ۲۵ فیصدی ۴۰ تک ۳۰ فیصدی ۸۰ تک ۳۳⅓ فیصدی ۸۰ سے زیادہ پر ۴۰ فیصدی دیا جاتا ہے۔
(۵) سول ایجنٹ کو سو پرچے لینا ضروری ہیں۔
(۶) جہاں کوئی ایجنٹ مقرر ہوگا وہاں ایک سے زائد لوگوں کو ایجنسی دی جا سکتی ہے۔
(۷) پرچے بلا رجسٹری بھیجے جاتے ہیں رجسٹرڈ منگانا ہو تو فیس رجسٹری ایجنٹ صاحبان کے ذمہ ہوگی۔

تعمیر کی قیمت

چندہ سالانہ :-	چھ روپئے
ششماہی :-	تین روپئے
ایک پرچہ کے لئے :-	چار آنے

ممالک غیر سے علاوہ پاکستان

چندہ سالانہ :-	آٹھ روپئے
ششماہی :-	چار روپئے
ایک پرچہ کے لئے :-	چھ آنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام
علیٰ رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اپنی باتیں

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار احسان ہے کہ تعمیر اپنی عمر کے تین سال پورے کرکے اس پرچہ سے چوتھے سال میں قدم رکھ رہا ہے — یہ رسالہ ایک خاص تعمیری مقصد کے لئے نکالا گیا ہے یہ مقصد جس طرح ہمیں عزیز ہے اسی طرح آپ کو بھی عزیز ہے اس کے لئے ہمارا کام یہ ہے کہ ہم اس مقصد کے مطابق تعمیر کے لئے خود مضامین لکھیں، دوسرے اہل قلم کے افکار حاصل کریں اور بہتر طریقہ سے مرتب کرکے آپ کی خدمت میں حاضر کریں، اس کے بعد آپ کا کام شروع ہوتا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ اچھے سے اچھے خیالات کا محض لکھ دینا اور ان مضامین کو چھاپ دینا حالات کے اصلاح و تغیر کے لئے کافی نہیں ہے جب تک اس کی زیادہ سے زیادہ اشاعت کا سامان نہ ہوگا محض ان خیالات کا چھپ جانا بیکار ہے، اس لئے مضامین کی فراہمی اور ان کی ترتیب و طباعت کے بعد سب سے بڑا سوال زیادہ سے زیادہ افراد کے ہاتھوں میں پرچہ کا پہونچانا ہے اور یہ مہم آپ حضرات کے تعاون کے بغیر سرانجام نہیں پا سکتی، گزشتہ دو برسوں میں بہت سے احباب نے اس بارے میں توجہ کی لیکن پچھلے سال ان دوستوں نے شاید تعمیر کو مستحکم سمجھ کر اس جانب زیادہ توجہ نہیں کی نتیجہ یہ ہوا کہ تعداد اشاعت میں کمی ہونے لگی۔

جو احباب تعمیر کو محبوب رکھتے ہیں اور اس کی تعمیری و اصلاحی کوششوں کو پسند کرتے ہیں اُن سے درخواست ہے کہ وہ اپنے احباب و اعزہ کو بھی تعمیر کی خریداری پر آمادہ کریں، جو اصحاب کسی قدر وسعت رکھتے ہیں وہ گرد و پیش کے کسی غریب شائق علم یا کسی مفید ادارہ و انجمن کے نام بھی اپنی طرف سے تعمیر جاری کرائیں — تعمیر کے حلقہ میں اچھے خاصے ممتاز اور با اثر اصحاب ہیں اگر وہ ذرا بھی توجہ کریں تو بہت آسانی کے ساتھ ان میں کا ہر شخص چار پانچ خریدار بنا سکتا ہے ہمیں توقع ہے کہ ہمارے یہ احباب ضرور توجہ کریں گے اور تعمیر کے حلقہ اشاعت کو بڑھا کر ہمیں موقع دیں گے کہ ہم اطمینان اور دلجمعی کے ساتھ تعمیر کو بہتر سے بہتر حالت میں ان کی خدمت میں پیش کرتے رہیں۔

اس مرتبہ سے تعمیر کی صورت و سیرت میں نمایاں تبدیلیاں کی جا رہی ہیں، کئی نئے ابواب کا اضافہ کیا جا رہا ہے — ایک خاص باب سوالات و جوابات کا کھولا گیا ہے، ہماری اپنی کوشش ہمیشہ یہ ہوگی کہ ہم قارئین تعمیر کی خدمت میں اچھی سے اچھی چیز پیش کریں، لیکن اس کی کامیابی کا دارومدار خود آپ حضرات پر ہے، ہمارے پڑھنے والے جتنے اچھے سوالات کریں گے، پرچہ کے معنوی حسن میں اتنا ہی اضافہ ہوگا — سوالات کرتے وقت اگر صرف اپنی ذات ذہن میں نہ ہو بلکہ بہت سے دوسرے قارئین کو بھی پیش نظر رکھا جائے تو سوالات میں خود بخود ہمہ گیریت پیدا ہوگی اور ایک شخص کے سوال اور اس کے جواب میں بہت سے دوسروں کی ذہنی الجھنیں بھی دور ہو جائیں گی۔

اس بات کو ذہن میں اچھی طرح بٹھا لیجیے کہ تعمیری قوتوں کے ساتھ تخریبی قوتیں بھی بہت زور و شور سے اپنا کام کر رہی ہیں، اور دنیاوی لذائذ کی وجہ سے ہمارا اچھا خاصہ پڑھا لکھا طبقہ اسی رَو میں بہتا چلا جا رہا ہے — اُنہیں راستہ پر لگانا اور اس کے ذہن کو تخریب سے پھیر کر تعمیر پر لگانا صرف ہمارا ہی کام نہیں ہے بلکہ جتنی ذمہ داری ہم پر ہے اتنی ہی ذمہ داری آپ پر بھی ہے، اچھائی کو دور دور تک پھیلانے میں ہمارا ہاتھ بٹائیے اور اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کی کوشش کیجیے۔

★ عبد السلام قدوائی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

•

(۶۷)

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ○

ترجمہ:

اور جب تم سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں تو (ان سے کہہ دو کہ) میں قریب ہوں پکارنیوالے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے پس چاہیئے کہ (لوگ) مجھی سے قبولیت چاہیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ ہدایت پا سکیں۔

تشریح

اس سے اوپر کی آیت میں یہ ذکر ہو چکا ہے کہ اللہ کی بڑائی بیان کرو لیکن یہ کس طرح ہو آہستہ یا زور سے، صحابہ کرام نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ہمارا رب ہم سے قریب ہے کہ ہم لوگ اس سے آہستہ عرض کریں یا دور ہے کہ پکار کر گزارش کریں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی[1]، اس آیت نے تصریح کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کر دیا اللہ تعالے اپنے بندوں سے دور نہیں ہے کہ اس تک آواز پہونچانے کے لئے چیخ کر پکارنے کی ضرورت ہو بلکہ وہ ہر شخص سے قریب ہے، جو اس سے عرض کرتا ہے اس کی گزارش کو سنتا اور اس کی دعا کو قبول کرتا ہے۔

پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں —— اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالے سے جو شخص دعا مانگتا ہے وہ اس کی دعا قبول کرتا ہے، اگر دنیا میں اسکی دعا کی منظوری اس کے لئے مضر ہوتی ہے تو اس کے بجائے آخرت میں اس کے لئے ثواب محفوظ کر دیا جاتا ہے، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہر مسلمان جو دعا مانگتا ہے اگر اس میں گناہ اور قطع رحمی کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے تو اللہ تعالے کی طرف سے تین باتوں میں ایک ضرور عطا کی جاتی ہے یا تو جلد ہی اس کی دعا قبول کر لی جاتی ہے یا اس کے لئے آخرت میں ذخیرۂ ثواب تیار کیا جاتا ہے یا اسی کے مثل کوئی برائی اس سے دور کر دی جاتی ہے[2]۔

فلیستجیبوا لی۔ استجابت اجابت کے معنی میں بھی مستعمل ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ مجھے جواب دیں یعنی میری اطاعت کریں جس طرح میں ان کی دعا قبول کرتا ہوں اس طرح وہ میری بات مانیں لیکن لفظ سے زیادہ قریب وہ مفہوم ہے جو ہم نے اوپر ترجمہ میں اختیار کیا ہے کہ وہ مجھ سے قبولیت چاہیں جب وہ مجھے پکارتے ہیں اور مجھ سے دعا مانگتے ہیں تو مجھی سے طالب قبولیت ہوں اور مجھ پر ایمان لائیں میرے اوپر اعتماد کریں اور یقین رکھیں اسی طرح وہ صحیح قدم اٹھا سکتے ہیں اور راہ یاب ہو سکتے ہیں

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٌ لَهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنْتُمْ

---

[1] ابن جریر جلد دوم

[2] روح المعانی بحوالہ جامع صغیر۔

تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَ ابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ

ترجمہ

روزوں کی رات میں تمھارے لئے تمھاری عورتوں سے مباشرت حلال کی گئی ہے وہ تمھارے لئے لباس ہیں اور تم اُن کے لئے لباس ہو (تمھارا ان کا چولی دامن کا ساتھ ہے) اللہ تعالےٰ کو معلوم ہے کہ تم اپنے نفسوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے اُس نے تمھیں معاف کیا اور تم سے درگزر کی پس اب تم ان کے ساتھ مباشرت کرو یہاں تک کہ فجر کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے واضح ہو جائے — پھر روزوں کو رات تک پورا کرو اور عالت اعتکاف میں تم ان سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی حدود ہیں ان کے قریب نہ جاؤ اسی طرح اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگار ہو جائیں۔

تشریح

رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد کچھ عرصہ تک یہ معمول رہا کہ کھانا پینا اور تعلقات زن وشو کی اجازت اُسی وقت تک کے لئے ہوتی تھی جب تک کہ نیند نہ آجائے سونے کے بعد یہ سب چیزیں ممنوع ہو جاتی تھیں[1] لیکن اس حکم پر عمل بہت دشوار ہوتا تھا، بہت سے اشخاص کو سخت مشکلیں پیش آئیں، اس سلسلہ میں حضرت قیس ابن صرمہ انصاری رضی اللہ عنہ کو بہت سخت تکلیف سے دوچار ہونا پڑا[2]۔ ایک دن وہ روزہ کی حالت میں دن بھر اپنی زمین میں کام کرتے رہے شام کو گھر آئے اور بیوی سے کھانا مانگا لیکن اتفاق سے گھر میں کچھ موجود نہ تھا، بیوی تلاش کرنے کے لئے گئیں حضرت قیس ابن صرمہ انتظار کرتے رہے لیکن بیوی کی واپسی میں دیر ہو گئی، وہ تھکے ہوئے تو تھے ہی آنکھ لگ گئی، بیوی کھانے کا سامان لے کر آئیں تو دیکھا کہ وہ سو چکے ہیں اب صبر کے سوا اور کیا چارۂ کار تھا، صبح روزہ رکھا لیکن ضعف بے حد تھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ حالت دیکھ کر اس نقاہت کا سبب دریافت کیا تو انھوں نے آپ کو ساری سرگزشت سُنائی کمزوری کی شدت سے دوپہر بعد غشی چھانے لگی۔

حضرت قیس بن صرمہ کی طرح اور بھی متعدد صحابہ کو مشکلات پیش آئیں بعض لوگوں سے اس حکم کی نافرمانی بھی ہو گئی بالآخر اللہ تعالےٰ نے ان کی حالت پر رحم فرمایا اور احل لکم لیلۃ الصیام سے کلوا واشربوا حتے یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر تک آیت نازل فرمائی، اس آیت کے بعد روزہ کی حالت میں ساری رات کھانے پینے اور تعلقات زن وشو کی اجازت ہو گئی[3]

(باقی آئندہ)

---

[1] مسند امام احمد۔ سنن ابی داؤد۔
[2] بخاری کتاب الصوم۔
[3] ابن جریر جلد اول۔

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

مسلمانوں کی اہمیت

مسلمان ہندوستان میں آج کل خود بھی اپنے آپ کو بالکل غیر اہم اور بے حیثیت سمجھتے ہیں اور ملک کے عام باشندے بھی یہی خیال رکھتے ہیں یہ سب تعداد کی کمی کی بنا پر ایسی رائے رکھتے ہیں، ان لوگوں کی سمجھ میں یہ آتا ہے کہ اہمیت کے لائق تعداد کی کثرت ہے، جس قوم کے افراد کی تعداد زیادہ ہے وہی اُن کی نظر میں اہم ہے، چونکہ مسلمانوں کی تعداد ہندوستان میں کم ہے اس لئے ان کے نزدیک ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے، لیکن یہ رائے صحیح نہیں ہے نہ حقیقت کے اعتبار سے یہ خیال کوئی وزن رکھتا ہے، نہ استدلال کے نقطۂ نظر سے اس کے اندر کوئی قوت ہے کسی قوم کی اہمیت نہ تعداد پر منحصر ہے نہ کسی جغرافیائی حد میں اسے اپنی آبادی کے اعتبار سے زیادہ ہونے کی وجہ سے کوئی فوقیت حاصل ہوتی ہے بلکہ ہر قوم کی اہمیت ان صلاحیتوں اور ان اوصاف پر مبنی ہوتی ہے جو اس قوم کے اندر پائی جاتی ہیں اگر وہ قوم اپنے افراد کی اہمیت اور اپنی جماعت کے نظام کے اعتبار سے برتر ہے تو اُسے دنیا میں اہمیت حاصل ہوگی لیکن اگر یہ بات نہیں ہے اور افراد و جماعت کے اعتبار سے اس قوم میں کوئی خوبی نہیں ہے تو تعداد کی کثرت اور کسی جغرافیائی خطہ میں اس کی فوقیت کی وجہ سے وہ دنیا میں اہمیت حاصل نہیں کر سکتی ہے عارضی طور پر چاہے کچھ دنوں تک لوگ اس حقیقت کو محسوس کریں لیکن حقیقت زیادہ عرصہ تک نگاہوں سے اوجھل نہیں رہ سکتی، ایک نہ ایک دن یہ بات نمایاں ہو کر رہے گی۔

مذکورہ بالا سطور میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس کو سامنے رکھ کر مسلمانوں کی حالت پر غور کیجئے تو ان کے متعلق کسی مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے، مسلمانوں کی انفرادی سیرت اور ان کی اجتماعی زندگی میں کچھ خامیاں ضرور نظر آئیں گی لیکن تمام برائیوں اور خامیوں کے باوجود مسلمان اب بھی بڑی اہمیت رکھتے ہیں، اگر ان کی حیثیت پر ذرا بھی غور کیا جائے اور ان کی ان صفات پر نظر ڈالی جائے جن کی بنا پر انھیں اقوام عالم کے درمیان ایک اہم پوزیشن حاصل ہے تو ان کی اہمیت کے اعتراف کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔

سب سے پہلی بات جو ان کے متعلق بہت زیادہ قابل لحاظ ہے وہ ان کی تاریخی اہمیت ہے، تیرہ چودہ سو برس کی طویل تاریخ ان کے پیچھے ہے، دنیا کے مختلف حصوں میں انھوں نے صدیوں حکمرانی کی ہے، اپنی اس طویل حکمرانی کے دور میں انھوں نے بنی نوع انسان کے فائدے کے سیکڑوں کام کئے ہیں اور اپنی لیاقت و صلاحیت کے غیر معمولی نقوش صفحۂ عالم پر چھوڑے ہیں ان کے عظیم الشان کارنامے نوع انسانی کو یاد ہیں اور ناممکن ہے کہ دلوں سے ان کی اہمیت مٹ جائے، ان حالات کو نہ وہ خود بھول سکتے ہیں نہ کوئی ایسا شخص فراموش کر سکتا ہے جس نے تعصب اور ہٹ دھرمی کی پٹی اپنی آنکھوں پر باندھ نہ لی ہو، یہ تاریخی سرگزشت اور یہ عزم و حوصلہ کی لازوال مثالیں رہ رہ کر لوگوں کو یقین دلاتی رہیں گی کہ یہ قوم فنا ہونے کے لائق نہیں بلکہ اس قابل ہے کہ زندہ رہے اور مستقبل میں نوع انسان کو ترقی کی راہوں پر چلائے۔

> لاہور سے لے کر طنجہ تک مسلسل حکومتیں موجود ہیں اور ہمہ وقت امکان ہے کہ وہ ایک وسیع مملکت کی شکل اختیار کر لیں

اس تاریخی اہمیت کے ساتھ ساتھ انھیں اس وقت بھی اقوام عالم کی صف میں جو مقام حاصل ہے وہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں، دنیا کے ہر حصہ میں کم و بیش مسلمان موجود ہیں، ان کی آبادی کی وسعت اور پھیلاؤ کی بنا پر دنیا میں انھیں بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ان کے ذریعہ نوع انسانی کو حیات بخش پیغام دیا جا سکتا ہے اور اسے زندگی کی صحیح راہوں پر چلانے کے لئے انھیں پیامبر بنایا جا سکتا ہے، دنیا کے مختلف ملکوں میں منتشر آبادی کے علاوہ بحر عرب کے کنارہ سے لے کر بحر ظلمات کے ساحل تک اور لاہور سے لے کر طنجہ تک ان کی مسلسل آبادیاں اور حکومتیں موجود ہیں یہ ہزاروں میل کا طویل و عریض علاقہ ان کی بھاری اکثریت کا علاقہ ہے، اس رقبہ میں تقریباً ۹۹ فیصدی ان کی آبادی ہے، اگرچہ اس پورے علاقہ میں بہت سے ملکوں کو ابھی تک آزادی میسر نہیں ہوئی ہے لیکن بہت سی آزاد حکومتیں بھی موجود ہیں یہ سچ ہے کہ یہ حکومتیں اپنے ذاتی مسائل میں گرفتار ہیں، یہ بھی صحیح ہے کہ ان کے اندر رشک و حسد کی بنا پر آپس میں سخت اختلافات ہیں جو ایک قوم ہوتے ہوئے بھی انھیں ایک قوم نہیں بننے دیتے ہیں، تاہم تہذیب و تمدن اور مذہب و خیالات میں بنیادی اتحاد کی وجہ سے خاصی ہم آہنگی پائی جاتی ہے اور ہمہ وقت اس کا امکان ہے کہ مختلف ملک مل کر ایک وسیع مملکت کی شکل اختیار کرلیں اور منتشر سلطنتیں مل کر ایک عظیم الشان وفاق میں تبدیل ہو جائیں، اخبار بیں حضرات واقف ہیں کہ ہر قسم کے اختلافات کے باوجود اور تمام انتشار آفریں اسباب کے ہوتے ہوئے بھی اتحاد کی کوششیں اپنا کام کر رہی ہیں، یہ جدوجہد اگرچہ ابھی تک کامیاب نہیں ہوئی ہے اور شاید اسے تکمیل تک پہونچنے میں بہت عرصہ لگے گا لیکن بایں ہمہ اتنا تو ہو ہی گیا ہے کہ اتحاد کا خیال اب عام ہو گیا ہے اور مختلف ممالک مل کر ایک وفاق کی صورت اختیار کرنے کا اظہار کرنے لگے ہیں، شرق اوسط میں تو علی الاعلان اس تمنا کا اظہار ہونے لگا ہے اور ایسے مرکزی اداروں کی داغ بیل پڑ گئی ہے جو مختلف ممالک کو ایک مرکزی تخیل کے ماتحت ایک کرنے کی جدوجہد کر رہے ہیں، عرب لیگ خواہ کتنی ہی کمزور کیوں نہ ہو لیکن اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا یہ گویا تمام عرب حکومتوں کے ایک مرکزی نظام یا مختلف وحدتوں کے لئے ایک وفاق کا پیش خیمہ ہے، کچھ اصحاب اغراض راہ میں حائل ہیں ورنہ یہ خیال اب تک عمل کا قالب اختیار کر چکا ہوتا اور عرب لیگ سے آگے قدم بڑھ چکے ہوتے اور اس وقت دوسرے ممالک کو اس دائرہ میں شامل کرنے کی تحریک شروع ہو چکی ہوتی۔

اوپر کی سطور میں اختصار کے ساتھ دنیا میں مسلمانوں کی حالت کا ایک سرسری خاکہ پیش کیا گیا ہے ان حالات میں مستقبل سے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے جو قوم سارے کرۂ ارض میں پھیلی ہوئی ہو جس کی آبادی پچاس کروڑ سے متجاوز ہو جس کی اس گئے گزرے زمانہ میں بھی متعدد حکومتیں موجود ہوں جس کے ممالک ہزاروں میل کے طول و عرض میں اس قربت و اتصال کے ساتھ واقع ہوں جس کے اندر انفرادی اور اجتماعی اتحاد کی ایسی تحریکیں چل رہی ہوں جو اس انتشار انگیز دور میں بھی وحدت کا خواب دیکھ رہی ہو اور جس کے رہنما منتشر قوتوں کو ایک مرکز پر لانے کے لئے کوشاں ہوں اس کے لئے نہ یاس و ناامیدی کی کوئی وجہ ہے اور نہ خوف و ہراس کا کوئی سبب۔ اس موقع پر ہمیں عہد اموی کا ایک واقعہ یاد آتا ہے، ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں جب مسلمانوں نے چین کی طرف پیش قدمی کی تو پہلے گفتگو کے لئے ایک سفارت بھیجی گئی۔

(باقی ص۱۲ پر)

★ ڈاکٹر احمد امین بیگ
ترجمہ:۔ سید محمود الحسن ندوی

ورقہ بن نوفل

●

حدیث شریف میں ہے کہ غار حرا میں جب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے اوپر سب سے پہلے وحی الٰہی کا نزول ہوا تو آپ کچھ گھبرا گئے اور آپ کو سردی محسوس ہونے لگی۔ آپ اسی حالت میں حضرت خدیجہ رضؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا "مجھے کمبل اڑھاؤ میرے اوپر چادر ڈال دو" اس غیر متوقع صورت حال سے ابتدا میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہ رضؓ کے دل میں طرح طرح کے شبہات اور قسم قسم کے وسوسے پیدا ہوئے، انھیں خیالات اور وسوسوں سے پریشان ہوکر حضرت خدیجہ رضؓ نے آپ کو مشورہ دیا کہ آپ ورقہ بن نوفل کے پاس جائیے اور ان سے سارے حالات بتلائیے وہ ضرور کوئی نہ کوئی تشفی بخش جواب دیں گے آنحضرت نے یہ مشورہ قبول کرلیا اور حضرت خدیجہ کو ساتھ لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس گئے اور ان کو تمام واقعات بتلائے، اس کے بعد حضرت خدیجہ نے اپنی گھبراہٹ کا اظہار کیا اور پوچھا کہ یہ وحی کا ہنوں والی وحی ہے یا اس کا تعلق اس وحی سے ہے جو خدا کی طرف سے وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوا کرتی ہے یا کسی جن کی کرامات ہیں یا محض جنون کی باتیں ہیں، ورقہ نے تمام باتیں بہت ہی غور سے سنیں اس کے بعد حضور سے امتحان کے طور پر کچھ سوالا کئے پھر جنون اور جن کے اثر کی تردید کی اور کہا کہ یہ دونوں چیزیں تو مضرت رساں ہیں ان کا اثر محمد صلے اللہ علیہ وسلم جیسے سچے اور امانت دار پر کبھی نہیں ہوسکتا، محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) تو بہت نیک اور صالح آدمی ہیں وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑتے ہیں اور صلہ رحمی کرتے ہیں، معذوروں اور مجبوروں کے کام آتے ہیں اور ہر وقت اُن کی خدمت میں لگے رہتے ہیں اللہ تعالےٰ انھیں جنون کے اثرات یا دیوانگی میں مبتلا کرکے ہرگز ذلیل وخوار نہ کرے گا۔ یہ سن کر حضرت خدیجہ نے بھی آپ کو تسکین دی اور فرمایا کہ اللہ تعالےٰ آپ کو ہرگز ذلیل نہیں کرے گا۔ اس لئے کہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور ضعیفوں کے کام آتے ہیں مصیبت زدوں کی مدد کرتے ہیں، ان تمام باتوں کو دیکھتے ہوئے تو آپ عزت کے مستحق ہیں نہ کہ ذلت کے، اس کے بعد ورقہ نے وحی کے متعلق چند سوالات اور کئے جس کے بعد انھیں پورا یقین ہوگیا کہ یہ وہ وحی ہے جو پہلے نبیوں پر نازل ہوا کرتی تھی، اس حقیقت کا اظہار کرتے ہوئے ورقہ نے کہا کہ ذلك الناموس الذی نزل علےٰ موسیٰ (یہ وہی فرشتہ ہے جو موسےٰ علیہ السلام پر نازل ہوا تھا) پھر حضور کو نبوت کی خوشخبری دی اور نزول وحی کے وقت اطمینان اور ثابت قدمی کی تلقین کی ـــــ ورقہ کی گفتگو سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی گھبراہٹ دور ہوگئی اور دل کو سکون نصیب ہوا، اس طرح سے گویا ورقہ نے اسلام کی ایک بہت بڑی اور ناقابل فراموش خدمت انجام دی۔

سیر وتاریخ کی کتابوں میں ورقہ بن نوفل کے متعلق جو تذکرے ملتے ہیں اُن سے پتہ چلتا ہے کہ ورقہ حضرت خدیجہ کے چچا زاد بھائی تھے اور عبرانی زبان کے بہت بڑے عالم تھے، عبرانی زبان کی تمام آسمانی کتابوں پر

یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جب بھی کوئی نبی ان چیزوں کو لے کر دنیا میں آیا جنکو آپ سے پہلے والے لیکر آئے تھے تو اسکی قوم نے اسکو اسی طرح تکلیفیں پہونچائیں اور وطن سے نکال دیا......

اچھی نظر رکھتے تھے، مذہب کے اعتبار سے وہ خالص مسیحی (عیسےٰ علیہ السلام کے پیرو) تھے، لیکن دین مسیحی کے اندر اس وقت کے عیسائیوں نے جو خرافات واوہام شامل کر رکھے تھے اُن سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا، وہ سن رسیدہ تجربہ کار آدمی تھے، اپنی قوم میں بہت عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے، ہمیشہ سچ بولنے کے عادی تھے، حضرت خدیجہ قرابتی تعلق کی بنا پر اُن سے مانوس ہوگئی تھیں اور انھیں شفیق باپ کی طرح سمجھتی تھیں انھیں یقین تھا کہ ورقہ ان کی اس پریشانی و حیرانی میں نیک مشورہ دیں گے اور ان کی اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی بھی ہمدردی کریں گے نیز کسی قسم کی خیانت سے کام نہ لیں گے اس لیے کہ ورقہ ساری قوم میں غمگسار اور داعی حق کی حیثیت سے معروف تھے انھیں کسی سے کوئی خلش و پرخاش نہ تھی، ورقہ کی اسی امانت داری اور حسن اخلاق نے حضرت خدیجہ کو ان کے پاس جاکر مشورہ طلب کرنے پر آمادہ کیا تھا۔

ورقہ بن نوفل بہت عقلمند اور بصیر تھے وہ انبیاء سابقین کے حالات سے بخوبی واقف تھے انبیا (علیہم السلام) کو ان کی قوموں نے جو تکلیفیں اور ایذائیں پہونچائی اور وقتاً فوقتاً ان کو جھٹلاکر جو طرح طرح کے الزامات لگائے تھے ان سب واقعات کو وہ خوب سمجھتے تھے اپنی فہم و بصیرت کی بنا پر انھوں نے بہت جلد یہ فیصلہ کرلیا کہ یہ ساری باتیں جو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش آرہی ہیں، ان کی عظیم ترین شخصیت کا پتہ دیتی ہیں، وہ دن دور نہیں جب محمدؐ بھی خدا کے نبی ہوں گے اور ان کی قوم ان کو سخت سے سخت اذیتیں پہونچائے گی اور وطن سے نکال دے گی۔ اسی لئے ورقہ نے تمنا کی کہ کاش وہ بھی اس وقت تک زندہ رہتے جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی قوم ان کو ان کے وطن عزیز سے نکالے گی تاکہ ان کی مدد کرتے اور ان کے بارگراں کو ہلکا کرنے میں اُن کا ہاتھ بٹاتے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ورقہ سے دریافت کیا کہ کیا میری قوم مجھ کو میرے وطن سے نکال دے گی، ورقہ نے جواب دیا یہ کوئی نئی بات نہیں ہے جب بھی کوئی نبی ان چیزوں کو لے کر دنیا میں آیا جن کو آپ سے پہلے والے لے کر آئے تھے تو اُس کی قوم نے اس کو اسی طرح تکلیفیں پہونچائی ہیں اور وطن سے نکال دیا۔

ورقہ کو انبیاء سابقین کے حالات کی واقفیت اور ذاتی فہم و فراست نے یہ سمجھنے پر مجبور کر دیا کہ ضرور اس انسانی ڈھانچہ رکھنے والے (محمد صلے اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھی انبیاء سابقین کی طرح کوئی پاک روح آئی ہے۔

ورقہ عرب کے ان چند حقیقت شناس و حق پرست لوگوں میں تھے جنھیں شرک سے فطری نفرت تھی جن کے لئے اس وقت کی بے جان اور تحریف شدہ یہودیت اور انسانیت و صداقت سے تہی مایہ، نصرانیت میں کوئی کشش باقی نہیں رہی تھی اور جو اپنے خدا داد علم و بصیرت کی روشنی میں تمام رائج الوقت ادیان سے بے تعلق ایک خاص طریق بندگی پر کاربند تھے اور اسی کی پیروی میں صلاح دنیا و فلاح آخرت کے امیدوار تھے ——— عام جاہلی رسم و رواج سے بیزاری اور موجودہ طریقہائے عبادت سے بے تعلقی کی بنا پر قوم ایسے لوگوں کو "حنفاء" کے اصطلاحی لقب سے یاد کرتی تھی۔

لفظ "حنفاء" حنف سے مشتق ہے، حنف عربی میں مائل اور ٹیڑھے ہونے کو کہتے ہیں، چونکہ حنفاء کی جماعت اپنے زمانہ کے رائج شدہ ادیان سے کٹ کر الگ ایک خاص طریقے سے خدا کی عبادت کیا کرتی تھی اور موجودہ خرافات سے ناراضگی کا اظہار کرتی تھی اس لئے ان کو حنفاء کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

لفظ حنفاء کے معنی آرامی زبان میں دین سے مرتد ہو جانے کے تھے اس لئے لوگ اس کو بہت برا لفظ سمجھتے تھے لیکن عربی زبان نے اس کا استعمال بہت اچھے طریقے سے کیا ہے اس لئے عربی میں اس لفظ کو بہت ہی قدر کی نگاہ سے

★ مشیرالحق مجیبی آبادی

کس کے سامنے؟

●

آج جب دنیا ترقی کی منزلیں طے کرتی ہوئی بہت آگے بڑھ چکی ہے اور زندہ رہنے کے اس نے بہت سے ڈھنگ معلوم کر لئے ہیں، تو اس وقت بہت سے لوگ سنجیدگی کے ساتھ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے پچھلے لوگوں کے مقابلہ میں بہت ترقی کی ہے اور ہم نے زندگی گزارنے کے جو عاقلانہ دستور بنا رکھے ہیں بیچارے اگلے لوگ اس سے ناواقف ہونے کی بنا پر دنیا میں کوئی ترقی نہیں کر سکے تھے کسی خاص ملک کی بات نہیں ہے، دنیا کے ہر ملک پر نظر دوڑائیے آپ کو یہ ذہنیت صاف معلوم ہوگی کہ ہم جو کچھ جانتے ہیں اور جو کر رہے ہیں یہ پہلے سے ٹھیک ہے ——

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ آپ ہر طرف یہ بھی دیکھیں گے کہ لوگوں میں بے اطمینانی ہے، نیچے کے لوگ اوپر والوں سے مطمئن نہیں، اوپر والے نچلے طبقہ سے شاکی ہیں، ہر طرف شکایت ہے، عوام حاکموں سے اس بات پر ناراض ہیں کہ ہم فاقے کر رہے ہیں اور یہ مزے کر رہے ہیں، خواص اس بات پر افسردہ ہیں کہ دوڑتے کرتے کرتے ہماری ٹانگیں ٹوٹی جاتی ہیں پھر بھی لوگ ہم سے ناراض ہی رہتے ہیں ——

اس شکایت کی اصل وجہ یہ ہے کہ کسی کے ذہن میں بھی لوگوں کو ناپنے کا کوئی ایسا معیار نہیں ہے جس پر وہ ہر ایک کے کام اور ان کی خدمات کو جانچ سکیں، سب نے اپنی عقل اور اپنی ضروریات کو معیار مقرر کر رکھا ہے —— اسی وجہ سے کوئی خاطر خواہ اور متفقہ فیصلہ نہیں ہوتا ——

موٹی سی مثال لیجئے —— اس وقت ہندوستان میں غلہ، کپڑا اور شکر وغیرہ بہت مشکلوں سے دستیاب ہوتی ہیں، دیہات والے اپنے کو معیار مان کر ان شہریوں پر رشک کرتے ہیں جو ان کے مقابلہ میں آسانی سے یہ چیزیں حاصل کر لیتے ہیں اور شہر والے اپنے کو معیار مان کر ان اونچے لوگوں پر رشک کرتے رہتے ہیں جن کو بغیر محنت اور بغیر لائن میں لگے ان سے اچھا اور زیادہ سامان مل جاتا ہے —— چھوٹی بڑی ہر چیز کو آپ دیکھ لیجئے کہیں بھی آپ کو اس کے خلاف نہ دکھائی دے گا ——

آج سے تیرہ سو برس پہلے جب معیار اپنی ذات نہ تھی بلکہ اسلام تھا قرآن تھا، اسی کے مطابق قدم اٹھتے تھے، اسی کے فیصلہ کے آگے سر خم ہوتے تھے اس وقت کبھی بھی ایسے حالات پیش نہیں آئے —— کچھ یہ بات نہیں ہے کہ اس وقت دنیا ایسی نہ تھی جیسی آج ہے —— اس وقت قحط نہیں پڑتے تھے یا اس وقت جنگیں نہیں ہوتی تھیں —— آخر آج میں اور اس دن میں کیا فرق تھا —— جس کی وجہ سے ہمیں ان دنوں کی تاریخ میں اس قسم کی شکایتوں کا ذکر نہیں ملتا ——

فرق صرف اتنا ہے کہ آج اگر کسی ملک میں قحط پڑتا ہے تو بھوکوں کا پیٹ نعروں اور تقریروں سے بھرنے کی کوشش کی جاتی ہے "بھرے پیٹ لیڈر" بھوکوں کا تجویزوں اور ترمیموں سے پیٹ بھرنا چاہتے ہیں اور جب اس میں ناکامی ہوتی ہے تو سیسے کی گولیوں سے ہمیشہ کے لئے ان کی شکایت دور کر دی جاتی ہے —— لیکن خلافت راشدہ کی تاریخ میں ہمیں یہ نظر آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بہت سخت قحط پڑ گیا، لوگ دانہ دانہ کو محتاج ہو گئے، اس وقت اگر حضرت عمرؓ چاہتے تو بہت آرام سے دونوں بلکہ تینوں اور چاروں وقت پیٹ بھر کر کھانا

> انھوں نے تمھیں خلیفہ کا بیٹا سمجھ کر یہ سلوک کیا ہے ..... یہ رقم مع منافع کے بیت المال میں داخل ہوگی ..... تمھیں خلیفہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے عوام کے روپیوں پر کوئی حق نہیں حاصل ہے

کھا سکتے تھے لیکن آپ بھی بھوکے رہتے تھے، لوگ اُن سے کھانے کے لئے کہتے تو آپ فرماتے خدا معلوم رعایا میں کتنے لوگ اس وقت بھوکے ہوں گے، ان لوگوں کا پیٹ جل رہا ہوگا میں کس طرح کھا لوں ——

دراصل یہ فرق اس لئے ہے کہ وہ لوگ خلافت کو اپنا حق نہیں سمجھتے تھے بلکہ وہ اُسے ایک امانت سمجھتے تھے، اپنے کو صرف اس کا نگہبان جانتے تھے —— لیکن آج حالات بالکل بدلے ہوئے ہیں، آج حکومت کو اپنی پچھلی خدمات اور مصائب کا بدل سمجھا جاتا ہے —— اس وجہ سے اس بہتے دریا میں جسے موقع مل جائے وہ ہاتھ دھونا عقلمندی سمجھتا ہے ——

لیکن وہ پچھلے لوگ عوام کے روپیوں سے اسی طرح بھاگتے تھے جس طرح آج لوگ اس کے پیچھے بھاگتے ہیں —— حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہونے سے پہلے گلیوں میں گھوم گھوم کر کپڑا فروخت کرتے تھے لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب لوگوں نے انھیں خلیفہ بنایا تو اس وقت انھوں نے اپنے اس کام کو نہ چھوڑا بلکہ حسب سابق کپڑا فروخت کرتے اور اپنے اہل وعیال کا خرچ پورا کرتے تھے —— تو جب لوگوں نے محسوس کیا کہ اس طرح اگرچہ ان کا کچھ روپیہ ضرور بچ جاتا ہے لیکن خلیفہ کا وہ قیمتی وقت بیکار صرف ہوتا ہے جس سے خود عوام فائدہ اُٹھاتے تو لوگوں نے آپ کو مجبور کر کے بیت المال سے وظیفہ لینے پر آمادہ کر لیا —— جس کی مقدار اتنی تھی کہ ایک مرتبہ آپ کی اہلیہ محترمہ نے فرمایا بہت دنوں سے کوئی میٹھی چیز کھانے کو نہیں ملی ہے، آپ نے فرمایا جو کچھ مجھے وظیفہ ملتا ہے وہ سب کا سب میں تمھیں دے دیتا ہوں اسی میں خواہ میٹھی چیز کھاؤ یا نمکین —— بات گزر گئی، کچھ دنوں بعد دسترخوان پر کوئی میٹھی چیز بھی رکھی گئی، آپ نے تعجب سے پوچھا یہ کہاں سے؟ اہلیہ محترمہ نے فرمایا ہر روز کے خرچ سے میں نے تھوڑا تھوڑا بچا کر آج یہ پکایا ہے —— یہ سُنکر آپ خاموش ہو گئے لیکن کھانے کے بعد فرمایا جتنی رقم روزانہ تم نے بچائی ہے وہ ہم زیادہ لیتے ہیں کیونکہ بغیر میٹھی چیز کھائے ہوئے بھی ہم زندہ رہ سکتے ہیں، پھر خزانچی کو لکھ کر بھیج دیا کہ ہمارے روزانہ سے اتنی رقم کم کر دی جائے —— آج کی مہذب اور ترقی پسند دنیا میں عوام کے لئے ایثار کی اس سے بڑی نہیں، اس کے برابر ہی بلکہ اس سے کم ہی کوئی مثال ہے ——؟ پھر اتنی تنگی ترشی سے گزر کرنے کے بعد جب آپ کی وفات ہونے لگی تو آپ وصیت کر گئے کہ میرے سامان کو بیچ کر بیت المال کی وہ سب رقم ادا کر دی جائے جو میں اپنی زندگی میں خرچ کرنے کے لئے لیتا رہا ہوں ——

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ایک ضلع سے آنے لگے، اس ضلع کے امیر کے پاس بیت المال کی رقم جمع تھی جسے مرکز میں بھیجنا تھا انھوں نے ان سے کہا آپ اس رقم کا سامان تجارت یہاں سے خرید لیجئے مدینہ پہونچ کر اُسے فروخت کر دیجئے گا، بیت المال کی رقم خلیفہ کے حوالے کر دیجئے گا اور منافع آپ رکھ لیجئے گا ——

انھوں نے ایسا ہی کیا، جب حضرت عمرؓ کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا کیا انھوں نے صرف تمھیں یہ رعایت دی تھی یا دوسرے مسلمانوں کے ساتھ بھی ایسا سلوک کیا تھا، انھوں نے جواب دیا صرف ہمارے ساتھ! آپ نے فرمایا انھوں نے تمھیں خلیفہ کا بیٹا سمجھ کر تمھارے ساتھ یہ سلوک کیا ہے اس لئے یہ رقم مع منافع کے بیت المال میں داخل ہوگی کیونکہ تمھیں خلیفہ کا بیٹا ہونے کی وجہ سے عوام کے روپیوں پر کوئی حق نہیں ہے، ہاں اس سلسلہ میں تمھارا جو کچھ خرچ ہوا ہے وہ تم لے سکتے ہو۔

آج اور اس زمانہ کے حالات میں جو اتنا نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ دونوں زمانوں کے مزاج اور عقائد میں بنیادی اختلاف ہے ——

آج دنیا میں جتنی حکومتیں ملتی ہیں وہ سب کاغذی طور پر اپنے کو عوام کے سامنے جواب دہ سمجھتی ہیں، کیونکہ جانتی ہیں کہ عوام وہی دیکھتے ہیں جو ہم انھیں دکھاتے ہیں ـــ ان میں خود اچھے بُرے کی تمیز نہیں ہے اس لئے وہ اپنے کو عوام کا خادم کہتے ہوئے بھی علے الاعلان سب کچھ کرتی ہیں جو وہ چاہتی ہیں ـــ لیکن اُن کا عقیدہ یہ نہیں تھا وہ اپنے کو اور عوام کو سب کو ایک دوسری طاقت کے سامنے جواب دہ سمجھتے تھے۔ اس طاقت کے متعلق ان کا اعلان تھا کہ وہ ظاہر باتوں کو تو جانتا ہی ہے دل کی چھپی ڈھکی باتوں سے بھی واقف ہے وہ جلوت سے بھی آگاہ ہے اور خلوت بھی اس کے لئے چھپی نہیں ہے ـــ ان کا یہ بھی اعتقاد تھا کہ یہ دنیا دار العمل ہے یہاں کا آرام اور یہاں کی تکلیف چند روزہ ہے، اصل زندگی جو دائمی زندگی ہے وہ اس کے بعد ہوگی اور اُسے اچھا یا برا بنانا خود ہمارا اپنا کام ہے ہم ہر وقت یہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس زندگی میں ہمارے لئے کون سی جگہ ہے، اس لئے وہ یہاں کی تمام تکلیف خندہ پیشانی سے برداشت کرتے تھے اور یقین رکھتے تھے کہ ہمیں اس کا صلہ وہاں اللہ تعالےٰ دے گا۔

وہ جانتے تھے کہ اگر ہم نے عوام کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر انھیں دھوکہ دے بھی دیا جب بھی ہم اس قوت سے بچ نہیں سکتے جو اپنے اور دوسروں کے حقوق کی پامالی پر ایک دن ضرور جواب طلب کرے گی ـــ اسی احساس نے ان کی زندگی کے رُخ کو بدل دیا تھا، اور ان کی خدمت بے لوث ہوتی تھی، وہ اپنے لئے نہیں خدا کے لئے کام کرتے تھے لیکن آج اسی عقیدہ کا فقدان ہے اور اسی وجہ سے دنیا پر ہر طرف مصائب کے بادل چھائے ہوئے ہیں، جن ممالک میں قوموں کی باگ ڈور اپنے ہی ہاتھوں میں ہے وہاں بھی وہی سب مشکلیں ہیں جو غلام ممالک میں ہیں ـــ

آج بھی حالات درست ہوسکتے ہیں، لیکن صرف اسی صورت میں کہ حکومتیں محسوس کریں کہ ہم عوام کے سامنے نہیں بلکہ خدا کے سامنے جواب دہ ہیں، ہماری ایک ایک حرکت کا ہم سے ایک دن سوال کیا جائے گا یہاں کے صوفے گدے حقیقی نہیں عارضی ہیں، ہمیں وہاں کے لئے صوفوں، گدیلوں کا انتظام کرنا چاہئے ـــ اگر آج بھی لوگ اپنی آنکھوں سے تعصب کی پٹی اتار کر اسلام کی تعلیمات کا مطالعہ کریں تو ان کا دل خود ہی کہے گا کہ یہی اصل نظام حیات ہے ـــ اور اسی سرچشمہ سے بڑھتی ہوئی پیاس بجھ سکتی ہے ـــ

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۶)

جب چوتھی کے نام بھی آپ نے وظیفہ مقرر کردیا تو عورت کا دل خوشی سے پھڑک اُٹھا اور بے اختیار بول اُٹھی۔

اللہ آپ کو اس کا بدلہ دے، آپ بہت نیک ہیں،

عورت نے یہ کہا اور آپ کا قلم رک گیا ـــ بولے اب بس!

عورت حیران و پریشان تھی کہ معاملہ کیا ہے، اُس نے ڈرتے ڈرتے کہا،

امیر المومنین پانچویں کے لئے ـــ؟

نہیں ـــ! آپ بولے ـــ پھر کہا، یہ میرا مال نہ تھا، میں تو اس کا محافظ ہوں جب تک تم اس کا شکر ادا کرتی رہیں جو اس کے شکریہ کے لائق ہے میں تقسیم کرتا رہا لیکن جب تم نے میرا شکریہ ادا کیا تو اب مجھے دینے کا کوئی حق نہیں ہے ـــ

تو پھر پانچویں ـــ؟ ۴

۴ ان چاروں سے کہنا کہ اپنے حصہ میں سے اُسے بھی حصہ دیں ـــ اتنا کہا اور اُٹھ کھڑے ہوئے ـــ لیکن وہ عورت بہت

دیکھا جاتا ہے۔ قرآن مجید نے حضرت ابراہیمؑ کو "حنیفا" کے لقب سے یاد کیا ہے اس لئے کہ انھوں نے اپنی قوم کے برے عقائد و اعمال کو چھوڑ کر خدائے واحد کی بندگی کو اپنا شعار بنا لیا تھا۔ چونکہ ورقہ بن نوفل نے بتوں کی عبادت میں اپنی قوم کے ساتھ شرکت سے انکار کر دیا تھا اس لئے ان کو بھی "حنیف" کا خطاب دیا گیا۔ اسی طرح سے مسلمانوں کو حنفا بعض اس لئے کہا گیا ہے کہ وہ تین سو ساٹھ بتوں کی پرستش سے بیزار ہو کر ایک معبود کی بندگی کرتے ہوئے ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے تھے۔

مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ۝	ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ غلط راہوں سے ہٹ کر صحیح راہ پہ چلنے والے تھے اور مشرکین میں سے ہرگز نہیں تھے۔

قرآن کریم میں ایسی آیتیں بکثرت ملتی ہیں جن سے حنفاء کے بتلائے ہوئے معنی کی تصدیق ہوتی ہے۔

بہر حال ورقہ بن نوفل ادیان سابقہ اور موجودہ ادیان کے متعلق بہت ہی وسیع معلومات رکھتے تھے اور اپنی بصیرت و فراست کی بنا پر گزرے ہوئے واقعات سے موجودہ حالات کی صحیح تطبیق دے کر مستقبل کے متعلق نتائج اخذ کرتے تھے۔ وہ اپنی عمر طبعی کو پہونچ چکے تھے اس کے باوجود ان کی دلی تمنا تھی کہ کاش کچھ دن اور دنیا میں رہ جاتے تاکہ جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم تبلیغ دین کا بیڑہ لے کر اٹھتے تو وہ ان کی پیروی کرتے اور ان کے اس اہم کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے ابھی ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی تھی کہ زندگی نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا اور وہ موت کی ابدی نیند سو گئے، اللہ ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔

صرف تین ماہ میں عربی سیکھ لیجئے

ان صفحات میں ادارہ تعلیمات اسلام لکھنؤ کے سہ ماہی عربی کورس کا بارہا ذکر ہو چکا ہے۔ پچھلے برسوں میں کئی حضرات تین ماہ تک لکھنؤ میں مقیم رہ کر اتنی عربی سیکھ چکے ہیں کہ قرآن شریف کو بہت آسانی سے سمجھنے لگے، حدیث شریف کا مطالعہ کرنے لگے اور تاریخ اسلام کی معمولی کتابوں کو دیکھنے لگے ــــ اسی طرز پر جامعہ ملیہ میں بھی کام کیا جا رہا ہے اور وہاں مقیم ہو کر سہ ماہی عربی تعلیم کا انتظام ہو گیا ہے، جو حضرات اپنے اوقات میں سے صرف تین مہینے کا وقت دے سکیں انھیں اس طرف ضرور توجہ کرنی چاہئے کیونکہ عربی جانے بغیر دین کو سمجھنا ممکن ہی نہیں ہے، جو لوگ پڑھنا چاہیں وہ "ناظم دینیات جامعہ ملیہ، نئی دہلی" سے خط و کتابت کر لیں، قیام و طعام کا انتظام تقریباً بتیس روپیہ ماہوار میں ہو جائے گا۔

(بقیہ مضمون صفحہ (۶))

اس زمانہ میں مسلمانوں کا دار السلطنت دمشق تھا، یہ شہر چین کے پایۂ تخت سے ہزاروں میل دور تھا، شاہ چین کے پاس جب مسلمان سفیر پہونچے تو اس نے انھیں دھمکاتے ہوئے کہا کہ تم اپنے ملک سے اس قدر فاصلہ پر ہو اور تمھاری مقدار اس قدر کم ہے کہ اگر ہم لوگ ایک ایک مٹھی خاک بھی تمھارے اوپر ڈال دیں تو تم اس کے اندر دفن ہو کر رہ جاؤ گے، ان خوفناک اور دہشت انگیز الفاظ کو سن کر مسلمان سفیر ذرا بھی نہ گھبرائے بلکہ پوری بے خوفی کے ساتھ انھوں نے بادشاہ چین کو جواب دیا کہ آپ اس قوم کو ہرگز فنا نہیں کر سکتے ــ جو یہاں سے ہزاروں میل تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس ہمت آفریں جواب نے شہنشاہ چین کو ایسا لرزہ براندام کر دیا کہ جب مسلمان سپہ سالار قتیبہ بن مسلم نے برافروختہ ہو کر

★ اشکر مشتاق رحیم آبادی ندوی

فکر و فن

•

نومیدی و مایوسی شیوہ نہیں مردوں کا
اک نعرۂ رندانہ، اک جست سوئے منزل

مستور ہے روح میں، مہر و مہ و انجم کو
آئینہ دکھاتا ہے ہر ذرۂ خاک دل

معلوم نشاں اُس کا معلوم مآل اس کا
آتی ہی نہ ہو جس کو تفریق حق و باطل

ہر ڈوبنے والا ہی خود ڈوب گیا ورنہ
ہر ڈوبنے والے کو دکھلا یا گیا ساحل

کافر کا دل رنگیں، تاریک بھی ویراں بھی
مومن کا دل سادہ رونق دہِ صد محفل

قطعہ

اے محض فسانہ گو اجداد کی عظمت کے
تعمیر کی دنیا میں یہ فعل ہے لاحاصل

یا ہمتِ مردانہ، یا موت کی خاموشی
ماضی کے فسانوں سے بنتا نہیں مستقبل

•

★ وارث القادری

مسلم امروز سے
آج

•

کفر کی پھونکوں سے لرزاں مشعلِ ایماں ہے آج
مسلمِ امروز! تجھ پر دینِ حق گریاں ہے آج

مائلِ بغض و عداوت، کشتۂ حرص و ہوا
اہرمن کے زیرِ سایہ بندۂ یزداں ہے آج

افترا و ظلم و کینہ تیرے جزلے حیات
اتحادِ باہمی کا ختم ہر ساماں ہے آج

قوتِ نمرود بھی جس کو نہ جنبش دے سکی
آہ بے بنیاد سا وہ قلعۂ ایماں ہے آج

کھول آنکھیں ہوش میں آ سونے والے جاگ اب
اُٹھ برسنے والی ہے قہرِ خدا کی آگ اب

★ مولانا محمد علی جوہر مرحوم

ناگزیر!

نہیں پالا پڑا قاتل تجھے ہم سخت جانوں سے ذرا ہم بھی تو دیکھیں تیری جلادی کہاں تک ہے
تجھے ہے قوتِ بازو پہ غرّہ، صبر پر ہم کو لگا دے زور تو سارا، تری طاقت کہاں تک ہے
تکبر نے سکھایا ہے تغافل گر تجھے ظالم تو اپنی بھی پہونچ سُن لے مکینِ لامکاں تک ہے

ابھی کیا ہے، ابھی اے دل ہزاروں امتحاں ہونگے
ابھی تک ادعائے ضبطِ غم، تیرا زباں تک ہے

★ علامہ اقبالؒ ★

ہے یاد مجھے نکتۂ سلمان خوش آہنگ
دنیا نہیں مردانِ جفاکش کیلئے تنگ!
چیتے کا جگر چاہیے شاہیں کا تجسّس
جی سکتے ہیں بے روشنیٔ دانش و فرہنگ!
کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ!

★ خواجہ عزیز الحسن مجذوب ★

عزیز آشنا سب سے بیزار ہو کر
چلا ہوں میں کس کا طلب گار ہو کر
کریں گے کرم جب وہ دیکھیں گے عاجز
مرا کام نکلے گا دشوار ہو کر
پہونچتے ہیں سب عشق میں تا بہ ساحل
کوئی ڈوب کر اور کوئی پار ہو کر
بڑے چین میں تھا میں جب بے خبر تھا
پڑا مشکلوں میں خبردار ہو کر
زباں سے اب انکار کیوں ہو رہا ہے
نگاہوں نگاہوں میں اقرار ہو کر

★ مشیر الحق مجوی آبادی

خلاف توقع

•

کوئی مجھے خلیفہ تک پہونچا دے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے مکان کے سامنے ایک عورت نے کہا ـــــ وہ بہت دور سے اپنے خلیفہ سے ملنے کے لئے آئی تھی، اس نے ان سے پہلے کے اموی خلفا کے حالات کو سن کر ان کے متعلق بھی بہت اونچے تصورات قائم کر رکھے تھے، اُسے بتایا گیا تھا کہ خلفاء کی زندگی عوام سے بالکل الگ ہوتی ہے، وہ عالیشان محلوں میں رہتے ہیں، ان کے دروازوں پر مسلح دربان رہتے ہیں، وہ وقت بے وقت لوگوں سے مل نہیں سکتے لیکن یہاں پہونچ کر اس کے خیالات کے محل کی بنیادیں ہلنے لگی تھیں، اس کے تصور کو اس وقت تو بہت زبردست دھچکا لگا جب اس سے یہ بتایا گیا کہ وہ سامنے خلیفہ کا محل رہا ـــــ

اس نے پھٹی پھٹی نظروں سے خلیفہ کے محل کو دیکھا ـــــ یہ کیا ؟ یہی خلیفہ کا عشرت کدہ ہے ؟ ایسا کیا اس سے اچھے اچھے مکانات اس نے شہر میں بہت سے دیکھے تھے ـــــ

دربان اندر جانے سے تو نہ روکیں گے ؟ اس نے کھوئے کھوئے انداز میں پوچھا ـــــ

یہاں کہاں دربان اگر تم اندر جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ ـــــ لوگوں نے اس طرح سے جواب دیا جیسے وہ اس کی لاعلمی پر تعجب کر رہے ہوں ـــــ

اور پیچ عراق سے آنے والی وہ عورت لاعلم تھی، اُسے کیا معلوم تھا کہ ان خلفاء کا زمانہ گزر گیا جو عوام کی دولت پر سانپ بن کر بیٹھ جاتے تھے، جن کے محلوں میں غریبوں کا سایہ بھی نہیں پہونچ سکتا تھا، جن کی اونچی اونچی دیواروں سے مظلوموں کی آہیں ٹکرا ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں ـــــ اُسے کیا معلوم تھا کہ نئے خلیفہ اپنے ہم نام خلیفہ عمر بن الخطاب کے نقش قدم پر چل رہے ہیں، جو آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے جو بیت المال سے جائز طریقہ پر بھی وجہ کفاف سے زیادہ لینا حرام سمجھتے تھے، جو فاقے کر سکتے تھے، پھٹے پرانے پہن سکتے تھے، پیدل چل سکتے تھے لیکن عوام کے خزانہ کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے ـــــ

اور وہ لاعلم دبے قدموں مکان کے اندر داخل ہوئی تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اگرچہ شروع ہی سے سب باتیں اس کی توقعات کے خلاف ہو رہی تھیں لیکن یہاں کے نقشہ نے تو اس کو متحیر کر دیا ـــــ معمولی سا گھر، شاید اس عورت کا گھر بھی اتنا ہی "شاندار" رہا ہو ـــــ ہر طرف ویرانی برس رہی تھی، اس نے چاروں طرف نگاہ دوڑائی لیکن کسی طرف سے بھی وہ شاہی محل نہ معلوم ہوا ـــــ سامنے ہی خلیفہ کی بیوی فاطمہ بیٹھی سوت کات رہی تھیں ـــــ وہ حیران و پریشان تھی اور وہ اس کی حرکات کا بغور مطالعہ کر رہی تھیں ـــــ آخر عورت سے نہ رہا گیا، کب تک برداشت کرتی، جذبات کو روکتے روکتے اس کا دل پھٹا جا رہا تھا، وہ بول اُٹھی ـــــ

ہائے ری قسمت، میں کہاں چلی آئی ـــــ بھلا یہ اجڑا گھر میرے گھر کو کیا بسا سکے گا ـــــ ؟

فاطمہ مسکرائیں اور بولیں۔

بہن بیٹھو ـــــ ! یہ گھر اجڑے گھروں" کے

وہ مزدور نہیں مسلمانوں کے خلیفہ امیر المومنین ہیں، عورت سر پکڑے بیٹھی رہی، اور وہ نظریں جھکا کے کمرہ میں چلے گئے

بسانے ہی میں اجڑا ہے۔

اس نے آنے کی لاج رکھی اور چپ چاپ حضرت فاطمہ کے پاس آکر بیٹھ گئی، تھوڑی دیر تک خاموشی رہی اور پھر باتیں ہونے لگیں، ہر قسم کی باتیں، ملک و قوم کی، موسم کی، حالات کی ——

یہاں پہونچ کر اس عورت کو بہت سی نئی نئی باتیں معلوم ہوئیں، اس نے اب تک یہ نہیں سنا تھا کہ ایک مرتبہ حضرت عمر بن عبد العزیز نے خلافت سے پہلے اپنے ایک مصاحب کو ریشمی پھول دار چادر خریدنے کا حکم دیا وہ تلاش بسیار کے بعد ۸۰۰ درم کی بہت ہی عمدہ چادر خرید کر لایا، آپ نے اُسے دیکھا تو فرمایا کتنی کھٹ چادر لائے ہو —— اور وہی عمر جب خلیفہ ہوئے تو پھر انھوں نے اسی شخص سے چادر کی فرمائش کی وہ ایک چادر لایا تو آپ نے اس پر ہاتھ رکھ کر کہا کتنی ملائم چادر ہے —— حالانکہ وہ صرف آٹھ درم کی تھی ——

اس عورت نے ایسی ایسی باتیں سنیں جن پر اُسے یقین نہ آتا تھا اُسے معلوم ہوا کہ خلیفہ سب کام اپنے ہاتھوں سے کرتے ہیں، مسلمانوں کے مال کو اپنے لئے حرام سمجھتے ہیں —— غرضیکہ باتیں ہوتی رہیں وقت کٹتا رہا اور خلیفہ نہ آئے۔

تھوڑی دیر بعد ایک آدمی آیا، صحن میں کنواں تھا وہ پانی نکال کر مٹی بھگونے لگا، مزدور کی طرح وہ اپنے کام میں مصروف ضرور تھا لیکن تھوڑی تھوڑی دیر بعد آنکھ بچا کر حضرت فاطمہ کو دیکھ لیتا تھا —— عورت نے اس کی دزدیدہ نگاہی پکڑ لی اور حضرت فاطمہ سے بولی،

آپ سامنے سے ہٹ جائیے۔

کیوں ——؟ انھوں نے بہت ہی تعجب سے پوچھا،

عورت نے جواب دیا۔

یہ مزدور آپ کو کنکھیوں سے برابر دیکھ رہا ہے، مجھے یہ آدمی اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

حضرت فاطمہ مسکرائیں اور بولیں۔

وہ مزدور نہیں، مسلمانوں کے خلیفہ امیر المومنین ہیں

خلیفہ ——! عورت کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا، وہ اس جادو کے گھر میں آکر تو عجیب مصیبت میں پھنس گئی تھی، اُسے اپنی بیداری پر شبہہ ہو رہا تھا —— لیکن وہ سچ مچ خلیفہ تھے، لاکھوں مسلمانوں کے لیڈر —— عمر بن عبد العزیز!!

عورت سر پکڑے بیٹھی رہی اور وہ نظریں جھکائے اپنے کمرہ میں چلے گئے، تھوڑی دیر بعد نماز پڑھ کر باہر آئے تو حضرت فاطمہ سے عورت کے بارے میں پوچھا، انھوں نے کہا —— دکھیا ہے امداد کے لئے آئی ہے ——

یہ سن کر حضرت عمر وہیں بیٹھ گئے، پیالہ میں انگور تھے اس میں سے اچھے اچھے انگور چھانٹ کر عورت کے سامنے رکھنے لگے —— اس کے بعد اس کی طرف متوجہ ہوئے اور بولے۔

اب بتاؤ کس مقصد سے آئی ہو۔

اس نے کہا امیر المومنین میرے پانچ لڑکیاں ہیں لیکن سب کی سب بے ہنگم بے شعور ہیں —— انھیں کے واسطے آپ سے مدد مانگنے آئی ہوں ——

بے ہنگم، بے شعور!! امیر المومنین اسے بار بار دہراتے رہے —— پھر کاغذ قلم لے کر حاکم عراق کے نام خط لکھا اور بولے، بڑی لڑکی کا نام کیا ہے؟

اُس نے نام بتایا تو آپ نے اُس کے نام وظیفہ مقرر کر دیا۔

الحمد للہ! عورت کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

پھر دوسری کا نام بتایا تو آپ نے اس کے لئے بھی وظیفہ مقرر کیا۔

وہ پھر بولی، خدا کا شکر ہے۔

آپ نے تیسری کا نام پوچھا اور اس کے واسطے بھی وظیفہ مقرر کیا۔

خدا کا ہزار ہزار شکر ہے وہ پھر بول اُٹھی۔

(باقی ص ۲۶)

خشتِ اوّل

اس عنوان کے ماتحت ہر ماہ آپ کے ان مختصر سوالات کے جوابات دیے جائیں گے جو روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں، اور عام پڑھنے والوں کے لئے مفید ہوں گے — ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑیے اور خریداری نمبر کا حوالہ دیجئے۔ (ادارہ)

عبد الحق ——— مرادآباد

س۔ میں بنک میں روپیہ جمع کرتا ہوں اس طرح میزان ہمیشہ گھٹتی بڑھتی رہتی ہے، ختم سال پر تمام روپیوں پر سال نہیں پورا ہوتا ہے — زکوٰۃ کس طرح دوں؟ کیا ہر میزان پر سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ دی جائے گی۔

ج۔ جی نہیں، اس میں آسان صورت یہ ہے کہ آپ سال میں ایک تاریخ مقرر کرلیں، اس تاریخ کو جو آخری میزان ہو اس کی زکوٰۃ نکال دیں — خواہ اس پر سال گزرا ہو یا نہ ہو۔

احمد علی ——— اجمیر

س۔ محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے یا جامع مسجد میں؟

ج۔ محلہ کی مسجد میں نماز پڑھنا افضل ہے — اگر محلہ کی مسجد میں نماز نہ ہوئی تو تنہا جاکر اذان و اقامت کہہ کر نماز پڑھنا جامع مسجد کی جماعت سے افضل ہے حتیٰ کہ اگر محلہ کی مسجد میں ایک دو رکعت فوت ہوچکی ہو اور دوسری جگہ پوری نماز ملنے کی امید ہو تب بھی محلہ ہی کی مسجد میں نماز پڑھنی چاہئے۔

س۔ محلہ کی مسجد کے امام کے متعلق یقینی طور پر معلوم ہو کہ خراب آدمی ہے اس صورت میں اسی مسجد میں نماز پڑھنی چاہئے یا دوسری مسجد میں جاسکتا ہے؟

ج۔ اگر امام کو معزول کرنے کی قدرت نہیں ہے تو دوسری مسجد میں جاکر نماز پڑھ سکتا ہے۔

خاتون ——— جھوسہر

س۔ اگر کسی عورت کا باپ بہت سخت مریض ہو، اس کا کوئی تیماردار بھی نہ ہو تو اس کی لڑکی شوہر کی بغیر اجازت جاسکتی ہے یا نہیں؟

ج۔ جاسکتی ہے۔

س۔ اگر شوہر کے منع کرنے کے باوجود چلی جائے تو گنہگار ہوگی یا نہیں؟

ج۔ نہیں ہوگی۔

نثار احمد ——— جون پور

س۔ رضاعت کے مسئلہ کی موٹی موٹی باتیں بتا دیجئے۔

ج۔ ڈھائی برس کی عمر کے اندر اگر کسی بچے نے اپنی ماں کے علاوہ کسی کا دودھ پیا تو وہ عورت اسکی ماں ہوجائے گی اور اس کا شوہر لڑکے کا باپ ہوگا شادی بیاہ کے وقت اس عورت اور مرد کے محارم کا اسی طرح خیال رکھا جائے گا جس طرح اپنے محارم کا خیال رکھنا پڑتا ہے — لیکن اگر کسی ایسی عورت کا دودھ پیا جس کے شوہر سے اس کی کوئی اولاد نہیں ہے تو وہ شوہر اس لڑکے کا باپ نہ ہوگا اور اس کی دوسری بیوی کی اولاد بھی اس کے لئے حرام نہ ہوں گی۔

عبد الحی خان ——— گورکھپور

س۔ کیا سفر میں قصر کرنا ضروری ہے — اس مسئلہ کو تفصیل سے سمجھائیے۔

ج۔ جی ہاں مسافر پر قصر واجب ہے، یعنی چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھے گا لیکن دو رکعت یا تین رکعت والی نماز پوری پڑھے گا، اگر کسی مسافر نے قصداً چار رکعت پڑھی اور دوسری پر اگر قعدہ کیا تھا تو دو رکعت سے فرضیت ادا ہوگئی اور پچھلی دو رکعتیں نفل ہوگئیں۔ اس طرح سے نماز ہو گئی، لیکن

گنہگار ہوا۔ اور اگر دو رکعت پر بیٹھا نہیں تھا تو فرض ادا نہیں ہوا پوری کی پوری نماز نفل ہو گئی۔

س۔ سفر اگر بُرے کام کی نیت سے کیا جائے تو بھی اُسے قصر کی رعایت مل سکتی ہے۔

ج۔ جی ہاں۔

عبدالرحمٰن ———— غازی پور

س۔ اب تک ہمارے یہاں جمعہ کی دوسری اذان آہستہ آہستہ کہی جاتی تھی لیکن کچھ دنوں سے ہمارے محلہ میں ایک مولوی صاحب آئے ہیں جو کہتے ہیں کہ دوسری اذان کو بھی بلند آواز سے کہا جائے ——— آپ بتلائیے کون طریقہ درست ہے؟

ج۔ دوسری اذان بلند آواز سے کہی جا سکتی ہے۔ اور یہی بہتر ہے واللہ اعلم بالصواب۔

س۔ کیا یہ ضروری ہے کہ جو شخص جمعہ کا خطبہ پڑھے وہی نماز بھی پڑھائے۔

ج۔ یہ کچھ ضروری نہیں ہے لیکن بہتر طریقہ یہی ہے۔

محمد خالد ———— الہ آباد

س۔ ایک چھوٹی لڑکی کے دو سگے بھائی ہیں، ان دونوں نے اس کا نکاح الگ الگ دو شخصوں سے کر دیا ہے ——— دونوں کہتے ہیں میں اس کا ولی ہوں ——— مجھے اس کے نکاح کا حق ہے، اس کا فیصلہ کس طرح ہوگا۔

ج۔ اس کا اچھی طرح پتہ لگائیے کہ ان دونوں میں کس نے پہلے نکاح کیا، جس نے پہلے نکاح کیا اُس کا نکاح مانا جائے گا لیکن اگر دونوں نے ایک ساتھ پڑھایا یا پتہ نہیں چلتا کہ پہلے کس نے پڑھایا تو دونوں نکاح باطل ہیں، اس کا نکاح نہیں ہوا۔

احمد اللہ عثمانی ———— غازی آباد

س۔ ایک شخص بھری مجلسوں میں ایسی باتیں کرتا ہے جس سے کفر کے معنی نکلتے ہیں اور نہیں بھی نکلتے ہیں تو کیا وہ کافر ہو جائے گا۔

ج۔ جب تک وہ اس بات کا اقرار نہ کرے کہ میرا مطلب اس بات سے کفر کے معنی ہیں اس وقت تک اس کی بات کی تاویل اچھے معنوں سے کی جائے گی، لیکن اس کو اس حرکت سے منع کرنا چاہیئے۔

س۔ ایک شخص کہنا کچھ چاہتا تھا لیکن غلطی سے کفریہ جملہ منہ سے نکل گیا تو کیا وہ کافر ہو گیا۔

ج۔ جی نہیں ——— لیکن اُسے توبہ کر لینا چاہیئے۔

عبدالرحیم انصاری ———— فتحپور

س۔ ہم لوگ اپنی بکریاں وغیرہ چرواہوں کو اس شرط پر دیدیتے ہیں کہ وہ ان کی نگہداشت کریں انھیں کھلائیں پلائیں جب ان کے بچہ ہوگا تو نصف نصف بانٹ لیں گے ——— کیا یہ درست ہے؟

ج۔ جی نہیں، یہ شرکت فاسد ہے، جانوروں کے بچے جانوروں کے اصلی مالک کے ہوں گے چرواہوں کو صرف اپنی محنت کے بقدر اجرت ملے گی ——— لیکن اگر اجرت کا حساب کر کے کوئی بچہ اُسے اجرت میں دیدیا جائے تو یہ جائز ہے۔

فہیم الحق فاروقی ———— گورکھپور

س۔ بہت سی عورتیں ایسی ہیں جو مالدار ہیں لیکن ان کے محرم کوئی نہیں ہے جن کے ساتھ وہ حج کر سکیں ——— تو کیا حج بدل کرا دینے سے ان کا فرض ادا ہو جائے گا؟

ج۔ اگر وہ اتنی دولت مند ہیں کہ ہوائی جہاز سے سفر کر سکتی ہیں تو ان پر خود حج فرض ہے، کیونکہ تین دن و رات کا سفر عورت تنہا کر سکتی ہے اور ہوائی جہاز اس سے کم وقت میں پہنچ جاتا ہے، لیکن اگر وہ اتنی دولت مند نہیں ہیں تو ایسی صورت میں اُن پر حج بھی فرض نہیں ہے۔

★عبد الغفار ندوی

انمول موتی

عید الاضحیٰ:

عَنْ عَائِشَةَ أَنَّ أَبَا بَكْرٍ الصِّدِّيقَ يَوْمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِي أَيَّامِ مِنًى تُغَنِّيَانِ وَتَضْرِبَانِ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسَجًّى بِثَوْبِهِ فَانْتَهَرَهُمَا أَبُو بَكْرٍ فَكَشَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيدٍ وَقَالَتْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ وَأَنَا أَنْظُرُ إِلَى الْحَبَشَةِ وَهُمْ يَلْعَبُونَ وَأَنَا جَارِيَةٌ فَاقْدِرُوا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْعَرِبَةِ الْحَدِيثَةِ السِّنِّ۔

(مسلم)

حضرت عروہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قربانی کے ایام میں حضرت عائشہ کے پاس انصار کی دو لڑکیاں (بیٹھی) دف بجا کر (جنگ بُعاث کے نغمے گانے) گا رہی تھیں — لیکن یہ شریف لڑکیاں تھیں پیشہ ور گانے والیاں نہ تھیں — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک چادر اوڑھے ہوئے (وہیں قریب ہی لیٹے تھے) اسی حالت میں حضرت ابوبکرؓ آ گئے اور حضرت عائشہ پر برہم ہوئے — یہ شیطانی مشغلہ رسول اللہ کے گھر میں اور عید کے دن؟ — رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے روئے مبارک سے چادر ہٹا کر فرمایا کہ ابوبکر ان کو چھوڑ دو (ہر قوم کی خوشی کے دن ہوتے ہیں) اور یہ ہماری خوشی کے دن ہیں — مگر حضرت عائشہ نے اشارہ کر دیا اور وہ لڑکیاں آہستہ سے کھسک گئیں — حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عروہ سے یہ بھی فرمایا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم مجھے اپنی چادر کی آڑ میں لے کر حبشیوں کا کھیل دکھا رہے تھے — یہ لوگ مسجد نبوی میں عید ہی کے ایام میں جنگی کرتب دکھا رہے تھے! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم دکھانے سے اس وقت تک نہیں اکتائے، جب تک میں خود نہ تھک گئی — میرے شوق کا اندازہ کھیل کی دلدادہ نوعمر لڑکیوں کے شوق سے لگا سکتے ہو میں اس وقت بالکل نوعمر تھی۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْعِيدِ فَبَدَأَ بِالصَّلَاةِ قَبْلَ الْخُطْبَةِ بِغَيْرِ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عید کی نماز پڑھی، آپ نے خطبہ سے پہلے بلا اذان و اقامت

أَذَانٍ وَلَا إِقَامَةٍ ثُمَّ قَامَ مُتَوَكِّئًا عَلَى بِلَالٍ فَأَمَرَ بِتَقْوَى اللهِ وَحَثَّ عَلَى طَاعَتِهِ وَوَعَظَ النَّاسَ وَذَكَّرَهُمْ ثُمَّ مَضَى حَتَّى أَتَى النِّسَاءَ فَوَعَظَهُنَّ فَقَالَ تَصَدَّقْنَ فَإِنَّ أَكْثَرَكُنَّ حَطَبُ جَهَنَّمَ فَقَامَتْ اِمْرَأَةٌ مِنْ سِطَةِ النِّسَاءِ سَفْعَاءُ الْخَدَّيْنِ فَقَالَتْ لِمَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ لِأَنَّكُنَّ تُكْثِرْنَ الشَّكَاةَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيرَ فَجَعَلْنَ يَتَصَدَّقْنَ مِنْ حُلِيِّهِنَّ يُلْقِينَ فِي ثَوْبِ بِلَالٍ مِنْ أَقْرِطَتِهِنَّ وَخَوَاتِيمِهِنَّ

(مسلم)

نماز پڑھائی اس کے بعد بلال کے اوپر ہاتھ ٹیک کر کھڑے ہو گئے، تقوے کا حکم دیا اور اللہ کی اطاعت پر ابھارا پھر لوگوں سے وعظ ونصیحت کی بہت سی باتیں فرمائیں ـــــ پھر آگے چلے اور عورتوں کے مجمع میں آئے، انھیں بھی نصیحت فرمائی خاص طور پر کہا کہ صدقہ کرو، صدقہ کرو، کیونکہ تم میں سے اکثر عورتیں جہنم کا ایندھن ہوں گی (یہ آپ نے بسبیل تخویف ذکر کیا دین، تہذیب وسیاست اور اخلاق ومعاشرت میں جو شخص بھی دین کے خلاف کوئی روش اختیار کرے گا جہنم کی سزا کا مستحق ہوگا) ایک سیاہ روبدوی عورت ہمت کر کے اٹھی اور کہا یا رسول اللہ یہ کیوں؟ آپ نے فرمایا کہ تم گلے شکوے بہت زیادہ کرتی ہو اور شوہر یا دوسرے اعزہ کے حسن سلوک اور احسانات کی نا قدری کرتی ہو ـــــ ان سے ذرا سی کوئی بات مزاج کے خلاف اور مرضی کے ناموافق دیکھتی ہو تو ایسی بات کہہ دیتی ہو جو پچھلے تمام احسانات پر پانی پھیر دے ـــــ عورتوں نے آپ کا ارشاد گرامی سنتے ہی اپنے زیورات کا صدقہ کرنا شروع کیا، حضرت بلال کے کپڑے میں اپنی بالیاں، انگوٹھیاں اور پازیب وغیرہ ڈالنے لگیں ـــــ تمام چیزیں جمع کر کے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فوراً ہی حاجت مندوں پر تقسیم کر دیں ـــــ

أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ سَأَلَ أَبَا وَاقِدٍ اللَّيْثِيَّ مَا كَانَ يَقْرَءُ بِهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْأَضْحَى وَالْفِطْرِ فَقَالَ كَانَ يَقْرَءُ فِيهِمَا بِقٓ وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ وَاقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ـــــ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو واقد لیثی سے دریافت کیا کہ عید الاضحٰے اور عید الفطر کے دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کیا پڑھا کرتے تھے؟ ـــ انھوں نے فرمایا آپ ق والقرآن المجید اور اقتربت الساعۃ وانشق القمر پڑھا کرتے تھے ـــــ

عَنْ عُمَرَ أَنَّهُ صَلَّى الْعِيدَ يَوْمَ الْأَضْحَى قَبْلَ الْخُطْبَةِ ثُمَّ خَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ رَسُولَ اللهِ قَدْ نَهَاكُمْ عَنْ صِيَامِ هٰذَيْنِ الْعِيدَيْنِ أَمَّا أَحَدُهُمَا فَيَوْمُ فِطْرِكُمْ مِنْ صِيَامِكُمْ وَأَمَّا الْآخَرُ فَيَوْمٌ تَأْكُلُونَ مِنْ نُسُكِكُمْ ـ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عید الاضحٰے کے دن نماز پڑھائی پھر خطبہ دیا ـ اس خطبہ میں لوگوں سے یہ بھی کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے عید الفطر کے دن اور ان دنوں میں روزہ رکھنے کی ممانعت فرمائی ہے جب تم قربانی کے گوشت کھاتے ہو ـــــ

Regd. No. A-614

TAMEER

Lucknow.

وقت کی قدر کیجئے

❋

حسب ذیل کتابوں سے آپ بہت ہی تھوڑے وقت اور کم محنت میں زیادہ سے زیادہ عربی سمجھ سکتے ہیں ——— ❋

- ❋ عربی زبان کے دس سبق — چار آنے
- ❋ تفہیم الدروس حصہ اول — چار آنے
- ❋ تمرین الدروس تین حصے — ڈیڑھ روپئے
- ❋ قرآن مجید کی پہلی کتاب — سوا روپئے
- ❋ قرآن مجید کی دوسری کتاب — ڈیڑھ روپئے
- ❋ قرآن مجید کی تیسری کتاب — سوا دو روپئے
- ❋ القصص الصالحی — ایک روپیہ ڈیڑھ آنہ

—•❋•—

- ❋ قصص النبیین ۳ حصے — ۲ روپئے چھ آنے
- ❋ القراۃ الراشدہ ۳ حصے — ۳ روپئے دس آنے

❋

مکتبہ تعلیمات اسلام لکھنؤ

اچھی اچھی کتابیں

- ❋ رسول اکرم ۲-۳-
- ❋ حضرت عمر -۱-۱-
- ❋ " بلال -۴-
- ❋ " ابن عباس -۴-
- ❋ " ابوذر -۴-
- ❋ " ابوہریرہ -۵-
- ❋ " حمزہ -۴-
- ❋ " زید -۴-
- ❋ " جعفر -۳-
- ❋ " ابن الجراح -۴-
- ❋ " مصعب -۴-
- ❋ " زبیر -۵-
- ❋ " خوجہ قطب -۳-
- ❋ امام ربانی -۴-
- ❋ بی بی رابعہ -۳-
- ❋ جمال الدین -۲-
- ❋ حضرت ابوبکر -۱-۱-
- ❋ " خالد -۱-۱-
- ❋ " سلمان -۵-
- ❋ " طلحہ -۴-
- ❋ " ابن عمر -۵-
- ❋ " ابن مسعود -۶-
- ❋ " ابن عبادہ -۴-
- ❋ " اسامہ -۴-
- ❋ " ابن وقاص -۴-
- ❋ " ابوایوب -۳-
- ❋ " انس -۴-
- ❋ امام بخاری -۶-
- ❋ خواجہ نظام -۵-
- ❋ شاہ ولی اللہ -۹-۳-
- ❋ مولانا روم -۱-۳-
- ❋ نوک زبان -۶-

- ❋ اللہ کے رسول مع خلفائے راشدین، الگ الگ -۱۴-۱
- ❋ اچھی باتوں-بچوں کے لئے-چار حصے -۱-۱
- ❋ حسن معاشرت-عورتوں کے لئے -۱۲-
- ❋ دعائیں-سب کے لئے -۲-

طابع ناشر — احتشام علی رحیم آبادی ★ مطبوعہ یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ

ادارۂ تعلیماتِ اسلام کا ترجمان

تعمیر (پندرہ روزہ) لکھنؤ

۳۸۔ امین آباد پارک

ادارۂ تحریر

• سید ابوالحسن علی ندوی
• عبدالسلام قدوائی ندوی
• مشیر الحق بھری آبادی

یکم اکتوبر سنہ ۱۹۵۱ء
۲۸۔ ذی الحجہ سنہ ۱۳۷۰ھ

اس شمارہ میں

شرائطِ ایجنسی

(۱) کم از کم پانچ پرچوں پر ایجنسی دی جائے گی۔
(۲) قیمت پیشگی جمع کرانی ہوگی۔
(۳) پرچے واپس نہ لئے جائیں گے۔
(۴) ۲۰ پرچوں تک کمیشن ۲۵ فیصدی، ۴۰ تک ۳۰ فیصدی، ۸۰ تک ۳۳⅓ فیصدی، ۸۰ سے زیادہ پر ۴۰ فیصدی دیا جاتا ہے۔
(۵) سول ایجنٹ کو سو پرچے لینا ضروری ہیں۔
(۶) جہاں سول ایجنٹ ہونگے وہاں ایک سے زائد لوگوں کو ایجنسی دی جا سکتی ہے۔
(۷) پرچے بذریعہ رجسٹری بھیجے جاتے ہیں۔ [illegible] ایجنٹ صاحبان کے ذمہ ہوگی۔

تعمیر کی قیمت

ایک سال کے لئے	چھ روپے
چھ ماہ کے لئے	تین روپے
ایک پرچہ کے لئے	چار آنے

غیر ممالک کے لئے (علاوہ پاکستان)

سالانہ	آٹھ روپے
ششماہی	چار روپے
فی پرچہ	چھ آنے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد والہ واصحابہ اجمعین

مشعلِ راہ

ایک بادشاہ کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ایک جنگ میں شکست کھا گیا، میدان جنگ سے بھاگنے کے بعد وہ ایک درخت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا اُس نے ایک چیونٹی کو دیکھا جو سامنے والے درخت پر چڑھنے کی کوشش کر رہی تھی تھوڑی دور جا کر وہ نیچے گر جاتی اور پھر چڑھنے کی کوشش کرتی — بادشاہ اس تماشہ کو غور سے دیکھتا رہا — چیونٹی سات مرتبہ چڑھ چڑھ کر گری لیکن اس نے ہمت نہ چھوڑی آخرکار وہ درخت پر چڑھ گئی — اس وقت تک تو بادشاہ اُسے تماشہ سمجھ کر دیکھتا رہا لیکن جب چیونٹی اپنے ارادہ میں کامیاب ہوگئی تو اس کے ذہن میں یک بیک یہ سوال آ گیا کہ کیا میں دوبارہ کوشش کر کے اپنا ملک واپس نہیں لے سکتا — اور وہ ہمت کر کے کھڑا ہو گیا، چیونٹی کے سکھائے ہوئے سبق پر عمل کرنے کے لئے اس نے بھاگی ہوئی فوج اکٹھی کی اور دشمن کے مقابلہ میں چل پڑا ......

اس کے بعد کیا ہوا؟ اس سے ہمیں کوئی مطلب نہیں ممکن ہے وہ جیت گیا ہو، ہو سکتا ہے پھر ہار گیا ہو، لیکن اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ ارادہ میں ناکام ہونے کے بعد ہمت نہیں ہاری جاتی بلکہ مقصد کی خاطر پوری کوشش کی جاتی ہے .....

بادشاہ کے سامنے تو چیونٹی کی مثال تھی لیکن ہمارے سامنے تو اور بہت سی دوسری مثالیں ہیں جو ہمیں بتاتی ہیں کہ مقصد کی خاطر آخر دم تک میدان میں رکا جاتا ہے —

یہ پرچہ جس وقت آپ کے ہاتھوں میں ملے گا اُس وقت محرم کا مہینہ شروع ہو چکا ہو گا ہر طرف حضرت حسینؓ کی یاد میں آنسو بہائے جا رہے ہوں گے — ان کے ماتم میں کھیل تماشے ہو رہے ہوں گے لیکن درحقیقت کیا ان کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے؟

اگر غور کیجئے تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت ہمیں بتاتی ہے کہ انسان اپنی زندگی کا جو مقصد متعین کرلے اس پر آخر دم تک اسے اٹلے رہنا چاہئے — اس کی ہار جیت کا فیصلہ "میدان ہاتھ رہنے" سے نہیں ہوتا بلکہ اسکی استقامت سے کیا جاتا ہے، بہت سے لوگ بظاہر ہار کر بھی جیت جاتے ہیں — لیکن یہ اسی وقت ہوتا ہے جب وہ پیٹھ نہ دکھائیں۔

اس وقت ہندوستان میں مسلمانوں کو جن حالات سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں، ان حالات میں حضرت حسین کی زندگی اور شہادت دونوں ہمارے لئے مشعل راہ کا کام دے رہی ہیں۔ اگر ہم سوچیں تو ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ اس وقت ہم کس طرح ہاری ہوئی بازی کو پھر سے جیت سکتے ہیں —

اگر آج بھی ہم اپنے ذہن سے یہ بات نکال دیں کہ ہمیں شکست ہو چکی ہے تو ہم مستقبل میں ضرور کامیاب ہوں گے، شکست کا احساس کئے بغیر اگر ہم لوگوں کے سامنے اپنے طرز عمل، طریقہ کار اور رفتار و گفتار سے یہ ثابت کرتے رہیں کہ اصل نظام زندگی یہی ہے جو ہمارے پاس ہے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ دوسرے لوگ ہم سے متاثر نہ ہوں — آج سے پہلے بھی یہ ہو چکا ہے، بہتیری اقلیتوں نے اپنے بہترین نظام زندگی سے اکثریت کو اپنا تابع بنا لیا ہے لیکن اس کے لئے عزم کی ضرورت ہے، ارادہ کی ضرورت ہے، اور مرد کربلا کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے کی ضرورت ہے ..... اگر آج ہم اس طریقہ پر عمل کریں تو

★ عبد السلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

•

(۶۸)

الخیط الابیض اور الخیط الاسود کا ترجمہ سفید اور سیاہ دھاگا ہے، اس لفظ کو بعض لوگ حقیقت سمجھے اور مین کو سببی سمجھے اس طرح وہ سمجھے کہ اس وقت تک کھاتے پیتے رہو جب فجر کی وجہ سے سفید دھاگا سیاہ دھاگے سے نمایاں نہ ہو جائے۔ بخاری اور مسلم میں حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ لوگ جب روزہ رکھنے کا ارادہ کرتے تو رات کو اپنے پاؤں میں سیاہ اور سفید دھاگے باندھ لیتے تھے، اور جب تک یہ دونوں واضح طور پر نظر نہ آتے برابر کھاتے پیتے رہتے تھے، حضرت عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ کو بھی یہی غلط فہمی ہوئی، انھوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے اُن کی غلط فہمی دور کی اور فرمایا کہ اس سے مراد دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی ہے۔ یعنی جب رات ختم ہو اور سپیدۂ صبح نمودار ہو تو روزہ کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور جب تک پھر رات نہ شروع ہو جائے کھانا پینا ممنوع ہو جاتا ہے۔ مِن اس جگہ سببی نہیں بیانیہ ہے۔

رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف مسنون ہے سب مسلمان اگر اس سنت کو ادا کر سکیں تو کچھ نہ کچھ اشخاص کو ضرور کرنا چاہئے۔ فقہ کی اصطلاح میں ایسی سنت کو سنت کفایہ کہتے ہیں یعنی کچھ لوگوں کا کر لینا کافی ہے سب کے لئے کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ اگر پوری بستی میں کوئی شخص اعتکاف نہ کرے گا تو پھر سب ترک سنت کے گنہگار رہیں گے ـــ اعتکاف کی حالت میں شب و روز مسجد ہی میں قیام رہتا ہے، اگر قضائے حاجت کا انتظام مسجد کے احاطہ میں نہ ہو تو اس غرض سے باہر نکل سکتا ہے، اسی طرح اگر اس مسجد میں جمعہ نہ ہوتا ہو تو جمعہ کی شرکت کے لئے جامع مسجد جا سکتا ہے باقی برابر مسجد میں رہنا ہوتا ہے، اعتکاف کی حالت میں دنیاوی باتوں سے پرہیز کرنا چاہئے، اور خدا کی یاد میں مشغول رہنا چاہئے، اعتکاف کا مقصد یہ ہے کہ دنیا کے جھمیلوں اور گھر کے مشغلوں سے الگ ہو کر چند دن خدا کی یاد اور اپنے نفس کے احتساب میں زندگی بسر کی جائے، رمضان کا بڑا حصہ گزر چکتا ہے، بیس دن ہدایات ربانی کے مطابق روزہ رکھ کر نفس فرمانبرداری کا عادی ہو جاتا ہے اور طبیعت سلامت روی کی خوگر ہو جاتی ہے اس لئے آخری عشرہ میں احتساب نفس آسان ہوتا ہے، پچھلی زندگی پر غور کر کے غلطیوں سے اجتناب اور آئندہ صحیح راہ عمل اختیار کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی، جس طرح سارے سال کے اعمال کا احتساب رمضان میں ہوتا ہے اسی طرح اعتکاف کی حالت میں سارے رمضان کے اعمال کا جائزہ لے لیا جاتا ہے، اس طرح اعتکاف رمضان کا ایک خاص جزو ہے، یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور بزرگان دین کا برابر یہ معمول رہا اور آج تک اس سنت پر عمل کیا جاتا ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ:
اور اپنے مال آپس میں ناجائز طریقہ پر نہ کھاؤ

اور نہ انھیں حکام کے پاس اس لئے لے جاؤ کہ لوگوں کے مال کا ایک حصہ گناہ سے کھاؤ اس حال میں کہ تم جانتے ہو۔

تشریح

اس سے اوپر روزے کے سلسلہ میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ دن ختم ہونے کے بعد رات بھر کھانے پینے کی اجازت ہے اس موقع پر مناسب معلوم ہوا کہ یہ تصریح کر دی جائے کہ کھانا پینا جائز ہونا چاہیئے اور صرف روزے ہی نہیں بلکہ ہمیشہ یہی عمل ہونا چاہیئے، روزہ تو تھوڑے عرصہ کے لئے حکم الٰہی کے مطابق جائز چیزوں سے بھی اجتناب کی عادت ڈالتا ہے، جب ایک مسلمان کے اندر یہ قوت پیدا ہو جائے گی اور وہ حکم الٰہی کا اتنا پابند ہو جائے گا کہ جائز چیزوں کو بھی امر الٰہی کی تعمیل میں بے تکلف چھوڑ سکے گا تو پھر اس کے لئے یہ بہت آسان ہوگا کہ وہ ناجائز چیزوں کو ترک کر سکے روزہ کے ساتھ اس کی جانب خاص طور سے توجہ دلائی گئی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو اس پہلو کی طرف خاص طور سے توجہ دلائی ہے اور تاکید فرمائی کہ روزہ میں صرف کھانا پینا ترک نہ کیا جائے بلکہ آنکھ کو بُری نظر سے، دل کو بُرے خیال سے کان کو بُری بات سے، زبان کو بُرے الفاظ سے اور مُنھ کو بُری غذا سے، ہاتھ پیر کو بُرے حرکات سے محفوظ رکھا جائے ورنہ روزہ کا حقیقی مقصد حاصل نہ ہوگا۔

اللہ تعالے نے اسی پہلو کو واضح کرنے کے لئے کلوا واشربوا کے بعد اکل حرام کی ممانعت کر دی ہے تاکہ کلوا واشربوا کی عمومیت کے ساتھ ساتھ ذہن میں ناجائز چیزوں سے اجتناب کا خیال تازہ ہو جائے، اس موقع پر خاص طور سے مال کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ جو چیزیں حرام ہیں اُن کو کھانا پینا تو عموماً رائج نہیں ہے کوئی بھی کسی حرام غذا کو کھانا پسند نہیں کرتا لیکن ظاہری حرمت سے اجتناب کے ساتھ باطنی حرمت کے ارتکاب میں کافی لوگ مبتلا رہتے ہیں یوں کھلم کھلا کسی نجس چیز کو تو کوئی نہیں کھاتا ہے لیکن ناجائز طریقے سے حاصل کی ہوئی چیز کے استعمال میں اکثر لوگ کوئی تکلف نہیں کرتے اگر کسی پانی کے گلاس میں پیشاب کا ایک قطرہ بھی پڑ جائے تو اُس پانی کو کوئی بھی پینا پسند نہ کرے گا، اسی طرح اگر کسی کھانے میں کوئی نجاست پڑ جائے تو کوئی اُسے استعمال کرنا گوارا نہیں کرے گا لیکن ناجائز ذرائع سے حاصل کی ہوئی رقم سے کھانا تیار کرکے کھانے سے بہت کم لوگ اجتناب کرتے ہیں، اس بنا پر اس موقع پر اس ظاہری نجاست سے اجتناب کے بجائے معنوی حرمت سے اجتناب کی جانب توجہ دلائی گئی ہے اور ناجائز کمائی سے منع کیا گیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک اور پہلو کی جانب توجہ دلائی گئی ہے، ناجائز مال حاصل کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ حکام کو ذریعہ بنا کر دوسروں پر دباؤ ڈالا جاتا ہے اور انھیں مختلف ترکیبوں سے مجبور کرکے ان کا مال حاصل کیا جاتا ہے، یہ صورت حال ہر زمانہ میں بہت زیادہ رائج رہی ہے، اس بنا پر اس موقع پر خاص طور سے اس کا بھی ذکر کیا گیا تاکہ ناجائز رقوم کے حصول کے تمام طریقے ذہن میں آجائیں اور یہ واضح ہو جائے کہ کسی شخص کی مرضی کے بغیر اس کا مال لینا جائز نہیں ہے۔

★ مشیر الحق بحری آبادی

جہاد کیا ہے؟

آج ہند و پاکستان کے اخبارات میں "جہاد" موضوع سخن بنا ہوا ہے۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جہاد ہر اس لڑائی کا نام ہے جو "عبداللہ" اور "بھگوان داس" کے درمیان ہوتی ہے، اس مضمون میں بتایا گیا ہے کہ آخر جہاد کسے کہتے ہیں، کیا ہر "قومی جنگ" کا نام جہاد ہے؟

بُرا ہو تعصب اور دشمنی کا کہ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگوں نے اسلام کی اصلی روح کو مسخ کرکے اسے دنیا کے سامنے عجیب بھیانک شکل میں پیش کر دیا ہے، آج اگر کوئی شخص براہ راست اسلام کی تعلیمات سے واقفیت حاصل نہ کرے بلکہ معاندین اسلام کی "تشریحات" سے اسلام کو سمجھنا چاہے تو اُسے معلوم ہوگا کہ اسلام دنیا کا سب سے ظالم مذہب ہے، جس کا مطمح نظر دنیا کو تباہ کرنا یہاں کے رہنے والوں کی زندگی اجیرن کرنا اور انسانیت کو کچلنا ہے اسی قسم کی تشریحات کا شکار اسلام کا فلسفۂ جہاد بھی ہوا ہے — آج اخبارات میں ہر طرف سے جہاد، جہاد کی آوازیں آرہی ہیں، ہند و پاکستان کے تمام لوگوں کا تکیہ کلام جہاد بنا ہوا ہے — اور لوگ اس کا جو کچھ مطلب سمجھتے ہیں اس کو دیکھتے ہوئے ہم بجا طور سے کہہ سکتے ہیں کہ ؎

خرد کا نام جنوں رکھ لیا جنوں کا خرد　　جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

آج لوگ جہاد کا مطلب عام طور سے جنگ سمجھتے ہیں، ہر شخص کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ چکی ہے کہ غیر مسلموں سے جنگ کرنا ہی جہاد ہے اور اسلام نے ہمیں یہی سکھایا ہے، حالانکہ قرآن شریف نے صراحۃً یہ بات بتا دی ہے کہ جہاد اور جنگ (قتال) دو الگ چیزیں ہیں — سیرت کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اولیں مرتبہ جہاد کا ہے اس کے بعد قتال کا نمبر آتا ہے — جہاد کا مطلب کوشش ہے، چونکہ اسلام زندگی کا ایک جامع نظام پیش کرتا ہے اور رہن سہن کے تمام غلط طور طریقوں کو یکسر بدل دینا چاہتا ہے اس لئے لامحالہ اس سلسلہ میں کوشش کرنی پڑے گی غلط عقائد اور باطل نظریات کو مٹانے کے لئے مارنے سے پہلے مرنا پڑے گا، اپنی پوری زندگی اس کے سپرد کر دینی پڑے گی۔

اسلام چونکہ سراپا عمل ہے اس لئے اس کو پھیلانے اور رواج دینے کے لئے ہر طرف سے اور ہر قسم کی کوششیں کرنی پڑیں گی۔ اس راستے کے مسافر کو سب سے پہلے تو خود اپنے سے لڑنا پڑے گا، بہت سے دنیاوی لذائذ کو ترک کرنے کے لئے اپنے اوپر جبر کرنا پڑے گا، یہ کوشش خود اپنے ساتھ جہاد ہے، اس میں نہ تلوار اُٹھانی پڑتی ہے اور نہ نیزہ چلانا پڑتا ہے لیکن اس سے زیادہ مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے — جہاد کا اولیں مرتبہ یہی ہے۔ اس دریا کو پار کئے بغیر کوئی شخص اسلام کی عملی خدمت نہیں کر سکتا، تاریخ اسلام کا مطالعہ کیجئے، آپ کو ہر ہر جگہ یہ بات صاف نظر آئے گی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب اسلام قبول کرتے تھے تو سب سے پہلے اپنے نفس سے جہاد کرتے تھے اور اپنی خواہشات کو مغلوب کرتے تھے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ اسلام سے پہلے بہت عیش و آرام کی زندگی گزارتے تھے، دو دو سو روپیہ کا

... آخر ان کی والدہ نے اپنی محبت کا ناجائز فائدہ اُٹھانا چاہا اور بولیں جب تک تم اپنے دین پر نہ آؤ گے میں فاقہ کرتی رہوں گی ....
گویا باطل کے راستہ میں وہ پہلی بھوک ہڑتال تھی۔

لباس زیب تن کرتے تھے، عمدہ سے عمدہ جوتا پہنتے تھے وہ عطر لگاتے تھے جو صرف بادشاہ استعمال کرتے تھے اور جب کبھی باہر نکلتے تو آگے پیچھے غلاموں کی ایک فوج ہوتی تھی لیکن جب یکایک ان کے دل نے پلٹا کھایا اور انھوں نے اسلام قبول کیا تو انھوں نے محسوس کیا کہ اب مجھے اپنے نفس پر قابو حاصل کرنا چاہئے اگرچہ ان چیزوں کا استعمال منع نہ تھا لیکن یہ چیزیں اسلام کی سادگی کے خلاف تھیں، انھوں نے ان چیزوں کو ترک کر دیا۔ اسلام قبول کرنے کی وجہ سے انھیں لوگوں نے قید کر دیا انھوں نے اُسے بھی برداشت کیا، آخر مکہ کی زندگی میں جب سختیاں جھیلتے جھیلتے پریشان ہوگئے تو ہجرت کرکے حبشہ چلے گئے ــــ وہی مصعبؓ جو ناز و نعمت کی گود میں پلے تھے ایک مرتبہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس طرح حاضر ہوئے کہ جسم پر ایک کھال کا ٹکڑا تھا جس میں جابجا پیوند لگے ہوئے تھے ــــ

اسلام کی ابتدائی زندگی میں ہر جگہ قرآن شریف نے جہاد کا حکم دیا، لیکن اس جہاد کا مطلب یہی تھا کہ اسلام کے لئے کوشش کرو، اس کے لئے اپنی جان، مال، عزت آبرو سب کچھ قربان کردو ــــ سورۂ نساء میں ہے:ــ

لا یستوی القاعدون من المومنین غیر اولی الضرر والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم وانفسھم فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القاعدین درجۃ وکلا وعد اللہ الحسنیٰ وفضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرا عظیما ○

مسلمانوں میں سے وہ جن کو کوئی جسمانی معذوری نہ ہو اور پھر بیٹھے رہیں اور وہ جو خدا کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کررہے ہوں، برابر نہیں، اللہ نے اپنی جان و مال سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر درجہ کی فضیلت عطا کی ہے، اور ہر ایک سے خدا نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور جہاد کرنیوالوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے اجر کی فضیلت بخشی ہے۔

دیکھئے اس آیت میں مجاہدین کی فضیلت بیان کی گئی ہے لیکن ان کی صفت یہ نہیں بیان کی گئی ہے کہ وہ لڑتے ہیں، جہد کے مقابلہ میں قرآن شریف نے قعود (بیٹھنا) استعمال کیا ہے، یعنی وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں کوشش نہیں کرتے ہیں بلکہ اپنی سستی کی بنا پر بیٹھے رہتے ہیں، ان پر مجاہدین کو فضیلت ہے ــــ اس آیت میں مجاہدین کی صفت یہ بیان کی ہے کہ وہ اپنی جان اور مال و دولت سے اسلام کو سربلند کرنے کی کوشش کرتے ہیں ــــ افسوس ہے کہ قرآن نے تو اتنا وسیع لفظ استعمال فرمایا اور لوگوں نے اسے جنگ کے معنی میں محصور کردیا، اب عام طریقہ سے لوگوں کے ذہن میں یہ بات آنے لگی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کا مطلب اللہ کے راستہ میں قتل ہونا ہے ــــ حالانکہ جگہ جگہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جہاد کا مطلب صرف یہی نہیں ہے ــــ

حضرت سعد بن ہشام رضی اللہ عنہ ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بی بی کو طلاق دیدی اور مدینہ آیا تاکہ وہاں اپنی جائداد فروخت کرکے ہتھیار خریدوں اور جہاد کروں لیکن مجھے چند صحابہ ملے اور انھوں نے کہا ہم میں بھی چھ شخصوں نے یہی ارادہ کیا تھا لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے روک دیا ــــ ایک مرتبہ ایک صحابی یمن سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ کسی جنگ میں شریک ہوکر جہاد کا ثواب حاصل کریں آپ نے اُن سے دریافت فرمایا تمھارے ماں باپ ہیں انھوں نے کہا جی ہاں! آپ نے فرمایا تو تمھارا جہاد انھیں کی خدمت ہے ــــ ایک مرتبہ کچھ عورتیں آپ کی خدمت میں آکر عرض کرتی ہیں کہ یارسول اللہ ہم کو بھی غزوات کے جہاد میں شرکت کی اجازت دی جائے، ارشاد ہوتا ہے کہ تمھارا جہاد نیک حج ہے۔

دراصل اگر کوئی شخص اس بارے میں ذرا بھی غور کرے تو اُسے خود ہی یقین آجائے گا کہ جہاد کا مطلب جنگ نہیں ہے ــــ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ اسلام ایک مکمل [illegible]

جامع نظام ہے اس کے کچھ کو چھوڑ کر اور کچھ کو قبول کر کے کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا ــــ مسلمان وہ بھی نہیں ہے جو خود تو اسلام کی تمام ذمہ داریوں کو قبول کرے لیکن اُسے دوسروں تک پہونچانے سے گریز کرے ــــ اسلام کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جتنا ضروری اسلام کو قبول کرنا ہے اتنا ہی ضروری اُسے دوسروں تک پہونچانا ہے ــــ اسی پہونچانے کو آپ جہاد کہہ سکتے ہیں، اور اس پہونچانے کے راستہ میں ہر قسم کی مشکلیں پیش آ سکتی ہیں۔ جان کو بھی خطرہ پیش آ سکتا ہے، مال بھی بے دریغ خرچ کرنے کا وقت آ سکتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جنگ کی بھی نوبت آ سکتی ہے ــــ لیکن جنگ ہمیشہ آخری تدبیر ہو گی اور بدرجۂ مجبوری ــــ اسلام کو دوسروں کے سامنے پیش کرنے کا جو طریقہ قرآن نے بتایا ہے اس میں کہیں بھی جنگجویانہ ذہنیت کو دخل نہیں ہے، ارشاد خداوندی ہے ــــ

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن۔	آپ اپنے رب کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیے اور اچھے طریقہ سے بحث کیجئے۔

دیکھیے اس میں یہ نہیں کہا گیا کہ اگر وہ آپ کی بات کو نہ مانیں تو آپ ان پر تلوار لے کر پل پڑیے اور بیدریغ منکرین کی گردنیں اُڑا دیجئے بلکہ انھیں نرمی اور صلح سے اسلام کی دعوت پیش کیجئے، بحث کا گرما گرم موقع آ جائے تو اس وقت بھی صبر کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیے بلکہ نرمی اور شائستگی سے بحث کیجئے اور اگر اس کے بعد بھی لوگ اسلام قبول نہ کریں تو آپ کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے کیونکہ دین کے بارے میں جبر نہیں ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جب اسلام لائے اُس وقت مکہ میں مسلمانوں کی طاقت صفر کے برابر تھی، لوگ چپکے سے اسلام کی تبلیغ کرتے تھے اور اپنے اسلام کو چھپائے رہتے تھے لیکن جب ابوذر رضی اللہ عنہ اسلام لائے تو ان کے دل نے اس بات کو گوارا نہ کیا کہ حالت کفر میں تو بہادر بنے رہیں اور اسلام لاتے ہی اتنے بزدل بن جائیں کہ اُسے ظاہر نہ کر سکیں ــــ یہ سوچ کر انھوں نے مخالفین کے مجمع عام میں جا کر توحید کا اعلان کیا، یہ اعلان گویا پٹرول کو آگ دکھانا تھا، لوگ اُن پر ٹوٹ پڑے اور بہت ہی مارا ــــ کیا یہ جہاد نہ تھا؟ اُن مخالفین میں کتنے لوگ ایسے رہے ہوں گے جن کے دل و دماغ میں آپ کے اس اعلان اور صبر نے یہ سوال پیدا کر دیا ہو گا کہ ابوذر جس عقیدہ کا اظہار کر رہے ہیں وہ حقیقۃً صحیح عقیدہ ہے ورنہ وہ اپنے عقیدہ میں اتنے سخت نہ ہوتے، کیا ان کی یہ خاموش تبلیغ اور ساکت جہاد رنگ نہ لایا ہو گا۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ جو جہاد بالنفس کرتے تھے کیا اس نے ان کے دشمنوں پر اثر نہ چھوڑا ہو گا۔ دراصل اس جہاد کا مرتبہ تلوار کے جہاد سے بہت بڑا ہوتا ہے کیونکہ ایسے ہی لوگوں کی ثابت قدمی اور پامردی سے تحریکوں کی جڑیں مضبوط ہوتی ہیں اور لوگوں کے ذہن اس طرف کھنچتے ہیں ــــ

اس جہاد بالنفس کے بعد مال کا نمبر آتا ہے، یہ بالکل یقینی بات ہے کہ کوئی بھی تحریک بغیر مالی امداد کے نہیں چل سکتی ہر تحریک پر ایک ایسا وقت آتا ہے جب اُسے "خون" کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ روپیوں کی ضرورت ہوتی ہے ــــ

قرآن شریف میں تقریباً ہر جگہ جہاد بالنفس کے ساتھ جہاد بالمال کا ذکر ہے۔ کیونکہ یہ انسانی فطرت ہے کہ اگر کسی جماعت میں مال کی محبت پیدا ہو جاتی ہے تو وہ جماعتی حیثیت سے مردہ ہو جاتی ہے، اس جماعت کا ہر فرد اپنے نصب العین کو بھول کر صرف اپنی ذات اور اپنے مال کا محافظ بن جاتا ہے ــــ اسی لئے اللہ تعالےٰ نے ہر موقع پر لوگوں کی ذہنیتوں کو اس طرف جانے سے

رہتا ہے ــــ ارشاد ہوتا ہے ــــ

لن تنالوا البر حتٰی تنفقوا مما تحبون ہ	اپنی پسندیدہ چیزوں کو خرچ کئے بغیر تم لوگ نیکی حاصل ہی نہیں کر سکتے ۔

ایک جگہ تو بہت ہی صفائی سے زر پرست ذہنیت کے خلاف فرمایا ہے ــــ

قل ان کان اٰباؤکم وابناؤکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومسٰکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتٰی یاتی اللہ بامرہ ہ	آپ کہہ دیجئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم اللہ تعالٰے کے حکم کا انتظار کرو ۔

اسی کا یہ اثر تھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک اسلام کے مقابلہ میں ان میں سے کسی چیز کی کوئی اہمیت نہ تھی، حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کا واقعہ گزر چکا ہے کہ کس طرح انھوں نے اسلام کے لئے اپنے عیش و آرام کو ٹھوکر مار دی تھی ۔

جس وقت حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو ان کے گھر والوں نے ان کو اس سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی لیکن جب وہ ان کو اسلام سے پھیر نہ سکے تو ان کی والدہ نے اپنی محبت کا ناجائز فائدہ اٹھانا چاہا اور انھیں بلا کر بولیں، بیٹا جب تک تم پھر اپنے دین پر نہ آؤ گے میں فاقہ کرتی رہوں گی ، گویا باطل کے راستہ میں وہ (شاید) پہلی بھوک ہڑتال تھی ،

حضرت سعدؓ نے ان کے اس احتجاج کو بھی نظر انداز کر دیا لیکن ان کی ماں بھی بات کی پکی تھیں انھوں نے کھانا پینا بالکل چھوڑ دیا حالت نازک سے نازک تر ہونے لگی ــــ حضرت سعد کو یہ دیکھ دیکھ کر تکلیف ہوتی تھی لیکن ان کے اسلام کے قدم کسی وقت نہ ڈگمگاتے تھے ــــ آخر کار ماں کو شکست تسلیم کرنی پڑی ۔

جہاں مال و دولت خرچ کرنے کا وقت آجاتا تھا وہاں لوگ اس طرح خرچ کرتے تھے گویا زر و جواہر کے ڈھیر کنکریوں سے بھی ارزاں ہیں، صحابہ کرام اس سلسلہ میں کوشش کرتے تھے کہ دوسرے لوگ ان سے خرچ کرنے میں آگے نہ بڑھ جاویں، غزوۂ تبوک کے موقع پر جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے چندہ کی اپیل کی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فوراً کہا میں ساز و سامان کے ساتھ سو اونٹ دیتا ہوں ــــ آپ نے پھر لوگوں کو ابھارا حضرت عثمان رضؓ نے پھر پیشکش کی کہ میری طرف سے ساز و سامان کے ساتھ سو اونٹ اور لکھ لئے جائیں ــــ آپ نے پھر فرمایا انھوں نے پھر سو اونٹ مع سامان لکھے دیئے ــــ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس بات کی برابر کوشش کرتے تھے کہ کبھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے چندہ دینے میں بڑھ جائیں، ایک مرتبہ آنحضرت صلعم نے چندہ کی اپیل کی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت سا مال لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے آپ نے پوچھا کچھ گھر والوں کے لئے بھی چھوڑا ہے انھوں نے کہا جی ہاں ــــ اتنا ہی مال گھر والوں کے لئے بھی چھوڑ دیا ہے ــــ تھوڑی دیر بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سامان لے کر آئے آپ نے ان سے بھی پوچھا اہل و عیال کے لئے کیا چھوڑا ہے ؟ آپ نے فرمایا ان کے لئے اللہ اور اس کا رسول ــــ حضرت عمر بولے میں آپ سے کبھی بھی بازی نہ لے جا سکوں گا ــــ

(باقی آئندہ)

★ عبدالغفار ندوی

صفیں سیدھی کیسے ہوں؟

اسلامی عبادات میں نماز کی بڑی اہمیت اور فضیلت ہے نماز خواہ انفرادی ہو یا جماعتی اس کے درست و صحیح ہونے کے لئے کچھ ظاہری اور باطنی حدود و شرائط مقرر ہیں اور مقبول و نفع بخش ہونے کے لئے مختلف صفات وکیفیات ضروری ہیں، نماز باجماعت کے اوصاف میں سے ایک ظاہری اور اہم صفت یہ بھی ہے کہ صفیں بالکل سیدھی ہوں یا یہ کہ نماز پڑھنے والے جم کر اور آپس میں مل کر برابر کھڑے ہوں، صفیں سیدھی رکھنے کے لئے حدیثوں میں بڑی تاکید آتی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم صفیں اس طرح سیدھی کرایا کرتے تھے جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے — آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں جس طرح سامنے دیکھتا ہوں اسی طرح پیچھے کی خبر بھی رکھتا ہوں، تم لوگ صفیں سیدھی رکھا کرو ورنہ صفیں ٹیڑھی ہونے کی وجہ سے اللہ تعالےٰ تمہارے دلوں میں بھی کجی پیدا کر دے گا — آپ فرماتے تھے کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صفیں بنایا کرو — صفوں کی سدھائی اور ان کے بیچ میں مطلقاً کوئی خلا ہونے اور گنجائش نہ باقی رکھنے کا صحیح اندازہ اس حادثہ سے کیجئے کہ ابولولو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زخمی کرنے کے بعد جب بھاگنا چاہا تو نماز کی حالت میں صحابہ ایسے جمے رہے اور صفوں میں گنجائش نہ مل سکی کہ وہ درمیان سے نکل جائے چنانچہ اس نے اپنے بھاگنے کے لئے گنجائش پیدا کرنے میں کئی بادیگرے اس نے کئی اصحاب کو زخمی کیا تب باہر نکل سکا —

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کچھ آدمی مقرر کئے ہوئے تھے جو صفیں سیدھی کرایا کرتے تھے اور سیدھی ہو جانے کے بعد جب اطلاع دی جاتی تھی تب حضرت عمرؓ نماز شروع کرتے تھے، اسی طرح حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اقامت ختم ہونے کے بعد مقتدیوں کی طرف رُخ کر کے صفیں سیدھی کراتے تھے پھر نماز شروع کرتے تھے —

صفیں سیدھی رکھنے اور مل کر کھڑے ہونے سے نظم وضبط اور یکسانیت کا اظہار ہوتا ہے، نیز ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کی جانب رُخ پھیرنے اور متوجہ ہونے سے اخوت و محبت کا اضافہ ہوتا ہے جو نماز باجماعت کے ثمرات و فوائد میں سے بڑی اہم چیز ہے — اگر کسی وجہ سے دو آدمیوں کے مابین کوئی کدورت اور شکر رنجی پیدا ہو جائے اور وہ دونوں صف میں ایک ساتھ بھی پڑ جائیں، ایسی حالت میں آگے پیچھے ہٹانے کے لئے جب ایک دوسرے کی جانب توجہ کرتا ہے اور دیکھتا ہے تو چھپی ہوئی منافرت دور ہو جاتی ہے ورنہ اس میں کمی تو لازماً ہو جاتی ہے —

آج کل نماز ادا کرنے والوں میں جہاں نماز کے دوسرے حدود و شرائط سے ناواقفیت یا غفلت و بے اعتنائی پائی جاتی ہے اور اس کے اخلاقی و روحانی ثمرات و نتائج سے محرومی نظر آتی ہے وہیں یہ صفیں سیدھی رکھنے اور مل کر کھڑے ہونے کی صفت بھی کمتر پائی جاتی ہے — کیونکہ اول تو اس کی جانب کوئی خاص توجہ اور اعتنا نہیں ہوتی اور جہاں کہیں ہوتی ہے تو اکثر یہی دیکھا جاتا ہے کہ توجہ کے باوجود صفیں سیدھی نہیں ہوتی ہیں — یہاں تک کہ جن مساجد میں اس مقصد کے لئے صفوں کے نشان بنا دیئے گئے ہیں ان میں بھی بعض صفیں یا ایک صف میں بعض جگہیں ٹیڑھی رہتی ہیں — اور ذاتی مشاہدہ یہ ہے کہ کبھی کبھی اس

> صفیں سیدھی رکھا کرو ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں میں بھی کجی پیدا کر دیگا، کسی متعین ضابطہ اور قاعدہ کے بغیر جو کام بھی انجام دیا جائے گا ناقص رہے گا۔

سلسلہ میں اقامت اور تکبیرِ اولیٰ کے بعد بھی تو تو میں میں کی نوبت آجاتی ہے، عین اس وقت جب امام اللہ اکبر کہتا ہے — ایک شخص دوسرے کو اپنے خاموش اصرار کے ساتھ آگے یا پیچھے لانا چاہتا ہے مگر وہ شدت کے ساتھ جھٹک کر انکار کر دیتا ہے — کوئی تیسرا بول اٹھتا ہے کہ یہ کیا ہے؟ نماز ہو رہی ہے — غرض کسی طرح وہ نماز تو شروع کر دیتے ہیں مگر دل ہی دل میں گھلتے رہتے ہیں اور نماز کے بعد پھر بحث تکرار ہونے لگتی ہے کہ تم نے مجھے کیوں ہٹانا چاہا میں تو ٹھیک کھڑا تھا، تم خود آگے یا پیچھے تھے اور تمھیں کو کھسکنا چاہیے تھا — کسی اور کوشش کے باوجود یہ مقصد حاصل نہ ہونے کی وجہ؟ ؎

صفیں کج دل پریشاں سجدے بے ذوق
کہ جذبِ اندروں باقی نہیں ہے

علامہ مرحوم نے ایک معنوی کمزوری کی نشان دہی فرمائی ہے اور موجودہ مسلمانوں کے درمیان دینی اخوت و محبت کی کمی اور قلبی تعلق و ربط کا نہ ہونا بھی ظاہر ہے مگر صفیں سیدھی نہ ہونے کی ایک وجہ اور بھی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جو کام بھی کسی متعین ضابطہ اور قاعدہ کے بغیر بے ڈھنگی سے انجام دیا جائے گا وہ نامکمل اور ناقص رہے گا — صفیں سیدھی کرنے یا رکھنے کے لئے بھی ایک نہ ایک ضابطہ اور طریقہ ہونا ضروری ہے — آپ سوچیں کہ اگر آپ کے بغل میں داہنی جانب کا آدمی آپ سے کچھ آگے ہو اور بائیں جانب آپ سے ذرا پیچھے ہو اس وقت آپ کیا کریں گے؟ خود اپنے کو آپ کس کے برابر میں لائیں گے؟ اور آپ اپنے کو جس کسی کے برابر میں بھی کریں آپ سے یہ سوال ہوگا کہ اسے آپ نے ترجیح کیوں دی اپنے کو دوسرے کے برابر میں کیوں نہیں لائے؟ اگر آپ ان میں سے کسی ایک کو اپنے برابر میں لے آئیں تو ہر ایک آپ سے کہہ سکتا ہے تم کو مجھے ہٹانے کا کیا حق ہے تم خود کیوں نہیں کھسکتے؟ ہاں آپ کسی نہ کسی ضابطہ کے تحت کسی ایک کو اپنے برابر کر سکتے ہیں یا خود کسی کے برابر ہو سکتے ہیں۔ — اور وہ ضابطہ یہ ہے کہ نماز باجماعت میں امام اصل ہوتا ہے اسی کو مرکزیت حاصل ہوتی ہے کہ صفیں ہمیشہ بیچ سے بنائی جاتی ہیں۔ پہلی صف میں جو شخص بالکل ٹھیک ٹھیک امام کے پیچھے کھڑا ہوتا ہے اسی سے ملاتے ہوئے دائیں بائیں صف بڑھتی جاتی ہے اسی طرح دوسری تیسری اور تمام صفوں میں جو شخص امام کے پیچھے ہوتا ہے (ہم ذہنی طور پر یہاں اُسے نائب امام بھی کہہ سکتے ہیں) اسی کے برابر دونوں جانب صفیں بڑھتی ہیں، کنارے کی طرف سے کبھی کوئی صف نہیں بنائی جاتی اور نہ بنائی جانی چاہیے۔

ہر شخص جب صف میں کھڑا ہوتا ہے تو اُس کا ایک شانہ کنارے کی سمت میں ہوتا ہے اور دوسرا شانہ بیچ کی سمت میں ہوتا ہے۔ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے کو بیچ کی سمت والے آدمی سے برابر کرے اور کنارے کی سمت والے آدمی کو اپنے برابر میں لے آئے — کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ اپنے بغل کے بیچ کی سمت والے آدمی کو آگے پیچھے ہٹا کر اپنے برابر میں کرنے کی سعی کرے اور ہر شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے بغل کے کنارے کی سمت والے آدمی کو آگے پیچھے ہٹا کر اپنے برابر میں لے آئے — یہ ضابطہ یوں بھی بیان کیا جا سکتا ہے کہ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنے کو امام یا نائب امام کی سمت والے آدمی سے ملائے کیونکہ وہ اُس کی نسبت امام سے قریب ہوتا ہے اور اسی سمت سے صف کی ابتدا بھی ہوتی ہے — کوئی شخص اپنے کو کنارے کی سمت والے آدمی سے ملانے کی سعی نہ کرے کیونکہ کنارہ کی سمت والا اس کی نسبت امام سے دو

پڑتا ہے اور کنارے کی طرف سے صف نہیں بنائی جاتی البتہ کنارے کی سمت والے آدمی کو آگے پیچھے ہٹا کر اپنے سے ملائے — اور اس کا اُسے حق حاصل ہے — یہی بات اولیت کے اعتبار سے بھی کہی جا سکتی ہے کہ نائب امام کے علاوہ ہر شخص اپنے کو اپنے سے اول آدمی سے ملائے اور بعد والے کو اپنے سے ملائے، بعد والے کو یہ حق نہیں ہے کہ اول کو اپنے سے ملانے کی سعی کرے بلکہ خود اپنے کو اول سے ملائے، شانہ سے شانہ اور ایڑی سے ایڑی برابر کرے اور مل کر کھڑا ہو۔

عام طور سے لوگ اس ضابطہ سے ناواقف ہوتے ہیں یا واقفیت کے باوجود اس پر عمل نہیں کرتے اس لئے پوری کی پوری صفیں یا جا بجا ٹیڑھی رہ جاتی ہیں اور کبھی کبھی کوئی بے بضاعت، مفلس اور مزدور پیشہ اپنے احساس کمتری کی بنا پر کسی خوش پوش آدمی سے مل کر کھڑے ہونے میں جھجکتا ہے جس کی وجہ سے بیچ میں گنجائش باقی رہ جاتی ہے۔ ایسی حالت میں نمازکی خصوصیات نمایاں کرنے کے لئے متمول اور خوش پوش حضرات کو چاہئے کہ خود اپنے بھائی کو اپنے سے ملا لیں یا مل جائیں، اور بلند اخلاق لوگوں کو ایسا کرتے دیکھا گیا ہے، مگر بعض صاف ستھرے اور زرق برق ایسے بھی دیکھے جاتے ہیں جو ذرا پھٹے پرانے اور میلے کچیلے کپڑے والوں سے مل کر کھڑے ہونے میں خود تکلف کرتے ہیں اور کسر شان سمجھتے ہیں جس سے یہ لوگ اپنی شان کا اظہار تو کر لیتے ہیں مگر اسلام کی شان امتیاز مٹا دیتے ہیں۔

(بقیہ مضمون صفحہ (۱۴))

اس نے سوچا اگر وہ کھوٹے سکے چلانے کے بجائے سوسائٹی میں ان کے خلاف نفرت ابھارتا اور اخلاقی قدروں کو اجاگر کرتا تو یقیناً لوگ ایسی مکروہ حرکتیں نہ کرتے لیکن اب وہ خود اس کا مرتکب تھا، اُسے اپنے آپ سے نفرت ہو گئی، اگر کسی سے دھوکا کھا کر اُس نے کھوٹے سکے لے لئے تھے تو اس کا فرض تھا کہ وہ ان سکوں کو ایسی جگہ دفن کرتا جہاں سے وہ نکلنے نہ نکلتے نہ یہ کہ وہ انہیں مزید زندگی بخشتا اور بازار میں ان کے وجود کو باقی چھوڑ دیتا، اب وہ دُکاندار کسی دوسرے گاہک کو دے گا، اور اگر دن میں کوئی نہ لے گا تو وہ رات کے وقت دینے کی کوشش کرے گا، وہ پریشان سا ہو گیا، اس نے ایک جرم کو سوسائٹی میں جاری کر دیا تھا، اُس کا جی چاہا کہ وہ چیخ چیخ کر بتائے کہ اُس نے ایک جرم کیا تھا، لیکن وہ اس سے زیادہ کچھ نہ کر سکا کہ اپنی جیب سے اکنی اور دونی نکال کر اس نے اس زور سے پھینکی جیسے کوئی پاگل کسی شریر بچے کے پیچھے پتھر پھینکتا ہے، اُسے محسوس ہوا جیسے اُس نے اپنی روح پر سے دو بھاری سلیں سرکا دی تھیں۔ (مشیر)

ایک گزارش

براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کیجئے۔

منیجر "تعمیر"
۳۸- امین آباد پارک لکھنؤ

★ ثاقب، کانپوری

غزل

رات آخر مختصر ہو ہی گئی
تیری فرقت میں سحر ہو ہی گئی

اس قدر تھا تیری راحت کا خیال
آہ میری بے اثر ہو ہی گئی

وہ نہ آئے کچھ نہیں اِس کا گلہ
یوں بھی شب غم کی بسر ہو ہی گئی

ہو گئی بیکار کوشش ضبط کی
آہ میری پردہ در ہو ہی گئی

میں سمجھتا تھا نہ ہو گی مختصر
رات لیکن مختصر ہو ہی گئی

بزم میں دیکھا نگاہِ شوق سے
تھی نہ یہ جرأت مگر ہو ہی گئی

تھی جو مخفی میری نظروں سے کبھی
وہ تجلی جلوہ گر ہو ہی گئی

کی تھی جو دل کے لئے ثاقب دعا
وہ دعا بھی بے اثر ہو ہی گئی

★ وارث القادری

مسلم امروز سے

"کل"

یاد کر وہ اپنے ماضی کا عروج و ارتقا
یعنی جب مسلم یہ خود اسلام بھی نازاں تھا کل
مبتلائے قیدِ محکومی، تجھے بھی یاد ہے
ذرہ ذرہ دو جہاں کا تابعِ فرماں تھا کل

آج یہ حالت ہے کوئی بندۂ یزداں نہیں
کلمہ گو سرتا بہ پا بس بندۂ یزداں تھا کل
کیسے دنیا بھول جائے تیری شانِ امتیاز
"با ورع با خشیت" عاملِ قرآں تھا کل

اللہ اللہ تیری عظمت، تیری رفعت کا مقام
"انتم الاعلون" کی فردوس میں خنداں تھا کل
"روحِ مسلم" "اتباعِ سنت خیر الانامؐ"
مرکزِ اوصاف یعنی اکمل الایماں تھا کل

وسعتِ عالم پہ ہے چھائی ہوئی نمرودیت
آہ وہ عالم کہ جب عالم گلستاں تھا کل
مسلم امروز! یہ طوقِ غلامی کس لئے؟
کیا نہیں معلوم تو ہی دہر کا سلطاں تھا کل

تیرا وارث تجھ کو دیتا ہے پیامِ دل نشیں
تجھ کو کیا؟ ہوگا، اگر تو حاکمِ دوراں تھا کل

حلقۂ رنگین خورشید و مہ کامل میں آ!
پہلے جس منزل میں تھا تو پھر اسی منزل میں آ!

★ اقبال احمد سُہیل

نوائے سہیل

صحنِ حرم نہ کنجِ صنم خانہ چاہیے
اے بے خودی مجھے ترا کاشانہ چاہیے

چلنا سنبھل کے وادیٔ الفت میں ہے حرام
ہاں ہر قدم پہ لغزشِ مستانہ چاہیے

دو تیلیاں قفس کی ہیں اُن کی بساط کیا
مرغِ اسیر، ہمتِ مردانہ چاہیے

وہ سامنے ہے منزلِ مقصود اے جنوں!
بس چند گام لغزشِ مستانہ چاہیے

فیضِ تپش سے خود نکل آتے ہیں بال و پر
ہاں دل میں بیقراریٔ پروانہ چاہیے

ساقی سبو بدوش ہے اے ذوقِ تشنہ کام
دستِ طلب میں جرأتِ رندانہ چاہیے

ہر گوشہ اس چمن کا درِ مے فروش ہے
ہاں آب و گل میں شورشِ مستانہ چاہیے

آخر کلیم سُننی پڑیں لن ترانیاں
اب بھی کہو گے عجز گدایانہ چاہیے

• ابوالبیان حمّاد ★

غزل

مسکرا کر میں چوٹ کھاتا ہوں
چوٹ کھاتا ہوں مسکراتا ہوں

خانۂ دل کے گوشہ گوشہ میں
مشعلِ آرزو جلاتا ہوں

جیب و دامن کی خیر ہو یا رب
پھر سے میں اشکِ غم بہاتا ہوں

وہم آبادِ زندگانی میں
میں یقیں بن کے جگمگاتا ہوں

داستانِ غم و الم حمّاد
آج پھر میں انہیں سناتا ہوں

★ محمد علی جوہر مرحوم •

دوست

طغرائے امتیاز ہے خود ابتلائے دوست
اس کے بڑے نصیب جسے آزمائے دوست

یاں جنبشِ مژہ بھی گناہِ عظیم ہے
چپ چاپ دیکھتے رہو جو کچھ دکھائے دوست

ملتی نہیں کسی کو سندِ امتحاں بغیر
دار و رسن کے حکم کو سمجھو صلائے دوست

جو تھا وہ صبر آپ ہی دے گا، اگر ہمیں
ہے اعتبارِ وعدۂ صبر آزمائے دوست

★ امیرالدین

کھوٹے سکے

•

"میو ہسپتال کا ٹکٹ دے دو" مظفر نے بس کنڈکٹر کے ہاتھ میں روپیہ تھماتے ہوئے کہا اور کنڈکٹر نے ٹکٹ کے ساتھ گیارہ آنے لوٹا دیے، یہ تین سکے تھے اٹھنی دونی اور اکنی، اسے محسوس ہوا کہ یہ تینوں سکے کھوٹے تھے اس نے کنڈکٹر سے بدلنے کے لئے کہا، لیکن کنڈکٹر نے کہا کہ لاہور میں ان سکوں کا عام چلن ہے۔
ایک نووارد اس کے بیان کی کیا تردید کرتا اور وہ کچھ جھگڑے کی موڈ میں بھی نہ تھا ایک ذہنی الجھن کے ساتھ اُس نے سکے جیب میں ڈال لئے۔

ہسپتال سے واپسی پر وہ پھر بس میں سوار ہوا اس نے وہی اٹھنی نکال کر کنڈکٹر کے ہاتھ میں دے دی، "یہ کھوٹی ہے" کنڈکٹر نے حقارت کے ساتھ اسے واپس کر دی۔
مظفر نے پہلے کنڈکٹر کا جملہ دُہرایا "ان سکوں کا تو لاہور میں چلن ہے نا"

"جی نہیں" کنڈکٹر نے مسکراہٹ آمیز طنز سے کہا مظفر کو محسوس ہوا کہ وہ تمام مسافروں کی نظروں میں گر گیا تھا، لیکن اپنی نظر میں اُسے کوئی چیز کم ہوتی نظر نہ آئی۔
"آپ کو چلن نہیں بلکہ قانون دیکھنا چاہیئے، قانونی طور پر یہ سکے چلانا جرم ہے" ایک مسافر نے کہا، سکے واقعی کھوٹے تھے اُسے لاہور کے چلن کے بجائے حکومت کے قانون کو معیار بنانا چاہیئے تھا۔
سولہ آنے کے کھرے روپئے میں گیارہ کھوٹے آنے اس کے لئے شدید الجھن کا باعث تھے، وہ دل و دماغ کی جنگ میں کھو گیا، اسے محسوس ہوا جیسے وہ روپیہ اس نے دھوکا دہی سے حاصل کیا تھا یا اُس کی جیب تراش کر کسی نے گیارہ آنے اُڑا لئے تھے۔

پھر اس نے سکوں کو جیب سے نکال کر ایک ماہر پارکھ کی طرح الٹ پلٹ کر دیکھا، ان پر دونوں طرف کے ٹھپے بالکل صحیح حالت میں موجود تھے، لیکن دھات میں کھوٹ تھا، اُس نے مسافروں کی طرف ایک ایک کر کے دیکھنا شروع کیا، اُسے محسوس ہوا جیسے وہاں چہروں پر ٹھپے تو انسانوں کے تھے، لیکن انسانیت مفقود تھی، وہ بڑبڑایا یہ سب کھوٹے ہیں، یہ لوگ خود ہی کھوٹ تقسیم کرتے پھرتے ہیں، اگر ہر شخص کھوٹ کا دشمن ہو جائے تو پھر کھوٹ کہاں رہے"

آخر ایک دن اُس نے یہ معلوم کر ہی لیا کہ کنڈکٹر نے وہ کھوٹے سکے اسے کیوں دیے تھے، چلچلاتی دھوپ میں وہ لیموں کی تلاش میں پھر رہا تھا، بہت دیر کے بعد اُسے لیموں مل سکا، دکاندار کو اس نے وہی کھوٹی اٹھنی دے دی، اس کا دل اس پر لعنت بھیج رہا تھا، اُس کے ہاتھ کانپ رہے تھے، اس کے کان سخت سُست الفاظ سننے اور زبان لاپرواہی کے انداز میں معذرت کرنے کی تیاریاں کر رہی تھی، کن انکھیوں سے اس نے دیکھا کہ دوکاندار باقی چھ آنے دینے کے لئے ہاتھ بڑھا رہا ہے، اس کا جی چاہا کہ وہ پیسے لینے سے انکار کر دے، لیکن وہ پیسے لے کر چل دیا، اُسے محسوس ہوا کہ اُس کے پیچھے کنجڑا آواز دے رہا تھا، اُس نے مُڑ کر دیکھا لیکن سبزی فروش کسی اور کام میں مشغول تھا، وہ تیز تیز چل دیا اُسے محسوس ہوا کہ کوئی اس کا تعاقب کر رہا ہے، دماغ میں گونجنے والی آوازوں سے تنگ آ کر وہ رُک گیا، وہ سوچ رہا تھا کہ وہ سودا خرید رہا ہے اور کھوٹے سکے اُس کے آگے پیچھے چکر لگا رہے ہیں وہ اپنی نظروں میں گر چکا تھا، اُسے محسوس ہوا جیسے وہ چھ آنے بچھو بن کر اس کی جیب میں کلبلا رہے تھے، جیسے اس کے جسم پر غلاظت اور گندگی لیپ دی گئی تھی، دنیا بھر کے کیڑے مکوڑے اس کے جسم سے لپٹ گئے تھے، ہر شخص ناک پہ رومال رکھے اس کی طرف حقارت سے دیکھتا ہوا گزر رہا تھا۔ (باقی)

★ مشیر الحق مجری آبادی

کاش.....!

اُس نے اپنی انگلیوں کو اتنے زور سے کاٹا کہ اس کے منھ سے چیخ نکل گئی، لیکن اس کے بعد بھی وہ اس مسئلہ کو نہ حل کر سکا کہ موٹر ڈرائیوری کرتے کرتے وہ ساربان کس طرح ہو گیا — اس نے ہر طرح اپنی تشفی کرنی چاہی آنکھوں کو ملا، انگلیوں کو کاٹا، لیکن یہ گتھی سلجھنے کے بجائے الجھتی ہی گئی —

اُس نے اپنے لباس پر نظر ڈالی تو وہ بھی اُس کا اپنا لباس نہ تھا، اُس نے آج ہی لانڈری سے دُھل کر آئے ہوئے سفید کوٹ پتلون پہنے تھے، جس میں چمکتے ہوئے بٹن لگے تھے، سر پر خوبصورت صافہ تھا جس پر ایک پٹی لگی تھی، پٹی میں اس کے مالک کے نام کا "مونوگرام" تھا، کمر میں سنہری پیٹی تھی — لیکن اب اس کے بدن پر ایک موٹا پیوند دار کرتہ تھا، کمر میں اونٹ کے بالوں کی رسّی کا معمولی سا پٹکا تھا، اور چمکتی ہوئی نئی شیورلٹ کار کی جگہ اونٹ تھا، جس کی جلبلاہٹ اُسے سخت ناپسند تھی — اس کی الجھن بڑھتی جا رہی تھی لیکن قدم آگے بڑھ رہے تھے —

اب دھوپ میں تیزی پیدا ہونے لگی تھی، ہر طرف بگولے اُڑ رہے تھے، صحرا کی گرم گرم ریت جب چہرے پر لگتی تو اُسے ایسا معلوم ہوتا جیسے کسی نے چولہے کی نیم گرم راکھ اس کے چہرے پر مل دی ہو — پسینہ پر ریت کے ذرّے جمتے جا رہے تھے جسے وہ اپنے سر پر لٹکتے ہوئے بڑے رومال کے کونے سے صاف کرتا جا رہا تھا — آخرکار ایک سایہ دار درخت نظر آیا اور مالک نے اُسے رُکنے کا حکم دیا — غلام رک گیا، اونٹ بٹھایا گیا اور مالک نیچے اُترا —

مالک کی شکل دیکھتے ہی اُس کے ذہن میں پھر وہی سوال جاگ اٹھا جسے اُس نے بہت بہت مشکلوں سے بھلاوا دے کر سلا دیا تھا — یہ مالک تو خود غلاموں ایسا لباس پہنے ہوئے ہے، یہ تو خود غلام معلوم ہو رہا ہے اور اس کا اپنا مالک — ! وہ کتنا شاندار تھا، اُس کی مڑی ہوئی مونچھوں سے کتنا رعب ٹپکتا تھا، اُس کے کپڑے کتنے خوبصورت تھے — یہ کون ہے ؟ میں کون ہوں ؟

پھر وہ دونوں مالک اور غلام مل جل کر کھانے کی تیاری کرنے لگے، اونٹ کی پیٹھ سے لٹکی ہوئی تھیلی نکالی گئی، اس میں تھوڑے ستّو تھے، مشکیزہ سے پانی نکال کر ستّو گوندھے گئے اور دونوں نے خدا کا شکر ادا کر کے کھا لیا —

کھانے کے بعد دونوں درخت سے ٹیک لگا کر آرام کرنے لگے، آقا نے آنکھیں بند کر لی تھیں — لیکن غلام کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں، وہ پھٹی پھٹی نظروں سے آقا کی طرف دیکھ رہا تھا — اُسے وہی سوال پھر پریشان کر رہا تھا — یہ مساوات اُسے مارے ڈال رہی تھی، اُسے اچھی

تم سوار ہو جاؤ — مالک نے کہا
لیکن میں غلام ہوں !
مگر تم انسان بھی ہو ،
وہ سوچنے لگا ....
....
کیا سوچتا ہے گدھے کا بچہ ..... مالک نے تقریباً چیختے ہوئے کہا اور اُس نے موٹر اسٹارٹ کر دی

طرح یاد تھا کہ آج سے پہلے اُس کے آقا نے کبھی بھی ایسا سلوک نہیں کیا تھا، اُسے کبھی بھی "ڈائیننگ ہال" میں اپنے برابر کی کرسی پر نہیں بٹھایا تھا، اُسے کبھی بھی وہ چیز کھانے کو نہیں ملی تھی جو اُس کا مالک کھاتا تھا ——
لیکن یہ مالک عجیب تھا!
یہ ہے کون —— ؟

پھر جب دن ڈھل گیا اور سورج کی تمازت کم ہوئی تو دونوں سفر کرنے کے لئے تیار ہو گئے، غلام نے اونٹ لاکر مالک کے سامنے بٹھایا اور نکیل پکڑ کر کھڑا ہو گیا۔
مالک کچھ دیر تک چپ چاپ خاموش کھڑا رہا پھر غلام کی طرف آتے ہوئے بولا۔
تم سوار ہو جاؤ ——
مَیں —— ! اُس نے بہت ہی تعجب سے کہا۔
ہاں تم! اب تک میں نے سواری کی اور تم پیدل چلتے رہے اب تم سواری کرو میں نکیل پکڑ کر چلوں گا۔
لیکن میں غلام ہوں —— !
مجھے معلوم ہے! اگر تم انسان بھی ہو، غلام ہو جانے سے تم میں کوئی کمی نہیں ہو گئی ہے، غلام ہمارے بھائی ہوتے ہیں، جو کچھ ہم اپنے لئے چاہتے ہیں، وہی غلام کے لئے چاہتے ہیں۔
لیکن لوگ کیا کہیں گے۔
کچھ بھی نہیں
نہیں مالک! لوگ مجھے بدتمیز کہیں گے، آپ ہی سوچئے یہ کتنی بدتمیزی کی بات ہے کہ میں اونٹ پر سوار ہو جاؤں اور آپ پیدل چلیں۔
نہیں میرے بھائی، کوئی کچھ نہیں کہے گا، سب جانتے ہیں کہ غلام کو برابری کا درجہ دینا چاہیئے، تم سوار ہو جاؤ۔
اور غلام اونٹ پر سوار ہو گیا۔ آقا نکیل پکڑے چلتا رہا —— پھر ہر منزل پر یہی ہوتا، کبھی آقا سوار

غلام پیدل اور کبھی غلام سوار آقا پیدل، وہ چلتا رہا —— سوچتا رہا، منزل قریب آ رہی تھی اور وہ اونٹ پر سوار تھا ——

غلام!
غلام محمد!!
اس کے کانوں سے ایک سخت آواز ٹکرائی پھر اُسے ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے بالوں کو پکڑ کر جھنجھوڑ دیا ہو، ——
وہ جاگ گیا —— !
آواز دینے والا اُس کا مالک تھا، جو اُسے موٹر کی پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا پکار رہا تھا اور غلام محمد ڈرائیور جو اسٹیرنگ وہیل پر سر رکھے بے خبر سو رہا تھا، کچھ دیر کے لئے ہکا بکا رہ گیا۔
کیا سوچتا ہے گدھے کا بچہ —— موٹر اسٹارٹ کر!
مالک نے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔
اس کے دائیں بائیں خاموش کھڑی ہوئی موٹروں میں حرکت پیدا ہو چکی تھی، اس نے بھی موٹر اسٹارٹ کر دی لیکن اس کا دماغ حاضر نہ تھا ——
وہ تو جب جنوری کے ۲ بجے رات والی ہوا اُس کے نتھنوں کے ذریعہ دماغ میں گھسی تو اُسے دھیرے دھیرے یاد آ گیا کہ وہ سب خواب تھا اور یہ حقیقت ہے —— وہ ساربان نہیں ہے ایک بہت بڑے آدمی کا موٹر ڈرائیور ہے، جو مڑی ہوئی مونچھیں رکھتا ہے، اچھے اچھے کپڑے پہنتا ہے.....
پھر دھیرے دھیرے اس کی نظروں کے سامنے سے پردے ہٹتے گئے اور اُسے یاد آ گیا کہ آج شام جب اُس کا مالک میں کلب میں اپنی تھکاوٹ دور کر رہا تھا تو اُس کے ایک ساتھی نے اس سے کہا تھا ——
یار غلام! ان مولویوں کی عقل خراب ہو گئی ہے، آج ایک مولوی صاحب کہہ رہے تھے کہ دنیا میں ایک ایسا زمانہ آیا تھا جب آقا اور غلام برابر تھے —— اور اب بھی

آپ کی ذہنی اُلجھنیں

مدیران تعمیر کے نام آئے ہوئے بے شمار خطوں میں سے ایسے بعض خطوط کے اقتباسات یہاں دیے جائیں گے جو کسی حیثیت سے بھی قارئین تعمیر کے لئے مفید ہوں ـــــ ضروری نہیں ہے کہ مدیران ہر خط سے متفق ہوں، اشاعت کے لئے پورا پتہ ہونا ضروری ہے۔

..... بعض لوگ کہتے ہیں کہ جہاں اسلامی طرز پر انتخاب (الکشن) ہوگا وہاں امیدواری میں کوئی شخص اپنا نام نہیں پیش کر سکتا ـــ نام کا پیش کرنا ہی اُسے نا اہل ثابت کرنے کے لئے کافی ہے ـــــ ایسا کیوں ہے؟ اس طرح تو اُن اچھے لوگوں کو آگے بڑھنے کا موقع نہ ملے گا جن کے پاس "جی حضوریوں" کی فوج نہ ہوگی، اور بہت سے ایسے لوگ حکومت کی کرسیوں پر آجائیں گے جو حقیقتاً اس کے لئے نا اہل ہوں گے لیکن ان کے پاس ایسے لوگ ہوں گے جو ان کا نام پیش کر سکیں، اور اس طرح اچھا انتخاب نہ ہو سکے گا ـــــ

ـــ دراصل آپ کے ذہن میں یہ سوال اس لئے پیدا ہوا ہے کہ آپ کے سامنے موجودہ ماحول ہے، جہاں اقتدار کے لئے ہر حرام حلال اور ہر ناجائز جائز ہے، جہاں لوگ حکومت کی کرسیوں پر خدمت کے جذبہ سے نہیں جاتے ہیں بلکہ اُسے ایک منفعت بخش تجارت سمجھتے ہیں، اس لئے الکشن سے پہلے اپنے کو جتانے کے لئے بے دریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں کیونکہ انھیں یقین ہوتا ہے کہ کامیاب ہو جانے کے بعد اس روپیہ کو مع سود در سود کے وصول کر لیں گے، ایسی صورت میں اسلامی طریقہ انتخاب کو اس ماحول میں فٹ کرنا ہی درست نہیں ہے۔

پہلے اس بات کو سمجھ لیجئے کہ اسلام میں صدر مملکت کی حیثیت کیا ہے؟ مسلمانوں کا خلیفہ مخدوم نہیں ہوتا بلکہ خادم ہوتا ہے، وہ اپنی راتیں پر تکلف گدیلوں پر، شام کلبوں میں، دوپہر عشرت خانوں میں اور دن تفریحوں میں نہیں گزارتا بلکہ وہ اندھیری اور اجالی راتوں میں گلیوں اور کوچوں میں چکر لگاتا ہے تاکہ وہ خود رعیت کے احوال ... وقت تک اچھی غذا نہیں کھاتا ...

قدم قدم پر ایسے واقعات سے روشناس ہوں گے کہ اگر اس پیمانہ پر آج کل کے امراء کو ناپنا چاہیں تو آپ پریشان ہو کر یہ کہہ اُٹھیں گے کہ یہ کوئی دوسری قسم ہے ـــــ دراصل اسلامی طریقہ پر خلافت کے بار کو سنبھالنا لوہے کے چنے چبانا ہے۔

اب آپ ہی بتلایئے ایسا کون شخص ہوگا جو خلافت کی مشکل ترین ذمہ داریوں کو جانتے ہوئے بھی اُسے اپنے لئے پسند کرے، حضرات خلفائے راشدین کے حالات میں آپ کو بہت سی جگہیں ایسی ملیں گی جہاں وہ خلافت کی ذمہ داریوں سے گھبرا کر آدمی کے بجائے پرندہ ہونا پسند کرتے ہیں، وہ احوال تکلف اور دکھاوے کے مظاہرے نہیں ہیں بلکہ جو شخص بھی اسلام کے بتائے طریقوں پر خلافت کو چلائے گا وہ ایسی ہی تمنا کرے گا ـــــ ان مشکلات کے بعد جو شخص اپنے کو خلافت کے لئے پیش کرے، اس کے متعلق آپ کیا فیصلہ کرتے ہیں؟ کیا وہ اپنی آزادی کی زندگی چھوڑ کر پابندیاں قبول کرنا چاہتا ہے؟ یا خلافت کے "مادی فوائد" کو حاصل کرنا چاہتا ہے ـــــ آپ خود ہی ...

ہماری نظر میں

• فردوس (افسانہ نمبر)

مرتب: محمد جلیل خان۔
قیمت: ۱۲/ صفحات: ۷۲
سرورق دیدہ زیب
پتہ: دفتر رسالہ فردوس، کان پور

انھیں صفحات میں گزشتہ سال فردوس کے سترک نمبر اور افسانہ نمبر کا تعارف کرایا جا چکا ہے، اس سال پھر فردوس نے افسانہ نمبر پیش کیا ہے، اس نمبر میں ایک منظوم قصہ کے علاوہ بارہ افسانے ہیں — اگرچہ افسانہ نگاروں کی فہرست میں آپ کو "چوٹی کے فن کاروں" کے نام دکھائی نہ دیں گے اور اگر "فن کی کسوٹی" پر افسانوں کو پرکھنے کی کوشش کریں گے تو شاید آپ کی امیدیں بھی کچھ پوری نہ ہوں گی لیکن ان افسانوں کا مطالعہ اس نقطۂ نظر سے کریں کہ موجودہ ماحول میں ہمارے اپنے گھرانوں میں کن کن چور دروازوں سے برائیاں گھستی آ رہی ہیں اور انھیں راستوں کو بند کرنے کے لئے چند نئے گھر کے سپاہی شانہ سے شانہ ملا کر اس میدان میں آ رہے ہیں تو آپ ان افسانوں کو پڑھنے کے بعد افسوس نہ کریں گے —
پہلے یہ رسالہ بچوں کے لئے تھا اور قائم گنج سے نکلتا تھا لیکن اب عورتوں کے مسائل کے لئے مخصوص کر دیا گیا ہے اور اس کا دفتر بھی کانپور آ گیا ہے۔

•• اسلامی برادری: از محمد تقی بارہ بنکوی

قیمت: ۴۰/ صفحات: ۴۰
ملنے کا پتہ: مولوی حمید اللہ منیجر مکتبہ عرفان نمبر ۱ احاطہ محمد سعید، قریب چوکی، کانپور

اس مختصر سے رسالہ میں مرتب نے یہ بتایا ہے کہ انسان اجتماعی زندگی کے بغیر اپنا کام نہیں چلا سکتا — جہاں ایک سے دو ہوں گے ان کی زندگی کا رخ بدل جائے گا، لیکن آج جب ہر طرف افتراق و انتشار پھیلا ہوا ہے، انسان، ملکوں، قوموں، جماعتوں اور خاندانوں میں بٹ چکے ہیں، اس وقت انھیں پھر ملانے کے لئے کون سا طریقہ ہے —؟ وہ طریقہ اسلام ہے — اسلام نے کس طرح مل جل کر رہنے کی تعلیم دی، آپس میں حقوق کا کیا مرتبہ رکھا ہے، اس بات کی تشریح آیات و قرآن سے کی ہے — اور یہی حقیقت ہے کہ اس افتراق و انتشار کا حتمی علاج "تعلیمات اسلام" میں ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۷)

رہ گیا آپ کا یہ خیال کہ اگر وہ خود اپنا نام نہ پیش کرے گا تو اس کے حوالی موالی پیش کریں گے اور وہ ان کے بل بوتے پر کامیاب ہو جائے گا، کچھ درست نہیں ہے — سوال کرتے وقت اپنے ذہن میں اس بات کو بھی رکھئے کہ یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب عوام مکمل طور پر اسلام قبول کر چکے ہوں گے، (کیونکہ اسی وقت اسلامی طرز پر انتخاب ہو سکتا ہے) اس وقت غلط کار لوگ زیادہ دنوں تک عوام کو دھوکا نہیں دے سکتے، اول تو اس وقت کی سوسائٹی میں صالح لوگوں کی اتنی اکثریت ہوگی کہ نااہلوں کو آگے آنے کا موقع نہ ملے گا اور اگر کہیں آ بھی گئے تو وہ اسمبلی میں اقلیت میں ہوں گے — اور اگر بفرض محال یہ مان لوں کہ وہ اکثریت میں ہوں گے تو یہ پورا مفروضہ ہی غلط ہے، کیونکہ میں اس وقت کی بات کر رہا ہوں جب عوام سچے "مسلمان" ہوں گے اور "اچھے" مسلمانوں کی اکثریت ہوگی۔

عبدالغفار ندوی

انمول موتی

مومنوں کی معراج:

اگر ایک مسلمان نماز کی پابندی کرکے اپنے اسلام کا علانیہ اظہار نہ کرے تو عملی طور پر شب و روز کے مشاغل اور کاموں میں سے کوئی ایسا مشغلہ اور کام نہیں ہے جو صرف مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو اور دوسرے لوگ اسے نہ کرتے ہوں ـــــ نہ اخلاقی صفات میں سے کوئی صفت ایسی ہے جو دوسروں میں نہ پائی جاسکے، سچائی، پاک دامنی، ہمدردی، امانت داری، عدل و انصاف کے اوصاف ہر ایک میں پائے جاتے ہیں، پھر وضع قطع، کھانے پینے اور رہن سہن کے طریقوں میں بھی کوئی ایسی خصوصیت نہیں ہے جس سے غیر مسلم بالکل ہی محروم ہوں ـــــ یہ تو صرف نماز ہی ایک ایسی عبادت ہے جس سے مسلم و کافر کا فرق و امتیاز علانیہ نظر آتا ہے اور اعضائے جسمانی کی حرکات سے اسلام کا ظہور ہوتا ہے اسی لئے کہا گیا ہے کہ من ترك الصلوٰة فقد كفر، اور اس نماز میں بندہ براہِ راست رب العالمین سے ہم کلام ہوتا ہے، اس کی رضا جوئی کے لئے زندگی کے تمام کاموں میں اس کی اطاعت و بندگی کا اقرار کرتا ہے، اس کی گرفت و سزا سے بچنے کے لئے اور صحیح راستہ پر قائم رہنے کے لئے اُس کے حضور میں بلا واسطہ التجائیں اور دعائیں کرتا ہے، اس لئے یہی نماز مومنوں کی معراج بھی ہے ـــــ

عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ اَبُوْ ذَرٍّ يُحَدِّثُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فُرِجَ عَنْ سَقْفِ بَيْتِيْ وَاَنَا بِمَكَّةَ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَفَرَجَ صَدْرِيْ ثُمَّ غَسَلَهٗ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ جَاءَ بِطَسْتٍ مِنْ ذَهَبٍ مُمْتَلِئٍ حِكْمَةً وَاِيْمَانًا فَاَفْرَغَهٗ فِيْ صَدْرِيْ ثُمَّ اَطْبَقَهٗ ثُمَّ اَخَذَ بِيَدِيْ فَعَرَجَ بِيْ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا، فَلَمَّا جِئْتُ اِلَى السَّمَاءِ الدُّنْيَا قَالَ جِبْرِيْلُ لِخَازِنِ السَّمَاءِ اِفْتَحْ، قَالَ مَنْ هٰذَا؟ قَالَ جِبْرِيْلُ، قَالَ هَلْ مَعَكَ اَحَدٌ؟ قَالَ نَعَمْ، مَعِيَ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ حضرت ابوذرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب میرا قیام مکہ میں تھا (ایک شب ام ہانی کے مکان پر) میرے کمرہ کی چھت کھولی گئی اور جبرئیل داخل ہوئے ـــــ انھوں نے میرا سینہ چاک کیا پھر آبِ زمزم سے دھویا اور حکمت و ایمان سے بھرا ہوا ایک سونے کا طشت لائے اور میرے سینہ میں داخل کرکے اسی طرح بند کردیا پھر انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا ـــــ اور بیت المقدس ہوتے ہوئے مجھے پہلے آسمان تک لے گئے جب میں وہاں پہنچا تو جبرئیل نے آسمان کے دربان فرشتے سے کہا کہ کھولو، اس نے کہا کون؟ انھوں نے کہا جبرئیل! پوچھا تمہارے ساتھ اور کوئی ہے؟ کہا ہاں میرے ساتھ

اُرْسِلَ اِلَيْهِ؟ قَالَ نَعَمْ، فَلَمَّا فُتِحَ عَلَوْنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا ــــ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ عُرِجَ بِيْ حَتّٰى ظَهَرْتُ لِمُسْتَوًى اَسْمَعُ فِيْهِ صَرِيْفَ الْاَقْلَامِ، قَالَ اَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَفَرَضَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى اُمَّتِيْ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً فَرَجَعْتُ بِذٰلِكَ حَتّٰى مَرَرْتُ عَلٰى مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَالَ مَا فَرَضَ اللّٰهُ لَكَ عَلٰى اُمَّتِكَ؟ قُلْتُ فَرَضَ خَمْسِيْنَ صَلٰوةً، قَالَ فَارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ، فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى قُلْتُ وَضَعَ شَطْرَهَا، فَقَالَ اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ فَرَجَعْتُ فَوَضَعَ شَطْرَهَا فَرَجَعْتُ اِلَيْهِ فَقَالَ اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَاِنَّ اُمَّتَكَ لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَرَجَعْتُهُ فَقَالَ هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ لَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ فَرَجَعْتُ اِلٰى مُوْسٰى، فَقَالَ اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ قُلْتُ اِسْتَحْيَيْتُ مِنْ رَّبِّيْ ثُمَّ انْطَلَقَ بِيْ حَتّٰى انْتَهٰى اِلٰى سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى وَغَشِيَهَا اَلْوَانٌ مَا اَدْرِيْ مَا هِيَ ـ (الخ)

(بخاری)

محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہیں ــــ کہا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ کہا کہ ہاں! آپ نے فرمایا کہ پھر دروازہ کھولا اور ہم پہلے آسمان پر پہونچے، یہاں سے یکے بادیگرے ہر آسمان پر آپ کا استقبال کیا گیا، حضرت آدم وادریس وموسٰے وعیسٰے وابراہیم علیہم السّلام نے آپ کو خوش آمدید ومبارکباد کہا ــــ آپ فرماتے تھے کہ پھر مجھے انتہائی بلند مقام پر لے جایا گیا جہاں میں قلم کی آواز سُننے لگا، اللہ تعالےٰ نے یہاں میری امت پر شب وروز میں پچاس وقت کی نمازیں فرض کیں ــــ میں واپس ہوا مگر جب حضرت موسٰے علیہ السّلام کے پاس آیا تو انھوں نے دریافت کیا کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ پچاس وقت کی نمازیں، حضرت موسٰے نے فرمایا کہ واپس جائیے اپنے رب سے درخواست کیجئے (کہ کم کر دے) آپ کی امت میں اس کے پورا کرنے کی طاقت نہیں ہے! آپ فرماتے ہیں کہ میں گیا اور درخواست کی تو ایک جزء کم کر دی گئی مگر موسٰے کے پاس جب آیا تو پھر انھوں نے یہی کہا (حضرت موسٰی علیہ السّلام کو اپنی امت کا تجربہ تھا اور پروردگار نے انھیں ہمارے حال سے بھی واقف کر دیا ہوگا) یہاں تک کہ کم ہوتے ہوتے صرف پانچ نمازیں رہ گئیں اور اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ یہ پانچ ہیں مگر ان کا ثواب پچاس ہی کے برابر ہوگا ــــ اور میرے یہاں بات میں تبدیلی نہیں ہوتی ــــ آپ فرماتے ہیں کہ میں موسٰے کے پاس آیا تو پھر کہنے لگے جائیے، اپنے رب کے حضور میں درخواست کیجئے ــــ میں نے کہا کہ اب تو مجھے شرم آرہی ہے (کہ میرے یہاں بات نہیں بدلی جاتی [illegible] رجوع کروں اور اب رجوع کرنے کے معنی [illegible] بھی اڑا دی جائیں) آپ نے فرمایا کہ [illegible] پہونچایا گیا جہاں [illegible]

Regd. No. A-614

TAMEER

Lucknow.

طابع و ناشر — احتشام علی رحیم آبادی ★ مطبوعہ یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ

ادارۂ تعلیمات اسلام کا ترجمان

جلد (۲) — تعمیر — نمبر (۴)

۔/ (پندرہ روزہ) لکھنؤ

۳۸-امین آباد پارک

ادارۂ تحریر

• سید ابوالحسن علی ندوی
• عبدالسلام قدوائی ندوی
• مشیر الحق بحری آبادی

۱۵؍ اکتوبر ۱۹۵۱ء
۱۳؍ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ

اس شمارہ میں

شرائط ایجنسی

(۱) کم از کم پانچ پرچوں پر ایجنسی دی جائے گی۔
(۲) قیمت پیشگی بصیغۂ کمران ہوگی۔
(۳) بچے ہوئے پرچے واپس نہ لئے جائیں گے۔
(۴) ۲۰ پرچوں تک کمیشن ۲۵ فیصدی، ۲۵ تک فیصدی ۵۰ تک
۲۲½ فیصدی ۵۰ سے زیادہ پر ۳۰ فیصدی دیا جاتا ہے۔
(۵) مستقل ایجنٹ کو سو روپے لینا ضروری ہیں۔
(۶) مالک [illegible] ایک خاندان کو کلی ایجنسی دیا سکتی ہے
(۷) [illegible] جسٹرڈ [illegible] خرچ [illegible]

تعمیر کی قیمت

چندہ سالانہ :- .... چھ روپے
" ششماہی :- .... تین روپے
ایک پرچہ کے لئے :- .... چار آنے

ممالک غیر سے علاوہ پاکستان

چندہ سالانہ :- .... آٹھ روپے
" ششماہی :- .... چار روپے
ایک پرچہ کے لئے :- .... چھ آنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

دُکھتی رگ

آج سے چند برس پہلے جب ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت تھی، اس وقت تاریخ کی کتابوں میں یہ عبارت درج رہتی تھی کہ انگریزوں کے حدود سلطنت میں سورج کبھی غروب نہیں ہوتا، کسی نہ کسی حصہ میں دن رہتا ہے لیکن دیکھتے ہی دیکھتے چند برسوں میں انگریزوں کے ہاتھ سے ممالک اس طرح نکلنے لگے جیسے بوسیدہ جال کے سوراخ سے پرندے! اور اب سورج اس طرح غروب ہوا کہ ہندوستان آزاد ہوا، پاکستان بن گیا، برما قبضہ سے نکل گیا، مشرق اوسط نے کروٹیں بدلیں، ایران نے آنکھیں پھیریں اور آج مصر بھی دغا دے گیا، کل جہاں حضور ملک معظم کے نام کا ڈنکا بجتا تھا، آج وہاں کوئی ان کی بات تک سننے کو تیار نہیں ہے، ورنہ یہ کوئی بات تھی کہ ایسے نازک وقت میں جب ایٹلی کی کشتیِ وزارت ڈانواڈول ہو رہی ہے، شہنشاہ برطانیہ بیمار معذور پڑے ہیں، مصر نے صاف کہہ دیا کہ ۱۹۳۶ء کا معاہدہ منسوخ کیا جاتا ہے ——

ذرا سوچیے تو اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ "انہونی" ہو کس طرح رہی ہے، ممکن ہے آپ کسی اور نتیجہ پر پہونچیں لیکن میں نے اس موضوع پر جہاں تک غور کیا ہے یہی سمجھ میں آیا ہے کہ یہ سب ظلم، بے انصافی، بے جا حرص، اور بد دیانتی کے سبب ہوا ہے، انگریز جس ملک کو پہنچے، جونک کی طرح لپٹے، اس ملک کی اینٹ سے اینٹ بجا کر رکھ دی، وہاں کے رہنے والوں کے دلوں میں مستقل اختلاف پیدا کر دیا —— آبادی کو ننگا، بھوکا اور جاہل بنایا، بھائی کو بھائی سے لڑایا، شوہر سے بیوی کا اعتماد اٹھایا، باپ کو بیٹے سے بدظن کیا، یہاں مجھے اس بوڑھے شخص کی وہ بات یاد آگئی جس نے میرے محترم استاد علی میاں سے دمشق میں کہی تھی کہ اگر سمندر میں دو مچھلیاں لڑیں تو سمجھو اس میں انگریز کا ہاتھ ہے —— آخر ان مظلوموں نے اسے محسوس بھی تو کیا ہوگا، ان کے دل سے کبھی ان کے لئے بددعائیں بھی تو نکلی ہوں گی، —— کتنے ہی آزادی چاہنے والوں کو انھوں نے قید حیات سے آزاد کر دیا، کتنوں کو نہ زندوں میں رکھا نہ مردوں میں —— خدا معلوم کون کیا تھا، کس نے کتنی ذلت سے اپنے پروردگار سے کہا ہوگا، اور یہ نہ بھی ہو تو وہ خود ہی دیکھ رہا تھا، اس کے یہاں لوگ کہتے ہیں دیر ہے اندھیر نہیں ہے —— اگرچہ یہ وقفہ جسے آپ دیر کہتے ہیں "دیر" نہیں پاپ کا گھڑا بھرنے کی فرصت ہے —— اس نے انھیں بار بار مواقع دیے کہ اب بھی اپنی فطرت سے باز آؤ لیکن اُن کے سر تو اقتدار کا نشہ تھا، آخر پاپ کا گھڑا ٹوٹ گیا، ——

دراصل یہ لازمی بات تھی، یہ ناممکن تھا کہ انگریز قیامت تک اسی طرح ظلم کی کاغذی ناؤ چلاتے رہتے —— یہاں ایک شعر یاد آ رہا ہے اگرچہ وہ آپ لوگوں کا نہیں ہے بچوں کا ہے لیکن سننے میں کوئی حرج نہیں ہے

ناؤ کاغذ کی سدا چلتی نہیں
ظلم کی ٹہنی کبھی پھلتی نہیں

اس لئے جب اس ناؤ پر وزن زیادہ ہو گیا تو وہ ڈوب گئی، اسی طرح ہر وہ ناؤ ڈوب جائے گی جس پر وزن زیادہ ہوگا، خواہ وہ انگریز کی ہو، ہندو کی ہو، مسلمان کی ہو، یہودی کی ہو —— کسی کی بھی ہو، کشتی اس بات کا خیال نہیں کرتی کہ مجھ پر کون ہے وہ تو یہ محسوس کرتی

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سُورۃُ البقرۃ

(۶۹)

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○

ترجمہ:

آپ سے چاند کی حقیقت کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہہ دیجیے کہ وہ لوگوں کے لئے وقت کا معیار اور حج کے وقت کا بتانیوالا ہے، نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں اُن کی پشت کی طرف سے آؤ لیکن نیکی اس شخص کی ہے جس نے پرہیزگاری اختیار کی اور گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو۔

تشریح

اَہِلّہ ہلال کی جمع ہے، ہلال پہلی رات کے چاند کو کہتے ہیں۔ لوگوں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے چاند کی حقیقت دریافت کی تھی وہ یہ چاہتے تھے کہ یہ بات معلوم کریں کہ چاند کس طرح نکلتا ہے اس کے گھٹنے بڑھنے کا کیا سبب ہے۔ یہ اور اسی قسم کے دوسرے مسائل کو وہ سمجھنا چاہتے تھے لیکن ہیئت کے علمی مسائل ان کی فہم سے بالاتر تھے، اس کے علاوہ قرآن مجید کوئی طبیعات کی کتاب نہ تھی جس میں زمین و آسمان کے مسائل حل کئے جاتے۔ قرآن مجید کا مقصود اہل عالم کی ہدایت ہے، وہ زندگی بسر کرنے کا ایسا سلیقہ سکھانے کے لئے آیا ہے جس سے نیکی کو فروغ ہو، لوگوں کی یہ زندگی بھی امن و سکون سے بسر ہو اور جب دوسرے عالم میں قدم رکھیں تو وہاں بھی آرام و اطمینان کی فضا میسر آئے، اس لئے ان کے سوال کے جواب میں اللہ تعالےٰ نے چاند کی حقیقت نہیں بیان کی بلکہ فلکیات کے دقیق فنی مسائل کے بیان کے بجائے اُن فوائد کی جانب اشارہ کر دیا جو عوام و خواص سب کی نظر کے سامنے تھے[1] چاند سے مہینے متعین ہوتے تھے۔

[1] اس سلسلہ میں ایک اور پہلو بھی قابل ذکر ہے، ہیئت کے مسائل میں ڈیڑھ ہزار برس کی مدت میں بہت کچھ رد و بدل ہوتا رہا ہے کبھی آسمان گھومتا تھا کبھی سیارے گھومنے لگے کبھی آفتاب حرکت کرتا کبھی زمین گردش کرتی معلوم ہوتی، وقتاً فوقتاً عقل انسانی نے مظاہر فطرت کی سیکڑوں توجیہیں کیں جو نظریہ کل معیاری سمجھا جاتا ہے اور جسے عقل و دانش کا شاہکار تسلیم کیا جاتا تھا، اب وہ جاہلوں کا خیال اور بے عقلوں کا تصور سمجھا جاتا ہے۔ اس لئے ان حالات میں اگر کتاب الٰہی میں ان مسائل کا جواب دیا جاتا تو لوگوں کے سخت الجھاؤ و پریشانی کا سبب بن جاتا، اللہ تعالےٰ اگر کسی بات کو بیان کرتا تو صحیح ہی بیان کرتا لیکن اس زمانہ میں جب غلط بات صحیح سمجھی جاتی تھی اور تمام عقلائے روزگار غلط نظریہ کو صحیح سمجھتے تھے تو اس بیان کو بالکل خلاف عقل سمجھتے اور طرح طرح کی بحثیں کرتے، قرآن مجید ان کے غلط دعاوی کا جواب دیتا اور جواب در جواب کا سلسلہ شروع ہو جاتا اس طرح قرآن مجید کا اصل مقصود ہدایت عالم تو ختم ہو جاتا اور اس کے بجائے وہ فلکیات کے متعلق رد و قدح کا مجموعہ ہو جاتا۔ اس وجہ سے اللہ تعالےٰ نے اس سوال کا جواب دینے کے بجائے دوسرے پہلو کی جانب متوجہ کر دیا ۱۲

اور لوگ اس سے وقت کا حساب کرتے تھے۔

حج آج کی طرح پہلے بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا، ذی الحجہ کے مہینے میں لوگ دور دور سے سفر کرکے حجاز پہونچتے تھے اور خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے، عرب میں اس اجتماع سے بڑی دلچسپی لی جاتی تھی اور بڑے شوق سے ان دنوں کا انتظار کیا جاتا تھا، اس موسم میں روحانی فوائد کے علاوہ دنیاوی نقطۂ نظر سے بھی غیر معمولی فوائد حاصل ہوتے تھے اس وجہ سے حج کا ذکر خاص طور سے اس موقع پر کیا گیا ہے۔

لَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا

جاہلیت میں دستور تھا کہ جب لوگ حج کرنے کے خیال سے گھروں سے روانہ ہوتے تھے تو پھر جب تک حج نہیں کر لیتے تھے گھر واپس آنا اچھا نہیں سمجھتے تھے لیکن اگر کبھی کسی کو ایسی ضرورت پیش آجاتی تھی جس کی وجہ سے گھر آنا ضروری ہوتا مثلاً سفر کا کوئی ضروری سامان بھول گئے ہوتے اور اس کو لینے کے لئے آنا پڑتا تو وہ گھروں کے اندر ان کے دروازوں کے راستوں سے نہیں آتے تھے بلکہ مکانوں کی پشت کی طرف سے سیڑھی لگا کر یا کسی اور طریقے سے گھروں کے اندر جاتے اور سامان لے کر اسی طرح واپس ہوتے، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس فضول رسم کو غلط قرار دیا اور فرمایا کہ یہ کوئی نیکی کی بات نہیں ہے، نیکی دراصل یہ ہے کہ آدمی کے دل میں خدا کا خوف ہو اور اپنی زندگی پرہیزگاری اور پاکبازی کے ساتھ گزارے۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُمْ وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ كَذَٰلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ۝ فَإِنِ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ:

اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں اور زیادتی [illegible] اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، اور جہاں کہیں تم ان کو پاؤ انھیں قتل کرو اور انھوں نے جہاں سے تمھیں نکالا ہے وہاں سے تم ان کو نکال دو اور فتنہ قتل سے زیادہ شدید ہے۔ اور ان سے مسجد حرام کے قریب جنگ نہ کرو جب تک وہ تم سے اس کے حدود کے اندر جنگ نہ کریں پس اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم انھیں قتل کرو اسی طرح سے

سلہ امام رازی کا خیال ہے کہ اس آیت میں دروازہ کے بجائے پچھواڑے سے آنے کے ذکر میں ایک تمثیل بیان کی گئی ہے اس سے پہلے چاند کے فوائد کی جانب اشارہ کیا گیا ہے اور ان حکمتوں کی جانب لوگوں کو توجہ دلائی گئی ہے جو اس میں پائی جاتی ہیں، اب اس آیت میں یہ کہا جا رہا ہے کہ اس علیم و حکیم ذات سے جو کچھ ظہور میں آتا ہے وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا یہ کارگاہ عالم ہم نظر ڈالنے سے قدم قدم پر اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے اسلئے ان معلومات سے ہم اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ صانع عالم بڑی حکمت سے نظام عالم کو چلا رہا ہے۔ معلومات سے مجہولات کو معلوم کرنا یہی صحیح طریقۂ فکر ہے، اب اگر اس حکمت بھری دنیا کو دیکھ کر کوئی اس حکیم کی کاریگری کا قائل نہیں ہوتا تو یا الٹی راہ چلتا ہے گویا اندر دروازہ کے بجائے پشت کی طرف سے آتا ہے امام رازی نے تفسیر کبیر میں اس

★ مشیر الحق بھری آبادی

جہاد کیا ہے؟

(۲)

جب آیت "لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون" نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور فرمایا یا رسول اللہ! ہم کو اللہ تعالیٰ نے بہترین مال صدقہ کرنے کا حکم دیا ہے اس لئے میں اپنا محبوب ترین کنواں بیر حار کو صدقہ کرتا ہوں ـــ یہ ذہن میں رہے کہ اُس وقت کنویں کا صدقہ کر دینا آج کل کی بڑی بڑی فیکٹریوں اور کارخانو سے بڑھ کر ہے ـــ عرب میں پانی کی جو قلت تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہ تھی، چند گنے چنے کنویں ہوتے تھے اور وہ بھی لوگوں کی ملکیت ہوتے تھے ـــ عرب کی بڑی بڑی جنگیں اسی "پانی" کی وجہ سے ہوتی تھیں ـــ

غرضیکہ جہاد بالنفس کے ساتھ ساتھ جہاد بالمال کی مثالیں بھی بہت کثرت سے ملتی ہیں اور یہی وہ حالات تھے جن کو دیکھ دیکھ کر مخالفین کے دلوں میں اُن کے عقیدے کی سچائی اور خیالات کی پختگی جمتی تھی اور وہ دھیرے دھیرے اس طرف مائل ہو جاتے تھے ـــ

اسلام کے قدم کو جمانے کے لئے ان دو قسم کے "جہادوں" کے ساتھ ساتھ ایک تیسرا جہاد بھی ہے اور وہ بھی اتنا ہی مرتبہ رکھتا ہے اور وہ ہے "جہالت" کے خلاف جہاد ـــ یہ حقیقت ہے کہ اگر لوگوں میں علم کی روشنی نہ ہوگی اور جہالت کا دور دورہ ہوگا تو ان میں کسی اچھی تحریک کے جڑ پکڑنے کے امکانات بہت کم ہو جاتے ہیں ـــ ان کے دماغ میں نئی نئی باتوں کے سوچنے اور اپنی زندگی کے متعلق فکر کرنے کے تمام راستے بند ہو جاتے ہیں، صحابہ کے حالات کو دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ شروع شروع میں ہی صحابہ ایمان لائے ہیں جو پہلے سے اپنی زندگی کے متعلق سوچتے تھے جو یہ محسوس کرتے تھے کہ ہماری زندگی "انسانوں کی زندگی" نہیں ہے ـــ اور یہ ایک عقلی بات ہے کہ کوئی بھی تحریک جہالت کے ماحول میں نہیں پنپ سکتی، ہر تحریک کو چلانے کیلئے پہلے پہل لوگوں کے ذہن کو متاثر کرنا پڑتا ہے ـــ خصوصًا اس زمانہ میں تو اس جہاد کا مرتبہ بہت ہی بڑا ہے آج صحیح علم کو پھیلائے بغیر اسلام کو پھیلانا ممکن ہی نہیں ہے، جب تک ہم عوام میں یہ سمجھ بوجھ نہ پیدا کر دیں کہ دنیا کا نجات دہندہ اس وقت اسلام کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اس وقت تک وہ اس کی طرف متوجہ ہی نہ ہوں گے اور یہ بات علم کے بغیر ممکن نہیں ـــ

خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو تعلیم کی اشاعت کا اتنا خیال تھا کہ جب بعض اسیران بدر کے پاس اپنی رہائی کے لئے فدیہ کی رقم نہ نکلی تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ وہ لوگ انصار کے بچوں کو لکھنا سکھا دیں، چنانچہ انصاری بچوں نے اُن سے لکھنا سیکھا ـــ

غرضیکہ اصل جہاد یہی تین چیزیں ہیں، اپنے نفس کو زیر کرنا، وقت پڑ جائے تو مال و دولت، عزیز واقارب سب کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینا اور جہالت کے خلاف کوشش کرنا ـــ

ان تینوں کے بعد "جہاد بالسیف" کا درجہ آتا ہے ـــ اور وہ بھی لوگوں سے اپنے عقائد منوانے کے لئے نہیں بلکہ دنیا سے ظلم کو دور کرنے کے لئے ـــ امن پھیلانے کے لئے، جب کوئی تلوار لے کر آ ہی جائے تو مدافعت کرنے کے لئے ـــ

وقاتلوا فی سبیل الله الذین یقاتلونکم ولا تعتدوا ان الله لا	اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر حد سے نہ گزرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ

یحب المعتدین۔ — حد سے بڑھ جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دیکھئے اس آیت میں جنگ کا حکم دیا گیا ہے لیکن اسکی اولیں شرط یہی قرار دی گئی ہے کہ "جو تم سے لڑے اُس سے جنگ کرو" —— ظاہر ہے کہ جب مذکورہ بالا قسم کے "جہاد" کی مخالفت میں لوگ جنگ کرنے کے لئے سامنے آجائیں تو اس وقت لامحالہ تلوار اٹھانا ہی پڑے گی، لیکن اس وقت بھی اسلام "اچھے طریقہ پر بحث کرنے" کا حکم دیتا ہے، ظاہر ہے میدان جنگ میں تیر و تلوار ہی سے بحث ہوتی ہے اور اس وقت اچھائی کو ملحوظ رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ فتح کے بعد ضعیفوں، عورتوں اور بچوں کو نہ قتل کیا جائے، کھڑی کھیتیوں کو برباد نہ کیا جائے، مویشیوں کو نیست و نابود نہ کیا جائے —— غرضیکہ "عدل" کا دامن ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے اور لوگ مقرر کردہ حد سے آگے نہ بڑھنے پائیں ——

اسی لئے فرمایا:—

فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم۔ — سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر (اتنی ہی) زیادتی کرو، [illegible] اس نے تم پر زیادتی کی ہے۔

اسلام چونکہ متوازن مذہب ہے اس لئے اس کی تعلیم میں کہیں سے بھی کوئی جھول نظر نہ آئے گا، بلکہ درجہ بدرجہ جیسے حالات پیش آتے جائیں گے ویسے ہی اس کی تعلیمات سے یہ معلوم ہوگا کہ اصل تعلیم یہی ہے —— دنیا کی اصلاح کے لئے اور کسی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے جبتک اپنی خواہشات کو زیر کرنے کا وقت رہتا ہے اس وقت تک اسلام اسی بات پر اپنی تمام کوششوں کو صرف کرنے کا حکم دیتا ہے، پھر جب مال خرچ کرنے کا وقت آتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام نیکیاں صرف اسی میں ہیں، پھر جب دنیا سے باطل کو مٹا کر شمع اسلام روشن کرنے کا وقت آتا ہے تو جان پڑتا ہے کہ اس سے بڑا اور کوئی کام ہی نہیں ہے، لیکن جب ان تمام مدارج کے بعد بھی لوگ دشمنی سے باز نہیں آتے اور مجبوراً تلوار اٹھانی پڑتی ہے تو اس وقت بھی اسلام ایسی تعلیم دیتا ہے کہ کسی شخص کے ذہن میں قتل ہونے زخمی ہونے کا خطرہ ہی نہ گزرے —— وہ بتاتا ہے کہ اسلام کی راہ میں مرجانا ہی اصل زندگی ہے، اسی لئے وہ راہ حق میں جان دینے والوں کے بارے میں لوگوں کو مخاطب کرکے کہتا ہے:—

ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون ٥ — اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں انھیں "مردہ" نہ کہو وہ زندہ جاوید ہیں لیکن تم اس کا احساس نہیں کر سکتے

چونکہ اسلام قبول کرتے ہی اپنے عقیدہ میں سب سے پہلے یہ بات جمانی پڑتی ہے کہ یہ زندگی عارضی ہے اصل زندگی اس کے بعد شروع ہوگی —— وہ یقین رکھتے ہیں کہ

موت تو زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس زندگی کی اچھائی اور برائی کا دارومدار یہاں کے اعمال پر ہے، اب جب ایسی صورت میں اسلام یہ اعلان کرتا ہے کہ جو لوگ راہ حق میں قتل ہوں گے ان کے لئے جنت یقینی ہے تو لوگ کیونکر نہ پروانہ وار اسلام پر نثار ہوں گے۔ ان کی جرأت اور بہادری کی اصل وجہ یہی ہے کہ وہ اس موت کو اپنی زندگی سمجھتے ہیں

قرآن شریف میں ایک موقع پر بہت ہی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے جنگ کیوں کی ——

اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا وان اللہ علی نصرھم لقدیر الذین اخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ — لڑنے کی ان لوگوں کو اجازت دیگئی جن سے لڑائی کی جاتی ہے اسوجہ کہ انپر ظلم کیا گیا ہے اور بیشک اللہ تعالےٰ ان کے غالب کردینے کی پوری قوت رکھتا ہے (اور اسوجہ کہ وہ) اس جرم میں نکال دیے گئے کہ وہ کہتے تھے

دیکھیے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کا جرم بتاتا ہے جس کی وجہ سے لوگوں نے ان پر ظلم ڈھایا وہ جرم صرف یہ ہے کہ وہ اللہ کو رب مانتے ہیں ——
پوری مکہ کی زندگی اس آیت کی تفسیر ہے وہاں لا الٰہ الا اللہ اتنا بڑا جرم تھا جس کی سزا قتل تک تھی، اس "جرم" میں ان لوگوں کو ہجرت کرنی پڑی، اس کے بعد بھی ان پر ظلم کا سلسلہ بند نہ ہوا بلکہ ان کے خلاف اجتماعی حیثیت سے تلوار اُٹھائی گئی، اس وقت بھی اگر اسلام جنگ کا حکم نہ دیتا تو مسلمانوں میں کم ہمتی پھیل جاتی، کیونکہ تلوار کا مقابلہ تلوار ہی سے ہوتا ہے، اس لئے تلوار کا موقع آگیا تو اس طرح لوگوں کو تیار کیا گیا کہ لوگ اپنی جان ہتھیلیوں پر لئے پھرتے تھے، عام طریقہ سے ایسی ذہنیت پیدا ہو گئی تھی کہ بستر پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا لوگوں کو پسند نہ تھا، عورتوں میں ایسا جذبہ پیدا ہو گیا تھا کہ وہ غزوات میں اپنے مردوں کو خوشی خوشی رخصت کرتی تھیں، اور کبھی اُن کے مُنہ سے یہ جملہ نہیں نکلتا تھا کہ "جاؤ جس طرح پیٹھ دکھلاتے ہو اسی طرح مُنہ دکھانا" ——
حضرت عبداللہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کو طاعون ہوا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عیادت کے لئے تشریف لائے تو آثار موت طاری ہو چکے تھے عورتیں رونے پیٹنے لگیں، ان کی صاحبزادی روتی تھیں اور کہتی تھیں کہ مجھے توقع یہ تھی کہ آپ شہید ہوں گے۔ آپ نے جہاد کا سامان بھی مکمل کر لیا تھا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا انھیں نیت کا ثواب مل گیا ——
باپ کی موت پر بیٹی روتی ہے تو اس لئے کہ بستر پر کیوں مر رہے ہیں انھیں تو میدان میں مرنا چاہیے تھا —— یہ اسی ذہنی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ عورتوں کو اپنے شوہر، بھائی اور باپ کے مرنے کی اطلاع ملتی تھی تو اُن کی پیشانی پر شکن بھی نہ پڑتی تھی ——
اب ان تمام تصریحات کے بعد ذرا آج کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے جہاد کا تجزیہ کیجیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ جہاد ایک قسم کی ڈکیتی ہے جو مسلمان غیر مسلموں کے جان و مال پر ڈالتے ہیں۔ یہ کوئی نہیں سوچتا کہ جہاد کے افضل ترین حصے یہ نہیں ہیں جن کا ہر طرف شور و غوغا مچا ہوا ہے بلکہ اسلام جہاں جہاد کا لفظ استعمال کرتا ہے وہاں اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر ممکن پُر امن طریقوں سے دنیا کو نیکیوں کی طرف آنے کی دعوت دی جائے، اپنے طرز عمل سے یہ بات واضح کر دی جائے کہ دنیا کی تمام بیماریوں کا علاج اسلام ہے اسے قبول کئے بغیر کوئی شخص چین سے نہیں رہ سکتا لیکن اگر کوئی شخص اسے نہ مانے تو اس پر زبردستی بھی نہیں ہے —— ہاں اگر پُر امن طریقوں کا جواب تشدد سے دیا جائے لوگوں پر ظلم کیا جائے، تلواریں اٹھالی جائیں اُس وقت تلوار اُٹھائی جاسکتی ہے اور اس عزم کے ساتھ اُٹھانی چاہیئے کہ ہماری زندگی اللہ کے ہاتھ بک چکی ہے، اس وقت اُسے ہماری ضرورت ہے ہمیں یہ ضرورت پوری کرنی ہے —— لیکن اس کے بعد بھی یہی سوچتے رہنا چاہیئے کہ ؎

جان دی، دی ہوئی اُسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

یہی ہے اصل جہاد، دنیا کا کوئی شخص بھی کسی تحریک کو آگے بڑھانے کے لئے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ بتا ہی نہیں سکتا ——!

ایک گزارش

براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کیجیے۔

منیجر "تعمیر"

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

ایک نئی مسلم مملکت

●

طرابلس کا ذکر ہندوستانی اخبارات و رسائل میں کافی ہوتا رہا ہے، ۱۹۱۱ء میں جب اٹلی نے طرابلس پر ناگہانی حملہ کیا اور بزور اس ملک پر قبضہ کرنا چاہا تو سارے عالم اسلام میں غم و غصہ کی ایک لہر دوڑ گئی، ہندوستان میں بھی بہت زیادہ بے چینی محسوس کی گئی اور یہاں کے اخبارات و رسائل نے مسلمانان طرابلس کی حمایت میں بڑے موثر اور پر زور مضامین لکھے، ان مضامین نے طرابلس کا معاملہ سارے ملک کو ذہن نشین کرا دیا اور اس کا نام بچہ بچہ کو یاد ہو گیا۔

تعمیر کی کسی گزشتہ اشاعت میں طرابلس پر ایک مختصر مضمون شائع ہو چکا ہے، جس میں ان مظالم کی تفصیل بیان کی گئی تھی جو اٹلی نے اس ملک کے بیکس باشندوں پر کئے تھے اب اس مضمون میں پچھلے واقعات کے ساتھ موجودہ حالات بھی بیان کئے جا رہے ہیں، تاکہ قارئین تعمیر پچھلے حوادث کے ساتھ موجودہ حالات سے بھی واقف ہو جائیں۔ یہ مضمون اسلامک ریویو لندن، اور حاضر العالم الاسلامی مصنفہ امیر شکیب ارسلان کی مدد سے تیار کیا گیا ہے۔

جغرافیائی تفصیل | طرابلس آج کل لیبیا کے نام سے مشہور ہے یہ بہت پرانا نام ہے، اسلامی فتوحات سے بہت پہلے وہ اس نام سے موسوم تھا، اسلامی فتوحات کے بعد طرابلس کے نام سے مشہور ہو گیا، اطالوی قبضہ کے بعد اس کا پرانا نام لیبیا پھر رائج کیا گیا، اور اب اسی نام سے یہ مملکت بن رہی ہے، یہ بحر روم کے جنوبی کنارے پر مصر اور ٹیونس کے درمیان واقع ہے، اس کی آبادی تقریباً گیارہ لاکھ ہے، اور رقبہ دس لاکھ مربع کیلومیٹر ہے جو تین صوبوں میں تقسیم ہے۔

(۱) سائرنیکا۔ جسے عربی میں برقا کہتے ہیں۔
(۲) ٹری پولی، (طرابلس)
(۳) فیضان۔

ٹری پولی (طرابلس) کی آبادی سب سے زیادہ ہے تقریباً سات لاکھ پچاس ہزار باشندے اسی علاقے میں رہتے ہیں، جو سارے ملک کی آبادی کا دو تہائی سے بھی کچھ زیادہ ہے۔ سائرنیکا (برقا) کی آبادی تین لاکھ ہے، اور فیضان میں صرف تیس ہزار اشخاص رہتے ہیں، آبادی تقریباً ساری مسلمان ہے۔ صرف تیس ہزار یہودی اور ۴۵ ہزار اطالوی باشندے ہیں جو اطالوی قبضے کے زمانہ میں یہاں آکر بسے ہیں، ملک کی زبان عربی ہے، عوام الناس بھی اسی کو استعمال کرتے ہیں اور سرکاری محکموں میں بھی یہی رائج ہے۔

اس طرح لیبیا میں قومی وحدت کے تمام اسباب جمع ہیں' ان کی زبان ایک ہے ان کا مذہب ایک ہے ان کی قومیت ایک ہے، ان وحدت قومی کے اسباب کے ساتھ ساتھ سیاسی اور معاشی حالات کا بھی تقاضہ ہے کہ وہ متحد رہیں، ملک کے تینوں صوبے علیٰحدہ رہ کر زندہ نہیں رہ سکتے، انکی معاشی ضروریات ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہیں کہ علیٰحدگی کا کوئی امکان نہیں ہے، ہر صوبہ اپنی اہم ضروریات کے لئے ایک دوسرے کا محتاج ہے۔

ابتدائی اسلامی تاریخ | ۶۴۲ء میں یہ ملک عربوں کے قبضہ میں آیا، حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے مصر کی فتح کے بعد اس علاقہ کو بھی اسلامی مملکت میں داخل کیا، جس زمانہ میں وہ اسکندریہ میں مقیم تھے ان کے پاس لیبیا کے سردار پہونچے اور اپنی اطاعت و وفاداری کا یقین

دلایا کیونکہ رومیوں کی شکست کے بعد انھیں یقین ہوگیا تھا کہ عربوں کی زبردست طاقت کا مقابلہ ان کے بس سے باہر ہے، پھر رومیوں سے وہ خوش بھی نہیں تھے کہ انھوں نے اپنے زمانۂ حکومت میں ان کے ساتھ کوئی ایسا سلوک نہیں کیا تھا جس کی بنا پر وہ ان کے ساتھ رہنا پسند کرتے، بلکہ انھیں ہر قدم پر یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ رومیوں کے غلام ہیں، مسلمانوں کی آمد میں انھیں اپنی گلو خلاصی نظر آئی، اسی بنا پر انھوں نے عربوں کی آمد سے پہلے اسکندریہ جاکر حضرت عمرو بن العاصؓ کو اپنی وفاداری کا یقین دلایا اور انھیں لیبیا آنے کی دعوت دی، نتیجہ یہ ہوا کہ آسانی کے ساتھ اس ملک پر عربوں کا قبضہ ہوگیا اور تھوڑے ہی عرصہ میں یہاں کے لوگوں نے اسلام قبول کرلیا، عربی زبان سیکھ لی اور اس طرح عربوں کے ساتھ خلط ملط ہوگئے کہ ان کے اور عربوں کے درمیان کوئی فرق باقی نہ رہا اور آج تک زمانہ کے ہزاروں انقلابات کے باوجود ان کی عربیت میں کوئی فرق نہ آیا۔

ترکی عہد بنی امیہ اور بنی عباس کے دور میں یہ ملک انھیں کے ماتحت رہا ان کے زوال کے بعد طوائف ملوکی کا دور ہوا اور تمام اسلامی ممالک مختلف ٹکڑوں میں بٹ گئے بالآخر ترکان آل عثمان برسر اقتدار آئے اور انھوں نے مسلمانوں میں نئی روح پھونکی اس طرح منتشر قوتیں ایک مرکز پر جمع ہوئیں، متفرق علاقے ایک مرکزی نظم کے تحت میں آئے اور ایک عظیم الشان اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔ ۱۵۵۱ء میں لیبیا بھی ترکی حکومت میں شامل ہوگیا، اس وقت سے اطالوی حملے ۱۹۱۱ء تک برابر انھیں کے ماتحت رہا، ان کی طرف سے طرابلس میں ایک گورنر مقرر تھا جو باشندگان ملک کے مشورے اور قسطنطنیہ کی مرکزی حکومت کی مرضی [illegible] ملک کا انتظام کرتا تھا۔

شہری انتظام تقریباً تمام تر باشندگان ملکی کے ہاتھ میں تھا میونسپلٹیوں کے صدر یہی لوگ ہوتے تھے، باب عالی (مرکزی ترکی حکومت) کو محض رسمی طور پر اختیارات بالادستی حاصل تھے، درحقیقت تمام انتظامات اہل طرابلس کے سربرآوردہ نمائندے ہی انجام دیتے تھے خود باب عالی (مرکزی ترکی حکومت) کی مجلس مشورۃ میں بھی لیبیا کو نمائندگی حاصل تھی، ۱۹۰۸ء میں جب ترکی کے نظام حکمرانی میں انقلاب ہوا اور مطلق العنان بادشاہت کے بجائے دستوری حکومت قائم ہوئی تو لیبیا کو بھی سلطنت کے دوسرے حصوں کی طرح اس میں حصہ لینے کا حق دیا گیا، مرکزی پارلیمنٹ میں لیبیا کے منتخب نمائندے بھی شریک ہوتے تھے، یہی وجہ ہے کہ یہاں کے باشندے ترکی حکومت کے وفادار رہے اور ترک بھی برابر ان کی پشت پناہی کرتے رہے۔

اٹلی کا حملہ جب ۱۹۱۱ء میں اٹلی نے اچانک اس ملک پر حملہ کیا تو عربوں اور ترکوں نے ایک جان ہوکر ان ظالموں کا مقابلہ کیا، ترک فوج اس وقت طرابلس میں صرف چار ہزار تھی، باہر سے کسی امداد کا امکان نہ تھا انگریزوں نے مصر کے راستے سے ترکوں کو فوجیں لے جانے کی اجازت نہ دی، بحر روم اطالوی جنگی جہازوں سے بھرا ہوا تھا جنھیں اٹلی سے پوری مدد پہونچ رہی تھی کیونکہ وہ اس سمندر کے بلا شرکت غیرے مالک تھے ان کے مقابلہ میں ترکوں کی مرکزی قوت بہت دور تھی، سیکڑوں میل کا سمندر طے کرکے دشمن کے علاقے کے اندر سے گزر کر طرابلس تک پہونچنا ان کے لئے بہت مشکل تھا، بایں ہمہ جس طرح ہوسکا چند لائق اور تجربہ کار فوجی افسر وہاں پہونچ گئے، نوری پاشا، مصطفےٰ کمال پاشا اور دوسرے نامور ترک جنرلوں کے ساتھ خود انور پاشا بھی کسی نہ کسی طرح طرابلس پہونچے اور باشندگان طرابلس کے دوش بدوش اطالوی حملہ آوروں کے سامنے سینہ سپر ہوگئے (باقی آئندہ)

★ ثاقب کانپوری

غزل

جلوۂ حسن سے آنکھیں مری حیراں تو نہیں
سوچتا ہوں یہ ترا حسن گریزاں تو نہیں

میرے دم سے تو نہیں عشق و محبت کے سوا
بوئے گل کی طرح گلشن میں پریشاں تو نہیں

دامنِ حسن نہ ہو میری محبت کا فریب
میرے ہاتھوں میں کہیں میرا گریباں تو نہیں

کیوں مجھے طعنۂ بے صبریٔ دل دیتا ہے
مری صورت سے غمِ عشق نمایاں تو نہیں

ذرّے ذرّے سے نمایاں ہیں نقوشِ سجدہ
بزم سے اپنی اٹھانا مجھے آساں تو نہیں

ہائے کیوں رکھتا ہے تو اپنی جفا سے محروم
کثرتِ جور سے میں تیرے پریشاں تو نہیں

دینے والے مجھے آزار کبھی سوچ تو لے
غم ہی غم عشق میں کچھ فطرتِ انساں تو نہیں

کس لئے ہر کیا ہے ثاقب پہ جفائے پیہم
اسکے دل میں ترے ملنے کا ارماں تو نہیں

★ ابوالمجاہد زاہد

ذکر و فکر

اپنوں ہی سے ہم تو بھر پائے غیروں کی شکایت کیا کرتے
پھولوں ہی نے کیا راحت بخشی کانٹوں سے عداوت کیا کرتے

سرشارِ غرورِ رعنائی، مستِ خیالِ یکتائی
اس گم شدگی میں ہم ان سے ذکرِ غمِ فرقت کیا کرتے

جب دنیا ہی بھی نہ ملے ہم دل کا فسانہ کیا کہتے
تلوار ہی جب اس نے رکھ دی ہم شوقِ شہادت کیا کرتے

کچھ اور بھی دکھ ہیں دنیا میں کچھ تلخ حقائق اور بھی ہیں
پھر اے غمِ جاناں تو ہی بتا ہم تیری عبادت کیا کرتے

پھولوں پہ بجلی گرتی تھی کلیوں کی عصمت لٹتی تھی
ہم قیدِ قفس سے چھٹنے پر اظہارِ مسرت کیا کرتے

اس دورِ سیاست میں آ کر ہر چیز ہوئی مبہم مبہم سی
عرفانِ ہوس ہی کر نہ سکے عرفانِ محبت کیا کرتے

★ ادیب مالیگانوی

جلوۂ نو

اک جلوۂ نو سے ظلمت کے آثار بدلتے جائینگے
ویرانوں کی قسمت پلٹے گی گلزار بدلتے جائینگے

تو اپنے سفینے کو یونہی طوفانِ بلا میں کھیتا چل
موجوں کی روانی بدلیگی، منجدھار بدلتے جائینگے

تغیر پسند انساں ہی نہیں، فطرت کا یہی دستور بھی ہے
حالات بہر صورت اپنی رفتار بدلتے جائینگے

بیتاب ہے ساز شام و سحر اے دوست نئے نغموں کے لئے
جو تار پرانے ہو ہی چلے وہ تار بدلتے جائینگے

ترمیم کا فن آجائیگا آئین وفا میں ہم کو بھی
انداز جفا کا یونہی اگر سرکار بدلتے جائینگے

(آجکل)

★ وارث القادری

جستجو

جو جفا کا ردِ عمل بنے مجھے اُس وفا کی تلاش ہے
ستم آشنا تو بہت ملے، کرم آشنا کی تلاش ہے

تری زلف کی ہو مہک جہاں، ترے حسن کی ہو جھلک جہاں
مجھے اُس فضا کی ہے جستجو، مجھے اُس فضا کی تلاش ہے

کبھی ذرہ ذرہ پہ دیکھئے مرے قدم کے نشاں ثبت
اسی ارتقا کی قسم مجھے، اسی ارتقا کی تلاش ہے

وہ زمانہ جیسے بدل گیا، وہ جو کارواں تھا نکل گیا
[illegible] مال و جاہ کے سامنے کیسے اب خدا کی تلاش ہے

[illegible] نفس نفس میں بسا ہوا، مرے انقلاب کا حوصلہ
مجھے وارث اپنے چھپے ہوئے دُرِ بے بہا کی تلاش ہے

★ علامہ اقبال مرحوم

شکست

مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں
بہانہ بے عملی کا بنی شرابِ الست!

فقیہ شہر بھی رہبانیت پہ ہے مجبور
کہ معرکے ہیں شریعت کے جنگ دست بدست

گریز کشمکشِ زندگی سے، مردوں کی
اگر شکست نہیں ہے تو اور کیا ہے شکست

★ مشیر الحق مجری آبادی

آخر کس کی جیت؟

•

پہلا سین

دربار آراستہ ہے، وزرا و امرا قرینے سے اپنی اپنی جگہوں پر بیٹھے ہوئے ہیں — بادشاہ ایک اونچے تخت پر عزور و تمکنت سے بیٹھا ہے، ایک نقیب اندر آتا ہے اور بادشاہ کے سامنے سجدہ میں گر جاتا ہے۔

سر اٹھاؤ — بادشاہ پُر رعب آواز میں کہتا ہے۔

نقیب ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

کیا بات ہے؟

عالم پناہ! استاد عالم اندر آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں۔

انھیں اجازت ہے،

نقیب اُلٹے پیروں باہر چلا جاتا ہے۔

دروازہ کا ریشمی پردہ سرکا کر استاد عالم اندر آتے ہیں اور تخت کے سامنے سجدہ میں گر جاتے ہیں —

استاد عالم کی عمر لگ بھگ ۸۰ سال کی ہے سر اور داڑھی کے بال سن سفید ہو چکے ہیں، چہرے پر جھریاں ہیں، ہاتھوں میں رعشہ ہے، لمبا چغہ پہنے ہوئے ہیں کمر میں موٹے دانوں کی ایک تسبیح لپٹی ہے اور گلے میں چند انسانی ہڈیاں ہار کی طرح گوندھ کر پہنے ہوئے ہیں —

بادشاہ انھیں سجدہ سے سر اٹھانے کا حکم دیتا ہے اور وہ اٹھ کر ایک نمایاں جگہ پر بیٹھ جاتے ہیں۔

بادشاہ۔ استاد عالم آپ نے کیوں تکلیف فرمائی

استاد عالم — جہاں پناہ اب میں ضعیف ہو گیا ہوں — چراغ سحری کا ٹھکانا کیا؟ میں ڈرتا ہوں کہ میرے مرنے کے بعد میرا فن بھی مر جائے گا —

بادشاہ — تو کسی ہونہار شخص کو آپ اپنا فن سکھا دیجئے۔

استاد عالم — عالی جاہ! میں یہی اجازت لینے خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔

بادشاہ۔ اس امانت کو سنبھالنے والا آپ کی نظروں میں کوئی ہے

استاد عالم — ایک لڑکے پر میری نظر ہے، وہ ابھی نوجوان ہے اور مجھے اس سے بہت سی امیدیں وابستہ ہیں، صرف جہاں پناہ کی اجازت درکار ہے۔

بادشاہ — بادولت اس تجویز پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں، آپ اُسے جادو کے فن میں طاق کر دیجئے۔

استاد عالم — جہاں پناہ کا اقبال دراز ہو — کیا اب مجھے جانے کی اجازت ہے؟

بادشاہ — آپ جا سکتے ہیں۔

استاد عالم سر جھکائے اُلٹے پیروں واپس چلے جاتے ہیں، تھوڑی دیر تک دربار جاری رہتا ہے —

کردار

- بادشاہ : خدائی کا دعوے دار
- استاد عالم: بہت بڑا جادوگر
- راہب : خدا پرست فقیر
- نوجوان : استاد عالم کا شاگرد، جو خدا پرست ہو گیا۔
- نابینا وزیر: دوسرے وزرا، درباری اور شہری لوگ۔

میں معاف کر سکتا ہوں — لیکن موت معاف نہ کرے گی اور اُسے بھی زندہ آرے سے چیر دیا جاتا ہے — مگر [illegible] ہار کر بھی جیت گیا اور میں — میری شکست [illegible] ہو گئی، شکست فاش!!

دوسرا سین

شام کا وقت ہے سورج مغرب کی طرف تیزی سے جا رہا ہے، درختوں کے سائے لمبے ہو چکے ہیں — شہر سے باہر میدان میں ایک جھونپڑی دکھائی دیتی ہے، دروازہ کے سامنے ایک ضعیف شخص ٹہل رہا ہے، اس نے اپنے دونوں ہاتھ کمر پہ باندھ رکھے ہیں — رفتار کی ناہمواری بتاتی ہے کہ وہ کسی گہری فکر میں ہے — راہبوں کے ایسا ڈھیلا ڈھالا لباس پہنے ہوئے ہے — دور سے ایک نوجوان آتا ہوا دکھائی دیتا ہے — راہب اسے دیکھ کر رک جاتا ہے اور اُسے غور سے تکنے لگتا ہے — نوجوان سر جھکائے تیزی کے ساتھ اُس کے سامنے سے گزرتا ہے اور راہب پکارتا ہے میاں صاحبزادے —

نوجوان چونک کر پلٹ پڑتا ہے اور پوچھتا ہے آپ نے مجھے پکارا — ؟

ہاں میاں! اگر حرج نہ ہو تو تھوڑی دیر کے لئے رک جاؤ —

نوجوان اس کے قریب آجاتا ہے اور کہتا ہے، کہئے کیا بات ہے؟

اندر آؤ اطمینان سے بیٹھ کر باتیں کریں گے۔

نوجوان اور راہب اندر چلے جاتے ہیں، زمین پر ایک چٹائی بچھی ہوئی ہے، ایک کونے میں ایک کتاب رکھی ہوئی ہے — دونوں چٹائی پر بیٹھ جاتے ہیں — نوجوان تعجب بھری خاموشی سے راہب کو تک رہا ہے تھوڑی دیر بعد راہب کہتا ہے۔

میاں میں ہر روز تمہیں بہت ہی صبح ادھر جاتے ہوئے دیکھتا ہوں، اور شام کو واپس آتے دیکھتا ہوں، آخر تم روزانہ کہاں جاتے ہو۔

نوجوان — محترم بزرگ! میں استاد عالم کے پاس جادو سیکھنے جاتا ہوں۔

راہب — اچھا، تو تم ہی وہ نوجوان ہو جو بادشاہ کے حکم سے جادو سیکھ رہے ہو۔

نوجوان — (سر جھکا کر) جی ہاں۔

راہب — بتا سکتے ہو کہ تم جادو کیوں سیکھ رہے ہو

نوجوان — (سر اٹھا کر) یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، جب میں جادو میں طاق ہو جاؤں گا تو استاد عالم کے بعد میں ہی استاد عالم بنوں گا،

راہب — اس سے فائدہ۔

نوجوان — (تعجب سے) فائدہ —! (ذرا سے سکوت کے بعد) آپ جانتے ہیں، استاد عالم کا کتنا بڑا اعزاز ہے، ان کا ملک میں کتنا مرتبہ ہے، دربار میں کتنی اونچی پوزیشن ہے — ان کے بعد میری بھی اتنی ہی عزت ہوگی، لوگ میرے سامنے غلاموں کی طرح جھکیں گے، جدھر میں اشارہ کروں گا لوگ اُس طرف جانا اپنی سعادت سمجھیں گے —

راہب — تو تم اپنی زندگی سنوارنے کے لئے یہ مشقت برداشت کر رہے ہو۔

نوجوان — (مسکراتے ہوئے) جی ہاں۔

راہب — (نوجوان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر) لیکن اُس زندگی کے لئے کیا کر رہے ہو جو اس زندگی کے بعد آنے والی ہے جو.....

نوجوان — (راہب کی بات کاٹتے ہوئے) کون سی زندگی — ؟

راہب — (رک رک کر بولتا ہے) مرنے کے بعد کی زندگی، جب ہم دوبارہ زندہ کئے جائیں گے، جب ہمارا حساب ہوگا —————— وہ زندگی۔

نوجوان — یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں، میری سمجھ میں کچھ نہیں آتا — حساب وکتاب کیا؟ آج تک میں نے نہ سنا اور نہ دیکھا کہ کسی مردہ کو جان ڈال کے زندہ کر کے اُس سے حساب لیا ہو۔

راہب ہنسنے لگتا ہے —

نوجوان — آپ ہنس رہے ہیں؟

راہب — ہاں ہنس رہا ہوں، تمھارے بچپن پر —
نوجوان — میں نے کوئی غلط بات کہی ؟
راہب — نادان دوست! جہاں پناہ سے کیا مطلب ؟ وہ کون — ؟
نوجوان — خدا — ہمارے اور آپ کے رب ۔
راہب — اُف! زبان بند کرو، یہ تم کیا کہتے ہو
نوجوان — کیوں — ؟ کیا جہاں پناہ خدا نہیں ہیں ۔
راہب — نہیں بیٹے! جہاں پناہ تو ہمارے تمھارے ایسے انسان ہیں، خدا تو کوئی اور ہے —
جن چیزوں کے ہم محتاج ہیں انھیں چیزوں کا بادشاہ محتاج ہے، جیسے ہم ہیں ویسا ہی وہ ہے جس طرح ہم مریں گے اُسی طرح وہ بھی مرے گا ۔
نوجوان — وہ بھی مرے گا — ؟
راہب — ہاں کیوں نہیں — اچھا تمھیں وہ دن یاد ہے جب شہزادہ کا انتقال ہوا تھا ۔
نوجوان — یاد ہے ۔
راہب — اُس دن بادشاہ کی کیا حالت تھی ؟
نوجوان — وہ اپنے بیٹے کے غم میں روتے روتے بے ہوش ہو گئے تھے ۔
راہب — اب تم ہی بتاؤ، اگر وہ خدا ہوتا تو اپنے لڑکے کو کیوں مرنے دیتا اور اگر مرنے دیا تھا تو اس کے غم میں رو کیوں رہا تھا ۔
نوجوان — ہوں ......
راہب — میں غلط تو نہیں کہتا، تم میں اور اس میں کیا فرق ہے ؟ خود ہی سوچو ۔
نوجوان — نہیں، آپ ٹھیک کہتے ہیں، اگر جہاں پناہ ہمارے خدا ہوتے تو اپنے لڑکے کو موت سے ضرور بچا لیتے، — اسی طرح ایک دن وہ بھی مر جائیں گے وہ ہماری ہی طرح کسی کے محتاج ہیں — (کچھ رک کر) شاہ وہ نہیں ہیں خدا کوئی اور ہے — کوئی اور — !

راہب — ہاں بیٹے کوئی اور —
نوجوان — نئی بات، بالکل نئی بات، مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آج پیدا ہوا ہوں، آج، ابھی — اب تک میں نہ جانے کیا کیا سوچتا تھا، وہ سب غلط تھا — آپ مجھے تفصیل سے ان باتوں کو سمجھایئے۔
راہب — اب آج دیر ہو گئی ہے، کل سے تھوڑی دیر یہاں بیٹھ کر خدا پرستی کی باتیں سن لیا کرنا ۔
نوجوان کھڑا ہو جاتا ہے اور راہب جھونپڑی کے باہر آ جاتا ہے، اندھیرا چھا چکا ہے، وہ لمبے لمبے قدم بھرتا ہوا سامنے کے میدان میں غائب ہو جاتا ہے .....
راوی — اور دن گزرتے گئے، نوجوان، راہب کی طرف روز بروز مائل ہوتا گیا، وہ صبح شام کافی وقت راہب کی صحبت میں گزارنے لگا — اُسے راہب کی باتوں کا ایسا چسکا لگ گیا کہ استاد عالم اور گھر دونوں جگہ وقت مقررہ سے دیر میں پہونچنے لگا — جب استاد عالم اس سے تاخیر کی وجہ پوچھتے تو کہتا گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب گھر والے کچھ دریافت کرتے تو بتاتا استاد عالم کے یہاں تھا — اس طرح دن پر دن گزرتے گئے

تیسرا سین

شام کا وقت ہے، ہر طرف سناٹا چھا چکا ہے، نوجوان تیزی سے جا رہا ہے کہ درختوں کے اُس طرف اُسے ایک مہیب جانور دکھائی دیتا ہے، جانور غراتا ہوا اس کی طرف آ رہا ہے، نوجوان ٹھٹکتا ہے وہ گھبرا کر چاروں طرف دیکھتا ہے لیکن اُسے کوئی نظر نہیں آتا جسے آواز دے —
جانور قریب آتا جا رہا ہے، وہ زندگی سے مایوس ہو کر ایک فیصلہ کن قدم اٹھاتا ہے — زمین سے چند کنکریاں اٹھا کر کہتا ہے —
اچھا ہے، جان رہے یا جائے امتحان تو ہو جائے گا یہ تو معلوم ہو جائے گا کہ استاد عالم کا خدا پوری دنیا کا مالک ہے یا راہب کا —
وہ استاد عالم کے خدا کے نام پر ایک کنکری جانور پر پھینکتا

پھینکتا ہے، جانور بہت ہی غصّے سے غرّا کر اُس پر لپکتا ہے
—— نوجوان ڈر جاتا ہے اور جلدی سے راہب کے خدا کے
نام پر اُسے کنکری مارتا ہے —— کنکری لگتے ہی جانور
بہت زور سے چیختا ہے، نوجوان موت کو یقینی سمجھ کر
آنکھیں بند کر لیتا ہے، اور جب آنکھیں کھولتا ہے تو
میدان صاف دیکھتا ہے —— جانور بھاگ چکا تھا
—— نوجوان اَن دیکھے خدا کے حضور میں گر جاتا ہے
اور بھاگتا ہوا راہب کے پاس واپس آتا ہے۔

راہب —— (اُسے آتا ہوا دیکھ کر) کیا بات ہے؟
ابھی تو تم یہاں سے گئے تھے، واپس کیوں آ گئے؟

نوجوان —— (سانس قابو میں کرتے ہوئے) عجیب
بات! بالکل عجیب ....

راہب —— (گھبرا کر) کیا ——؟

نوجوان —— آج میں نے دونوں خداؤں کا
امتحان لیا تھا۔

راہب —— (تعجب سے) دونوں خداؤں کا امتحان
لیا تھا —— ؟ دونوں خدا کون؟

نوجوان (مسکراتے ہوئے) استادِ عالم کا خدا اور
ہمارا آپ کا خدا ——

پھر نوجوان اُسے پورا قصہ سناتا ہے، جب وہ
خاموش ہوتا ہے تو راہب کہتا ہے۔

مگر ایک بات اچھی طرح سمجھ لو، اب تمھارا
امتحان ہوگا۔

نوجوان —— کیوں؟

راہب —— اس لئے کہ تم نے خدا کا امتحان لیا
تھا، تم اُس کی نشانی دیکھ کر اُس پر ایمان لائے ہو اسلئے
اب اُس کے امتحان کے واسطے تیار رہنا —— کسی سخت
آزمائش کا انتظار کرو۔

نوجوان —— محترم بزرگ! اب میں ہر آزمائش
کے لئے تیار ہوں۔

راہب —— ممکن ہے تمھاری خدا پرستی کا راز
افشا ہو جائے، اور بادشاہ کی طرف سے یا استادِ عالم
کی طرف سے تم پر سختیاں کی جائیں، اُس وقت اس کا
خیال رکھنا کہ مجھے کوئی شخص نہ جانے ——

نوجوان —— بہت اچھا، دنیا میں یہ کسی کو معلوم
نہ ہو سکے گا کہ میرا رہنما کون ہے؟

راہب —— اچھا جاؤ، خدا حافظ۔

نوجوان —— خدا حافظ، شب بخیر ——

چوتھا سین

شہر سے باہر ایک عالی شان پختہ مکان ہے، دروازہ
پر مسلح پہرہ دار کھڑے ہیں، سامنے کی سڑک پر لوگ
اکا دکا آ جا رہے ہیں، مکان کے ایک بڑے کمرہ میں
کچھ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں، کمرہ کی سجاوٹ مکین کی نفاست
ذوق کا پتہ دیتی ہے، ہر چیز سے امارت اور فضول خرچی
کی بو آ رہی ہے —— لوگ گفتگو میں مشغول ہیں۔

ایک —— (دوسرے سے) بھئی جہاں پناہ کی دین ہے
جسے دیدیں، اُسے دیکھو ایک معمولی حیثیت کا لڑکا تھا
استادِ عالم کا شاگرد بن کر گھر گھر مشہور ہو رہا ہے۔

دوسرا —— (تعجب سے) کس بات میں؟

تیسرا —— تم کہیں باہر گئے تھے جو اتنا تعجب
کر رہے ہو۔

دوسرا —— ہاں میں ان دنوں یہاں موجود نہ تھا۔

پہلا —— لوگ کہتے ہیں اس کے ہاتھ میں شفا ہے
لیکن میں یہ کہتا ہوں کہ وہ خود مکمل شفا ہے، اُس کے
سایہ میں شفا ہے —— اندھے بہروں کو اگر وہ چھو دیتا
ہے تو انھیں شفا ہو جاتی ہے۔

دوسرا —— (منہ پھاڑ کر) ہائیں!

پہلا —— ہاں بھئی، مجھے خود بھی تعجب تھا لیکن جب
میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تو یقین کرنا ہی پڑا۔

دوسرا — تو تم نے اندھوں کو اچھا ہوتے دیکھا ہے

پہلا — مادر زاد اندھوں کو اچھا ہوتے دیکھا ہے

دوسرا — جہاں پناہ کی عنایت ہے —

اتنے میں صدر دروازہ پر آہٹ ہوتی ہے لوگ خاموش مودب بیٹھ جاتے ہیں، نابینا وزیر ایک غلام کا ہاتھ پکڑے کمرہ میں داخل ہوتا ہے، لوگ سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں — نابینا وزیر مخول کرا اپنی جگہ بیٹھ جاتا ہے، لوگ بھی بیٹھ جاتے ہیں۔

وزیر — کیا باتیں ہو رہی تھیں —

ایک مصاحب — حضور کا اقبال بلند ہو، ہم لوگ آپ ہی کی صحت و ترقی کے لئے دعائیں کر رہے تھے

دوسرا مصاحب — حضور غلام نے ایک معالج کا پتہ لگایا ہے (پہلا مصاحب اُسے غصے سے گھورتا ہے لیکن وہ کہے جا رہا ہے) وہ مادر زاد اندھوں کو اشارے میں اچھا کر دیتا ہے۔

وزیر — مادر زاد اندھوں کو؟

مصاحب — ہاں بندگان عالی۔

وزیر — پھر اُسے میرے پاس لے آؤ — وہ کہاں رہتا ہے؟

مصاحب سٹپٹا جاتا ہے اور پہلے مصاحب کو ملتجیانہ نظروں سے دیکھتا ہے لیکن اُس کے چہرہ پر ابھی تک غصے کی لہریں پڑی ہوئی ہیں۔

وزیر — آخر تم خاموش کیوں ہو، اُس کا پتہ بتاؤ —

مصاحب — جی ..... میں !! (اور پہلے مصاحب کی طرف دیکھتا ہے)

پہلا مصاحب — (فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ) بندگان عالی! میں اس کا پتہ جانتا ہوں، وہ معالج کسی کے گھر نہیں آتا، مریضوں کو اس کے یہاں جانا پڑتا ہے —

وزیر — کوئی بات نہیں ہے — پیاسا کنوئیں کے پاس جاتا ہے، تم مجھے اس کا پتہ بتاؤ، میں خود ہی جاؤں گا —

مصاحب اُسے نوجوان کا پتہ بتاتا ہے — وزیر اپنی جگہ سے کھڑا ہو جاتا ہے، جس کا مطلب ہے کہ مجلس ختم ہو گئی۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ مضمون صفحہ (۲))

شاید اتنی بات کے بعد آپ بھی وہی محسوس کرنے لگے ہوں جو میں محسوس کر رہا تھا لیکن میں تو اب یہ سوچنے لگا کہ بالکل اسی طرح دنیا کی وہ دوسری قومیں جو دور جفا میں ان کی جگہ لے رہی ہیں جو اقتدار کے نشہ میں یہ بھول گئی ہیں کہ ہمارے ملک میں کچھ قومیں ایسی بھی ہیں جن کی حفاظت کی ضمانت ہم نے لی ہے، جو قومی حیثیت دوسری قوموں کو کچل کر مٹا کر رکھ دینا چاہتی ہیں، کیا ان پر یہ وقت نہیں آ سکتا؟ کیا ان کی کشتی بھی الف لیلہ کے سندباد جہازی کے اس جہاز کی طرح نہیں ڈوب سکتی جو بیچ سمندر میں ایک چھپے ہوئے پہاڑ سے ٹکرا کر ڈوب گیا تھا۔

اس سلسلہ میں آپ کا جو بھی خیال ہو میں تو یہی سمجھتا ہوں کہ ایسا ضرور ہوگا، کیونکہ قدرت کو انگریز وغیرہ سے کوئی خاص دشمنی نہیں ہے، اس کے یہاں تو اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے والا معاملہ رہتا ہے، ہر کام کا اُس کے یہاں بدلہ متعین ہے، جیسا کام ویسا بدلہ — بڑا کام بڑا بدلہ، چھوٹا کام چھوٹا بدلہ — برا کام برا بدلہ، اچھا کام اچھا بدلہ — اس وجہ سے میں تو مطمئن ہوں کہ دنیا میں [illegible] یہ چکی ہمیشہ نہیں چل سکتی؟ کوئی شخص ہمیشہ [illegible]

لیکن یہ بھی ذہن میں رہے کہ جب [illegible] حالت کے بدلنے کا جذبہ خود نہ پیدا ہوا اس وقت تک [illegible] کی رسی دراز ہوتی رہتی ہے [illegible]

خشتِ اوّل

•

اس عنوان کے تحت ہر ماہ آپ کے اُن مختصر سوالات کے جوابات دیے جائیں گے جو روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور عام پڑھنے والوں کے لئے مفید ہوں گے —— (ادارہ)

خلیل احمد انصاری —— ڈالٹن گنج

س۔ رشید نے ایک شادی شدہ عورت کو ناجائز طریقے سے بیوی بنا کر رکھ لیا اس کے پہلے شوہر نے عدالتی کارروائی کی جس میں رشید کی ڈگری ہوئی، عورت بھی رشید کو چاہتی ہے —— اب رشید اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

س۔ (۲) ....

ج۔ آپ کے دونوں سوالات کا منشا ایک ہی ہے اسلئے دونوں کا ایک ہی جواب ہے، صورت مسؤلہ میں جب تک اصلی شوہر طلاق نہ دیدے یا قاضی اسلام اس کا نکاح فسخ نہ کرادے اُس وقت تک عورت کا دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرنا درست نہیں ہے —— اگر نکاح کو درست سمجھ کر وہ آپس میں ازدواجی تعلقات قائم کرلیں گے تو عورت اور زوج ثانی دونوں زنا کے مرتکب ہوں گے۔

چودھری محمد حسن مینار —— کلیانی شریف

س۔ ہمارے یہاں جامع مسجد میں صبح اور شام بعد نماز سلام پڑھا جاتا ہے چند حضرات اس سلام میں شرکت نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ یہ قیام غیر اللہ ہے اور اس طرح کھڑے ہونا شرعاً جائز نہیں، کیا شرعی حیثیت ہے (اس) سلام کے لئے کھڑا ہونا درست نہیں۔

ج۔ ہمارے علم میں نماز کے بعد سلام کی کوئی سند نہیں ہے، نہ قرآن پاک میں، نہ احادیث نبوی میں، نہ سیرت صحابہ میں اور نہ ائمہ اربعہ کے اقوال میں —— جن لوگوں نے سلام کا یہ طریقہ ایجاد کیا ہے ممکن ہے ان کے پاس کوئی سند ہو جس پر وہ مطمئن ہوں۔

س۔ (۲) اس کا جواب دوسری مرتبہ دیا جائے گا۔

س۔ (۳) ایسے نازک دور میں ہمیں یہ سمجھنا مشکل ہو گیا ہے کہ کونسی جماعت کا ساتھ دیں اسلامی نقطۂ نظر سے ہند میں اس وقت کونسی جماعت صحیح معنوں میں ہماری رہبری کرنے والی ہے —— نامزد کریں۔

ج۔ کسی جماعت کا ساتھ دینے یا اس میں شریک ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو جو دینی بصیرت عطا فرمائی ہے اُس سے کام لیں —— اپنے اردگرد کی جماعتوں اور ان کے اشخاص کا جائزہ لیں، جماعت کے پیش کردہ اصول و مقاصد کا مطالعہ کریں، جس کی تنظیم اور جس کا اجتماعی طریقہ اصول دین کے مطابق ہو جس میں دینی مطالبات کی جامعیت پائی جاتی ہو جس کے عملی اقدامات خالص دین کے لئے ہوں اور جس کے افراد کی سیرت وکردار سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہو کہ موجودہ حالات میں دین کے ممکن بنیادی امور پر عمل کر رہے ہیں اور ناممکن کے لئے جد و جہد کر رہے ہیں —— آپ اُسی جماعت کا ساتھ دیں —— کسی جماعت میں شریک ہونے کا مطلب زندگی کا ایک اہم فیصلہ کرنا ہے، اسلئے ہمارے نامزد کرنے کے بجائے آپ خود متذکرہ بالا معیار پر ہندوستانی جماعتوں کو ناپ لیجئے، جس طرف تعصبات اور ذاتی میلانات

الگ ہو کر آپ کا دل جانے کا اشارہ کرے اُدھر جائیے — اگر اتنے غور و فکر کے بعد کا فیصلہ بھی مستقبل میں غلط نکلے تو انشاء اللہ آپ خدا کے نزدیک ماخوذ نہ ہونگے — واللہ اعلم بالصواب

مولوی احمد ابوالوفا عثمانی ——— دیلور

براہ کرم مندرجہ ذیل سوالات کے ایسے جوابات مع دلائل شائع فرما کر مشرف فرمائیں جن میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہ ہو:—

س (۱) اللہ تعالےٰ کا مودودی جماعت یعنی جماعت اسلامی کے بارے میں کیا حکم ہے؟

س (۲) ائمہ اربعہ میں سے کسی کی تقلید کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کیا حکم ہے؟

س (۳) نماز تراویح کی تعداد کے بارے میں کیا حکم ہے؟

س (۴) جمعہ کا خطبہ عربی زبان میں دینا واجب ہے یا نہیں؟ (عربی خط کا ترجمہ)

ج۔ آپ کے سوالات ایسے ہیں جن کے بارے میں عصر حاضر کے علماء، مفکرین، سلف صالحین اور ائمہ مجتہدین سب کے سب مختلف الخیال ہیں —

اور آپ نے سوال میں شرط لگا دی ہے کہ دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہ ہو تو ایسا جواب کہاں سے لایا جائے۔

شہدی حسن ——— لکھنؤ

س۔ زید نے کہا ہم مرید ہوں گے تو اُس کے پیر نے مزار کے اوپر جو چادر چڑھی تھی اُس کا کونہ پکڑا کر کلمہ پڑھا دیا اور کہا تم صاحب قبر کے مرید ہو گئے اب اور کہیں مرید نہ ہونا، کیا یہ درست ہے؟

ج۔ اسلام کے ابتدائی دور میں بیعت، خلافت، امارت کے لئے لی جاتی تھی، لیکن جب مسلمانوں نے خلافت کے بجائے شہنشاہیت اختیار کی تو علماء نے حالات کا اقتضا سمجھا کہ لوگوں سے دین کی بنیادی باتوں پر عمل کرنے کی بیعت لیں

اس طرح مسلمانوں میں ایک طبقہ ہمیشہ ایسا رہا جو لوگوں کو دین کی طرف بلاتا رہا پھر کچھ لوگوں نے اس اصلاحی طریقہ کو بھی اپنے ذاتی مفاد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا جس کی ایک مثال آپ کا سوال ہے۔

س (۲) کتنی چیزیں نہ ہوں تو نقص دین میں شمار ہیں اور کون چیزیں بڑھا لینا اضافہ دین اور بدعت ہیں۔

ج۔ تمام چیزوں کو نام بنام بیان کرنے کے لئے تو تعمیر کے صفحات ناکافی ہیں، یوں سمجھئے کہ فرائض و واجبات وغیرہ اگر چھوٹ جائیں تو نقص دین میں شمار ہوگا، اسی طرح دین میں اُن چیزوں کو بڑھا لینا جو مستحب کے درجہ میں بھی نہ ہوں بدعت ہے۔

تصحیح

۱۵ ستمبر ۱۹۵۱ء کے پرچہ میں مدت رضاعت ۲½ سال چھپ گئی ہے، حالانکہ مفتیٰ بہ قول ۲ سال ہے۔ یکم ستمبر کے پرچہ میں "ہر صاحب نصاب پر اپنی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی قربانی واجب ہے،" طبع ہو گیا ہے۔ یہ مسئلہ مشہور اور مفتیٰ بہ قول کے خلاف ہے، ناظرین کرام تصحیح فرمالیں۔

★ عبد الغفار ندوی

انمول موتی

نماز کی تاکید

اس اشاعت سے پہلے ذکر کیا گیا تھا کہ مسلمان اور کافر کے درمیان عملی طور پر بظاہر فرق و امتیاز پیدا کرنیوالی چیز صرف نماز ہے۔ آج صحیح احادیث کے ذریعہ اس کی شہادت پیش کی جاتی ہے۔ دورِ نبوت میں اسلام کے ساتھ ترکِ صلوٰۃ کا وجود نہیں پایا جاتا تھا۔ قبول اسلام کے بعد نماز کے لئے اولیں اقدام کا ہونا ضروری تھا، یہاں تک کہ دشمنانِ اسلام منافقین بھی نماز ادا کرکے اپنی جانوں کی حفاظت کیا کرتے تھے، ایک بار صحابی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور بہت آہستگی سے کسی منافق کا قصہ تمام کرنے کی اجازت چاہی، آنحضرت نے بلند آواز سے فرمایا! کیا وہ کلمۂ شہادت نہیں ادا کرتا؟ عرض کیا یارسول اللہ ادا کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا پھر کیا وہ نماز نہیں پڑھتا؟ کہا کہ ہاں حضور وہ نماز بھی پڑھتا ہے، مگر اس کی نماز اور ادائے شہادت کا اعتبار ہی کیا؟ جب کہ دل میں اس کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ اسی ظاہری عمل کی وجہ سے اس کا قتل کرنا ممنوع ہے — باری تعالےٰ کا ارشاد ہے کہ جب صالحین کو ہم اقتدار اور حکومت عطا کرتے ہیں تو (اولاً) نماز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ کا انتظام کرتے ہیں تمام نیکیوں کا حکم نافذ کرتے ہیں اور تمام برائیوں سے روک دیتے ہیں مخالفین کے لئے فرمایا گیا فَاِنْ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ (اگر وہ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں تو ان کے خلاف جنگی کارروائی نہ کرو) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پر جب زکوٰۃ بند کر دینے والوں کے معاملہ میں اعتراض کیا گیا کہ جو لوگ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں ان پر آپ تلوار کس طرح اٹھائینگے تو آپ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں فرق کرے گا تو اس سے ضرور جنگ کی جائے گی چنانچہ آپ نے ایسا ہی کیا اور بالآخر تمام صحابہ ان کی اصابت رائے تسلیم کرکے مطمئن ہوئے۔

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَیْنَ الرَّجُلِ وَبَیْنَ الْکُفْرِ تَرْکُ الصَّلٰوۃِ۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ اور کفر کے درمیان ترکِ صلوٰۃ کی وجہ سے کوئی اوٹ باقی نہیں رہتا۔

عَنْ بُرَیْدَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلْعَھْدُ الَّذِیْ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الصَّلٰوۃُ فَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ کَفَرَ۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ ہمارے تمہارے مابین نماز ہے، جس نے نماز چھوڑ دی اس نے (عملاً) کفر کیا۔

عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں سے یعنی دشمنانِ اسلام سے

وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِكَ عَصَمُوْا مِنِّيْ دِمَاءَ هُمْ وَاَمْوَالَهُمْ اِلَّا بِحَقِّ الْاِسْلَامِ وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ ۔

اس وقت تک جنگ کرتا رہوں جب تک وہ کلمہ شہادت کا اقرار نہ کرلیں اور نماز کا قیام اور ادائیگی زکوٰۃ نہ کرنے لگیں، ہاں جب وہ ایسا کرنے لگ جائیں تو پھر ہماری طرف سے انھوں نے اپنی جان اور اپنے مال کا تحفظ کر لیا مگر اسلام کے حق سے اور ان کا حساب اللہ تعالٰے کے ذمہ ہے یعنی اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جس میں اسلامی قانون ان کی جان اور ان کا مال لے لینے کا تقاضہ کرے جیسے ان سے کسی قتل کا قصاص لینا ہو یا زنا کی سزا دینی ہو یا کوئی فدیہ، ٹکس غصب کیا ہوا مال وصول کرنا ہو، ایسی حالت میں اسلامی ریاست ان لوگوں سے یہ جانی اور مالی حق وصول کرنے میں رعایت نہیں کرے گی، اور اگر وہ اپنے اقرار شہادت اور ادائے صلوٰۃ وزکوٰۃ میں مخلص نہ ہوئے تو اس کا محاسبہ اللہ تعالٰے فرمائے گا اسلامی ریاست صرف ان کے ظاہری عقائد و اعمال کے مطابق معاملہ کرتی ہے ۔

عَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِ الْخُدْرِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ بَعَثَ عَلِيٌّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَهُوَ بِالْيَمَنِ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِذُهَيْبَةٍ فَقَسَمَهَا بَيْنَ اَرْبَعَةٍ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اتَّقِ اللّٰهَ وَيْلَكَ اَوَلَسْتُ اَحَقَّ اَهْلِ الْاَرْضِ اَنْ يَتَّقِيَ اللّٰهَ ثُمَّ وَلَّى الرَّجُلُ فَقَالَ خَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَضْرِبُ عُنُقَهُ فَقَالَ لَا لَعَلَّهُ اَنْ يَكُوْنَ يُصَلِّيْ فَقَالَ خَالِدٌ وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُوْلُ بِلِسَانِهٖ مَا لَيْسَ فِيْ قَلْبِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَمْ اُوْمَرْ اَنْ اَنْقُبَ عَنْ قُلُوْبِ النَّاسِ وَلَا اَشُقَّ بُطُوْنَهُمْ

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یمن سے تھوڑا سا سونا بھیجا تھا، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اُسے چار آدمیوں میں تقسیم کر دیا، ایک شخص بول اُٹھا کہ اے اللہ کے رسول اللہ سے ڈرو، آپ نے فرمایا کہ اے نادان کیا میں تمام اہل زمین سے زیادہ اللہ سے ڈرنے کا حق نہیں رکھتا۔ وہ آدمی چلتا ہوا تو حضرت خالدؓ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ میں اس آدمی کی گردن کیوں نہ اڑا دوں؟ — آپ نے فرمایا نہیں! شاید وہ نماز پڑھتا ہو، حضرت خالدؓ نے کہا یا رسول اللہ کتنے ایسے نمازی ہیں کہ جو کچھ زبان سے کہتے ہیں ان کے دل میں نہیں ہوتا آپ نے فرمایا کہ مجھے یہ حکم نہیں دیا گیا ہے کہ میں ان کے دل ٹٹولوں اور نہ یہ کہ ان کے پیٹ چاک کروں اور اندر کا حال دیکھوں۔

Regd. No. A-6

TAMEER

Lucknow.

اچھی اچھی کتابیں

وقت کی قدر کیجئے

مکتبہ تعلیمات اسلام، لکھنؤ

طابع ناشر احتشام علی رحیم آبادی ★ مطبوعہ یونائی تیڈانڈیاپریس لکھنؤ

لکھنؤ

ادارۂ تعلیماتِ اسلام کا ترجمان

جلد (۱)

تعمیر

(پندرہ روزہ) لکھنؤ

نمبر (۷)

۳۸- امین آباد پارک

ادارۂ تحریر

یکم نومبر ۱۹۵۱ء

۳۰ محرم الحرام ۱۳۷۱ھ

اس شمارہ میں

شرائط ایجنسی

تعمیر کی قیمت

چندہ سالانہ .... چھ روپے
ششماہی .... تین روپے
ایک پرچہ کے لئے .... چار آنے

ممالک غیر علاوہ پاکستان

چندہ سالانہ .... ۸ روپے
ششماہی .... چار روپے
ایک پرچہ کے لئے .... ۶ آنے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

انقلاب کیسے ہو؟

آج دنیا اتنی ترقی کر چکی ہے کہ ہر محسوس اور غیر محسوس کو ناپنے اور وزن کرنے کے آلے تیار ہو چکے ہیں "زلزلہ پیما" کسی ملک میں زلزلہ آنے سے پہلے ہی بتا دیتا ہے، فضائیات کے متعلق تو ہر اخبار میں روزانہ ہی جان جاتا ہے کہ آج موسم کی کیفیت کیا رہے گی؟ — بالکل اسی طرح ایک آلہ اور بھی ہے جس سے قوموں کے مزاج، ان کی داخلی کیفیات، ان کی ترقی تنزل کی رفتار، اور ان کی منزل کا رخ معلوم ہو جاتا ہے — وہ آلہ ہے لٹریچر!

لٹریچر کی ایک ہی وقت میں بہت سی حیثیتیں ہیں، یہ دوست بھی ہے دشمن بھی — اس سے قوموں کا رخ بدلتا ہے، مزاج بدلتا ہے اور وہ "کچھ سے کچھ" ہو جاتی ہیں، اس "کچھ" کی تشریح ہر طرح سے ہو سکتی ہے یعنی لٹریچر ہی سے ایک پست قوم بلند ہو جاتی ہے اور بلند قوم پست ہو جاتی ہے۔ اگر آپ تاریخ کا مطالعہ کریں تو آپ کو صاف محسوس ہوگا کہ ختم ہونے والی قوموں کے بہت سے ظاہری اسباب میں ایک سبب اور بھی تھا جو بظاہر نہیں آتا — وہ ہے لٹریچر — اسی طرح آپ بعض جگہ یہ بھی محسوس کریں گے کہ ایک گرتی ہوئی قوم اپنے بلند لٹریچر کی وجہ سے بہت اونچی ہو گئی ہے، اس کے علاوہ لٹریچر پیمانہ بھی ہے — آج اگر آپ چاہیں تو پوری قوم کا جائزہ ایک بک اسٹال پر کھڑے ہو کر لے سکتے ہیں، آپ کسی وقت بھی بک اسٹال پر چلے جائیں آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ آج دنیا کس رخ پر جا رہی ہے کہ اس کی اکثریت کس قسم کے پرچوں اور کتابوں کو پسند کرتی ہے۔ آپ کو الماریوں میں قسم قسم کے جاذب نظر پرچے نظر آئیں گے، جو اپنے اندر ہزاروں بیماریوں کے جراثیم چھپائے ہوئے ہوں گے، آپ کو شاذ و نادر ایسے پرچے نظر آئیں گے جو قوموں کا مزاج بدلنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، جو اعلیٰ اخلاقی اقدار کے حامل ہوتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ملک میں ایسے پرچوں اور کتابوں کی کمی ہے، نہیں! بلکہ غیر اخلاقی قسم کے لٹریچر کا لوگوں کے ذہن پر اتنا قبضہ ہو چکا ہے کہ لوگ مضر کتابوں اور گندے لٹریچر کے علاوہ کچھ دیکھنا پسند نہیں کرتے —

یہ مرض معمولی مرض نہیں ہے، اگر "ترقی" کی رفتار یہی رہی تو جلد ہی آج کے چند "اچھے پرچے"، بھی اس قومی بے توجہی کا شکار ہو جائیں گے اور آج کسی کسی طرف سے اس بے دینی کے خلاف جو آواز سنائی دیتی ہے وہ بند ہو جائے گی اس وقت ان "جراثیموں" کو سوسائٹی کے اندر بیماری پھیلانے کا کھلا موقع مل جائے گا۔

یہ کام بہت محنت طلب ہے، قوموں کے مزاج کو بدلنا آسان نہیں ہوتا پھر "لذائذ" کی طرف سے پھیرنا تو اور بھی مشکل ہوتا ہے، لیکن اگر آپ چاہتے ہیں کہ قوم کی اخلاقی اور حسی موت نہ واقع ہو تو اس کام کے لئے تیار ہو جائیے، کوشش کیجئے کہ لوگوں تک اچھے سے اچھا لٹریچر پہونچے، لوگوں میں بہترین رسائل اور کتابوں کے مطالعہ کا ذوق پیدا ہو جائے لوگوں کو اس پر تیار کیجئے، خود عمل کر کے لوگوں کو دکھائیے اور یقین رکھئے اگر آپ اس طرح کچھ دن جم کر کام کرتے رہے تو آپ خود محسوس کریں گے کہ آپ کا ماحول پہلے کے مقابلہ میں بالکل دوسرا ہو گیا ہے — اس طرح ایک خاموش انقلاب پیدا ہو سکتا ہے اور دیکھتے دیکھتے کایا پلٹ ہو سکتی ہے۔

★عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

(۷۰)

تشریح:

اوپر موسم حج کا ذکر آچکا ہے اور اس کے متعلق بعض مسائل کی تشریح کی جاچکی ہے۔ اب اس سلسلہ کے بعض اہم مسائل بیان کئے جارہے ہیں، موسم حج میں اور مسجد حرام کے حدود میں جنگ اور خونریزی ہمیشہ سے منع ہے، اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں بھی لوگ حدود حرم میں جنگ وجدل اور قتل وغارت گری کو برا سمجھتے تھے، اسلام کے بعد اللہ کے گھر کا یہ تقدس اور ایام حج کی حرمت برقرار رکھی گئی بلکہ اور زیادہ توجہ کے ساتھ اس کا خیال رکھنے کا حکم دیا گیا، لیکن کفار قریش کسی حد وقید کے پابند نہ تھے، اگر اپنے مفاد کے خلاف سمجھتے تو ان ایام کے تقدس اور خانۂ کعبہ کے احترام کو بالائے طاق رکھ دیتے اور مسلمانوں کو جہاں پاتے قتل کر دیتے، مسلمان ایام حج اشہر حرم اور حدود کعبہ کے احترام کے خیال سے ہاتھ نہ اٹھاتے اور کفار انھیں جانی اور مالی نقصان پہنچاتے رہتے، اس بنا پر اللہ تعالےٰ نے تصریح سے صورت حال بیان کر دی اور یہ واضح کر دیا کہ ان حالات میں مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔

سنہ ۶ھ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ کی زیارت کے ارادہ سے مسلمانوں کے ساتھ روانہ ہوئے لیکن کفار سد راہ ہوئے بالآخر دس برس کے لئے ایک معاہدہ ہوا جو تاریخ میں صلح حدیبیہ کے نام سے مشہور ہے۔ سورۂ فتح میں اس واقعہ کا مفصل ذکر ہے، صلح حدیبیہ کے دوسرے سال کہ معظمہ کی روانگی کا ارادہ ہوا تو مسلمانوں کو خیال ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار بدعہدی کریں اور لڑائی کی نوبت آئے تو حالت احرام میں حدود حرم کے اندر کیا ہوگا۔ اس پر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ اگر وہ تم سے لڑیں تو تم بھی لڑو، جب جنگ شروع ہوجائے تو چاق وچوبند رہو دشمنوں کی جانب سے غافل نہ ہو جس طرح وہ تم کو ہر جگہ قتل کرتے ہیں اور ذرا بھی تم پر ترس نہیں کھاتے اسی طرح تم بھی انھیں جہاں پاؤ قتل کر دو لیکن ہر وقت یہ خیال رہے کہ تمہاری طرف سے کبھی زیادتی نہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ قتل بہت بری چیز ہے لیکن کفر وشرک کا ایسا اقتدار جو لوگوں کے دین وایمان کے لئے باعث فتنہ ہو قتل وخونریزی سے بھی بڑھ کر ہے اس لئے فرمایا کہ مسلمانوں کو اس وقت تک اپنی جد وجہد جاری رکھنا چاہئے جب تک شرک وکفر کا غلبہ ختم ہو کر دین حق کا بول بالا نہ ہو اور اطاعت وبندگی اللہ تعالےٰ ہی کے لئے خاص نہ ہو جائے لیکن ظلم وزیادتی سے ہر حال میں اجتناب کرنا چاہئے۔

فتنہ کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان خاص طور سے پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہے، جس زمانہ میں مسلمان آپس ہی میں دست بگریبان تھے اور ہر شخص یہ سمجھ رہا تھا کہ وہ فتنہ کو دور کرنے کے لئے جد وجہد کر رہا ہے دو آدمی حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے پاس آئے اور ان کے سامنے یہی آیت پیش کر کے جنگ میں شرکت کی دعوت دی لیکن انھوں نے فرمایا کہ ہم نے جہاد کیا یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا اور دین (اطاعت) اللہ ہی کے لئے ہو گیا لیکن تم چاہتے ہو کہ اس لئے جنگ کرو تاکہ فتنہ قائم ہو جائے اور دین (اطاعت) غیر اللہ کے لئے ہو جائے۔

سلہ بخاری

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ
وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ فَاِنِ انْتَهَوْا
فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۝
اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ
قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا
عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝
وَاَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا
بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ڔ وَاَحْسِنُوْا ڔ اِنَّ
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَاَتِمُّوا الْحَجَّ
وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۭ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ
مِنَ الْهَدْيِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ
حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ۭ فَمَنْ كَانَ
مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ
فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ
فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۣ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى
الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ
لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ
سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۭ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۭ
ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

ترجمہ

اور ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ فساد عقیدہ نہ رہے اور دین اللہ ہی کا ہو جائے اور اگر وہ لوگ باز آجا دیں تو سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی بجز بے انصافی کرنے والوں کے حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینے کے اور یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں سو جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی اُس نے تم پر زیادتی کی ہے اور اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو اور یقین کر لو کہ اللہ تعالےٰ ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہے، اور تم لوگ خرچ کیا کرو اللہ کی راہ میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو، اور کام اچھی طرح کیا کرو، بلا شبہ اللہ تعالےٰ پسند کرتا ہے اچھی طرح کام کرنے والوں کو، اور حج و عمرہ اللہ تعالےٰ کے واسطے پورا پورا ادا کیا کرو، پھر اگر روک دیے جاؤ تو قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو، اور اپنے سروں کو اُس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ قربانی اپنے موقع پر نہ پہونچ جاوے، البتہ اگر کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ تکلیف ہو تو فدیہ دیدے روزہ سے یا خیرات دیدینے سے یا ذبح کر دینے سے پھر جب تم امن کی حالت میں ہو تو جو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر منتفع ہوا ہو تو جو کچھ قربانی میسر ہو، پھر جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں حج میں اور سات ہیں جب کہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آجاوے۔ یہ پورے دس ہوئے یہ اس شخص کے لئے ہے جس کے اہل مسجد حرام کے قرب میں نہ رہتے ہوں، اور اللہ تعالےٰ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ بلا شبہ اللہ تعالےٰ سخت سزا دیتا ہے۔

(تشریح آئندہ ملاحظہ ہو)

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

ایک نئی مسلم مملکت

(۲)

ظالم اطالویوں کے مقابلے میں ان لوگوں نے جس ہمت وجرأت، شجاعت وبسالت، جوانمردی اور بے جگری اور استقلال وپامردی سے کام لیا وہ سارے عالم کیلئے وجہ حیرت بن گیا، اٹلی کے مدبرین سمجھتے تھے کہ طرابلسی ان کے سامنے ٹھہر نہ سکیں گے اور تھوڑے دنوں میں معمولی جھڑپ کے بعد سارے ملک پر ان کا قبضہ ہوجائیگا برطانی مدبرین سیاست کا بھی یہی خیال تھا اور یورپ کے دوسرے سیاسی اور جنگی ماہرین کی بھی یہی رائے تھی۔ لیکن جب جنگ شروع ہوئی اور انور پاشا کی رہنمائی اور شیخ احمد شریف سنوسی کی سرکردگی میں طرابلسیوں اور ترکوں نے مل کر سرفروشانہ جد وجہد کی تو اٹلی کے دانت کھٹے ہوگئے۔ اور بیس برس کی مسلسل جنگ آزمائی کے بعد بڑی مشکل سے اٹلی کو ظاہری تسلط حاصل ہوا۔

پہلی جنگ عظیم پہلی جنگ عظیم میں جب جرمن اور اسکے حریفوں کو شکست ہوئی تو ترکی خلافت کا بھی خاتمہ ہوگیا اس طرح ترکوں کی طرف سے جو مدد پہونچ سکتی تھی اس کا بھی کوئی سہارا باقی نہ رہا، ۱۹۱۸ء میں ہتھیار ڈالنے سے پہلے انور پاشا کو جب یقین ہوگیا کہ جرمنی کی شکست صرف چند دن کی بات ہے، اور اس کے ساتھ ترکی کو بھی شکست سے دوچار ہونا ہے، تو انہیں طرابلس کی بڑی فکر ہوئی، انہوں نے غور کیا تو شیخ احمد شریف سنوسی کے سوا اور کوئی اس ذمہ داری کو سنبھالنے کا اہل نظر نہ آیا انہوں نے شیخ کو قسطنطنیہ آنے کی دعوت دی۔

ان زمانہ میں بحر روم کے سوا قسطنطنیہ پہونچنے کا اور کوئی راستہ نہ تھا، مصر انگریزوں کے قبضہ میں تھا، حجاز سے شام تک تمام عرب ممالک ترکوں کے خلاف بغاوت کرکے انگریزوں کی حمایت میں آچکے تھے اس لئے اس سمت سے گزرنے کا کوئی سوال نہ تھا۔ بحر روم میں اتحادیوں کے جنگی جہاز گشت کر رہے تھے، اور سطح سمندر کے نیچے اُن کی آبدوزیں ہمہ وقت حرکت میں رہتی تھیں، ان حالات میں بحر روم سے گزرنا بہت خطرناک تھا لیکن اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا انور پاشا نے ایک بہترین جرمن آبدوز شیخ کے لانے کے لئے ساحل طرابلس پر بھیجی، شیخ سنوسی کسی طرح ساحل تک پہونچے اور خدا کا نام لے کر آبدوز میں سوار ہوگئے اور دشمنوں سے بچتے بچاتے یورپ کے جرمن علاقہ تک پہونچے اور وہاں سے قیصر جرمنی سے ملتے ہوئے قسطنطنیہ پہونچے، انور پاشا نے انھیں جنگ کی صورت حال سے مطلع کیا اور کہا کہ اب طرابلس آپ حضرات کے سپرد ہے، اب سارے افریقہ میں اسلام کا مستقبل آپ کی جد وجہد پر منحصر ہے۔

قیادت سنوسی اس طرح ترکوں کے بعد جنگ طرابلس کی ساری ذمہ داری سنوسیوں پر آگئی، اس جنگ میں سارے عالم اسلام کی ہمدردی اہل طرابلس کے ساتھ تھی لیکن دعائے خیر کے سوا مسلمانان عالم کے بس میں اور کیا تھا وہ خود یورپین حکومتوں کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے مصری سرحد سے کسی طرح چوری چھپے تھوڑی امداد پہونچ جاتی تھی لیکن جنگ کا سارا بار اہل طرابلس ہی پر رہا طرابلس کے صوبے نے عاجز ہوکر پہلے ہتھیار ڈالدیے اور طرابلس کانگریس کے صدر بشیر سادادی اور ان کے رفقاء نے ناچار ہوکر اپنے آپ کو اطالوی حکومت کے رحم وکرم پر چھوڑدیا، لیکن سنوسی ان کے مقابلے میں زیادہ سخت جان تھے، اگرچہ شیخ احمد شریف جوان کے

قائد اعظم تھے، ملک سے جلا وطن تھے اور سلطان ابن سعود کی پناہ میں مکہ معظمہ میں غریب الوطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے لیکن پھر بھی ان کے نام لیوا اور عقیدت مند امیر سید محمد ادریس سنوسی کی قیادت میں برابر جنگ کرتے رہے، تا آنکہ ۱۹۳۲ء میں اُن کو بھی بے شمار مالی اور جانی قربانی کے بعد ہتھیار ڈالنے پڑے۔

سید عمر مختار سنوسی اعظم شیخ احمد شریف کی جلا وطنی کے بعد تحریک دفاع کے روح رواں درحقیقت سید عمر مختار مرحوم تھے یہ ۱۹۱۱ء سے ۱۹۳۱ء تک برابر جہاد طرابلس کے معرکوں میں شریک رہے تھے۔ جب اطالوی طاقت بہت بڑھ گئی اور دو بدو اُن کا مقابلہ دشوار ہو گیا تو عمر مختار مرحوم نے گوریلا وار کا سلسلہ شروع کیا اور تا دم مرگ برابر اطالوی ظالموں کے پنجہ سے لیبیا کی آزادی کی خاطر سر بکف جد و جہد کرتے رہے اس وقت ان کی عمر ساٹھ برس سے متجاوز تھی لیکن باایں ہمہ ضعیفی اور کبر سنی ایک دن بھی خاموش نہیں بیٹھے بلکہ جب تک دم میں دم رہا سرگرمی کے ساتھ جہاد میں مصروف رہے ان کی اس سرفروشانہ جد و جہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اطالوی حکومت کا اقتدار ساحلی علاقہ سے آگے قائم نہ ہو سکا، ۱۱ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو ایک معرکہ میں وہ ایسے زخمی ہو گئے کہ نقل و حرکت سے معذور ہو گئے اس معذوری کے عالم میں اطالوی سپاہیوں نے انھیں گرفتار کر لیا اور اپنے ہیڈ کوارٹر لائے، جہاں زخموں کی حالت ہی میں ۱۶ر ستمبر ۱۹۳۱ء کو انھیں پھانسی دے دی گئی۔

شکست اور اطالوی مظالم صوبہ برقہ سے پہلے (طرابلس) کے باشندے پہلے ہی ہتھیار ڈال چکے تھے، سید عمر مختار مرحوم کی شہادت کے بعد سنوسیوں کی بھی طاقت نے جواب دے دیا اور ۱۹۳۲ء میں انھیں بھی مجبور ہو کر ہتھیار ڈال دینے پڑے، لیکن منظم مقابلہ ختم ہونے کے بعد بھی عربوں کے دل اٹلی کے سامنے نہیں جھکے ان کے جسم مفتوح ہو گئے تھے لیکن ان کی روحیں آزاد تھیں، اطالوی حکومت نے بہت زیادہ سختی سے کام لیا، ہزاروں بلکہ لاکھوں اشخاص کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، اور تعذیب کے نت نئے طریقے ایجاد کیے گئے، گولیوں کی بوچھار، توپوں کی مار اور ہوائی جہازوں کی بمباری تو روزمرہ کی باتیں تھیں، ظلم کی حد یہ تھی کہ لوگوں کو ہوائی جہاز پر سوار کرتے جب خوب بلندی پر پہونچ جاتے تو انھیں وہاں سے نیچے پھینک دیتے اور کہتے کہ اب اپنے محمد کو مدد کے لئے بلاؤ۔ دو موٹر کھڑے کر کے جسم کا اگلا حصہ ایک موٹر کے پیچھے اور دوسرا حصہ دوسرے موٹر کے پیچھے باندھ دیتے پھر دونوں موٹروں کو ایک دوسرے کے مقابل سمتوں میں تیزی سے چلاتے نتیجہ یہ ہوتا کہ بری طرح قیدی کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا لوگوں کے گھروں میں گھس کر بے دھڑک قتل کرتے، جانوروں کی طرح انسانوں کا کھلم کھلا شکار کرتے، الغرض دہشت انگیزی کا سخت سے سخت طریقہ اختیار کرتے لیکن ان تمام سختیوں اور ہولناک کارروائیوں کے باوجود باشندگان لیبیا کے دلوں نے ہار نہیں مانی اور وہ برابر اس ظالم حکومت کے خاتمہ کے لئے کوشاں رہے۔

دوسری جنگ عظیم آخر کار تیس سال کے ہوشربا مظالم برداشت کرنے کے بعد وہ مبارک وقت آیا جب اللہ تعالےٰ نے ظالموں کا تختہ الٹ دیا اور مظلوم باشندگان لیبیا کو آزادی کی فضا میں سانس لینے کا موقع ملا، دوسری جنگ عظیم میں پہلی جنگ کے برعکس اٹلی نے اتحادیوں (روس برطانیہ اور امریکہ وغیرہ) کے بجائے جرمنوں کا ساتھ دیا، جنگ کے دوسرے سال شمالی افریقہ بھی میدان جنگ بن گیا، مصر اتحادی فوجوں کا مرکز تھا، سنوسی تحریک کے موجودہ قائد شیخ ادریس اس زمانہ میں مصر ہی میں جلا وطنی کی زندگی بسر کر رہے تھے، انھوں نے

اس موقع کو غنیمت سمجھا اور برطانوی حکومت اور اتحادی جنرلوں سے گفتگو کی اور انھیں یقین دلایا کہ اگر وہ لیبیا پر حملہ کریں تو وہ انھیں پوری مدد دیں گے خود بھی ان کے ہمراہ جنگ میں حصہ لیں گے اور لیبیا کے ہزاروں باشندے اس جدوجہد میں ان کا ساتھ دیں گے۔

اٹلی کی شکست اتحادی اس فکر ہی میں تھے اس یقین دہانی کے بعد انھیں اور تقویت ہوئی اور جنگ کا سلسلہ شروع ہوگیا، اطالوی سپاہیوں کی بہادری اور ان کے جنرلوں کی قابلیت کا پول چند ہی دن میں کھل گیا اور دنیا کو نظر آگیا کہ انھیں صرف بے بس اور کمزور باشندوں پر ہاتھ صاف کرنا آتا ہے، طاقتور اور مسلح حریف کے مقابلہ میں ٹھہرنے کی ذرا بھی ہمت نہیں رکھتے اور بڑی بزدلی کے ساتھ جلد سے جلد راہ فرار اختیار کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اتحادیوں کے پہلے ہی حملہ میں اطالوی سپاہیوں کے پیر اکھڑ گئے، بالآخر اس ہاری ہوئی بازی کو مشہور جرمن جنرل رومیل نے اپنے ہاتھ میں لیا اور بڑی قابلیت سے عرصہ تک مقابلہ کرتا رہا لیکن ظالم اطالویوں کی تائید نے جرمنوں کا نام بھی ڈبو دیا اور جنرل رومیل کی غیر معمولی جنگی قابلیت کے باوجود جنگ کا پانسہ جرمنوں کے موافق نہ ہو سکا اور ہر قسم کی کوشش کے باوجود انھیں شکست ہوئی اور ۱۹۴۳ء میں اتحادی فوجیں لیبیا پر قابض ہوگئیں۔

اتحادیوں کا وعدہ یہ اوپر ذکر ہو چکا ہے کہ سید محمد ادریس سنوسی نے اس جنگ میں اتحادیوں کا ساتھ دیا تھا، اس سلسلہ میں انھوں نے اپنی ایک علیحدہ عرب فوج بھی مرتب کر لی تھی، چودہ ہزار عرب سپاہی شمالی افریقہ کے تمام معرکوں میں اتحادی فوجوں کے ساتھ شریک جنگ رہے اور ہر موقع پر اپنی شجاعت کے غیر معمولی جوہر دکھلائے، اس سلسلہ میں انھوں نے اتحادیوں سے معاہدہ کر لیا تھا اور یہ پختہ وعدہ لے لیا تھا کہ جنگ میں کامیابی کے بعد کسی حال میں لیبیا اٹلی کے سپرد نہ کیا جائے گا بلکہ اسے پوری آزادی دی جائے گی کہ وہ اپنی قسمت کا خود مالک ہو اور اپنی مرضی کے مطابق اپنے لئے نظام مرتب کرے، اطالوی اقتدار کے خاتمہ کے بعد انھوں نے مطالبہ کیا کہ یہ وعدہ پورا کیا جائے۔

ٹال مٹول لیکن اب جنگ ختم ہو چکی تھی اور اتحادیوں کو سنوسیوں اور دوسرے لیبیا کے باشندوں کی امداد کی ضرورت نہ تھی اس لئے انھوں نے وعدہ پورا کرنے کے بجائے کوشش شروع کی کہ کسی طرح ان غریبوں کو خود مختاری نصیب نہ ہو کیونکہ ایسا ہونے میں اُن کو اپنے مقبوضات کے متعلق خدشہ تھا کہ وہاں بھی یہ صورت درپیش ہوگی، خصوصیت کے ساتھ فرانس کو بہت زیادہ فکر تھی کہ کسی طرح لیبیا خود مختار نہ ہونے پائے کیونکہ لیبیا کی مغربی سرحد سے بالکل متصل اس کے مقبوضہ ممالک ٹیونس، الجزائر اور مراکش واقع تھے، ان ملکوں میں بھی آزادی کی تحریک مدت سے چل رہی تھی اور اب جنگ کے بعد اس کا زور اور بڑھ گیا تھا فرانس نہیں پسند کرتا تھا کہ ان ممالک کو آزادی نصیب ہو اس لئے وہ بھی پسند نہیں کرتا تھا کہ اسکے سرحدی ملک لیبیا کو خود مختاری عطا کی جائے۔

صلح نامہ دوسری طرف روس اور امریکہ کسی طرح اس کے لئے تیار نہ تھے کہ اٹلی کی فاشسٹ حکومت کا دائرہ اقتدار وسیع ہو اس لئے خاتمہ جنگ کے بعد فروری ۱۹۴۷ء میں جو صلحنامہ مرتب ہوا اس میں یہ اصول طے پا گیا کہ اٹلی کے سابق افریقی مقبوضات اس کے حوالہ نہ کئے جائیں پھر مزید غور و خوض کے بعد اسی سال ستمبر میں اس کی تصدیق کر دی گئی اور یہ طے پایا کہ ان اطالوی علاقوں کے آئندہ بندوبست کے متعلق امریکہ، برطانیہ، روس اور فرانس کی حکومتیں مل کر ایک سال کے اندر فیصلہ کریں گی کہ کیا راہ عمل اختیار کی جائے۔

تحقیقاتی کمیشن صلح نامہ اور ان چار بڑی حکومتوں کے اعلان کی روشنی میں ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر ہوا تاکہ وہ افریقی اطالوی ممالک کے باشندوں کی رائے معلوم کرے کہ وہ آئندہ بندوبست کس قسم کا پسند کرتے ہیں، نیز ان دوسری اقوام کے نقطۂ نظر سے بھی واقفیت حاصل کرے جو ان ممالک سے کسی نہ کسی قسم کا تعلق رکھتے ہیں، اس کے ساتھ [illegible] اعتبارات سے بھی اس مسئلہ پر [illegible] غور کر کے اپنی رپورٹ پیش کرے۔ نومبر ۱۹۴۷ء میں وزراء خارجہ کی نمائندہ کمیٹی کا اجتماع لندن میں ہوا اور انھوں نے اطالوی مقبوضات کے بارہ میں دنیا کی ان اکیس حکومتوں کا نقطۂ نظر معلوم کیا جو ان مقبوضات کے مستقبل سے دلچسپی رکھتی تھیں لیکن اس طویل کارروائی کا کوئی قطعی نتیجہ نہیں نکلا [illegible] نہیں کہ درحقیقت مسئلہ پیچیدہ تھا، [illegible] تھا اٹلانٹک منشور کے بھی [illegible] تھا اور [illegible] بڑی طاقتوں کے اس مشترکہ اعلان سے بھی [illegible] تھا جو ستمبر ۱۹۴۵ء میں کیا گیا تھا، [illegible] کا یہی تقاضہ تھا اور ان ممالک کے باشندوں کا بھی مطالبہ تھا لیکن جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے بڑی حکومتوں کے مفاد کا تقاضہ یہ تھا کہ یہ ملک [illegible] آزادی حاصل کر سکیں وہ مسئلہ پر اپنے معاشی، سیاسی اور جنگی نقطۂ نظر سے غور کر رہے تھے، ایک طرف جنگ کے زمانہ کے وعدے، اٹلانٹک منشور کے الفاظ اور خود ان حکومتوں کا مشترکہ اعلان تھا اور دوسری طرف یہ مفادات تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ مہینوں کے غور و خوض کے بعد کوئی نتیجہ نہ نکل سکا، بالآخر ۱۹۴۸ء میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے سپرد یہ معاملہ کر دیا گیا لیکن [illegible] رہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ سال [illegible] غور نہ کیا جاسکا، بڑی مشکل سے ۱۹۴۹ء میں جنرل اسمبلی نے اس مسئلہ پر غور کرنا شروع کیا۔

برطانیہ کی عجیب حرکت جنرل اسمبلی ابھی اس معاملہ پر اچھی طرح غور بھی نہ کر پائی تھی کہ برطانوی وزیر خارجہ مسٹر بیون اور اطالوی وزیر خارجہ کاونٹ سفورزا نے اندر اندر یہ معاہدہ کر لیا کہ جنرل اسمبلی کے سامنے برطانوی وفد یہ تجویز پیش کرے کہ لیبیا تین حصوں میں تقسیم کر دیا جائے (۱) سائرینیکا برطانوی انتداب میں دے دیا جائے (۲) طرابلس [illegible] اٹلی کی نگرانی میں دے دیا جائے اور (۳) فزان فرانس کے انتداب میں دے دیا جائے۔ یہ تجویز ان وعدوں اور اعلانوں کے قطعاً خلاف تھی جو اب تک کئے گئے تھے، ادریس سنوسی سے گفتگو کے بعد جنوری ۱۹۴۲ء میں برطانوی پارلیمنٹ کے اندر اس وقت کے وزیر خارجہ مسٹر انتھونی ایڈن نے صاف صاف الفاظ میں لیبیا کی آزادی اور اتحاد کو تسلیم کیا تھا پھر ان کے جانشین مسٹر بیون نے اس وعدہ کو [illegible] کیا، اپریل ۱۹۴۶ء میں پیرس میں وزراء خارجہ کی جو کانفرنس ہوئی تھی اس میں بھی متحدہ لیبیا کو تسلیم کیا گیا تھا اور اس کی آزادی کا وعدہ کیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جوں ہی اس تجویز کا لوگوں کو علم ہوا ہر حلقہ سے اس کی سخت مخالفت کی گئی، لیبیا کے باشندوں کی طرف سے مظاہروں کے علاوہ خود اقوام متحدہ کے حلقہ میں بھی اس کے خلاف سخت تنقید کی گئی۔

برطانوی، اطالوی اور فرانسیسی حلقوں کا خیال تھا کہ طرابلس، فیضان اور سائرینیکا (برقہ) کو اندرونی خود مختاری کا لالچ دے کر ایک دوسرے سے الگ کیا جا سکے گا امیر ادریس سنوسی اور بشیر سعداوی کے درمیان گزشتہ دور میں جو اختلافات رہ چکے تھے اس کو ہوا دینے کی کوشش بھی کی گئی۔

[illegible] چند دن تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شاید

لیبیا کی خود مختاری کا خواب پریشان ہو جاتا اور تیس برس کے مصائب و آلام کے بعد آزادی کا یہ موقع جو میسر آیا ہے وہ باہمی اختلافات کی نذر ہو جاتا لیکن اللہ تعالےٰ نے باشندگان لیبیا اور ان کے رہنماؤں کو یہ سمجھ دی کہ وہ اس جال میں نہیں پھنسے اور انھوں نے علاقائی خود مختاری کے نام پر ملک کی وحدت کو توڑنا پسند نہیں کیا کیونکہ ایسی صورت میں نہ علاقوں کو خود مختاری نصیب ہوتی، نہ ملک آزاد ہوتا، فیضان کی تیس ہزار آبادی کیا آزادی برقرار رکھ سکتی تھی چندہی دن میں وہ فرانسیسی مقبوضات میں شامل ہو جاتی، یہی حال سارینیکا کا ہوتا، تین لاکھ کی آبادی کے دن آزادی کی سانس لے سکتی، ان صوبوں کے بعد ٹری پولی کا بھی یہی حشر ہوتا اور پھر اطالوی مظالم کا سلسلہ حسب سابق شروع ہو جاتا — اس صورت حال کا اندازہ کرکے امیر سارینیکا (برقہ) سید محمد ادریس صدر ٹری پولین نیشنل کانگریس بشیر سادادی اور صدر وفد فیضان سید محمد ابن عثمان نے آپس میں گفت وشنید کے بعد یہ طے کیا کہ لیبیا میں ایک وفاقی دستوری جمہوری شاہی حکومت قائم کی جائے، ملک کی ایک نمائندہ وفاقی اسمبلی ہو جس میں ٹری پولی، سارینیکا اور فیضان کو یکساں نمائندگی حاصل ہو۔ امیر ادریس سنوسی کو اس متحدہ لیبیا کا دستوری بادشاہ تسلیم کر لیا گیا۔ دوسرے اسلامی اور ایشیائی ممالک نے بھی اسی خیال کی تائید کی، مصر، پاکستان اور ہندوستان کے نمائندوں نے اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں لیبیا کی وحدت کو قائم رکھنے کے لیے پوری کوشش کی۔

اعلان آزادی بالآخر ۲۱ر نومبر ۱۹۴۹ء کو جنرل اسمبلی نے لیبیا کی آزادی، وحدت اور اقتدار اعلیٰ کی تصدیق کر دی اور یہ تجویز منظور کر دی کہ یکم جنوری ۱۹۵۲ء سے لیبیا ایک آزاد اور خود مختار ملک شمار ہوگا، اور اسکی تیاری اور دستور سازی کا کام فوراً شروع کر دیا جائے چنانچہ ایک دستور ساز مجلس کا انتخاب ہو گیا جو ساٹھ ارکان پر مشتمل ہے، اس میں ٹری پولی، سارینیکا اور فیضان کو مساوی نمائندگی دی گئی ہے اور ہر ایک کے بیس بیس نمائندے مجلس کی رکنیت کے لئے منتخب ہوئے ہیں۔

دستور ساز مجلس ۲۵ر نومبر ۱۹۵۰ء کو اس مجلس کا افتتاحی اجلاس ٹری پولی (طرابلس) میں منعقد ہوا، تاکہ آزادی وخود مختاری کے یوم آغاز (یکم جنوری ۱۹۵۲ء) سے پہلے دستور سازی وغیرہ کے تمام ضروری مراحل طے کئے جا سکیں، افتتاحی اجلاس کے بعد مجلس کی کارروائی کا آغاز ہو گیا، سب سے بڑا معاملہ اس سمجھوتہ کو ضابطہ کی شکل میں لانے کا تھا جو ٹری پولی، سارینیکا اور فیضان کے ذمہ دار اصحاب کے درمیان طے پایا تھا۔ چنانچہ ۲ر دسمبر ۱۹۵۰ء کو مجلس نے متفقہ طور پر یہ تجویز منظور کر دی اور باضابطہ قانونی طور پر لیبیا ایک وفاقی مملکت قرار پائی جس کے تینوں اجزا (ٹری پولی، فیضان اور سارینیکا) مساوی نمائندگی کے حق دار ہیں، سید ادریس سنوسی اس مملکت کے دستوری بادشاہ قرار دیے گئے ہیں، ان بنیادی مسائل کے بعد دستور کی دوسری دفعات منظور ہوئیں، چار مہینے میں پورا دستور مرتب ہو کر منظور ہو گیا۔

اپریل ۱۹۵۱ء سے اس دستور پر عمل درآمد بھی شروع ہو گیا، اسی مہینے سے دستور کے ساتھ ساتھ ایک عارضی گورنمنٹ بھی وجود میں آگئی جو اب تک ملک کا انتظام کرتی ہے، یکم جنوری ۱۹۵۲ء کو لیبیا کی خود مختاری کا باضابطہ آغاز ہوگا، اور اسے دنیا کی آزاد قوموں کی صف میں جگہ ملے گی، اس وقت موجودہ عارضی گورنمنٹ ختم ہو جائے گی اور ملک کے منتخب نمائندے مستقل حکومت اپنے ہاتھ میں لیں گے۔

★ اخگر مشتاق رحیم آبادی ندوی ●

فکر و فن

ہر طرف شور فغاں دیکھئے کبتک رہے
یہ ہوس یہ امتحاں دیکھئے کبتک رہے

ہر نفس اک کشمکش، ہر قدم اک حشر غم
زندگی بارگراں، دیکھئے کبتک رہے

نشۂ تہذیب نو، کر گیا اپنا اثر
پاسِ ناموس ونشاں، دیکھئے کبتک رہے

دشمنوں کا ہر سخن آئینۂ جہل و شر
آبروئے دوستاں، دیکھئے کبتک رہے

جس کی شمیم و سحر تھی کبھی رشکِ ارم
وہ چمن وقفِ خزاں، دیکھئے کبتک رہے

باغباں کے ساتھ ہیں آج کچھ صیاد بھی
اعتبار باغباں، دیکھئے کبتک رہے

اہلِ وفا کا انھیں آج بھی یقیں نہیں
سلسلۂ امتحاں، دیکھئے کبتک رہے

پردۂ تہذیب میں منظرِ تخریب ہے
سعیِ بشر رائگاں، دیکھئے کبتک رہے

رہنما گم کردۂ منزلِ عزم و طلب
کشمکش میں کارواں، دیکھئے کبتک رہے

عصرِ نو کا جواں یعنی نقیبِ سحر!
سرخوش خواب گراں، دیکھئے کبتک رہے

دیکھئے کیونکر بجھے شخصیت کی زندگی
ذلتوں کی داستاں، دیکھئے کبتک رہے

●

★ فیض احمد فیض ——— •

خدا وہ وقت نہ لائے.......

•

خدا وہ وقت نہ لائے کہ سوگوار ہو تو
سکوں کی نیند تجھے بھی حرام ہو جائے
تری مسرت پیہم تمام ہو جائے
تری حیات تجھے تلخ جام ہو جائے
غموں سے آئینۂ دل گداز ہو تیرا
ہجوم یاس سے بیتاب ہو کے رہ جائے
وفور درد سے سیماب ہو کے رہ جائے
ترا شباب فقط خواب ہو کے رہ جائے
غرور حسن سراپا نیاز ہو تیرا
خدا وہ وقت نہ لائے..........

★ ابوالمجاہد زاہد •

اس دنیا کی چال نہ پوچھو — کتنے ہوئے پامال نہ پوچھو
عشق ہے اک جنجال نہ پوچھو — صورت دیکھو حال نہ پوچھو
پھیلے ہیں ہر رنگ محبت — حرص و ہوس کے جال نہ پوچھو
گا تو رہا ہوں زیست کا نغمہ — کیا سُر ہے کیا تال نہ پوچھو
کیا غم جاناں کیا غم دوراں — دل ہے مالا مال نہ پوچھو
یا ہنسی مشتاق آنکھیں — یا اشکوں کا کال نہ پوچھو

اوروں کو زاہد کی نصیحت
حضرت کے اعمال نہ پوچھو

•

★ وارث القادری •

چمن دہر میں اک وہ بھی گھڑی آئی ہے — برق سو ان پر کا شانے سے تھرائی ہے
اہل عالم نے جو تجھ سے سیت (؟) بنائی ہے — نئے لہجے سے کہانی مری دہرائی ہے
برق کو ضد ہے کہ بنیاد نشیمن نہ پڑے — ہم نے بھی باز نہ آنے کی قسم کھائی ہے
ہو سکا موت سے بھی کچھ نہ مداوا غم کا — پھر اسی کشمکش زیست میں جان آئی ہے
خاکساری کے تحمل پہ تصدق شاہی — یہی وہ چیز ہے جو ان کو پسند آئی ہے
کیجیے ایک کی محبت پہ بھروسہ وارث
اب دلوں میں ہے خلوص اور نہ سچائی ہے

•

★ مشیر الحق بحری آبادی

آخر کس کی جیت؟

(۲)

پانچواں سین

شہر کے باہری کنارے پر ایک متوسط درجہ کا سادہ مکان ہے، صبح کا وقت ہے، دروازہ پر لوگ بیٹھے ہوئے ہیں — یہ "نوجوان" کا مکان ہے، اور یہ شہر کے مریض ہیں جو علاج کے لئے اکٹھے ہوئے ہیں، مریض باری باری مکان میں جاتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد خوش خوش باہر آتے ہیں —

نابینا وزیر خدم و حشم کے ساتھ پہونچتا ہے، لوگ ایک طرف سمٹ جاتے ہیں، وزیر دروازہ پر رک جاتا ہے اور نوجوان کا غلام اُسے اندر پہونچا دیتا ہے — غلام کمرہ سے باہر آجاتا ہے، وزیر کمرہ میں خاموش کھڑا ہے — نوجوان اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیتا ہے —

وزیر — میاں صاحبزادے! میں مادرزاد اندھا ہوں، سُنا ہے تم چشم زدن میں بینائی لوٹاتے ہو — مجھے بھی اچھا کر دو۔

نوجوان — محترم، بینائی میرے ہاتھ میں نہیں ہے — یہ تو اُس کے ہاتھ میں ہے جو ہمارا رب ہے۔

وزیر — (کچھ نہ سمجھتے ہوئے) تو کیا تم اچھا نہیں کر سکتے۔

نوجوان — بالکل نہیں، ہاں میں اتنا کر سکتا ہوں کہ آپ کی بینائی کے لئے اُس سے دعا کروں۔

وزیر — جس طرح بھی ہو — مطلب روشنی سے ہے۔

نوجوان — لیکن آپ کو اس کی قیمت دینی ہوگی۔

وزیر — میں ہر قیمت پر تیار ہوں۔

نوجوان — آپ کو بادشاہ کی خدائی سے انکار کرنا پڑے گا، ایک اَن دیکھے خدا پر جو پوری کائنات کا مالک ہے اُس پر ایمان لانا پڑے گا، اُس کی خدائی میں کسی کو شریک نہ کرنا پڑے گا۔

وزیر — لیکن میری آنکھ تو اچھی ہو جائے گی۔

نوجوان — امید تو ہے —

وزیر — پھر میں تیار ہوں —

نوجوان — خوب سوچ لیجئے — آپ کو ایک "خود ساختہ خدا" کی خدائی کے خلاف آواز بلند کرنی پڑے گی، توحید کا عقیدہ آپ کو دل میں رکھنے کی اجازت نہ ہوگی، بلکہ خلوت و جلوت، بازار و دربار ہر جگہ اس کی تبلیغ کرنی پڑے گی۔

وزیر — اگر وہ ذات اتنی قدرت والی ہے کہ مجھ مادرزاد اندھے کو روشنی دے سکتی ہے تو میں اس پہ ایمان لاتا ہوں۔

نوجوان — اس راہ کی تمام مشکلات کو آپ نے خوب سوچ لیا۔

وزیر — میں نے سوچ لیا ہے۔

نوجوان خاموش ہو جاتا ہے اور دھیرے دھیرے کچھ پڑھ کر وزیر کی آنکھوں پر پھونکتا ہے، وزیر دو ایک مرتبہ آنکھیں کھولتا اور بند کرتا ہے پھر یکبارگی خوشی سے چیخ اُٹھتا ہے۔

میں دیکھ رہا ہوں — مجھے سب کچھ دکھائی دے رہا ہے، میرے محسن میں تمہیں بھی دیکھ رہا ہوں — سب کچھ دیکھ رہا ہوں۔

نوجوان — خدا کا شکر ہے — اب آپ جائیے لیکن اپنے وعدہ کا خیال رکھئے گا۔

وزیر بہت ہی گرمجوشی سے گلے ملتا ہے اور وعدہ کی تجدید کر کے چلا جاتا ہے۔

لوگ آتے رہتے ہیں اور جاتے رہتے ہیں —

چھٹا سین

شام کا وقت ہے، پورے شہر میں چراغاں کیا گیا ہے، ہر طرف خوشی کی لہریں پھیلی ہوئی ہیں، لوگ جوق در جوق راج محل کی طرف جا رہے ہیں، آج ولی عہد کی بارھویں سالگرہ ہے۔ راج محل میں راگ و رنگ کا طوفان ہے — بادشاہ تخت پر بیٹھا ہوا ہے وزرا ترتیب سے دائیں بائیں بیٹھے ہوئے ہیں — نقیب اندر آکر نابینا وزیر کے آنے کی اجازت طلب کرتا ہے، بادشاہ اجازت دیتا ہے۔

وزیر اندر آتا ہے اور تعظیماً سر جھکا کر اپنی کرسی پر بیٹھ جاتا ہے — بادشاہ غصے سے اس کی طرف دیکھتا ہے پھر اس کی روشن آنکھیں دیکھ کر سکتے کے عالم میں رہ جاتا ہے اور بے اختیار یوں اٹھتا ہے۔

یہ میں کیا دیکھ رہا ہوں — تم اور آنکھیں؟

وزیر — جی ہاں، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے بینائی بخش دی۔

بادشاہ — (غصہ سے) کون اللہ؟

وزیر — وہی جو میرا، آپ کا اور سب کا پیدا کرنے والا ہے، جو ہم سب کا مالک ہے۔

بادشاہ — وہ میں ہوں۔

وزیر — نہیں، وہ کوئی اور ہے، آپ خود بھی اس کے ادنیٰ غلام ہیں۔

بادشاہ — (غصہ سے پیر پٹختے ہوئے) یہ کفریہ عقائد تو نے کہاں سے سیکھے ہیں۔

وزیر — کفریہ عقائد آپ کے ہیں نہ کہ میرے!

بادشاہ — بند کر اپنی بکواس! میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تجھے یہ باتیں کس نے سکھائی ہیں؟

وزیر — استاد عالم کے شاگرد نے —

بادشاہ ایک طرف کھڑے ہوئے غلاموں کو دیکھتا ہے، دو غلام سینے پر ہاتھ باندھ کر نفیا جھکتے ہیں اور اُلٹے پیروں باہر چلے جاتے ہیں، تھوڑی دیر بعد نوجوان کو لئے ہوئے داخل ہوتے ہیں۔

بادشاہ — نوجوان! مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی کہ تم اپنے فن میں ترقی کرنے لگے ہو اور تمہارا جادو اتنا کامیاب ہو رہا ہے کہ تم مادرزاد اندھوں کو بھی اچھا کر دیتے ہو، تم تو استاد عالم سے بھی بڑھ گئے۔

نوجوان — اللہ کا شکر ہے کہ .....

بادشاہ — ناپاک کتے! تو بھی اللہ اللہ کی رٹ لگا رہا ہے، اللہ میں ہوں میرا شکر ادا کر۔

نوجوان — نہیں! اللہ دوسرا ہے، تو ایک کمزور انسان ہے، انسان کبھی انسان کا خدا نہیں ہو سکتا —

بادشاہ — میں نے تو تجھے استاد عالم کے پاس جادو سیکھنے کے لئے بھیجا تھا، کیا انھوں نے تجھ کو یہی سکھایا ہے۔

نوجوان — نہیں —

بادشاہ — وہ کون ہے جس سے تو نے ان باتوں کو سیکھا ہے؟

نوجوان — میں اُس کا نام نہیں بتا سکتا۔

بادشاہ — لیکن میں معلوم کرنا چاہتا ہوں۔

نوجوان — میں مجبور ہوں۔

بادشاہ ہلکے سے تالی بجاتا ہے، پردے کے پیچھے سے دو مسلح حبشی نکلتے ہیں اور بادشاہ کے سامنے سجدہ میں گر جاتے ہیں — جب وہ کھڑے ہوتے ہیں تو بادشاہ نوجوان کی طرف اشارہ کرتا ہے، حبشی اس نوجوان کو لے کر باہر چلے جاتے ہیں۔

دربار میں سناٹا طاری ہے، لوگوں کی نظریں (نابینا) وزیر کے چہرے پر پڑ رہی ہیں، وہ سر جھکائے خاموش بیٹھا ہے، بادشاہ غصہ سے اپنے

ہونٹوں کو کاٹتا ہے — تھوڑی دیر بعد نوجوان حبشیوں کی حراست میں تھکے تھکے قدموں سے داخل ہوتا ہے، چہرے پر اضمحلال ہے —

بادشاہ — کیوں — ؟ اب پتہ بتاؤ گے۔

نوجوان — (مری ہوئی آواز میں) ہاں۔

اور وہ راہب کا پتہ بتا دیتا ہے، بادشاہ حبشیوں کی طرف دیکھتا ہے وہ باہر چلے جاتے ہیں اور تھوڑی دیر بعد راہب کو گرفتار کر کے لاتے ہیں۔

بادشاہ — (غصے سے) یہ نوجوان تمہارا شاگرد ہے۔

راہب — (نوجوان کی طرف دیکھتے ہوئے) مجھے اس پر فخر ہے۔

بادشاہ — میری خدائی کے خلاف تم ہی نے اسے ابھارا ہے۔

راہب — تم خدا نہیں ہو — خدا وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے، اگر تم خدا ہو تو اسے مغرب سے نکال دکھاؤ۔

بادشاہ — (ڈانٹ کر) میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔

راہب — میں نے کہا نا، کہ مجھے اس پر فخر ہے۔

بادشاہ — کیا تم اپنی اس حرکت پر تائب ہو۔

راہب — نہیں۔

بادشاہ — خوب سوچ لو۔

راہب — سوچ چکا ہوں۔

ایک آرہ لایا جاتا ہے اور راہب کے سر پر رکھ دیا جاتا ہے۔

بادشاہ — اب بھی موقع ہے اگر تم میری خدائی پر ایمان لاؤ تو میں تمہیں معاف کر سکتا ہوں۔

راہب — اس کے بعد بھی موت معاف نہ کرے گی۔

بادشاہ — لیکن چند روز کی زندگی بھی بہت غنیمت ہوتی ہے۔

راہب — نہیں، میں کفر کی زندگی سے موت بہتر سمجھتا ہوں۔

بادشاہ غصہ سے اشارہ کرتا ہے اور راہب آرہ سے چیر دیا جاتا ہے، درباریوں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، لیکن ہر ایک خاموش ہے، پھر وہ وزیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے — وزیر اس کی خدائی تسلیم کرنے سے انکار کرتا ہے، اُسے بھی آرہ سے چیر دیا جاتا ہے، لوگ نظریں جھکا لیتے ہیں —

بادشاہ — (نوجوان سے) دونا فرمانوں کا انجام تم نے دیکھ لیا، اب اپنے متعلق بتاؤ کہ تم نے کیا سوچا ہے ؟

نوجوان — وہ دونوں شہید مجھے منزل کا پتہ بتا گئے ہیں۔

بادشاہ — نوجوان! تمہاری کم سنی پر رحم آتا ہے اس لئے تمہیں آرے سے نہیں چیرا جائے گا بلکہ پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے گا، تاکہ تکلیف کا احساس کم ہو۔

بادشاہ چند سپاہیوں کو بلا کر حکم دیتا ہے کہ نوجوان کو پہاڑ کی چوٹی سے گرا دیا جائے — سپاہی اُسے لے کر چلے جاتے ہیں، دربار جاری رہتا ہے۔

ساتواں سین

نوجوان سپاہیوں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ رہا ہے، نیچے بہت سے لوگ کھڑے اوپر دیکھ رہے ہیں، جب وہ بلندی پر پہونچتا ہے تو رک جاتا ہے اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہتا ہے —

بار الٰہا! اب میں تنہا ہوں، اگر میں بھی ختم ہو گیا تو لوگوں پر حق واضح نہ ہو سکے گا — مجھے تھوڑی سی مہلت دے — خداوندا! تھوڑی مہلت —

اور یک بیک زلزلہ آجاتا ہے، پہاڑ جھکولے کھانے لگتا ہے، بڑے بڑے پتھر لڑھک کر گر رہے ہیں ——
نوجوان اور سپاہی لڑھک کر نیچے آجاتے ہیں —— نوجوان بچ جاتا ہے —— وہ کپڑے جھاڑتا ہوا دربار کا رُخ کرتا ہے اور بادشاہ کے سامنے جاکر کھڑا ہوجاتا ہے
بادشاہ —— (تعجب سے) ہائیں، تم زندہ ہو؟
نوجوان —— جسے خدا رکھے اُسے کون چکھے۔
بادشاہ —— مگر اب تم نہ بچ سکوگے۔
بادشاہ حکم دیتا ہے کہ اُسے کشتی میں بٹھا کر بیچ دریا میں لے جایا جائے اور وہاں منجدھار میں اُسے ڈبو دیا جائے —— سپاہی نوجوان کو لے جاتے ہیں وہ دروازہ تک پہونچ کر رک جاتا ہے اور پلٹ کر بادشاہ سے کہتا ہے ——
ابھی جائیے گا نہیں، میں تھوڑی دیر میں آتا ہوں
بادشاہ —— (قہقہہ لگاکر) جو جی میں آئے بکو، لیکن جب مچھلیاں تمہارے خوبصورت جسم کو لقمہ بنائیں گی اُس وقت مجھے یاد کرلینا۔
نوجوان چلا جاتا ہے ——

آٹھواں سین

بیچ دریا میں ایک کشتی جا رہی ہے، نوجوان کو حراست میں لیے ہوئے اس پر دو چار آدمی بیٹھے ہیں۔ نوجوان آسمان کو تک رہا ہے، تھوڑی دیر بعد مشرق سے کالی گھٹا اُٹھتی ہے، ہر طرف اندھیرا چھا جاتا ہے آندھی بہت تیز چلنے لگتی ہے، دریا کی لہریں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں، بارش بہت تیز ہو رہی ہے، بجلی چمکتی ہے، بادل زوروں سے کڑکتا ہے اور کشتی اُلٹ جاتی ہے، سوار اِدھر اُدھر ہاتھ پیر مارتے ہیں، بادل چھنٹ رہا ہے اور دھیرے دھیرے فضا پرسکون ہوتی ہے۔ نوجوان ایک تختے سے چپٹا ہوا کنارے لگتا ہے —— کنارے پر آکر وہ اپنے کپڑوں کو

نچوڑتا ہے اور تھکے تھکے قدموں سے دربار کی طرف چلا جاتا ہے، دربار برخواست ہونے ہی والا ہے، کہ نوجوان اندر داخل ہوتا ہے۔
نوجوان —— میں آگیا ——؟
بادشاہ —— اور میرے سپاہی؟
نوجوان —— مچھلیوں کی میزبانی کررہے ہوں گے (ہنسنے لگتا ہے)
بادشاہ سر جھکا کر کچھ سوچتا ہے۔
نوجوان —— یوں لاکھ برس تم مجھے قتل نہ کرسکوگے میری ترکیب پر عمل کرو تو مجھے ختم کرسکتے ہو۔
بادشاہ —— (سر اٹھا کر) وہ کیا؟
نوجوان —— یہاں نہیں —— میں تنہائی میں بتا سکتا ہوں ——
بادشاہ کے اشارے سے تخلیہ ہوجاتا ہے اور نوجوان دھیرے دھیرے اپنے قتل کی ترکیب بتاتا ہے ......
بادشاہ —— بہت اچھا، تم اسی طرح اپنے کیفر کردار کو پہونچوگے ——
بادشاہ تخت سے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، نوجوان سپاہیوں کی حراست میں باہر چلا جاتا ہے ——

نواں سین

سہ پہر کا وقت ہے لوگ جوق در جوق شہر کے بڑے میدان کی طرف جا رہے ہیں، میدان میں ہر طرف انسانی سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے، ابھی بادشاہ اور نوجوان نہیں آئے ہیں —— آج نوجوان اپنی بتائی ہوئی ترکیب سے قتل کیا جائے گا —— ہر طرف اسی واقعہ پر تبصرہ ہو رہا ہے، لوگ نوجوان کی موت و زندگی پر بازی لگا رہے ہیں، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ آج بھی نہ مرے گا، کہیں کہیں بادشاہ اور خدا موضوع بحث ہے، یکبارگی نقیب اعلان کرتا ہے اور بادشاہ کی

تلواری تو خار ہوتی ہے، مجمع سجدہ میں گر جاتا ہے ——
بادشاہ تخت پر بیٹھتا ہے اور نوجوان ایک ستون
سے باندھ دیا جاتا ہے —— جب مجمع میں سکون ہوتا
ہے تو بادشاہ تیر کمان لے کر سامنے آتا ہے ——
لوگ حیرت سے بادشاہ اور نوجوان کو دیکھ رہے ہیں
بادشاہ بلند آواز سے کہتا ہے :—
—— یہ تیر میں اس کے بھروسے پھارتا ہوں جو
اس نوجوان کا خدا ہے —— تیر سنسناتا ہوا گردن
میں جا لگتا ہے، نوجوان کے منہ سے اللہ نکلتا ہے
اور گردن ایک طرف کو ڈھلک جاتی ہے۔
درباری بادشاہ زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہیں ——
مجمع " اللہ اکبر " کا نعرہ لگاتا ہے۔
مجمع سے آواز آتی ہے۔
ہمارا خدا کون ہے ؟
نوجوان کا خدا —— لوگ جواب دیتے ہیں۔
بادشاہ کا چہرہ فق ہو جاتا ہے اور وہ کہتا ہے
—— الٹی ہو گئیں سب تدبیریں ! —— نوجوان تو
ہار کر بھی جیت گیا اور میں —— ؟ میری شکست ہو گئی،
شکست فاش !! ——
وہ سپاہیوں کے جھرمٹ میں دربار کی طرف
چلا جاتا ہے —— مجمع نوجوان کی لاش لے کر شہر کی
طرف جا رہا ہے ——
آوازیں دھیرے دھیرے آ رہی ہیں۔
اللہ اکبر ——
ہمارا خدا نوجوان کا خدا ہے۔
بادشاہ خدا نہیں ہے۔
بادشاہ ظالم ہے۔
نوجوان زندہ باد۔
اللہ اکبر ——
شام کے اندھیرے میں مجمع گم ہوتا جا رہا ہے اور آواز
دھیرے دھیرے مدھم ہوتی جاتی ہے ——
(پردہ گرتا ہے)

(بقیہ مضمون صفحہ ۲)

اگر آپ نے اب بھی اپنے فرض کا احساس نہ کیا
تو اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ گندے اور فحش لٹریچر کی جڑیں
زمین میں اتنی دور تک چلی جائیں گی کہ پھر انہیں اکھاڑنا
ہمارے آپ کے بس کا کام نہ ہوگا۔
کوشش کیجئے کہ اچھے سے اچھا لٹریچر لوگوں کے
ہاتھوں تک پہونچے —— اس راستہ میں خون نہیں
بہانا پڑتا لیکن خون جلانا ضرور پڑتا ہے —— دل
مارنا پڑتا ہے اور دماغ سے کام لینا پڑتا ہے لیکن
اس کے بعد جو انقلاب آتا ہے وہ پائدار ہوتا ہے،
کیونکہ لٹریچر سے جو مزاج بنتا ہے اور قوم پر جو رنگ
چڑھ جاتا ہے وہ پختہ ہوتا ہے —— کیا اس کام
کے لئے آپ تیار ہیں ؟

(م۔ ح۔ ب)

تعمیر کی اشاعت

آپ کس طرح بڑھا سکتے ہیں

—●—

★ باذوق دیندار اصحاب کے پتے بھیجئے۔
★ مقامی اخباری ایجنسیوں کے پتے بھیجئے۔
★ جن لوگوں کے پاس نمونے بھجوائیے ان سے
مل کر ان کا تاثر معلوم کیجئے —— اور انہیں
خریداری پر آمادہ کیجئے۔
★ اس طرح آپ اسلامی تعلیمات کو دور دور تک
پھیلا سکتے ہیں ——
★ **کیا آپ اس کام کے لئے تیار ہیں ؟**

آپ کی ذہنی الجھنیں

احقر کی دوکان پر ہر فیشن اور ہر سن و سال کی عورتیں سودا خریدنے آیا کرتی ہیں اور بے محابا گفتگو کرتی ہیں بلکہ ان میں سے بعض تو اپنے مخصوص تبسم اور صنفی اداکے ساتھ اشیاء کی طلب اور مول تول بھی کرتی ہیں، قیمت کے لین دین میں کبھی کبھی ہاتھ مَس ہو جاتے ہیں۔

کیا میرے لئے اس طرح کی خرید و فروخت جائز ہے اور میری یہ آمدنی حلال ہوگی؟ اور کیا میں اس ذریعہ معاش کے ساتھ امامت بھی کر سکتا ہوں؟ یہ واضح رہے کہ میرے لئے اور کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے۔

خط سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کے ذہن میں ایک گونہ دین کی جامعیت کا تصور موجود ہے، اس لئے آپ نہایت آسانی کے ساتھ یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ آپ نے اپنی جس دشواری کا ذکر فرمایا ہے اس میں تنہا آپ ہی نہیں گرفتار ہیں بلکہ ایسی اور اس سے کچھ مختلف ہزاروں دشواریاں ہیں جن میں کم و بیش ہر شخص گرفتار ہے۔ آپ نے جو کچھ ذکر کیا ہے وہ تو ان قبائح و منکرات اور آداب و رسوم کی ایک ہلکی سی جھلک ہے جو کسی غیر اسلامی یا غیر صالح تہذیب و معاشرت اور تمدن و سیاست کے با اقتدار ہونے کی حالت میں لازماً وجود میں آتے ہیں۔ ان حالات میں ایک مسلمان جس کی دینی حس بیدار ہوتی ہے اسے قدم قدم پر آپ سے زیادہ بڑی بڑی مشکلات اور دشواریاں پیش آتی ہیں وہ اس نظام کے جس شعبہ میں بھی شریک ہوتا ہے اور جہاں کہیں بھی ہاتھ پاؤں ہلا کر اچھی زندگی بسر کرنا چاہتا ہے اس کو طرح طرح کی مکروہات و ممنوعات اور محرمات سے سابقہ پڑتا ہے —

اسی لئے ان حالات میں ارباب علم و فکر اور ہادیان ملت و مصلحین دین پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ عام مسلمانوں کے اندر یہ دینی احساس پیدا کریں اور اجتماعی طور پر [illegible] ہو کر قدم اٹھائیں، وقت اور حالات کے مناسب بہترین اور مضبوط وسائل و ذرائع سے نظام حیات کو بدلنے یا اس کی اصلاح کرنے کی جدوجہد [illegible] کرنے کی صورت میں

مجموعی طور پر تمام لوگ گنہگار ہوتے ہیں — مگر اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ اسلام اس کی اجازت دیتا ہے کہ انفرادی طور پر ہر شخص اپنی نجی عبادات و نیکیوں پر اکتفا اور بھروسہ کر کے اس طرح کے ناجائز امور سے لپٹا رہے یا اپنی علمی و عملی قوتوں سے اور اپنے فکر و فن کی صلاحیتوں سے غیر اسلامی تہذیب و معاشرت اور تمدن و سیاست کی آبیاری کرتا رہے اور اطمینان کی زندگی بسر کرتا رہے — بلکہ انفرادی طور پر بھی اس کے خلاف کم از کم دل میں نفرت و حقارت کے جذبات ہونے چاہئیں اور جہاں تک بھی ممکن ہو جس حد تک اپنے میں استطاعت ہو اس سے بچنے کی سعی کرے، کیونکہ یہی وہ مواقع ہیں جہاں مسلمان کی دینداری آزمائش اور جانچ کی کسوٹی پر رکھی جاتی ہے، بدرجہ مجبوری جس حد تک غلطیوں سے ملوث ہونا پڑے اس میں بھی اپنی حد تک اسلامی سیرت و اخلاق کا مظاہرہ کرے، اور اللہ تعالےٰ کے حضور میں ندامت و شرمندگی کا اظہار کرے اور یہ فیصلہ نہ کر لے کہ اس غلطی سے بچنے یا نکلنے کا ہمارے لئے کوئی راستہ نہیں ہے بلکہ اپنی حد تک کوشش کرے اور اللہ تعالےٰ سے امید رکھے اس کا وعدہ ہے کہ جو لوگ ہماری راہ میں کوشش کریں گے ہم ان کے لئے ان کی مشکلات [illegible]

اپنے صحیح راستوں کی رہنمائی ضرور کریں گے اور جو لوگ اللہ سے ڈر کر اس کے تقوے کا راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں وہ اُن کے لیے گناہوں سے بچنے کی گنجائش پیدا کر دیتا ہے اور ایسے ذرائع رزق عطا فرماتا ہے جس کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا ——

آپ جس حالت سے دوچار ہیں وہ تو کچھ زیادہ دشوار اور پیچیدہ نہیں ہے، لیکن دین میں آپ قرآن کے حکم کے مطابق اپنی نگاہ نیچی رکھیں، گفتگو انتہائی سادہ طریقہ سے کریں، اور قیمت وصول کرنے میں اپنا ہاتھ محفوظ رکھنا تو اور زیادہ آسان ہے — آپ اگر کوشش کرکے اس سیرت و اخلاق کا مظاہرہ کریں گے تو نہ صرف دین کی اطاعت کریں گے بلکہ اکثر عورتیں اور مرد بھی آپ کو اور آپ کے اس تقوے کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے اور اُن پر اسلام کا اچھا اثر پڑے گا، اس احتیاط اور پابندی کے باوجود بھی کچھ نہ کچھ مجبورانہ بے احتیاطی اور غلطی ضرور ہوگی، امید ہے کہ اللہ تعالےٰ اسے درگزر فرمائے گا، کیونکہ جب آپ کو اپنی اس غلطی کا احساس ہے تو یقین ہے کہ اللہ تعالےٰ کے حضور میں ندامت اور شرمندگی ہوتی ہوگی اور عفو و درگزر کی درخواست بھی کرتے ہوں گے اور اُس کے دربار میں اس چیز کی بڑی قدر ہے۔

آپ کا ذریعہ معاش تو بالکل جائز اور آمدنی حلال و طیب ہے، آپ پر ذمہ داری صرف یہ ہے کہ اپنے معاملات میں حتے الامکان اسلامی سیرت و اخلاق برتیں اور کوئی عمل دینی احکام کے خلاف نہ کریں، اور یہ فیصلہ نہ کرلیں کہ اس کے علاوہ کوئی چارہ ہی نہیں ہے، اگر آپ مذکورہ بالا احتیاطوں اور پابندیوں پر عمل کرتے رہا کرنے لگیں اور مضبوطی سے اس بلند اخلاق پر جم گئیں تو جہاں کہیں آپ امامت کے مستحق ہوں یا آپ ہی کو لوگ امام بنائیں وہاں آپ بلا تکلف امامت کر سکتے ہیں اور اس سے تو آپ کو وہ مقام حاصل ہوگا جس کے بارے میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خوشخبری دی تھی اور اپنے اصحاب سے فرمایا تھا کہ دین پر عمل کرنے اور قائم رہنے میں ایسی دشواریوں اور مشکلات کا زمانہ آئے گا کہ اُس وقت جو لوگ عمل کریں گے ان کی نیکیوں کا اجر انھیں تم سے دس گنا ملے گا ——

★ عبد الغفار ندوی

انمول موتی

نماز کی برکت:

شریعت کا ایک مسلم امر یہ ہے کہ جو مومن بندہ بڑی بڑی نیکیاں کرتا رہتا ہے اور واجبات و فرائض میں کوتاہی نہیں کرتا اس کی چھوٹی چھوٹی لغزشیں اللہ تعالیٰ اُن بھلائیوں کے طفیل میں درگزر فرماتا ہے اور جتنی اہم اور بڑی نیکی ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ لغزشیں اور کوتاہیاں اس کے صلہ میں معاف ہوا کرتی ہیں، نماز چونکہ ایک مسلمان کا اولیں عملی فریضہ ہے اور اس کی اہمیت اتنی ہے کہ قرآن پاک میں اکثر زکوٰۃ کے ساتھ اور کہیں علٰحدہ جتنی بار نماز کا حکم دیا گیا ہے یا تاکید کی گئی ہے اتنی بار کسی اور چیز کا حکم نظر نہیں آتا، اس لئے اگر نماز کی طرح نماز ادا کی جائے تو اس کی برکت سے بہت زیادہ بلکہ تمام چھوٹے چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور کبائر کے ارتکاب کی جرأت ہی نہیں ہوتی کیونکہ جب ایک شخص پانچ وقت مسجد میں تمام لوگوں کے سامنے براہ راست اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کا اقرار کرتا ہے تو مسجد کے باہر کی دنیا میں بھی وہ خدا کی بندگی اور تابعداری سے نہیں چوکتا، اور کسی معاملہ میں حدود واللہ و قوانین الٰہی کے توڑنے کی جرأت نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے یہی صفت بیان فرمائی ہے کہ نماز تمام برائیوں اور بے حیائیوں سے روکتی ہے —— مگر ہر نماز میں یہ برکت اور ہر نماز کا یہ اثر نہیں ہوتا کہ اس کی وجہ سے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف ہو جائیں اور کبائر کا ارتکاب نہ ہو، کیونکہ کبائر کے بارے میں تو ہمارا ارشاد ہے کہ وہی نماز فحشا اور منکر سے بچاتی ہے جو سمجھ بوجھ کر سکون واطمینان اور خوف وخشیت کے ساتھ پڑھی جائے —— ورنہ نماز کے ساتھ آدمی کیا نہیں کرتا، ورنہ ہر نماز میں برکت یہ نہیں ہو سکتی کہ اُس کی ادائیگی سے تمام صغائر معاف ہوتے چلے جائیں بلکہ جو نماز فحشا، اور منکر سے بچا سکتی ہے وہی کوتاہیوں اور لغزشوں کی معافی کا سبب بھی ہوگی۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الصَّلٰوةِ الْخَمْسِ كَمَثَلِ نَهْرٍ جَارٍ عَلٰى بَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ۔ (مسلم)

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَءَيْتُمْ لَوْ اَنَّ نَهَرًا بِبَابِ اَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيْهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا هَلْ يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالُوْا لَا يَبْقٰى مِنْ دَرَنِهٖ شَيْءٌ قَالَ فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوٰتِ الْخَمْسِ

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں ایسی ہیں جیسے تم میں سے کسی کے دروازہ پر ایک دریا بہتا ہو اور ہر روز آدمی پانچ مرتبہ غسل کرتا رہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے آنحضرت نے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ہے اگر تم میں سے کسی کے دروازہ پر ایسا صاف پانی ہو جس میں وہ پانچ وقت غسل کیا کرے تو کیا اس کے جسم پر میل باقی رہ جائے گی؟ صحابہ نے عرض کیا

يَمْحُو اللّٰهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا۔

(بخاری)

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلصَّلٰوةُ الْخَمْسُ وَالْجُمُعَةُ اِلَى الْجُمُعَةِ وَرَمَضَانُ اِلٰى رَمَضَانَ مُكَفِّرَاتٌ لِمَا بَيْنَهُنَّ اِذَا اجْتُنِبَتِ الْكَبَائِرُ۔ (مسلم بہ مشکوۃ)

عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اِنَّ رَجُلًا اَصَابَ مِنْ اِمْرَاَةٍ قُبْلَةً، فَاَتَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ :- اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلِیْ هٰذَا؟ قَالَ لِجَمِيْعِ اُمَّتِیْ كُلِّهِمْ۔

(بخاری)

نہیں یا رسول اللہ اس کے جسم پر کچھ میل باقی نہ رہیگا آپ نے فرمایا پانچوں نمازیں ایسی ہی ہیں اللہ تعالے اس کے ذریعہ غلطیاں معاف فرماتا ہے۔

آپ کی روایت ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پانچوں نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک، ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنے مابین کی کوتاہیوں کے کفارہ ہیں، اگر کبائر کے ارتکاب سے اجتناب کیا جائے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی عورت کا بوسہ لیا (جذبات سے مغلوب ہوکر تو ایسا کر گزرا مگر جب ہوش میں آیا تو خدا کے خوف سے تھرایا) اور خدمت اقدس میں حاضر ہوکر اپنی غلطی سے آپ کو باخبر کیا (آپ خاموش رہے) پھر اللہ تعالے کی طرف سے القا ہوا آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، اس شخص نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ میرے لئے ہے آپ نے فرمایا کہ میری تمام امت کے لئے ہے۔ اس شخص نے اسلامی قانون کے مطابق سزا دیے جانے کی درخواست کی تھی مگر یہ ایسی خطا تھی جس کا محاسبہ اللہ تعالے قیامت کے دن فرمائے گا، شریعت اسلامیہ میں اس کی کوئی عدالتی سزا نہیں مقرر کی گئی ہے، اسلامی قانون کا جج اپنی صواب دید سے اس شخص کی حالت اور ماحول کا لحاظ کرتے ہوئے جو سزا بھی مناسب سمجھے دے سکتا ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اس شخص کی مغلوب الحالی اور اضطرار کی کیفیت سے واقف ہوگئے تھے، اسی کا لحاظ کرتے ہوئے آپ نے کوئی سزا نہیں تجویز فرمائی مگر آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ خدا کے خوف کی شدت سے اس کے دل میں جو بے چینی اور بے قراری پیدا ہوگئی ہے وہ دور نہیں ہو سکتی (اس لئے) آپ نے قرآن پاک کی ایک آیت تلاوت فرمائی جس میں اللہ تعالے نے دن کے دونوں کناروں پر اور رات کے

ایک حصہ میں یعنی پانچوں نمازیں قائم کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے یقیناً نیکیاں برائیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ اس آیت سے بھی تسکین نہ ہوئی اس نے کہا یا رسول اللہ کیا یہ آیت میرے لئے ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں میری تمام امت کے لئے ہے۔

ادارہ تعلیماتِ اسلام کا ترجمان

تعمیر (پندرہ روزہ) لکھنؤ

جلد ۱ — شمارہ ۹

۳۸۔ امین آباد پارک

ادارۂ تحریر

۱۵ / نومبر سنہ ۱۹۵۱ء
۱۴ / صفر المظفر سنہ ۱۳۷۱ھ

اس شمارہ میں

تعمیر کی قیمت

چندہ سالانہ :۔ چھ روپئے • ششماہی :۔ تین روپے
ایک پرچہ کے لئے :۔ چار آنے
ممالک غیر سے علاوہ پاکستان
سالانہ :۔ آٹھ روپئے • ششماہی :۔ چار روپے
فی پرچہ :۔ چھ آنے

نوٹ :۔ پاکستانی حضرات اپنا چندہ حسب ذیل پتہ پر بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمیں بھیج دیں۔
پتہ :۔ دفتر چراغ راہ معرفت بک ڈپو
آرام باغ روڈ کراچی

شرائط ایجنسی

(۱) کم از کم پانچ پرچوں پر ایجنسی دی جائے گی۔
(۲) قیمت پیشگی جمع کرانی ہوگی۔
(۳) پرچے واپس نہ لئے جائیں گے۔
(۴) ۲۰ پرچوں تک کمیشن ۲۵ فیصدی، ۴۰ تک ۳۰ فیصدی، ۵۰ تک ۳۳ فیصدی، ۵۰ سے زیادہ پر ۴۰ فیصدی دیا جاتا ہے۔
(۵) سول ایجنٹ کو سو پرچے لینا ضروری ہیں۔
(۶) جہاں سول ایجنٹ ہوں گے وہاں ایک سے زائد لوگوں کو ایجنسی دی جا سکتی ہے۔
(۷) پرچے بلا رجسٹری بھیجے جاتے ہیں رجسٹرڈ منگانا ہو تو فیس رجسٹری ایجنٹ صاحبان کے ذمہ ہوگی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد والہ واصحابہ اجمعین

دینی سیاحت

موجودہ دور میں آئے دن آپ دیکھتے اور سنتے رہتے ہیں کہ ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک شہر سے دوسرے شہر سیاحوں اور وفود کا سلسلہ لگا رہتا ہے ـــــ ایک جانے نہیں پاتا کہ دوسرا آجاتا ہے اور دوسرے کا کام ختم نہیں ہوتا کہ تیسرے کا دورہ شروع ہوجاتا ہے، آپ کبھی غور کریں تو ان سب کے مقاصد کارزحمت سفر اور شوق سیاحت میں ایک چیز آپ کو مشترک طور نظر آئے گی یعنی یہ واقفیت کہ دنیا اپنی مادیت میں کتنی آگے بڑھ رہی ہے؟ مادیت سے میری مراد وہ زندگی ہے اور زندگی کی وہ رنگینیاں ہیں جو خدا اور آخرت کے تصور سے بے نیاز ہونے کی حیثیت سے پیدا ہوتی ہیں ـــــ اس طرح کے سیاحوں اور وفود میں مسلم اور غیر مسلم کی تخصیص نہیں ہے، آپ جس سیاح اور جس وفد پر نگاہ ڈالیں عام طور پر اس کے پیش نظر یہی پائیں گے کہ وہ فنون لطیفہ اور آرٹ کا معائنہ کرے، صنعت وحرفت کی تحقیقات کرے، تجارت وزراعت کی جانچ کرے، فوجی قوت وطاقت کا اندازہ لگائے، سیاسی حالات کا جائزہ لے، ملکی تہذیب وتمدن کی نمائشوں سے لطف اٹھائے، ان کے ماہرین سے گفتگو وملاقات اور ان کا گہرا مطالعہ کرے، جس کی مناسبت اور ضرورت محسوس کرے اس کے ساتھ اپنے وطن کا رابطہ قائم کرے اور اپنے یہاں جس کی کمی پائے اس کی تکمیل و ترقی کا منصوبہ بنائے ـــــ

مادیت کے اس بحرانی دور میں شاذ ونادر ایسے اشخاص ملیں گے جو دوسرے ممالک کی سیاحت محض اس غرض سے کریں کہ وہاں خدا کے بندوں کا اپنے خدا سے کتنا تعلق اور کتنی بے تعلقی ہے اور خدا نے جس حقیقی زندگی کے لئے عارضی اور دنیاوی زندگی بخشی اس کے لئے کیا کیا جارہا ہے کن کن معاملات میں خدا کا حکم نافذ اور اس کا خوف قائم ہے اور کن شعبوں سے اسے خارج کردیا گیا ہے، یہی وہ بلند مقصد ہے جس کے لئے سیاحت کرنے والوں کا ذکر خیر قرآن پاک میں حامدوں عابدوں اور تائبوں کے ضمن میں السائحون کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اسی پاکیزہ اور بلند مقصد کے لئے استاذ محترم مدیر تعمیر مولانا علی میاں تقریبا پندرہ ماہ تک ممالک عربیہ کی سیاحت کرنے کے بعد واپس آئے ہیں، آپ نے مصر وعراق شام ولبنان اور بصری ونجد کے علاقہ کے اسفار کئے، عوام وخواص ہر طبقہ کے لوگوں سے ملاقاتیں کیں، ان کی دینی وعلمی وادبی تحریکوں، انجمنوں اور جماعتوں کا مطالعہ کیا ان کے ساتھ رہ کر ان کو قریب سے دیکھا اور ان کے سامنے خدا پرستانہ زندگی کی خصوصیات اور کتاب اللہ کی تعلیمات پیش کیں، اور اپنے علم وفکر سے اہم مسائل پر روشنی ڈالی وہاں کے لوگوں نے اسے حسن قبول عطا کیا اور اس کا اچھا اثر لیا وہ خود بھی ان کے بعض دینی علوم وافکار، جذبات و خیالات اور آداب ورسوم سے متاثر ہوکر آئے ہیں، آپ کی اس سیاحت کے تفصیلی تاثرات آپ ہی کی زبان اور تحریروں سے سامنے آئیں گے مگر ان تاثرات میں جو سب سے اہم تاثر اور سب کا خلاصہ ہے اسے یہاں کے مسلمانوں کو بھی اپنے لئے مشعل راہ بنا لینا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ ان ممالک میں اسلامی زندگی کے احیاء کی ایک لہر پیدا ہوگئی ہے ترکی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، اگرچہ برسر اقتدار طبقہ اپنی ذاتی خواہشات یا بین الاقوامی حالات کی وجہ سے اس سلسلہ میں اپنے کو مجبور سمجھ رہا ہے اور اس کی طرف زیادہ متوجہ نہیں ہے، لیکن عوام میں کافی احساس پایا جاتا ہے ـــــ وہ یورپ وامریکہ کی پھیلائی ہوئی تابناک وتباہ کن، (باقی صفحہ پر)

★ عبد السلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

(۱۷)

تشریح:

وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ اس آیت کے متعدد مختلف مفہوم بیان کئے جاتے ہیں مگر سب سے صحیح مطلب وہ ہے جو حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہم انصار کے بارہ میں نازل ہوئی ہے، ہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے، آپ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور آپ کی مدد کی جب اسلام پھیل گیا اور اُسے غلبہ حاصل ہو گیا تو ہم لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالے نے ہمیں اپنے نبیؐ کی صحبت و نصرت سے شرفیاب فرمایا یہاں تک کہ اسلام پھیل گیا اور مسلمان بڑھ گئے، ہم نے اہل وعیال اور اموال و اولاد کے مقابلہ میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو ترجیح دی اب جنگ ختم ہو گئی ہے لہذا ہم اپنے اولاد و اموال کی جانب متوجہ ہوں اور ان کی اصلاح و درستی کی فکر کریں، اس پر ہمارے متعلق یہ آیت نازل ہوئی وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة (اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو) پس ہلاکت اہل وعیال کے درمیان اقامت اور جہاد کے ترک کرنے میں تھی۔[1]

وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ۔ رکوع کے شروع میں حج کا ذکر آ چکا ہے اس کے بعد صلح حدیبیہ کے واقعات کی جانب اشارہ ہوا اب حج کے ضروری احکام بیان کئے جاتے ہیں، حدیبیہ کے موقع پر چونکہ کفار نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو روکا تھا اس لئے اس حالت (احصار) کے احکام بھی بیان کئے گئے ہیں اس رکوع اور اس کے بعد کے رکوع میں حج کے مختلف مسائل کا ذکر ہے چونکہ ان مسائل سے روزمرہ سابقہ نہیں رہتا اس لئے یہ عموماً ذہن میں نہیں رہتے اس لئے ذیل کی سطور میں مختصر طریقہ سے ضروری ضروری باتیں بیان کی جا رہی ہیں۔

حج ہر ایسے عاقل بالغ اور تندرست مسلمان پر فرض ہے جس کے پاس حرم تک آنے جانے کا کرایہ اور زادِ راہ کا سامان ہو راستہ میں امن ہو اور واپسی تک اہل وعیال کی ضرورت کے لئے سامان موجود ہو۔ عورت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اگر تین دن یا اس سے زیادہ کا سفر ہو تو کوئی محرم ساتھ ہو، حج کا طریقہ یہ ہے کہ گھر سے لے کر میقات تک کہیں احرام باندھ لیا جائے۔ مواقیت ہر طرف کے لئے علیحدہ علیحدہ مقرر ہیں۔ عراق کی طرف کے لوگوں کے لئے ذات عرق، شام کی جانب سے آنے والوں کے لئے جحفہ۔ مدینہ کی سمت والوں کیلئے ذو الحلیفہ اہل نجد کے لئے قرن۔ اور یمن والوں کے لئے یلملم میقات مقرر ہے۔ گھر سے لے کر ان میقات تک حاجیوں کو ضرور احرام باندھ لینا چاہئے۔ جو لوگ ان مواقیت اور مکہ معظمہ کے درمیان رہتے ہوں وہ حِل میں یعنی حدود حرم سے پہلے احرام باندھ لیں، مکہ معظمہ کے رہنے والے حج کے لئے حرم میں اور عمرہ کے لئے حِل میں احرام باندھیں احرام باندھتے وقت بہتر ہے کہ پہلے غسل کر لیا جائے ورنہ وضو ہی کافی ہے، پھر نئی یا دھلی ہوئی بن سلی ایک چادر اوڑھ لی جائے اور دوسری باندھ لی جائے پھر حاجی دو رکعتیں پڑھے اور کہے اللهم اني اريد الحج فيسره لي وتقبله مني پھر نماز کے بعد تلبیہ (لبیک ...

---

[1] ابن کثیر بروایت ترمذی و ابوداؤد۔

لَبَّيْكَ لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ إِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ کہے۔ تلبیہ (لبیک) کو کہتے ہیں۔ احرام مکمل ہوگیا، اس کے بعد جھگڑا، فساد، گناہ، نافرمانی کی باتیں، عورتوں سے تعلقات منع ہے، قمیص، پاجامہ، ٹوپی، قبا، اچکن وغیرہ کوئی پوشاک نہ پہنے، نہ موزہ پہنے، نہ ایسا جوتہ پہنے جس سے ٹخنے بند ہو جائیں، نہ سر اور چہرہ ڈھانکے، نہ خوشبو لگائے، نہ ناخن ترشوائے نہ صابن استعمال کرے، مکہ معظمہ پہونچکر مسجد حرام جائے طواف قدوم (آمد) کرے، مقام ابراہیم میں دو رکعت نماز پڑھے اور صفا و مروہ کے درمیان سات پھیرے لگائے۔ یوم الترویۃ (آٹھویں ذی الحجہ) کو مکہ معظمہ میں نماز فجر پڑھے اس کے بعد منیٰ کا رخ کرے اور دوسرے دن (نویں ذی الحجہ) کو فجر تک وہاں قیام کرے اس کے بعد عرفات روانہ ہو اور دن بھر وہیں قیام کرے۔ بعد ازاں امام دو خطبہ دیتا ہے اور ظہر ہی کے وقت ظہر و عصر کی نماز پڑھاتا ہے اذان ایک ہی ہوتی ہے لیکن اقامتیں دو ہوتی ہیں۔ شام کو مزدلفہ روانہ ہو اور وہاں عشاء کے وقت مغرب و عشاء کی نمازیں ایک ہی ساتھ ایک اذان اور ایک ہی اقامت کے ساتھ ادا کرے رات مزدلفہ میں گزارے صبح کی نماز غلس (اندھیرے) میں پڑھے پھر ذرا دیر امام کے ساتھ ٹھہرے اور سورج نکلنے سے پہلے ہی (دسویں ذی الحجہ) کو منیٰ روانہ ہو جائے وہاں پہونچ کر جمرۃ العقبہ کو کنکری مارے پھر قربانی کرے اور بال وغیرہ بنوائے اس کے بعد عورتوں سے تعلق کے علاوہ احرام کی تمام پابندیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ اسی دن دسویں ذی الحجہ کو یا دوسرے دن یا تیسرے دن مکہ معظمہ واپس آئے اور طواف زیارت کرے یہ طواف فرض ہے۔ ایام نحر (بارہ ذی الحجہ) تک اسے کرلینا واجب ہے۔ طواف زیارت کے بعد ہی منیٰ واپس ہو اور وہاں قیام کرے بارہ ذی الحجہ کو زوال کے بعد تینوں جمروں کو کنکری ماری جاتی ہے تیرہ اور چودہ کو بھی رمی جمار کی جاتی ہے، منیٰ سے مکہ معظمہ واپس آئے اور رخصت (وداع) کا طواف کرے یہ طواف اہل مکہ کے علاوہ اور سب لوگوں پر واجب ہے۔

عمرہ کا ذکر پہلے گزر چکا ہے، حج کے ساتھ اگر عمرہ کا بھی احرام باندھا تو اسے قران کہتے ہیں لیکن اگر پہلے عمرہ کا احرام باندھا پھر اس سے فارغ ہو کر احرام کھول دیا پھر حج کے وقت دوسرا احرام باندھ کر حج کیا تو اسے تمتع کہتے ہیں، اس صورت میں قربانی کرنا چاہیے لیکن اگر کسی شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو تو دس روزے رکھے تین حج کے زمانہ میں یعنی نویں ذی الحجہ تک اور سات حج سے واپسی کے بعد[۵۱] لیکن اگر احرام باندھ چکنے کے بعد کوئی ایسا مانع پیش آجائے جس کی بنا پر حج یا عمرہ سے رک جانا پڑے تو قربانی کرکے احرام کھول دے اور پھر جب موقع ہو تو قضا کرلے، ہاں قربانی سے پہلے سر نہیں منڈائے[۵۲] جاسکتے ہیں لیکن اگر سر میں کوئی تکلیف ہو تو فدیہ دے کر بال بنوائے جاسکتے ہیں، فدیہ میں تین روزے رکھے جائیں یا چھ مسکینوں کو تین صاع کھانا کھلایا جائے یا ایک بکری ذبح کی جائے، ایک صاع ساڑھے تین سیر کے قریب ہوتا ہے۔

---

۵۱ تمتع کی اجازت انھیں لوگوں کیلئے ہے جو حدود حرم کے باہر کے رہنے والے ہوں۔

۵۲ احناف کے نزدیک قربانی کا جانور حرم تک پہونچا یا جائے جب جانور ذبح ہو جائے تو بال بنوائے جائیں، شوافع مالکیہ اور دوسرے فقہاء کے نزدیک عام حالات میں یہی حکم ہے لیکن اگر دشمن وغیرہ کی وجہ سے مجبوراً رک جانا پڑے تو اس صورت میں احرام کھولنے اور حجامت وغیرہ بنوانے کیلئے اسکی ضرورت نہیں کہ قربانی کا جانور حرم تک پہونچ جائے بلکہ جس جگہ رکنا پڑا ہے وہیں قربانی کردی جائے، یہ لوگ صلح حدیبیہ کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے وہیں جانور ذبح کردیے تھے، فقہاء احناف کہتے ہیں کہ مقام ذبح حدود حرم کے اندر تھا، لیکن دوسرے ائمہ کو اول تو یہ تسلیم نہیں ہے پھر اگر ہو بھی تو یہ اتفاقی بات ہے۔

★ عبد السلام قدوائی ندوی

ایک حدیث کی تشریح

•

علامہ ابن تیمیہ کی ایک نایاب کتاب جو قرآن مجید کی متعدد سورتوں کی تفسیر پر مشتمل ہے مطبع قیمہ بمبئی سے شائع ہو رہی ہے، ابھی اس کتاب کے چند اجزاء نمونہ کے طور پر طبع ہوئے ہیں، محب کرم خلیل الرحمٰن ابن شرف الدین کی عنایت سے مجھے ان کے مطالعہ کا موقع ملا، دوران مطالعہ میں تفسیر و حدیث کے بعض اہم مباحث نظر سے گزرے، جی چاہا کہ قارئین تعمیر تک بھی علامہ کے ان خیالات کو پہونچایا جائے، اس خیال کے ماتحت بدء الاسلام غریبا وسیعود غریبا....... کی تشریح پیش خدمت ہے مشکل مقامات کو واضح کرنے کی غرض سے کہیں کہیں مزید تشریح بھی کر دی ہے امید ہے کہ قارئین تعمیر اس کے مطالعہ سے بہت مسرور ہوں گے۔

"بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا کَمَا بَدَءَ فَطُوْبیٰ لِلْغُرَبَاءِ" (الحدیث الصحیح)

نبی صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

"اسلام کس مپرسی کی حالت میں شروع ہوا اور آگے پھر وہ اسی طرح کس مپرسی کی حالت میں پہونچ جائے گا جس طرح شروع ہوا تھا، پس ان اشخاص کیلئے خوش خبری ہو جن کا کوئی پرسان حال نہ ہو گا"

یہ ایک صحیح حدیث ہے (بعض روایات میں اس کے آگے یہ الفاظ بھی ہیں ھُمُ الَّذِیْنَ اَصْلَحُوْا الَّذِیْنَ یُفْسِدُ ھٰنَا اَفْسَدَ النَّاسُ - یہ کس مپرسی کی حالت میں پڑے ہوئے اشخاص وہ ہوں گے جو دین کو لوگوں کے خراب کر دینے کے بعد پھر درست کر دیں گے)

اس حدیث میں اسلام کے مختلف ادوار کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، ایک زمانہ وہ تھا جب پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے اس اسلام کا حیات آفریں پیغام لوگوں کو سنایا تھا لیکن وہ نادانی کی وجہ سے اس حیات بخش دعوت پر توجہ نہیں کر رہے تھے، اسلام کی صدائے حق ان کے لئے بالکل نامانوس تھی لیکن داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پُر اثر مواعظ اور مؤثر نصائح نے ان کے دلوں کی کیفیت بدل دی اور وہی لوگ جو اسلام کی دعوت حق پر کان نہیں دھرتے تھے آگے چل کر اس کی جانب ایسی توجہ کرتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ خود اس پیغام ربانی کو اپنی زندگی کا دستور العمل بناتے ہیں بلکہ سارے عالم میں دین حق کی روشنی پھیلانے کی جدوجہد میں لگ جاتے ہیں، لیکن اسلام کے اس فروغ کے بعد پھر وہ دور آیا جب لوگ عیش و نشاط میں پڑ گئے، زندگی کی دلچسپیوں نے آخرت کی فکر سے غافل کر دیا، اور اسلامی اصول نگاہوں سے اوجھل ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ اسلام پھر دنیا میں اجنبی بن گیا اور اس کی کس مپرسی کی تقریباً وہی حالت ہو گئی جو دعوت نبوی کے آغاز کے وقت میں تھی۔

تاریخ اسلام پر جن لوگوں کی نظر ہے اور مسلمانوں کے حالات سے جو اصحاب واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ تاریخ میں اتار چڑھاؤ کے بہت سے دور ہوتے ہیں کبھی اسلامی تعلیمات کو فروغ ہوا اور کبھی ان کی جانب سے غفلت برتی جانے لگی، کبھی اسلام کے نام لیوا اس کی تبلیغ و اشاعت میں دل و جان سے کوشاں رہے اور کبھی اس کے احکام کی خلاف ورزی میں منہمک رہے۔ تاریخ میں ان ادوار کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے اور اسلام کے عروج و زوال تصویر دیکھی جا سکتی ہے۔

یہ حدیث گزشتہ اور آئندہ اسلامی تغیرات کی جانب اشارہ ہی پر اکتفا نہیں کرتی ہے بلکہ اسی کے ساتھ یہ بھی بتاتی ہے کہ ان مواقع پر ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہئے جب اسلام عروج کے بجائے انحطاط کی حالت میں ہو

اس کے اصول نگاہوں سے اوجھل ہوچکے ہوں اور اس کے
احکام پر عمل کرنے والے معدودے چند سے زیادہ
نہ رہ گئے ہوں۔ اس کس مپرسی اور بے توجہی کے
زمانہ میں اسلام کے چھوڑنے اور اس سے دست بردار
ہونے کا کوئی سوال نہیں ہے کیونکہ غربت و ناشناسی
اور بے توجہی و کس مپرسی کے باوجود اللہ کے نزدیک
دین اسلام ہی ہے (ان الدین عند اللہ الاسلام)
اور اس کے سوا اور کوئی نظام اللہ تعالٰے کی نظر میں
قابل قبول نہیں ہے (ومن یبتغ غیر الاسلام
دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من
الخاسرین) اور تادم مرگ اسی پر جمے رہنے کا حکم ہے
(ولا تموتن الا وانتم مسلمون) تمام انبیاء
علیہم السلام نے اپنے متعلقین اور پیرووں کو اسی کی
دعوت دی تھی (ووصی بھا ابراھیم بنیہ ویعقوب)

اس لئے غربت و کس مپرسی کے باوجود اسلام ہی
پر ثابت قدم رہنے کی ضرورت ہے، خیر و برکت اور
فلاح و سعادت انھیں لوگوں کے لئے ہے جو ہر قسم کی
پریشانی اور بے سروسامانی کے باوجود اسلام کے
دامن سے وابستہ رہیں اور مشکلات و مصائب کے دور میں
بھی دین حق پر جمے رہیں اور کلمۃ الٰہی کی سربلندی کے لئے
جدوجہد کرتے رہیں۔

اسلام کی آمد سے پہلے جب دین حق مدت سے
کس مپرسی کے عالم میں تھا اور راہ راست نظروں
سے اوجھل تھی اس زمانہ کی تصویر ایک صحیح روایت
میں اس طرح کھینچی گئی ہے کہ اللہ تعالٰے نے اہل زمین
پر نظر ڈالی اور سب کو سخت ناپسند کیا سوائے کچھ بچے کھچے
(مخلص) اہل کتاب کے عرب و عجم سب کوئی ایسا نہ تھا
جسے دیکھ کر ناگواری نہ ہوتی۔

مذکورہ بالا روایت اس حقیقت کو واضح کرتی ہے
کہ اللہ تعالٰے کسی ایسے زمانہ کو پسند نہیں کرتا جو دین
حق کے نور سے منور نہ ہو، ایسی تاریک فضا میں اسلام
پر عمل کرنے والا بڑا ہی خوش نصیب ہے، اس لئے مصائب
و مشکلات کے زمانہ میں جن مسلمانوں کو زندگی بسر کرنے
کا موقع ملتا ہے وہ بڑے خوش نصیب ہیں (طوبیٰ لھم
وحسن مآب) انھیں پریشانیوں اور مصیبتوں سے
دلگیر ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں ہے بلکہ انھیں اپنی
قسمت پر ناز کرنا چاہئے کہ انھیں اسلام کے دور اول
کی سعادت میں حصہ لگانے کا موقع مل گیا ہے، اور
سابقین اولین کے زمرہ میں شامل ہونے کی عزت
حاصل ہوگئی ہے (والسابقون الاولون من المھاجرین
والانصار والذین اتبعوھم باحسان) جس طرح
آغاز اسلام کے وقت جب نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی
تعلیم پر کوئی کان دھرنے والا نہ تھا مہاجرین و انصار
نے پیش قدمی کی تھی اور اسلام کی بنیاد رکھی تھی اسی
طرح اس دور غربت و کس مپرسی میں جب اسلام
انحطاط کے عالم میں ہے جو لوگ اسلامی تعلیمات
پر قائم ہیں اور انھیں پھیلانے میں لگے ہوئے ہیں وہ
اس زمانہ میں وہی خدمت انجام دے رہے ہیں جو مہاجرین
و انصار نے دور اول میں انجام دی تھی اور اپنی اسی
ثبات قدمی کی بنا پر دنیا و آخرت میں کامگار و فلاح یاب
ہیں جس طرح اللہ تعالٰے نے غربت اولی کے زمانہ
میں دستگیری فرمائی تھی اسی طرح آج اس غربت
آخری کے وقت بھی اعانت فرمائے گا اس نے صاف
صاف کہہ دیا ہے یا ایھا النبی حسبک اللہ و
من اتبعک من المومنین (اے نبی اللہ کافی ہے
آپ کے لئے بھی اور ان اہل ایمان کے لئے بھی جنھوں
نے آپ کی اتباع کی) وہ صالحین کا کارساز ہے
(وھو یتولی الصالحین) جو اللہ پر بھروسہ کرے گا
اللہ اس کے لئے کافی ہوگا، جو خدا سے ڈرے گا وہ
اس کے لئے راہ نکالے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق

پہونچائے گا جہاں اُسے گمان بھی نہ ہوگا (ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ) پس جو مسلمان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرے گا اللہ تعالےٰ اس کے لئے کافی ہے اور وہ خواہ کہیں ہو اور کسی زمانہ میں ہو وہ اس کا مددگار اور کارساز ہے۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ بلاد کفر میں جو مسلمان پابند اسلام ہیں وہ بڑے صاحب سعادت ہیں۔ وہ جس قدر زیادہ اسلامی احکام کی پابندی کریں گے اسی قدر زیادہ انھیں فلاح و سعادت نصیب ہوگی یہاں تک کہ اہل کتاب اور مشرکین ان کی تعظیم کریں گے۔ تاریخی تجربہ شاہد ہے کہ جب مشرکین کسی ایسے مسلمان کو دیکھتے ہیں جو اصل اسلام کا دل وجان سے پابند ہے تو وہ اس کی عزت کرتے ہیں، اور اکثر ان باتوں سے اُسے معاف رکھتے ہیں جو ان لوگوں کو انجام دینی پڑتی ہیں، جو اسلامی تعلیم پر عمل کی کوئی فکر نہیں رکھتے بلکہ صرف اسلام کی جانب انتساب کافی سمجھتے ہیں۔

یہی حال ان مسلمانوں کا تھا جو صدر اول میں تھے اور یہی صورت بعد کے زمانہ میں ہی اور رہے گی اس دنیا میں خیر و شر کا سلسلہ جاری ہے لیکن اللہ کے فرمانبردار بندوں کو جو نعمتیں نصیب ہوتی ہیں وہ تکالیف کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہوتی ہیں، آغاز اسلام کی تاریخ پر نظر ڈالئے بلاشبہ کفار کی طرف سے مسلمانوں کو سخت تکلیفیں پہونچائی گئیں وہ گھر سے باہر نکالے گئے انھیں جان و مال کا کافی نقصان برداشت کرنا پڑا لیکن انجام کار کیا ہوا، کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسلمانوں کو ان مشکلات و مصائب کے بعد جو کچھ عزت و جاہ، مال و منال اور حکومت و فرمانروائی نصیب ہوئی اس کا عشر عشیر بھی کفار قریش کو کبھی حاصل نہیں ہوا تھا، اس کامیابی کے مقابلہ میں ان تکالیف کی کیا حیثیت ہے جو ابتدائے اسلام میں مسلمانوں کو برداشت کرنی پڑی تھیں۔

اس موقع پر ایک اور پہلو بھی قابل غور ہے اللہ تعالےٰ نے کہہ دیا تھا کہ یا ایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین (اے نبی اللہ آپ کے لئے اور ان اہل ایمان کے لئے کافی ہے جنھوں نے آپ کی اتباع کی)۔

ایک طرف اللہ تعالےٰ کا یہ اعلان تھا اور دوسری طرف کفار قریش کا یہ عزم تھا کہ وہ اسلام کی دعوت حق کو کامیاب نہ ہونے دیں گے اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے پیرووں کو عاجز کر دیں گے۔ لیکن پھر ہوا کیا، اس سوال کا جواب تاریخ کے اوراق صرف یہی دے رہے ہیں کہ کفار قریش کی تمام تدبیریں ناکام ہو گئیں، کافروں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کا بال بھی بیکا نہ کر سکے وہ نقصان رسانی اور ایذا دہی کی طرح طرح کی ترکیبیں کرتے تھے لیکن اللہ تعالےٰ ان کی ہر ترکیب کو ناکام کرتا تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو عزت پر عزت اور غلبہ پر غلبہ عطا فرماتا جاتا تھا، تمام مخالفین اسلام بلا استثنا دین حق کے علم برداروں کے ہاتھوں زک پر زک اٹھاتے جاتے تھے، ذرا آغاز اسلام کی تاریخ پر ایک نظر ڈالئے، دیکھئے قریش کے ہاتھوں ستائے اور پریشان کئے ہوئے لوگ کس طرح راحت و اطمینان اور مسرت و اکرام حاصل کر رہے ہیں جن غریبوں کو قریش نے اپنا گھر بار چھوڑ کر حبش کی طرف نکلنے پر مجبور کیا، انھیں حبش میں کیسی عزت نصیب ہوئی، جنھیں بے یار و مددگار سمجھا گیا تھا انھیں شاہی کی سرپرستی حاصل ہو گئی اور نجاشی بادشاہ حبش ان کا پشت پناہ بن گیا، اس نے صرف یہی نہیں کیا کہ انھیں اپنے ملک میں پناہ دی بلکہ خود بھی اسلام کا حلقہ بگوش بن گیا۔

پھر ذرا ان مہاجرین کی حالت پر بھی نظر ڈالیے جنھیں دشمنان اسلام نے مکہ معظمہ سے نکلنے پر مجبور کیا تھا دیکھیے کس شان سے وہ مدینہ منورہ میں داخل ہو رہے ہیں اور کس عزت و تکریم کے ساتھ وہاں زندگی بسر کر رہے ہیں آگے چل کر یہ مدنی زندگی ان کے لیے عظیم الشان فتوحات کا باعث ہوگئی اور یہیں انھیں وہ تعلیم و تربیت حاصل ہوئی جس نے ان کے لیے ساری دنیا کو مسخر کر دیا تھا۔ یہ وسیع فتوحات اور یہ عظیم تسخیر کائنات جو انھیں گنتی کے چند برسوں میں حاصل ہوئی لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ ان کے مصائب و آلام کا صلہ تھا۔ اس میں شبہ نہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا انعام تھا جو انھیں حاصل ہوا لیکن انھوں نے اس کی خاطر یہ جد و جہد نہیں کی تھی یہ عظیم الشان فتوحات اور ایسی وسیع مملکت کا حصول ان کے لیے عیش و طرب کا سامان نہ تھا بلکہ فرائض و واجبات کی ادائیگی کا پیغام تھا لوگ سلطنت کا خواب اس لیے دیکھا کرتے ہیں کہ راحت و آرام کی زندگی بسر کریں۔ لیکن یہاں حکومت کا ہاتھ میں آنے سے سر پر ذمہ داریوں کا غیر معمولی بوجھ لادنا تھا، تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ اللہ کے ان بندوں نے بادشاہت کو کبھی خدمت گزاری سے زیادہ نہیں سمجھا اور خود تکلیف اٹھا کر دوسروں کے آرام کی فکر کی۔

صحابہ کرام کے ابتدائی حالات پڑھ کر عام ناظرین متاسف ہوتے ہیں اور ان مصائب و آلام کی سرگزشت پڑھ کر جو دشمنان اسلام کے ہاتھوں انھیں پہنچے وہ ان کی حالت پر ترس کھاتے ہیں لیکن یہ طرز فکر صحیح نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ صحابہ کرام کو غیر معمولی تکلیفیں ہوئیں لیکن انھیں اپنے اوپر قیاس کرکے یہ سمجھنا کہ یہ تکالیف ان کے لیے اسی طرح ہولناک اور روح فرسا تھیں جس طرح ہم انھیں محسوس کرتے ہیں صحیح نہیں ہے، صحابہ کرام کو یہ تکلیفیں جھیلنے میں بھی لذت حاصل ہوتی تھی، ان کے ایمان کی حرارت انھیں خندہ پیشانی کے ساتھ مصائب کو برداشت کرنے پر آمادہ کرتی تھی وہ جب یہ خیال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں انھیں یہ مشکلات پیش آرہی ہیں تو انھیں بڑی مسرت ہوتی تھی اور مصیبت میں راحت اور تکلیف میں ایسی ملذاذ محسوس ہوتی تھی جسے ہم ضعیف الایمان آج سمجھنے سے بھی قاصر ہیں وہ حقیقی مومن تھے مومن اللہ کے لیے کام کرتا ہے اور جب اس راہ میں اسے اذیت پہنچتی ہے تو اللہ کی خاطر اسے برداشت کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے کہ ایسا موقع تو نصیب ہوا کہ اللہ کے سامنے جان و مال کی قربانی پیش کی جائے، حقیقت یہ ہے کہ ایمان میں عجب شیرینی ہے، مومن کے دل کو جذبۂ ایمان سے جو لذت حاصل ہوتی ہے وہ اسے اور کسی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتی ہے۔ وہ ایمان کے بعد کفر کی جانب پلٹنے سے ایسا ہی گھبراتا ہے جس طرح آگ میں ڈال دیے جانے سے۔

یہ حدیث ایک اور پہلو کی جانب بھی توجہ دلاتی ہے، اسلام کی اشاعت میں سستی، اہل عالم کی اسلام کی جانب بے توجہی اور اسلامی اثرات کے ضعف و انحطاط کو دیکھ کر مسلمانوں کو بہت زیادہ مضطرب الحواس اور ملول خاطر نہ ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو متعدد مواقع پر تاکید کی ہے کہ اگر تبلیغ و تفہیم کے باوجود لوگ اسلام کے حلقہ بگوش نہ ہوں تو زیادہ غمگین اور پریشان خاطر نہ ہوں اسی طرح اہل ایمان کو بھی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کے دائرۂ اسلام میں عدم دخول پر بہت زیادہ غمگین نہ ہوں اور ان کی چال بازیوں سے متفکر نہ ہوں، اہل ایمان کا یہ شیوہ نہیں کہ عام اہل مصائب کی طرح جزع فزع کریں انھیں جب منکرات کا شیوع نظر آئے یا اسلام کے حالات متغیر نظر آئیں تو اس موقع پر نوحہ و ماتم کے بجائے صبر و ضبط سے کام لینا چاہیے، دین اسلام پر ثابت قدم رہنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ انجام کار تقوے ہی کے حق میں ہوگا، نتیجہ انھیں کے حق میں ہوگا جن کے دل میں خدا کا خوف ہے اور جو عمل میں پرہیزگار ہیں

جو مصائب پہونچ رہے ہیں وہ ان کے گناہوں، بدعملیوں، اور کوتاہیوں کا نتیجہ ہیں، یہ خیال کرکے بارگاہ الٰہی میں اپنی خطاؤں پر طالب عفو ہونا چاہیے، اللہ کی تسبیح و تحمید میں مصروف ہونا چاہیے، دامن صبر کو ہاتھ سے نہ دینا چاہیے اور یہ یقین رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ حق ہے۔

یہ حدیث ہمیں بتاتی ہے کہ اسلام کے عروج و زوال کے مختلف دور آتے رہیں گے کبھی ترقی ہوگی اور کبھی تنزلی، جس طرح آغاز اسلام میں وہ کس مپرسی کے عالم میں تھا اسی طرح آئندہ بھی ایسے اوقات آئیں گے جب اس کی طرف کم توجہ ہوگی لیکن جس طرح عہد اول میں کچھ ہی عرصہ کے بعد کس مپرسی کا دور ختم ہوگیا تھا اسی طرح آئندہ بھی انحطاط کے بعد عروج کا دور آتا رہے گا اس لئے نوحہ و ماتم میں وقت ضائع کرنے کے بجائے اپنی حالت کو درست کرنے کی فکر کرنی چاہیے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میری امت میں ایک جماعت قیامت تک برابر علے الاعلان قائم رہے گی نہ انھیں وہ لوگ نقصان پہونچا سکیں گے جو ان کی مخالفت کریں گے اور نہ وہ جو انھیں چھوڑ دیں گے، یہ روایت صاف طور سے اعلان کرتی ہے کہ قیامت سے پہلے یہ ناممکن ہے کہ سارے عالم میں اسلام اجنبی اور غیر معروف یا ذلیل و خوار ہو جائے اس تیرہ سو برس کی مدت میں بارہا ایسے واقعات پیش آئے جب لوگوں نے یہ سمجھا کہ اسلام کا نفس واپسیں ہے لیکن وعدہ الٰہی کی صداقت بہت جلد نمایاں ہو گئی، اور مصیبت کے گہن سے نکل کر اسلام کا آفتاب پھر عالم تابی کا باعث ہوگیا۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب سارے عرب میں ارتداد کی وبا پھیل گئی تو کون کہہ سکتا تھا کہ اب پھر کبھی اسلام کو فروغ ہوگا لیکن دنیا نے دیکھ لیا کہ چند دن میں مرتدین کا خاتمہ ہوگیا، اور اسلام کا قافلہ پھر ترقی کی منزلیں طے کرنے لگا، اسی طرح خلفاء راشدین کے بعد فتنہ و فساد کی آندھیاں اس زور و شور کے ساتھ چلیں کہ بادی النظر میں ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کوئی دم میں شمع اسلام گل ہوا چاہتی ہے منکرات کا زور بڑھ رہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کیا اور حضرت عمر ابن عبدالعزیز کی صورت میں دین کی حفاظت و تجدید کا سامان کر دیا، اسی طرح تاریخ کے ہر دور میں جہاں ظلمت کا زور نظر آئے گا وہیں آفتاب ہدایت کی ضیا باری کے آثار بھی نظر آئیں گے۔ لوگوں کو جو مصائب پیش آتے ہیں یا جن مشکلات سے انھیں دوچار ہونا پڑتا ہے اس کی وجہ ان کے ایمان کے ضعف اطاعت کی کمی اور گناہوں کی کثرت ہے ورنہ اللہ تعالےٰ کا صاف اعلان ہے کہ انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشہاد (ہم یقیناً اپنے رسولوں کی اور ان لوگوں کی مدد کریں گے جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی)

جو لوگ ایمان اور عمل صالح سے متصف ہوں گے ان کے لئے زمین میں خلافت کا وعدہ اسی طرح ہے جس طرح پہلوں کے لئے تھا وعد اللہ الذین آمنوا منکم وعملوا الصالحات لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم۔

اللہ تعالےٰ کا یہ وعدہ عام ہے جس طرح قرن اول میں اس کا ظہور ہوا اور آئندہ بھی اسی طرح اس کا امکان ہے، شرط صرف ایمان اور عمل صالح کی ہے جس قدر ایمان میں کمال اور عمل میں اخلاص ہوگا اسی قدر استخلاف فی الارض مکمل ہوگا اور جس قدر ایمان میں ضعف اور عمل میں فتور ہوگا اسی قدر استخلاف میں خلل ہوگا۔ اسلام کی چہاردہ صد سالہ تاریخ اس حقیقت کی گواہ ہے۔

(باقی ص۱۱ پر ملاحظہ ہو)

★ محمد وارث کامل بی، اے

سوز و ساز

نیاز ہو تو شہید گناہ ناز تو ہو
غضب کا سوز نہیں ہے، بلا کا ساز تو ہو
جنوں ہے خام تو بے کیف بادۂ ہستی
یہ مشتِ خاک غبارِ رہِ حجاز تو ہو
وہ بے نیاز سہی پھر بھی ہے امید کرم
کچھ اور دامنِ حسنِ طلب دراز تو ہو
جہاں تو اب بھی ہے آمادۂ قدم بوسی
خمِ آستانِ نبی پر سرِ نیاز تو ہو
ہر ایک گام پہ ہیں معرفت کے گنجینے
نظر سے دور کہیں پردۂ مجاز تو ہو
یہ کارگاہِ وجود و عدم ہے آئینہ
جہاں میں باز مگر چشمِ امتیاز تو ہو
فساد کچھ ہے تو فرقِ نیاز و ناز سے ہے
نشیب ہو تو بہ اندازۂ فراز تو ہو
دل آشنائے حقیقت سہی مگر اے دوست!
نظر میں شعلۂ برقِ جگر گداز تو ہو
نہیں کہ گوش برآواز، دل نہیں کامل
بیانِ درد بہ انداز دلنواز تو ہو

★ ابو البیان حماد

دعوتِ عمل

یہی ہے وقت کہ ہم دینِ حق سے پیار کریں
متاعِ زیست بھی اُسکے لئے نثار کریں
رفیقو، آؤ بدل دیں نظامِ عالم کو
فریب و مکر کے پردوں کو تار تار کریں
اٹھو، اٹھو کہ بہت سوئے ہم بہت سوئے
جو سو رہے ہیں انھیں چل کے ہوشیار کریں
زمیں ہے اپنی فلک اپنا عرش بھی اپنا
اگر طریقِ محمدؐ کو اختیار کریں
بڑھو، بڑھو کہ کوئی دم میں آئے گی منزل
مہ و ستارہ کو پس ماندۂ غبار کریں
جو راہِ شوق کو مدت سے بھول بیٹھے ہیں
کسی طرح انھیں ہمراز آشنائے یار کریں
حجابِ ظلمتِ باطل کو چاک کر دیں ہم
رموزِ حق کو زمانے میں آشکار کریں
گداز ہو کے رہیں قلبِ سنگ و آہن بھی
جو چشمِ لالہ کو ہم پھر سے اشکبار کریں
تلاش ہے مجھے حماد اُن رفیقوں کی
جو اپنی جان سے بڑھ کر خدا سے پیار کریں

★ ابو المجاہد زاہد

غزل

نظر ہے تاریک اور دل میں کہیں خوشی کا گزر نہیں ہے
میں ایسی دنیا میں بس رہا ہوں جہاں طلوع سحر نہیں ہے

یہ عشق میں وہ خلوص باقی نہ حسن میں وہ وفا شعاری
وہ ہم نہیں ہیں وہ تم نہیں ہو وہ دل نہیں وہ نظر نہیں ہے

جمی ہوئی ہیں انھیں کے روئے حسیں پہ ہر ایک کی نگاہیں
نگاہ انکی ہے کس پہ لیکن سوا کسی کو خبر نہیں ہے

اگر نہیں ہے یہ ظلمتِ شب تو کھولدی ہیں کسی نے زلفیں
نقاب کوئی اٹھا رہا ہے اگر طلوع سحر نہیں ہے

خدا و مذہب کا مضحکہ آپ خوب جی کھولکر اڑائیں
مگر یہ ہے خانقاہِ زاہد کسی شرابی کا گھر نہیں ہے

★ ماہر القادری

تجھ کو اے جرم محبت کیا کہوں

مفلسی ہے اور بیکاری بھی ہے
رشوتوں کی گرم بازاری بھی ہے

شیخ کو حاصل ہیں دو دو نسبتیں
خانقاہی بھی ہے درباری بھی ہے

ڈھول تاشے پھول باجے کھیل کود
اس پہ دعوائے عزاداری بھی ہے

تجھ کو اے جرم محبت کیا کہوں
دل کہ انکاری بھی اقراری بھی ہے

ہو رہی ہیں زندگی کی کوششیں
خودکشی کا سلسلہ جاری بھی ہے

اہل دنیا سے ہے بس اتنا سوال
آخرت کی کوئی تیاری بھی ہے

موت ہی کو زندگی کہتے ہیں لوگ
خواب ہی کا نام بیداری بھی ہے

★ جوش ملیح آبادی

بیتاب

سکوں نہ ڈھونڈ، کہ صبح ازل سے ہے اب تک
ضمیر ارض و سمار روح مرد و زن بیتاب

کوئی ادھر ہے پریشاں قبائے رنگ کے لئے
کسی کے دل میں ادھر حسرت کفن بیتاب

ادھر کشاکش گیسو سے ہر دل آشفتہ
ادھر نسیم سے گیسو کی ہر شکن بیتاب

ادھر سیاست خورشید سے بیاباں گرم
ادھر سحاب جنوں خیز سے چمن بیتاب

ادھر تجمل اصنام، لرزہ بر اندام
ادھر تہیۂ محمود بت شکن بیتاب

ادھر پسر کے لئے چشم کور گرم تلاش
ادھر پدر کے لئے بوئے پیرہن بیتاب

غرض کہ شرح کہاں تک ہو مختصر یہ ہے
کہ انجمن کی ہے اسے جوش انجمن بیتاب

★ مناظر احسن گیلانی

ماضیِ قریب کی ایک اہم ہستی

حضرت سید احمد بریلوی الشہید رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت میں ایک ممتاز شخصیت مولانا حیدر علی رامپوری مرحوم کی بھی تھی، مشہور ہے کہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے شاگرد تھے[1] نواب امیر خاں سنبھلی نے ٹونک (راجپوتانہ) کو اپنی ریاست کا عاصمہ (پایہ تخت) جب بنایا تو سید شہید کے گروہ کے بقایا کی کافی تعداد ٹونک ہی میں قیام پذیر ہوگئی ان ہی میں مولانا حیدر علی مرحوم بھی تھے، خاکسار جب ٹونک میں زیر تعلیم تھا تو عموماً مولانا حیدر علی کی مسجد جو پرانے ٹونک کی فصیل سے باہر بجانب جنوب جنگل میں اب گویا پڑ گئی ہے اس میں نماز پڑھنے کا موقع مل جاتا تھا، ٹونک والے بڑی عزت و عظمت کے ساتھ ان کا ذکر کرتے تھے، یہ بھی سنا تھا کہ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، لیکن نہ ٹونک ہی میں ان کی کوئی کتاب نظر سے گزری، نہ کہیں اور تقریباً چالیس سال بعد اپنے گاؤں گیلانی میں برادری والوں کے گھر میں ایک مختصر سے رسالہ پر نظر پڑی، نام اس کا "صیانۃ الناس من وسوسۃ الخناس" ہے زبان اردو اور ۱۲۴۰ھ یعنی آج سے سو سال پہلے کسی فخر المطابع کی چھپی ہوئی ہے، باوجود تلاش کے اس کا پتہ نہ چل سکا کہ یہ فخر المطابع تھا کہاں؟ خیر موضوع تو رسالہ کا وہی جھگڑا ہے جو اس زمانہ میں چھڑا ہوا تھا، بدایوں اور بریلی کے علماء نے حضرت سید شہید اور ان کے رفقاء کے مقابلہ میں جو مستقل محاذ قائم کر لیا تھا، طرفین سے حملے ہوتے تھے، سوال و جواب، جواب الجواب کا لامحدود سلسلہ تھا جو جاری تھا، یہ رسالہ بھی اسی میدان کا ایک بم ہے، اب نہ وہ سوالات ہی باقی رہے اور نہ جوابات، لیکن بیچ بیچ میں مولانا حیدر علی کے قلم سے بعض ایسی چیزیں بھی درج ہو گئی ہیں جن سے ہم عبرت بھی حاصل کر سکتے ہیں اور ہماری تاریخ کے ایک خاص دور کے کچھ معلومات بھی ان کی روشنی میں فراہم ہوتے ہیں، جی چاہا کہ تعمیر کی برادری تک انکو پہونچا دوں۔

وہو ہذا ۔

(۱)

حضرت سید شہید اپنی جماعت کے ساتھ ہندوستان کے مشرقی علاقوں کا دورہ فرماتے ہوئے جب کلکتہ پہونچے ہیں، جہاں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم تھی اور مولانا حیدر علی بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس سفر میں ساتھ تھے، بہرحال کلکتہ اور کلکتہ کے مسلمانوں کو جس حال میں پایا گیا تھا، مولانا کی زبانی اس کی روداد یہ ہے کہ

"شراب اور تاڑی ان کے بدن کا خمیر ہو رہا تھا"

اور حکومت قائمہ نے دماغوں کو کس حد تک متاثر کیا تھا فرماتے ہیں کہ

"بر عکس وہی شراب اور تاڑی پینے والے مسلمان بکتے تھے کہ نماز کا حکم کمپنی کا نہیں، اور نہ روزہ آئین کونسل" صف

گویا اسی زمانے میں یہ پرانے زمانے کے مسلمان اپنا دین و ایمان کمپنی کے حکم اور کونسل کے حکم کو بنا چکے تھے اور دیدہ دلیری ترقی کر کے اس نقطہ تک پہنچ چکی تھی کہ علانیہ اس کا اظہار بھی کرتے تھے، مولانا نے آگے ان ہی مسلمانوں کے

---

[1] مولانا حیدر حسن خاں ٹونکی مرحوم مولانا حیدر علی صاحب کے علم و فضل کے واقعات سنانے رہتے تھے اور وثوق سے بیان کرتے تھے کہ وہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، مولانا حیدر حسن خاں صاحب مرحوم نے مولانا حیدر علی صاحب کو اپنے بچپن میں دیکھا تھا ان کے بڑے بھائی مولانا محمود حسن ٹونکی مرحوم مصنف معجم المصنفین مولانا حیدر علی صاحب مرحوم کے شاگرد تھے ہدایہ اور تحریر ابن ہمام ان سے پڑھی تھی مولانا انکے طرز تدریس کے بڑے مداح تھے اور فرمایا کرتے تھے ان کا درس مجتہدانہ ہوتا تھا۔

متعلق لکھا ہے کہ

"شب و روز رشوت و زنا، اور مردم آزاری
اور سود خواری میں مشغول رہتے تھے"

اس کی بھی شہادت دیتے ہیں کہ ما جوجی تہذیب کی خصوصیت "مخلوط سوسائٹی" ان نتائج کو جو اسی زمانہ میں پیدا کر چکی تھی کہ

"مرد و عورت مثل حیوانات بے نکاح باہم
ہوتے اور سیکڑوں ولدالزنا ان سے پیدا ہو گئے"

رونگٹے کھڑے ہو گئے مولانا کی روداد کے ان الفاظ سے کہ

"اور صدہا پیر و جوان نامختون مثل نصاریٰ
و مشرکوں کے تھے"

یہ چند نمونے تھے ان مسلمانوں کے جو کمپنی کی حکومت کے بعد کلکتہ اور بنگال میں پھیل پڑے تھے، مولانا حیدر علی صاحب نے پھر حضرت شہید اور آپ کے رفقا کے مجاہدانہ کارناموں کی چشم دید شہادت ان الفاظ میں ادا کی ہے کہ

"حضرت شہید کے ہاتھ پر دس دس ہزار آدمی
ایک بار بیعت کرتے گئے اور بہت سے ہنود اور
رافضی اور جوگی اور اتیت[1] حضرت کے ارشاد
و تلقین سے خالص مسلمان ہو گئے"

لکھا ہے کہ یہی لوگ

"سب گناہوں سے توبہ کر کے نکاح اور ختنے
کروا کے نیک و پاک متقی ہو گئے" صـ

ان ہی کا بیان ہے کہ حضرت شہید اور آپ کے رفقائے کار نے منجملہ اور طریقوں کے اصلاح کا ایک طریقہ یہ بھی اختیار کیا تھا کہ

"کتاب اور رسالہ اور ترجمہ آیات قرآنی و
احادیث صحیحہ کے جس میں ترغیب عبادت
اور ترہیب گناہ سے ہی اپنے ملک کی زبان میں
شائع کر کے ہزاروں جہلا کو کہ سیدھا کلمہ بھی
پڑھنا نہ جانتے تھے عالم بنا دیا" صـ

ان کے بیان سے اس کا بھی پتہ چلتا ہے کہ ملکی زبان (اردو یا ہندوستانی) میں قرآن اور حدیث کے ترجمے کے اس کام کو مخالف محاذ کے مولوی پسند نہیں کرتے تھے، مولانا حیدر علی نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ارقام فرمایا ہے کہ

ہندوستان میں ہندی زبان بہت مفید تھی
کیونکہ سب لوگ عربی فارسی نہیں سمجھتے اور
ان تراجم ہندی سے ہزاروں زن و مرد
عالم دین ہو گئے" صـ۲۶

اسی سلسلہ میں حجۃ الوداع والے خطبہ نبوی کے مشہور فقرہ جس میں حاضرین کو حکم دیا گیا ہے کہ جو حاضر نہیں ہیں اُن تک میری باتیں پہونچا دیں، اور یہ کہ ایک ہی آیت کیوں نہ ہو، ہر شخص مکلف بنایا گیا ہے کہ اسے دوسرے تک پہونچائے، ان باتوں کا ذکر کر کے مولانا حیدر علی نے ارقام فرمایا ہے کہ

"بعض کاملین امت نے تو الفاظ کی تبلیغ کی
اور بعضوں نے اس تبلیغ کے ساتھ تفسیر و شرح
حدیث بھی کی کہ یہ بھی تبلیغ ہی ہے، اور یہ سب
اقسام تبلیغ مدت سے امت مرحومہ کے علماء
میں چلی آتی ہے" صـ۲۶

مولانا حیدر علی نے یہ بھی لکھا ہے کہ تبلیغ کے سلسلہ میں حضرت شہید اور آپ کے رفقا کی کوششوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ

"پورب کے ملکوں میں مثل ڈھاکہ اور بنگالہ
اور چٹ گاؤں و آسام اور نیپال میں اسی طرح
صدہا اور ہزارہا بلکہ لاکھا اور کروڑہا ایماندار
شرف بیعت حاصل کرتے تھے" صـ

لاکھا اور کروڑہا کے الفاظ کے متعلق یہ سوچیے کہ یہ ایک محتاط عالم دین کے الفاظ ہیں اور اس کے بعد اس

---

[1] ہو سکتا ہے یہ اچھوت کے لفظ کی بگڑی ہوئی صورت ہو یا کوئی ایسا لفظ ہے جو اب بولا نہیں جاتا، ممکن ہے اتیت کی بدلی ہوئی شکل ہو لامذہب اکثر اپنے کو اتیت لکھتے ہیں۔

زمانہ کے اس سوال کو سامنے رکھئے، کہ مشرقی بنگال میں مسلمانوں کی اکثریت کے اسباب کیا ہیں؟ میں خیال کرتا ہوں کہ جواب اس کا بآسانی آپ کو شاید مل سکتا ہے، درخت لگانے والوں کو سب بھول گئے، اور یاد صرف پھل توڑنے والے رہ گئے
مولانا حیدر علی نے یورپ کے ملکوں کے سوا یہ بھی اطلاع دی ہے کہ

"بادشاہ کاشغر، دردسلاے بخارا، اور مظفر آباد نے"

بھی حضرت سید شہید سے بالواسطہ دینی رابطہ قائم کیا، غالباً یہ مظفر آباد وہی ہے جس کا ذکر کشمیر، جموں، بالداغ وغیرہ کے ساتھ ساتھ اس زمانے میں اخباروں میں آتا رہتا ہے تفصیل ان باتوں کی آپ کو مولانا ابوالحسن سید علی کی کتاب سیرت شہید میں ملے گی۔

اسی سلسلہ میں مولانا حیدر علی صاحب نے برہما کے ایک مسلمان کا بھی دلچسپ حال حوالہ قلم کیا ہے، فرماتے ہیں کہ

"سید امیر حمزہ جو برہما کے ملک سے قسم قسم کا سونا جو وہاں پیدا ہوتا ہے کلکتہ میں لاتے تھے اور بیچ کر کلکتہ کے تحفے مہارانی کے لئے لے جاتے تھے"

مولانا حیدر علی صاحب نے سید امیر حمزہ برہما والوں کو دیکھا بھی تھا، ان کی داڑھی کے متعلق اس خاص لطیفہ کا ذکر کیا ہے کہ

"داڑھی سید امیر حمزہ کی دو ہاتھ تھی گرہ لگائے رہتے تھے"

فرماتے ہیں کہ

"کاتب الحروف نے روبرو اپنے (ان کی داڑھی) بندوائی تھی"

یہ دو ہاتھ والی داڑھی والے صاحب بھی سید شہید کے ہاتھ پر تائب ہوئے تھے اور صراط مستقیم مشہور کتاب لکھوا کر اپنے ساتھ برہما لے گئے، اسی کتاب صراط مستقیم کے متعلق مولانا حیدر علی صاحب نے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ

"۔۔۔ مولانا عبدالحی (جو جماعت کے سربرآوردہ علماء میں تھے) کتاب صراط مستقیم کو عربی زبان میں ترجمہ کر کے دیدی ہے"

لکھا ہے کہ یہ عربی ترجمہ شیخ شمس الدین شطا مصری شافعی مدرس حرم کعبہ کے لئے مولانا عبدالحی نے فرمایا تھا، اور یہ خبر بھی اسی عربی ترجمہ کے متعلق مولانا نے دی ہے کہ

"وہ ترجمہ عربی کا کتب خانہ میں حضرت امیر الاسلام متعنا اللہ تعالیٰ ولسائر المسلمین بطول بقائہ کے موجود ہے"

امیر الاسلام سے مراد غالباً نواب امیر خاں والی ٹونک مرحوم ہیں کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علماء کی طرف یہی خطاب نواب صاحب کو دیا گیا تھا۔[1]

مولانا نے یہ بھی ارقام فرمایا ہے کہ سید شہید "حیاہ اللہ بحیوۃ طیبہ" جب حج کے سلسلہ میں عرب پہونچے، تو عرب کے علماء اساطین آپ کے ہاتھ پر بیعت ہوئے جن میں دوسروں کے ساتھ مغرب (مراکش) کے ایک عالم شیخ احمد بن ادریس رئیس مغرب کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"صحیح بخاری مع شرح قسطلانی از بر اور حفظ یاد رکھتے تھے"، ص۲

اور جدہ مخدہ حدیدہ وغیرہ مقامات میں صدہا زیدیوں نے توبہ کی، اس وقت میرے سامنے مولانا سید علی ابوالحسن سلمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب سیرت احمد شہید نہیں ہے۔ غالب خیال یہی ہے کہ ان باتوں کی پوری تفصیل ان کی کتاب میں ہوگی، کتاب کے مطالعہ پر زمانہ گزرا یاد نہیں پڑتا کہ مولانا حیدر علی مرحوم کی یہ کتاب ان کے سامنے تھی یا نہیں، الغرض اسی قسم کے معلومات کتاب کے گوشوں میں

---

[1] میری عمر تیرہ چودہ سال کی ہوگی جب ٹونک پڑھنے کے لئے پہلی دفعہ جا رہا تھا، ٹونک سے ایک میل ادھر بناس نامی بڑی ندی تھی جس میں طوفان آیا ہوا تھا، کشتی پر سوار ہو کر لوگ ندی کو عبور کر رہے تھے، خاکسار بھی کشتی میں سوار ہوا، اسی کشتی میں پہلی دفعہ ایک چپراسی کے چپراس پر نظر پڑی تھی جس میں "دارالاسلام محمد آباد ٹونک" لکھا ہوا تھا، یاد پڑتا ہے کہ اس وقت بھی شاید آنکھوں سے آنسو ان الفاظ کو پڑھ کر نکل پڑے تھے ع خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا۔

ادھر اُدھر چھپے ہوئے ہیں، چونکہ اس زمانہ میں بھی کارآمد تھے، بعض اجزار کا انتخاب کر لیا۔

آخر میں جی چاہا کہ خاتمہ کتاب کی ایک عبارت بھی نقل کردوں، قصہ یہ ہے کہ بدایوں والے مولانا فضل رسول جو محاذ مخالف کے سب سے بڑے علمبردار تھے اور ان ہی کی کسی کتاب کے جواب میں یہ رسالہ لکھا گیا ہے، بعض مواقع میں مولوی حیدر علی صاحب کا قلم ان حدود سے باہر ہوگیا ہے[1] جن حدود میں سید شہید کے لوگ اپنے آپ کو محدود رکھنے کے عادی تھے، مشہور بات ہے کہ ان ہی مولوی فضل رسول صاحب کا نام مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم کے سامنے کسی صاحب نے لیا، لیکن فضل کے ض کو ص سے بدل کر تلفظ کیا یعنی بجائے فضل کے فصل رسول کہا، بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت نانوتوی نے ان صاحب سے پوچھا کہ یہ تم نے کیا کہا ان کا نام تو فضل رسول ہے، تم نے فصل کا لفظ کیوں استعمال کیا؟ (دیکھئے امیر الروایات)

بہرحال مولانا حیدر علی نے اپنی اس کتاب میں ایسی باتیں لکھی ہیں مثلاً یہ کہ مولوی فضل رسول صاحب ہمیشہ اپنے والد کو آزردہ رکھتے تھے، یہاں تک کہ اس جہان سے اُن کے والد مرحوم سفر کر گئے اور ان سے ناخوش گئے (ص۹) یا حافظ خیر الدین نابینا کا مکان اندرونی تدبیروں سے اپنے مکان سے ملا لیا ص۹ اور یہ کہ اکبرآباد (آگرہ) میں سرکاری محکمہ کے پیشکار دکلائے صدر ان کی سرگرمیوں کی وجہ سے موقوف معطل ہوئے، وغیرہ وغیرہ بہت سی باتیں نقل کی ہیں، یہ سچ ہے کہ دونوں معاصر تھے، معاصرین میں نوک جھونک کے یہ قصے نئے نہیں ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ مولانا حیدر علی صاحب کا ضمیر ان تذکروں سے راضی نہ تھا، شاید اسی کی تلافی کرتے ہوئے خاتمہ کتاب میں ارقام فرماتے ہیں۔

"یہ بات سننا چاہیئے کہ یہ عاجز گنہگار اپنے تئیں موافق علم اخلاق کے کسی سے بہتر نہیں جانتا۔"

اسی کے بعد بڑی عبرت آموز باتیں ان کے قلم سے نکلی ہیں فرماتے ہیں کہ

"جو مسلمان کہ آپ سے عمر میں چھوٹا ہے اس کو کہتا ہے کہ اس کے گناہ تجھ سے کم ہوں گے اور جو بڑا ہے تو اس کی عبادت تجھ سے زیادہ ہوگی اور جو برابر ہے تو کہتا ہے کہ تیرا حال گناہوں کا تجھ کو یقینی معلوم ہے اور اس کا حال مشکوک تو پھر تجھ سے اچھا ہوا اور جو قطعی بُرے لوگ ہیں، تو یہ عاجز کہتا ہے کہ برائی ان کی بسبب نافرمانی حق تعالےٰ کے ہوئی، تو تو ہزاروں نافرمانیاں کرتا ہے اگر تجھ کو تیرا مالک عزوجل بخش نہ دے تو تو بھی ایسا ہو جائے گا۔" ص۱۵۳

حاصل ان ہی کے الفاظ میں یہ ہے کہ

"تو تو کسی سے اچھا اپنے تئیں نہ جان" ص۱۵۳

معذرت کرتے ہوئے خود ہی لکھتے ہیں کہ

"یہ درشت کلام جو اس عاجز گنہگار نے اس معترض کو ہر جگہ کہا ہے تو صرف بہ ضرورت ہے والضرورت تبیح المحظورات" ص۱۵۲

اس زمانہ میں مولانا حیدر علی کی کتاب کے یہ فقرے خاص طور پر قابل توجہ ہیں جبکہ ہر شخص حجاب نفس میں مبتلا ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

[1] سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے متوسلین مسائل سے بحث کرتے تھے اور اشخاص کی ذاتیات کو درمیان میں نہیں لاتے تھے لیکن اس معاملہ میں اسکے بغیر چارۂ کار نظر نہ آیا اسلئے مجبوراً یہ ناخوشگوار فرض انجام دینا پڑا، جیسا کہ آگے خود بیان کیا ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ (۲))

مادی اور غیر اسلامی تہذیب و سیاست سے متنفر، بیزار اور اکتائے ہوئے ہیں، اس کی جگہ دینی آداب رسوم خدا پرستانہ اخلاق و معاشرت اور اسلامی تہذیب و سیاست پر عمل پیرا ہونا اور اسی کو بروئے کار لانا چاہتے ہیں ـــ اسلام کی نشو و نما اگرچہ ان کے آغوش میں ہوئی ہے اور قرآن کی زبان ان کی مادری زبان ہے مگر دین کے بارے میں وہ اپنے سابقہ علوم و افکار ہی پر اکتفا نہیں کئے ہوئے ہیں، اور جتنا عمل کرتے رہے اسی کو کافی نہیں سمجھ رہے ہیں، ان کے اندر اسلامی احکام و نظریات کو از سر نو سمجھنے کا خیال اور موجودہ حالات پر منطبق کرنے کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے وہ قرآن پاک کو اس طرح پڑھنے کی سعی کر رہے ہیں کہ گویا آج اللہ تعالےٰ زندگی کے انفرادی اور اجتماعی مسائل میں ان کی رہنمائی کے لئے نازل فرما رہا ہے ـــ وہ اسوہ رسول کی اتباع اس طرح کرنا چاہتے ہیں کہ گویا آپ کی ذات گرامی گویا اس وقت بھی موجود ہے ـــ ان مقاصد کے لئے ہر جگہ چھوٹی بڑی جماعتیں اور تحریکیں وجود میں آگئی ہیں اور جد و جہد کر رہی ہیں جن کی وجہ سے ان ممالک میں حالات کا رخ بدل رہا ہے اور نہ صرف مسلمانوں کا بلکہ اسلام کا مستقبل شاندار نظر آتا ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ (۱۰))

قرن اول میں چونکہ ایمان کا کمال اور عمل کا اخلاص انتہا درجہ کا تھا اس لئے ان کے حق میں اس وعدۂ الٰہی کا ظہور بھی اعلےٰ درجہ کا تھا جس کی نظیر تاریخ پر گہری سے وہ خوب جانتا ہے کہ قرن اول کے لوگوں کو جس طرح سے زمین میں ہر اعتبار سے استحکام و تمکن حاصل تھا بعد کے زمانہ میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی ہے حکومت کے دائرہ اور مملکت کے رقبہ میں بعد کو بہت توسیع ہوئی لیکن قرن اول کے حکمرانوں کو لوگوں کے دلوں پر جو اقتدار حاصل تھا وہ بعد کے فرمانرواؤں کو میسر نہیں آیا، یہی وجہ ہے کہ انھوں نے ملکوں کی فتح سے کہیں زیادہ دلوں کو مسخر کیا اور چند دن میں وہ کر دکھایا جو بعد کے لوگوں سے صدیوں میں بھی بن نہیں آیا۔

قرن اول کے یہ واقعات بعد والوں کے لئے دلیل راہ اور معیار عمل ہیں، ضرورت ایمان اور صلاح و تقوے کی ہے، یہ سچ ہے کہ صحابہ کی طرح ہونا دشوار ہے لیکن ان کی نقل تو کی جا سکتی ہے اگر ہم السابقون الاولون من المھاجرین والانصار کا مرتبہ حاصل نہیں کر سکتے تو والذین اتبعوھم باحسان کے زمرہ میں تو داخل ہو سکتے ہیں۔

خشت اوّل

اس عنوان کے تحت ہر ماہ آپ کے ان مختصر سوالات کے جوابات دیے جائیں گے جو روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور عام پڑھنے والوں کے لئے مفید ہوں گے — (ادارہ)

فرحت ——— جیتور

س (۱) اگر امام سے محض کسی لفظ کا تلفظ غلط ادا ہو جائے (مثلاً وَسُوِسُ کے بجائے وِسُوِسُ کہہ جائے یا یَلَٰیْلَۃُ القَدْرِ کو زیر سے جائے، حالانکہ پہلی بار زیر سے ہے اور مکرر ادر سہ کرر جو آیا ہے وہ پیش سے) تو کیا مقتدی صرف سبحان اللہ کہدے یا خاموش رہ جائے، سجدہ سہو لازم آتا ہے یا نہیں؟

اگر ٹوکا نہ جائے۔ اور سجدہ سہو نہ کیا جائے تو کیا نماز لوٹائی جائے یا نہیں؟

ٹوکے جانے پر بھی سجدہ سہو نہ کیا جائے تو نماز لوٹائی جائے گی یا نہیں؟

نوٹ:۔ آخر الذکر صورت یوں حادث ہو جاتی ہے کہ کسرہ فتح وغیرہ کا بعض قاری خیال نہ کریں تو محض سبحان اللہ پر وہ متنبہ بھی نہ ہوں گے، تاوقتیکہ لقمہ نہ دیا جائے اور لقمہ (بعض احباب کا خیال ہے) صرف تراویح میں دیا جائے۔ فرض میں سہو پر صرف سبحان اللہ کہا جائے۔

ج۔ قراءت میں زبر زیر وغیرہ کی ایسی غلطی سے جس سے معنی میں کوئی خرابی نہ پیدا ہو نماز فاسد نہیں ہوتی ہے ایسی صورت میں سجدہ سہو کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہوتی ہے، البتہ اگر غلطی اس قسم کی ہے کہ اس سے آیت کے غلط اور نامناسب معنی پیدا ہو جائیں تو نماز فاسد ہو جاتی ہے، ایسی حالت میں سجدہ سہو سے کام نہیں چلے گا بلکہ دوبارہ نماز پڑھنی پڑے گی۔ (فتاویٰ عالمگیری)

غلطی پر لقمہ دیا جا سکتا ہے، یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ صرف تراویح میں لقمہ دیا جا سکتا ہے اور کسی نماز میں لقمہ نہیں دیا جا سکتا، جب امام نماز میں قرآن مجید پڑھتے پڑھتے اٹک جائے یا غلط پڑھنے لگے یا کوئی اور غلطی کرنے لگے تو مقتدی لقمہ دے سکتے ہیں، اگر امام ایسی غلطی کرتا نظر آئے جس سے نماز فاسد ہو جائے تو مقتدی لقمہ دینے میں غفلت نہ کرے تاکہ نماز خرابی سے محفوظ رہے اور اعادہ کی ضرورت نہ ہو۔ (عالمگیری۔ درمختار)

لیکن عموماً لقمہ دینے میں بہت عجلت نہ کرنا چاہئے امام کو موقع دینا چاہئے کہ وہ خود قراءت کرلے لیکن جب اندازہ ہو جائے کہ امام قراءت درست نہ کر سکے گا تو لقمہ دینا چاہئے، اسی طرح امام کو بھی خیال رکھنا چاہئے کہ مقتدی کی طرف سے لقمہ کی نوبت نہ آئے اگر وہ بقدر ضرورت پڑھ چکا ہے تو رکوع میں چلا جائے، یا اگر قراءت کی ضروری مقدار پوری نہیں کر چکا ہے اور آگے کی آیت یاد نہیں آتی ہے تو اسے چھوڑ کر جہاں سے قرآن مجید یاد ہو رہا ہے وہاں سے پڑھ دے۔ (ہدایہ)

رکوع، سجدہ، قعدہ، سلام وغیرہ کی غلطی کی صورت میں امام کو متنبہ کرنے کے لئے سبحان اللہ کہنا چاہئے جیسا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز میں کوئی حادثہ پیش آئے

تو سبحان اللہ کہنا چاہیئے۔ (صحیحین)

س (۲) جمعہ کے دن جب جماعت سے دو فرض ادا ہوجاتے ہیں تو ظہر کے چار فرض ساقط ہوئے اب صرف قبل فرض کے چار سنت اور بعد کے دو سنت اور دو نفل ادا کئے جائیں، بعض احباب ظہر کے چار دن فرض بدستور ادا کرتے ہیں۔ بعض انھیں سنت میں تبدیل فرما دیتے ہیں اور بعض نفلوں میں، اجماع کس پر ہے اور ہونا بھی کیا چاہیئے؟

ج۔ جمعہ کی نماز پڑھنے والے کو ظہر پڑھنے کی ضرورت نہیں جمعہ ظہر ہی کی جگہ ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد بعض علمار کا خیال تھا کہ چونکہ اس انقلاب کے بعد یہ ملک دارالاسلام نہیں رہ گیا ہے اس لئے یہاں جمعہ نہیں ہو سکتا، لیکن جمعہ بالکل ترک کر دینے سے اسلامی آثار اور اسلامی روح کے فنا ہو جانے کا بھی خوف تھا اس لئے انھوں نے نشان اسلام قائم رکھنے کے لئے جمعہ پڑھنے کی اجازت دے دی اور چونکہ ان کا یہ بھی خیال تھا کہ جمعہ صحیح نہیں ہوتا ہے اس لئے احتیاطاً ظہر کی نماز پڑھنے کا مشورہ بھی دیتے تھے، کچھ عرصہ تک اس خیال کے لوگ رہے پھر رفتہ رفتہ یہ خیال کم ہوتا گیا اور مشکوک حالت کے بجائے جمعہ کی صحت کا رجحان بڑھتا گیا اور اب تو بہت ہی کم لوگ اس خیال کے رہ گئے ہیں، لیکن کہیں کہیں اس خیال کے اشخاص پائے جاتے ہیں ممکن ہے آپ کے یہاں کے بعض لوگ بھی اسی خیال سے متاثر ہوں۔

غلام قادر ——— اودگیری

س۔ ایک امام ماہ محرم میں تعزیوں کے ہمراہ فاتحہ خوانی کرتا ہوا شہر میں گھوما۔ کیا اس کے پیچھے نماز درست ہو سکتی ہے، اس کا ذبیحہ درست ہو سکتا ہے اور کیا اس کی اذان درست ہو سکتی ہے؟

ج۔ گناہ کبیرہ سے مسلمان کافر نہیں ہو سکتا، ہر مسلمان کا ذبیحہ درست ہے وہ اذان دے سکتا ہے اور امامت بھی کر سکتا ہے البتہ صالح اور پابند شریعت مسلمان کو ترجیح ہوگی اور اس کی موجودگی میں غیر صالح اور مرتکب گناہ کبیرہ کو امام بنانا اچھا نہیں۔

محمد شمس الدین ——— بینی

س۔ قربانی کی کھال کے مطابق عقیقہ کے جانور کی کھال کا بھی حکم ہے یا عقیقہ کی کھال کو جسے چاہیں دیدیں یا خود بیچ کر پیسہ کام میں لائیں؟

ج۔ عقیقہ کے جانور کی کھال کا وہی حکم ہے جو قربانی کے جانور کی کھال کا ہے کسی مستحق کو دیدیں یا خود استعمال کریں، لیکن بیچ کر اس کی رقم خود استعمال نہیں کر سکتے ہیں بلکہ صدقہ کر دینا چاہیے البتہ کھال کو کسی باقی رہنے والی چیز سے بدلکر استعمال کر سکتے ہیں

چودھری محمد حسن منیار ——— کلیانی شریف

س۔ کسی نے کہا کہ حضرت اویس قرنی کا یہ فعل درست نہیں تھا کہ عشق رسول میں اندھے ہو کر دندان مبارک کو شہید کر ڈالیں، کیا شرعی دائرہ سے فعل ناجائز تھا؟

ج۔ حضرت اویس قرنی کے حالات میں واعظین خوش بیان نے بہت سے دور از کار قصے لطف مجلس کے لئے ملا دیے ہیں ——— اس واقعہ کا ذکر صحیح تاریخوں میں نہیں ہے۔

ضروری تصحیح

بغیر محرم کے عورت کے حج کے متعلق کسی سوال کا جو جواب تعمیر میں شائع ہوا ہے، اس کے متعلق بعض واقف کار اصحاب نے لکھا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا غور کرنے کے بعد ان کی رائے صحیح معلوم ہوتی ہے ——— واقعی عملاً ایسا ممکن نہیں ہے۔

★ عبدالغفار ندوی

انمول موتی

پیام اسلام:

حضرت ابوسفیان واقعہ فیل سے دس سال پہلے پیدا ہوئے تھے اور فتح مکہ کی شب قبول اسلام سے مشرف ہوئے عہد نبوت میں یہ غزوہ طائف اور حنین میں شریک ہوئے، غزوہ طائف میں ان کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی تھی، اور دوسری آنکھ تبوک کی جنگ میں ختم ہوئی، ۸۸ برس کی عمر میں مدینہ طیبہ میں انتقال ہوا اور حضرت عثمان رضؓ نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

قبول اسلام سے پہلے قریش کے ایک قافلہ کے ساتھ شام کے قصبہ غزہ میں یہ بسلسلہ تجارت مقیم تھے، ساتویں ہجری کی ابتدا تھی یعنی وہ زمانہ تھا جس میں کفار مکہ اور مسلمانوں کے درمیان صلح حدیبیہ کا معاہدہ ہوا تھا، ذیقعدہ سلسہ میں صلح حدیبیہ ہوئی تھی اور اس کے بعد ہی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے سرداران قبائل اور شاہان مملکت کے نام اسلام کے دعوت نامے اور قاصد بھیجے تھے، حضرت ابوسفیان بیان کرتے ہیں کہ ہم لوگوں کو روم کے شہنشاہ قیصر نے ایلیا میں بلوایا، ایلیا روم کا دارالسلطنت اور ایک مقدس شہر تھا — قیصر روم نے ہم کو اپنے دربار خاص میں بلوا کر دریافت کیا کہ تمہارے دیار میں ایک شخص نے نبوت کا اعلان کیا ہے، تم لوگوں میں سے کون اس کا قریبی رشتہ دار ہے؟ ابوسفیان رضؓ نے کہا میں ان کا سب سے قریبی رشتہ دار ہوں، قیصر نے اپنے ترجمان سے کہا کہ اس شخص کو آگے کر لو اور اس کے تمام ساتھیوں سے کہہ دو کہ میں اس نبی کے بارے میں سوالات کرتا ہوں اگر یہ شخص — ابوسفیان — کسی سوال کے جواب میں کوئی جھوٹی بات کہے تو تم لوگ فوراً ٹوک دینا، ابوسفیان کا بیان ہے کہ یہ بہترین موقع تھا کہ میں رسول اللہ کے خلاف جھوٹی باتیں گڑھ دوں مگر مجھے یہ شرم دامن گیر تھی کہ میری طرف جھوٹ کی نسبت کی جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ فلاں موقع پر قبیلہ بنو امیہ کے ایک بڑے آدمی نے جھوٹ بات کہہ دی اگر یہ غیرت نہ ہوتی تو میں ضرور جھوٹ بول دیتا اور قیصر کی تاکید تھی تو کیا لیکن عین موقع پر قوم مجھے نہ ٹوکتی، کیونکہ اسلام کے خلاف عداوت و دشمنی میں ہر شخص ایک دوسرے سے بڑھا ہوا تھا — پھر قیصر نے سوالات کئے اور میں نے سب کے سچے جوابات دیئے اس نے پہلا سوال یہ کیا کہ اس نبی کا نسب کیا ہے؟ — میں نے کہا کہ وہ ہم میں عالی نسب ہے — اس سے پہلے کسی اور نے بھی یہ بات کہی تھی؟ — نہیں — کیا اس کے آباؤ اجداد میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟ — نہیں — اس کی پیروی کرنے والوں میں زیادہ تر نخوت و تکبر والے، صاحب مرتبہ اور بڑے لوگ ہیں یا کمزور اور عوام ہیں؟ — زیادہ تر معمولی اور عام لوگ ہیں — وہ آہستہ آہستہ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں؟ — برابر بڑھتے جاتے ہیں — کیا داخل ہونے کے بعد کسی شخص نے اس کے دین سے ناراض ہو کر منھ موڑ لیا ہے؟ — نہیں — کیا تم نے کبھی اس پر جھوٹ کا الزام لگایا ہے؟ — نہیں — کیا وہ بدعہدی کرتا ہے؟ — ابوسفیان کہتے ہیں کہ پوری گفتگو میں صرف اسی سوال میں گنجائش نکلی کہ جھوٹ بھی نہ ہو اور زہر کی آمیزش بھی ہو سکے — اس لئے انھوں نے محض "نہیں" کہنے کے بجائے یہ کہا کہ ابھی تک تو بدعہدی نہیں کی ہے لیکن یہ زمانہ ہمارے اس کے درمیان ایک معاہدہ کا زمانہ ہے ہم نہیں جانتے کہ وہ آگے کیا کرنے والا ہے

حالانکہ [illegible] کہ ہمارے شہنشاہ بدعہدی کا کیا سوال اس کا تو یہ حال ہے کہ دشمن بھی امین و صادق کے لقب سے نوازتے ہیں، اپنی امانتیں اس کے حوالہ کرتے ہیں اور اپنے معاملات کا فیصلہ بھی کرا لیتے ہیں — ہرقل نے پوچھا کہ جنگوں میں کیا حال رہا ہے؟ — ابو سفیان نے یہاں بھی اپنی خطابت سے کام لیا اور کہا کہ جنگ تو ہمارے اس کے درمیان ایسی رہی جیسے کوئیں کے ڈول کہ ہماری باری آگئی تو ہم نے فائدہ اٹھا لیا اور ان کی باری آئی تو انھوں نے فائدہ اٹھا لیا — ہرقل نے پوچھا وہ نبی کیا حکم دیتے ہیں؟ — جواب دیا کہ وہ کہتے ہیں کہ صرف ایک اللہ کی بندگی کرو اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، تمہارے باپ دادا جو کچھ کرتے چلے آتے ہیں اسے چھوڑ دو — اور وہ نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیتے ہیں سچائی اور پاکبازی کی تعلیم دیتے ہیں اور صلہ رحمی سکھاتے ہیں —

ہرقل ان تمام سوالات و جوابات کو ترتیب کے ساتھ دہرانے لگا اور کہا دیکھو تم نے بتایا کہ وہ عالی نسب ہیں اور انبیا بھی اپنی قوم میں عالی نسب ہوتے ہیں اس سے پہلے یہ بات نہیں کہی گئی اس لئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ان سے ایک دو صدی پیشتر کسی نے جو بات کہی تھی اسی کی وہ نقل کر رہے ہیں، ان کے آباء و اجداد میں کوئی بادشاہ بھی نہیں گزرا جو یہ کہا جا سکے کہ وہی بادشاہت و عظمت حاصل کرنے کا جذبہ ان کے دل میں بھی پیدا ہو گیا ہے، تم ان پر جھوٹ کا الزام تک نہیں لگا سکے تو جب انھوں نے کسی مخلوق کے بارے میں جھوٹ نہیں کہا تو اللہ تعالےٰ کے بارے میں جھوٹ کی جرأت کس طرح کر سکتے ہیں، تم نے کہا کہ ان کی پیروی کرنے والے زیادہ تر کمزور اور معمولی لوگ ہیں اور ابتداءً انبیا کی پیروی کرنے والے زیادہ تر یہی لوگ ہوتے ہیں، تم نے بتایا کہ انکے پیرو بڑھتے جا رہے ہیں اور دین کا معاملہ ایسا ہی ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ غالب اور مکمل ہو کے رہتا ہے، پھر ایمان جس کے دل میں بیٹھ جاتا ہے اور اس کی چاشنی جسے مل جاتی ہے وہ سب کچھ برداشت کر لیتا ہے اور سب کچھ چھوڑ دیتا ہو لیکن کبھی ایمان سے منہ نہیں موڑتا — تم نے کہا کہ وہ بدعہد نہیں ہیں تو انبیاء بدعہدی بھی نہیں کر سکتے اور تم نے بتایا کہ وہ کہتے ہیں ایک اللہ کی بندگی کرو، بتوں سے اپنا رشتہ توڑ دو نماز قائم کرو، زکوٰۃ ادا کرو، سچائی اور پاکبازی سے رہو اور صلہ رحمی کرو، لہذا یہ سب اگر تم نے سچ کہا ہے تو یقیناً وہ اس جگہ کے مالک ہوں گے جہاں میں کھڑا ہوں اور مجھے اس نبی کے ہونے کا علم پہلے سے تھا لیکن میں یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ تمہاری قوم میں ہوں گے، اگر میں سمجھتا کہ میں وہاں تک پہونچ سکوں گا تو ضرور اُن کی ملاقات کے لئے قدم اٹھاتا اور اگر میں وہاں موجود ہوتا تو ان کی قدم بوسی کرتا اور ان کے پاؤں دھو کر پیتا۔

اس کے بعد قیصر روم ہرقل نے وہ دعوت نامہ طلب کیا جو دربار نبوت سے دحیہ کلبی بصرہ کے گورنر حارث کے یہاں لائے تھے اور اس نے عدی بن حاتم کو بھی حضرت دحیہ کے ساتھ کر کے اپنے شہنشاہ کے پاس بھیج دیا تھا۔

(باقی آئندہ)

TAMEER
Lucknow
28 NOV 1951

عربی بہت آسان ہے

❀

ہر روز کی تھوڑی سی محنت اور ان کتابوں کے مطالعہ سے آپ اتنی عربی سیکھ لوگے کہ قرآن و حدیث کو آسانی سے سمجھ سکیں اور نماز کا پورا لطف اٹھا سکیں—

- ❀ عربی زبان کے دس سبق — چار آنے
- ❀ تفہیم الدروس حصہ اول — چار آنے
- ❀ تمرین الدروس تین حصے — ڈیڑھ روپئے
- ❀ قرآن مجید کی پہلی کتاب — سوا روپئے
- ❀ قرآن مجید کی دوسری کتاب — ڈیڑھ روپئے
- ❀ قرآن مجید کی تیسری کتاب — سوا دو روپئے
- ❀ القصص لصالحین — ایک روپیہ ڈیڑھ آنہ

—❀—

دنیا میں اسلام کیسے پھیلا ؟

❀

یہ غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا' حقیقت یہ ہے کہ اسلام صحابہ کی انتھک کوششوں اور بے پناہ مصائب کے برداشت کرنے سے پھیلا ہے—تفصیل کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا—

- ❀ حضرت ابوبکر —۱۰—
- ❀ ،، عمر —۱۰—
- ❀ ،، بلال —۴—
- ❀ ،، ابن عباس —۴—
- ❀ ،، ابوذر —۴—
- ❀ ،، ابوہریرہ —۵—
- ❀ ،، حمزہ —۴—
- ❀ ،، زید —۴—
- ❀ ،، جعفر —۳—
- ❀ ،، ابن الجراح —۴—
- ❀ ،، مصعب —۴—
- ❀ ،، زبیر —۵—
- ❀ ،، خالد —۱۰—
- ❀ ،، سلمان —۵—
- ❀ ،، طلحہ —۴—

- ❀ حضرت ابن عمر —۵—
- ❀ ،، ابن مسعود —۹—
- ❀ ،، ابن عبادہ —۴—
- ❀ ،، اسامہ —۶—۴—
- ❀ ،، ابن وقاص —۴—
- ❀ ،، ابوایوب —۳—
- ❀ ،، انس —۴—
- ❀ نیک بیبیاں —۲—
- ❀ ،، خواجہ فرید —۳—
- ❀ خواجہ نظام —۵—
- ❀ شاہ ولی اللہ —۲—۴—
- ❀ مولانا روم —۲—۳—
- ❀ امام ربانی —۴—
- ❀ بی بی رابعہ —۳—
- ❀ جمال الدین —۲—

- ❀ اسلام کیا ہے — ۸ — ۲
- ❀ تلقین حق — ۱۰ —
- ❀ احکام القرآن — ۰ — ۲
- ❀ سیرت مولانا الیاس — ۸ — ۲
- ❀ ملفوظات مولانا الیاس — ۰ — ۲
- ❀ زاد سفر [مجموعہ احادیث] — ۱۴ — ۳

- ❀ اللہ کے رسول [چھوٹے بچوں کے لئے] —۶—
- ❀ خلفائے راشدین ،، ،، —۱—۸—
- ❀ اچھی باتیں—چار حصے ،، —۱—۰—۰—
- ❀ حسن معاشرت—عورتوں کے لئے —۱۲—
- ❀ دعائیں—سب کے لئے —۶—

مکتبہ تعلیمات اسلام، لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

مخلصانہ گزارش

•

ان سطور کے قارئین جانتے ہیں کہ تعمیر میں وقتاً فوقتاً مسلمانوں سے یہ گزارش کی جاتی ہے کہ کفر والحاد اور بے دینی ولا مذہبی کے اس دور میں اسلام پر قائم رہنے کے لئے محض سنی سنائی معلومات کافی نہیں ہیں، نہ بے سمجھے بوجھے چند مراسم کے ادا کر لینے سے یہ توقع ہو سکتی ہے کہ اس زمانہ میں جب قدم قدم پر دین کا مذاق اڑایا جاتا ہے مسلمان واقعی اپنے دین کے پابند رہ سکتے ہیں۔

ہماری رائے محض وہم وخیال پر مبنی نہیں ہے بلکہ ایک ایسی تسلیم شدہ حقیقت ہے جس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں ہے، ہر شخص اپنے گرد وپیش پر سرسری نظر ڈال کر بھی ہمارے اس قول کی صداقت کا مشاہدہ کر سکتا ہے۔

یہ صورت حال ہر دردمند اور صاحب احساس مسلمان کے لئے باعث رنج وملال ہے، لیکن اس کا علاج اس کے سوا اور کوئی نہیں ہے کہ مسلمانوں کو اسلام سے باخبر کیا جائے، ان کے علم کی بنیاد محض سنی سنائی باتوں پر نہ ہو، بلکہ انھیں اسلام کے اصل سرچشمہ یعنے کتاب وسنت سے سیراب کیا جائے اور بے سمجھے بوجھے رٹے ہوئے فقروں کو دہرا دینے کے بجائے ان کے اندر اتنی استعداد پیدا کی جائے کہ جو الفاظ ان کے منہ سے نکلیں ان کا مفہوم سمجھ سکیں اور جو فرائض وواجبات وہ ادا کریں ان کی حقیقت سے آگاہ ہو سکیں۔

اس مقصد کے حصول کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ سب کاموں کو چھوڑ کر آٹھ دس برس کسی درسگاہ میں داخل ہو کر اسلامی علوم حاصل کئے جائیں لیکن تقریباً ایک صدی کا تجربہ یہ بتاتا ہے کہ یہ طریقہ کامیاب نہیں ہو سکتا ہے، ہر قسم کی وعظ ونصیحت اور ترغیب وتشویق کے باوجود دینی درسگاہوں میں طلبہ کی تعداد روز بروز کم سے کمتر ہوتی جاتی ہے اور اب تو بے توجہی اس حد تک پہونچ چکی ہے کہ اکّے دکّے چند مدرسے باقی رہ گئے ہیں اور ان کی حالت بھی ایسی ابتر ہوتی جاتی ہے کہ آئندہ ان کا قیام بھی دشوار نظر آتا ہے، وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں عربی درسگاہوں میں تعلیم سے وقت کے مسائل حل نہیں ہوتے، معاشی اسباب مجبور کرتے ہیں کہ عربی مدرسوں کے بجائے سرکاری اسکولوں اور کالجوں کا رخ کیا جائے، ضروریات وقت کے تقاضوں کا اندازہ کرنا ہو تو علماء ومشائخ اور قضاۃ ومفتین کے قدیم خاندانوں پر ایک نظر ڈال لیجئے آپ آج مشکل ہی سے ان بزرگان دین کا کوئی خاندان ایسا پائیں گے جہاں عربی تعلیم کا اب بھی رواج ہو، اگر کہیں وقت ناحہ کے شرائط یا پیشہ کی ضروریات مجبور کرتی ہیں تو حسب ضرورت خاندان کے دو ایک بچے عربی تعلیم میں لگا دیے جاتے ہیں، ورنہ صرف قاضی، مفتی، ملا، صوفی اور پیر کے القاب پر اکتفا کی جاتی ہے، اگر آپ تحقیق کریں تو آج جو لوگ مذہب سے متنفر ہیں، ان کی دو ہی تین پشت کے اوپر کوئی نامور بزرگ ہوں گے جن کے نانا دادا نے انگریزی تعلیم حاصل کرنے والوں کے لئے کفر کا فتویٰ دیا تھا اب ان کے پوتے اور نواسے صرف یہی نہیں کہ دینیات سے ناآشنا ہیں بلکہ اکثر یہ نظر آئے گا کہ سرتاپا مغربی تہذیب میں غرق ہیں بلکہ الحاد کے علم بردار ہیں۔

یہ حالات آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی تھے، لیکن تعجب ہے کہ ساٹھ ستر برس سے لوگ اپنی آنکھوں سے یہ افسوسناک واقعات دیکھ رہے ہیں لیکن پھر بھی آنکھیں نہیں کھلتیں اور اپنے طرز عمل پر ذرا بھی نظر ثانی کرنے کے لئے تیار نظر نہیں آتے ہیں۔ (باقی صفحہ [illegible] پر)

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

(۴۲)

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ○

ترجمہ:

حج جانے ہوئے مہینے ہیں، پس جس شخص نے ان (مہینوں) میں حج لازم کر لیا تو دوران حج میں (اس کے لئے) نہ عورتوں سے تعلق (درست) ہے نہ گناہ اور بیہودگی (روا) ہے نہ لڑائی جھگڑا (جائز) ہے تم جو کچھ بھی نیکی کرتے ہو اللہ اس کو جانتا ہے، اور زاد راہ لے لیا کرو کیونکہ زاد راہ کی خوبی سوال سے محفوظ رہنا ہے اور اے عقل والو تم مجھ سے ڈرتے رہو۔

تشریح:

جس طرح نماز کے اوقات مقرر ہیں کہ فجر کا وقت اس وقت سے اس وقت تک ہے ظہر کا وقت اس وقت سے اس وقت تک ہے وغیرہ وغیرہ جس وقت سے کسی نماز کا وقت شروع ہوتا ہے اس وقت سے لے کر اس کے آخری وقت تک اس وقت کی نماز پڑھ سکتے ہیں مثلاً فجر کا وقت اس وقت شروع ہوتا ہے جب صبح کی سفیدی مشرق کی سمت نظر آئے اور اس وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ سورج نکل نہ آئے۔ اب جو شخص سفیدی صبح کے آغاز سے لے کر طلوع آفتاب تک فجر کی نماز پڑھے گا تو اس کی نماز ہو جائے گی لیکن سفیدی صبح ظاہر ہونے سے پہلے کسی نے نیت باندھ لی یا طلوع آفتاب کے بعد کسی نے نیت کی تو نماز فجر ادا نہ ہوگی۔

یہی حال حج کا بھی ہے اس کا بھی ایک وقت مقرر ہے، جو شخص حج ادا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے لازم ہے کہ اسی مقررشدہ وقت کے اندر حج کرے، حج کے تین مہینے ہیں شوال، ذوالقعدہ اور عشرۂ ذی الحجہ، شوال کے شروع سے ذی الحجہ کی دسویں تاریخ تک احرام باندھ کر اعمال حج ادا کئے جاتے ہیں، حج میں تین چیزیں فرض ہیں (۱) احرام (۲) عرفات میں قیام (۳) طواف زیارت۔

پانچ چیزیں واجب ہیں (۱) مزدلفہ میں قیام (۲) رمی جمار (۳) حجامت بنوانا (۴) صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا (۵) (بیرونی اشخاص کے لئے) طواف رخصت۔

ان کے علاوہ اور اعمال سنت و مستحب ہیں[۱]۔

اوپر کے اس بیان سے کہ "شوال سے دس ذی الحجہ[۲] تک احرام باندھ کر اعمال حج ادا کئے جاتے ہیں" یہ غلط فہمی نہ ہو کہ عرفات کی حاضری، مزدلفہ کی شب گزاری، منیٰ کا قیام اور قربانی اور طواف زیارت کے لئے بھی اجازت ہے کہ اس پوری مدت میں جب چاہے کرے، یہ خیال صحیح نہیں ہے، عرفات کے لئے نویں ذی الحجہ کا دن، مزدلفہ کے لئے اس کے بعد نویں اور دسویں ذی الحجہ کی درمیانی رات طواف زیارت اور منیٰ میں قیام و قربانی کے لئے دسویں سے

---

[۱] تمام اعمال حج کا بیان تعمیر کی گزشتہ اشاعت میں ہو چکا ہے، اس موقع پر ایک نظر اس پر پھر ڈال لیجئے تاکہ مسائل کے سمجھنے میں کوئی الجھن نہ ہو۔

[۲] یہ احناف کا نقطۂ نظر ہے امام مالک کے نزدیک ذی الحجہ کا پورا مہینہ ہے اور امام شافعی کی رائے میں نویں ذی الحجہ تک ہے۔ اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ آیا وقت سے وقت مناسک مراد ہے یا وقت احرام (روح المعانی)

دسویں ذی الحجہ تک کا وقت مقرر ہے[۱]۔

شوال سے احرام باندھا جا سکتا ہے[۲] طواف قدوم کیا جا سکتا ہے اور صفا و مروہ کے درمیان سعی کی جا سکتی ہے۔

فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ..... فرض فیھن سے مراد یہ ہے کہ جس نے حج کی نیت کر لی اور احرام باندھ لیا تو اب اس کے لئے لازم ہے کہ جب تک احرام نہ کھلے بیوی کے ساتھ جنسی تعلقات نہ رکھے، اسی طرح دوسرے گناہ کے کاموں اور لڑائی جھگڑے کی باتوں سے پرہیز کرے۔ گناہ کے کام اور لڑائی جھگڑے کی باتیں ہمیشہ منع ہیں، اس موقع پر ان کے ذکر سے مقصود مزید تاکید ہے۔

وتزودوا فان خیر الزاد التقوی ——— اس عبارت سے بظاہر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ مسلمانوں کو تقوے کا حکم دیا گیا ہے اور اتقاء پرہیزگاری کی زادراہ فراہم کرنے کی ترغیب دی گئی ہے، بعض اہل تفسیر نے یہ پہلو اختیار بھی کیا ہے لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تصریح کی ہے کہ اس سے مقصود زادراہ اور سامان سفر ہے، حضرت عبد اللہ نے تصریح کی ہے کہ اس سے مقصود زادراہ اور سامان سفر ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اہل یمن کا یہ وطیرہ تھا کہ وہ جب حج کرنے کے لئے آتے تھے تو اپنے ساتھ زادراہ نہیں رکھتے تھے، وہ سامان سفر کو توکل علی اللہ کے خلاف سمجھتے تھے، بغیر کسی سامان اور سرمایہ کے نکل کھڑے ہوتے اور کہتے کہ ہمیں خدا کی ذات پر بھروسہ ہے وہ ہمارے لئے سامان مہیا کرے گا پھر جب کوئی ضرورت پڑتی تو لوگوں کے سامنے دست سوال دراز کرنا پڑتا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس طرز عمل کو غلط قرار دیا اور فرمایا کہ زادراہ لے لیا کرو اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ تم سوال کی ذلت سے محفوظ رہوگے[۱]۔ اسی کی روایت حضرت عبد اللہ ابن عمر اور حضرت عبد اللہ ابن زبیر سے بھی منقول ہے[۲]۔

ان تصریحات کی روشنی میں یہاں تقوے سے مراد سوال سے بچنا ہے[۳]۔ یہی اس کا لغوی مفہوم بھی ہے[۴]۔

واتقون یا اولی الالباب ——— تقوے کے لفظ کی مناسبت سے یہاں واتقون فرمایا اگرچہ وہاں تقوے سے مراد سوال سے بچنا ہے اور یہاں اس کا مفہوم خوف خدا ہے، مقصود یہ ہے کہ جس طرح سفر میں زادراہ ساتھ نہ ہونے سے ذلت و رسوائی میں مبتلا ہونا پڑتا ہے، اسی طرح اگر زندگی کا سفر پرہیزگاری کے ساتھ طے نہ کیا گیا دل خدا کے خوف سے خالی رہا اور اعمال حسن نیت اور خلوص قلب سے ادا نہ کئے گئے تو آخرت میں ذلت و رسوائی سے دوچار ہونا پڑے گا اور دردانگیز مصائب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

---

۱ گذشتہ نمبر میں اس کی پوری تفصیل گزر چکی ہے۔

۲ احناف کے نزدیک احرام کا اصل طریقہ یہی ہے لیکن اگر کوئی شخص شوال سے پہلے احرام باندھ لے تو ان کے نزدیک حج ہو جائے گا لیکن مکروہ ہوگا (تفسیرات احمدیہ ملا جیون) اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ امام شافعی وغیرہ کے یہاں احرام رکن حج ہے لیکن حنفیوں کے یہاں شرط ہے، جس طرح نماز کے لئے طہارت، اگر کسی شخص نے وقت آنے سے پہلے ہی وضو کر لیا تو اس وضو سے نماز ادا ہو جائے گی اسی طرح اگر اشہر حج کے آغاز یعنی شوال سے پہلے ہی کسی نے احرام باندھ لیا تو اس احرام سے حج ادا کیا جا سکتا ہے البتہ ایسا کرنا مکروہ ضرور ہوگا کیونکہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لا ینبغی لاحد ان یحرم بالحج الا فی اشھر الحج (حج کے مہینوں کے علاوہ دوسرے دنوں میں کسی شخص کو حج کا احرام نہ باندھنا چاہیئے) نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے چونکہ اسے نامناسب قرار دیا ہے اسلئے شوال سے پہلے حج کا احرام باندھنا

۱ صحیح بخاری کتاب المناسک۔

۲ ابن کثیر۔

۳ بیضاوی۔

۴ روح المعانی۔

★ مولانا اسلم جیراجپوری

سعیِ نادر

ہر چند کہ نادر شاہ اپنی سفاکیوں کی بدولت چنگیز خاں ہلاکو اور تیمور وغیرہ کی فہرست میں مندرج ہے، لیکن باوجود ان خونریزیوں کے اس کے دل میں مسلمانوں کا درد تھا اور چاہتا تھا کہ اسلامی فرقے باہم متحد ہو جائیں۔

ایران میں شاہان صفویہ نے اپنے اغراض کے لئے خلفائے ثلاثہ اور صحابہ کرام کا سب و شتم رائج کر دیا تھا نادر کو یہ دیکھ کر سخت رنج ہوتا تھا کہ اس قبیح فعل کی وجہ سے ایرانی تمام عالم اسلامی کی دشمنی مول لے رہے ہیں، اور ان میں اور دیگر ممالک کے مسلمانوں مثلاً ہندوستانیوں افغانیوں اور عثمانیوں میں عداوت کی خلیج زیادہ وسیع ہوتی جا رہی ہے، جس کی وجہ سے ہر وقت جنگ کا خطرہ ہے۔

چنانچہ دشمنوں کو مغلوب کرنے اور ممالک کو مفتوح کرنے کے بعد ۱۱۴۸ھ میں صحرائے مغاں میں جہاں امرائے ایران کا عظیم الشان اجتماع اس لئے ہوا تھا کہ اس کے سر پر ایران کی شہنشاہیت کا تاج رکھا جائے اس نے کہا کہ :-

"شاہ طہماسپ و شاہ عباسی در عہد و سریر موجود داند، ایشاں را یا ہر کس را کہ برازندہ افسر سروری دانند، بہ ریاست و سلطنت بردارند، با آنچہ حق کوشش بود دریں چند سال بجا آوردیم و ولایت ایشاں را با سرائے ایشاں از دست افغان و روس و رومی خلاص کردیم" (تاریخ جہاں کشائے نادری ۱۹۰)

سب لوگوں نے بالاتفاق کہا کہ اب ایران کا ایک بچہ بھی سوائے تمہارے کسی کی بادشاہی پر رضامند نہیں ہے لیکن وہ برابر انکار کرتا رہا۔ اس انکار و اصرار میں تقریباً ایک ماہ کا عرصہ گزر گیا اور جب لوگوں نے اس کا دامن نہ چھوڑنا چاہا تو اس نے کہا :-

"از زمان رحلت حضرت پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم چہار خلیفہ بعد از یک دیگر متکفل امر خلافت شدہ اند کہ ہند و روم و ترکستان ہمگی بخلافت ایشاں قائل اند در ایران ہم سابقاً ہمیں مذہب رائج و متداول بود، شاہ اسمٰعیل صفوی در مبادی حال بنا بر مصلاح دولت خود ایں مذہب را متروک و مذہب تشیع را مسلوک داشتہ بعلاوہ آں سب و رفض را کہ فعل بیہودہ دمایۂ مفاسدات در السنہ و افواہ عوام دادہ باش دائر مجاری کردہ شر و شرارت بجہان زد و برہم زنی انگیخت و خاک ایران را بخون فتنہ و فساد آمیخت دما دام کہ ایں فعل مذموم انتشار داشتہ باشد ایں مفسدہ از میان اہل اسلام رفتہ نخواہد شد، ہرگاہ اہالی ایران بسلطنت ما راغب آسائش خود را طالب باشند باید کہ ایں طت را کہ مخالف مذہب اسلاف کرام ماست تارک و بمذہب اہل سنت و جماعت سالک شوند، لیکن چوں حضرت امام جعفر صادق ذریۂ رسول اکرم و ممدوح الامم مستند طریقۂ اہل ایران بمذہب آنحضرت آشنا ست او را امر مذہب خود ساختہ در فرعات مقلد طریقہ و اجتہاد آنحضرت باشند"
(تاریخ جہاں کشائے نادری ص ۱۹۴)

اہل ایران نے اس کی بات قبول کر لی اور محضر لکھ کر سب نے اس پر مہر لگائی، اس وقت نادر نے ایران کا تخت قبول کیا اور کہا کہ چونکہ بادشاہ روم خلیفۂ اسلام ہے اس لئے میں یہ تمام سرگزشت لکھ کر اس کے دربار میں بھیجتا ہوں تاکہ باہم مصالحت اور دوستی قائم ہو جائے اور اختلافات مٹ جائیں، نیز میں اس سے پانچ باتوں کی درخواست کروں گا۔

(۱) چونکہ اہل ایران اپنے سابقہ عقائد سے جو موجب عداوت تھے تائب ہو گئے اس لئے خلیفہ

علماء و قضاۃ عثمانی سے درخواست ہے کہ مذہب جعفری کو ایک پانچواں مذہب شمار کر کے اس کی صحت تسلیم کر لیں۔

(۲) کعبہ میں جہاں چار مصلے قائم ہیں وہاں ایک مصلے جعفری مذہب کا بھی قائم کر دیا جائے تاکہ ایران کے لوگ اس مصلے پر اپنے امام کے پیچھے نماز ادا کر سکیں۔

(۳) ایرانی قافلہ حجاج کسی ایرانی ہی میر حاج کی قیادت میں مکہ جایا کرے اور عثمانی امراء اس کے ساتھ بھی وہی مراعات برتیں جو دوسرے ممالک مثلاً مصر یا شام کے قافلہ حجاج کے ساتھ مرعی رکھتے ہیں۔

(۴) دونوں دولتوں ایران و روم میں سے ہر ایک دولت کے پاس دوسرے کے جو اسیران جنگ ہوں وہ آزاد رکھے جائیں غلام نہ بنائے جائیں۔

(۵) دونوں دولتوں کی طرف سے متصل ایک دوسرے کے پایۂ تخت میں رہا کریں تاکہ باہمی معاملات آسانی کے ساتھ طے ہوتے رہیں۔

نادر نے تخت نشین ہونے کے بعد بار بار سفیر عثمانی دربار میں بھیجے مگر وہاں سے اس کے حسب منشا جواب نہ ملا، ۱۱۵۶ھ میں اس نے تیسری بار بغداد پر یورش کی تو وہاں کے والی احمد پاشا کے پاس برابر پیغام بھیجتا رہا کہ اس کے مطالبات تسلیم کئے جائیں، اس درمیان میں اس نے کرکوک وغیرہ کے متعدد قلعے فتح کر لئے لیکن بغداد کو نہ لے سکا، آخر اس کے محاصرہ پر ایک کثیر فوج چھوڑ کر خود نجف اشرف کی زیارت کو چلا گیا، اور وہاں ایک عرصہ مع لشکر و درگاہ و خیمہ و خرگاہ کے قیام رکھا۔

چونکہ صحرائے مغان کے عہد کی پوری تعمیل ابھی تک نہیں ہوئی تھی اور ہندوستان، افغانستان، ترکستان اور ایران کے مختلف العناصر مسلمان ایک دوسرے کی تکفیر سے باز نہیں آئے تھے اس لئے اس نے تمام قلمرو میں فرمان بھیجا کہ مفتیان، علماء، امراء اور رؤساء ہر ملک اور ہر طبقے کے دربار میں حاضر ہوں جب چار سمت سے یہ لوگ نجف میں آ گئے تو اس نے ان سب سے پھر صحرائے مغان کی تجدید چاہی اور ہر فرقے کے علماء سے کہا کہ تم آپس کے تفرقے مٹا ڈالو میں کسی طرح یہ جائز نہیں رکھتا کہ میری سلطنت کے مسلمان باہم ایک دوسرے کو کافر بنائیں، اس نے احمد پاشا والی بغداد کے پاس لکھا کہ کسی ایسے ممتاز اور معتبر عالم کو بھیجئے جو ہمارے ان علماء کو ایک مرکز پر لا کر متحد کر سکے اور ان کے اختلافات کو مٹانے میں بطور حکم عادل کے شاہد رہے۔

احمد پاشا نے علامہ عبداللہ سویدی کو جو اس زمانے میں بغداد کے سب سے نامور عالم تھے اس کام کے لئے منتخب کیا اور نادر شاہ کے پاس بھیجا۔

علامہ موصوف نے وہ تمام باتیں جو اس مرحلہ میں پیش آئیں یا جو بحثیں ان کو کرنی پڑیں خود قلمبند کی تھیں، مصر کے ایک مطبع نے اس کو الحجج القاطعہ فی اتفاق الفرق الاسلامیہ کے نام سے شائع کیا ہے، ہم اس کا خلاصہ درج کرتے ہیں۔

"۱۲ر شوال ۱۱۵۶ھ یکشنبہ کے دن مغرب سے قبل میں اپنے گھر میں بیٹھا تھا کہ احمد پاشا والی بغداد کا ایک آدمی میرے بلانے کو آیا، میں مغرب کی نماز پڑھ کر والی موصوف کے دربار میں گیا، وہاں ان کا ندیم احمد آغا کُلا اس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ پاشا نے آپ کو کیوں طلب کیا ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں، بولا کہ پاشا آپ کو نادر شاہ کے حسب طلب اس کے دربار میں بھیجنا چاہتا ہے، جہاں ہر طرف سے علماء عجم آ کر جمع ہوئے ہیں، آپ کو ان کے ساتھ مذہب تشیع کے متعلق بحث کرنی ہوگی، اگر وہ غالب آ گئے تو پھر پانچویں مذہب

جعفری کی صحت کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

میں نے جو یہ بات سنی تو میرا بدن کانپ اٹھا اور کہا کہ احمد آغا! تم کو خوب معلوم ہے کہ نادر سخت جابر اور بڑا سفاک ہے، اس کے دربار میں علماء عجم کے ساتھ جو اس کے ہم مذہب ہیں میں کس طرح بحث کر سکوں گا، اور کیسے ان کے عقائد کے ابطال پر دلائل قائم کرنے کی جرأت کروں گا، کیونکہ نہ وہ ہماری حدیث کو مانتے ہیں نہ قرآن کی تاویل کو، پھر جب اصول موضوعہ اور علوم متعارفہ ہمارے اور ان کے ایک نہیں تو بحث کس بنیاد پر ہوگی؟ مثلاً فرض کرو کہ مسح علے الخفین (موزوں پر مسح) کے جواز پر دلیل پیش کروں کہ اس کو ستر صحابہ نے روایت کیا ہے جن میں سے حضرت علیؓ بھی ہیں، وہ کہیں گے کہ عدم جواز کی روایتیں ہمارے یہاں تو صحابیوں سے مروی ہیں، جن میں سے ابوبکر بھی ہیں، علےٰ ہٰذا میں ایک آیت کی تاویل بیان کرکے کسی روایت کی سند دوں گا تو وہ اس کے خلاف تاویل بیان کرکے اس کی سند دوسری روایت سے دیں گے لہذا جس طرح ممکن ہو احمد پاشا سے کہو کہ مجھے اس کام کے لئے نہ بھیجیں بلکہ حنفی یا شافعی مفتیوں میں سے کسی کو روانہ کریں، آغا نے کہا کہ یہ ناممکن ہے اور بہتر یہ ہے کہ اس میں آپ مطلق لب کشائی نہ کریں کیونکہ پاشا نے آپ کو بھیجنے کا قطعی فیصلہ کر لیا ہے، یہ سنکر میں دم بخود رہ گیا، اس کے بعد خود احمد پاشا آ گیا، اس نے سارا حال سنا کر مجھے شاہ کے پاس جانے کا حکم دیا، اور کہا مجھے اللہ سے امید ہے کہ تمہاری حجت کو قوی کرے گا اور تم کو غلبہ عطا فرمائے گا، میں نے کہا لیکن نادر شاہ کی حالت تو آپ اچھی طرح سن چکے ہیں، پاشا نے کہا کہ ہاں میں تم کو اس بارے میں آزاد چھوڑتا ہوں، موقع دیکھنا تو مناظرہ کرنا ورنہ باز رہنا لیکن گریز کلیۃً نہ ہونی چاہئے بلکہ مناسب طریقہ سے ان کا ابطال کرنا، ایسا نہ ہو کہ مغلوب ہو کر ان کے مذہب کی صحت تسلیم کر لو، پھر کہا کل چہارشنبہ ہے چہارشنبہ کی صبح کو تم کو شاہ کے پاس موجود ہونا چاہئے، اس لئے کل ہی صبح روانہ ہو جاؤ، اس کے بعد اس نے میرے لئے ایک خلعت کا حکم دیا اور سواری و خدام وغیرہ کا بندوبست کر دیا، دوسرے دن سویرے میں ان عجمیوں کے ساتھ جو بادشاہ کے یہاں سے آئے تھے روانہ ہو گیا، راستہ بھر اسی خیال میں غرق رہا دلائل سوچتا تھا اور اس کے بعد جواب پھر جواب الجواب یہاں تک کہ ہجوم افکار سے میرا سر چکرانے لگا اور شام کو مجھے پیشاب آیا تو سرخ خون کی طرح۔

اب ہم حلہ ابن مزید میں پہونچے یہ آبادی اس وقت ایرانیوں کے قبضہ میں آ چکی ہے، یہاں چند اہل سنت دانشمندوں سے ملاقات ہوئی جن کی زبانی معلوم ہوا کہ شاہ نے ایران کے ستر مفتی جمع کئے ہیں جو سب کے سب شیعہ ہیں اور مذہب جعفری کی صحت پر دلائل پیش کریں گے، یہ بات سن کر مجھے اور پریشانی ہوئی، پھر میں نے سوچا کہ میں تو مختار ہوں بحث نہ کروں گا، لیکن میں نے دیکھا کہ میرا دل ترک بحث پر مطلقاً راضی نہیں ہوتا، اب میں سوچنے لگا کہ صاف صاف کہوں گا کہ اگر بحث منظور ہے تو کسی ایسے ثالث کے سامنے ہو جو نہ شیعہ ہو نہ سنی اور میں مناظرہ کروں گا خواہ اس میں میرے قتل ہی تک نوبت کیوں نہ پہونچے، وہاں سے چل کر ہم شہر ذی الکفل میں آئے اور آبادی سے باہر ہی ٹھہر کر کچھ دیر آرام کیا، رات کے پچھلے پہر روانہ ہو گئے اور بڑھ و تذان میں پہونچ کر فجر کی نماز پڑھی، فارغ ہوتے ہی نادر شاہ کا ایک قاصد دوڑتا ہوا آیا اور کہا کہ جلد چلئے آپ کا انتظار ہو رہا ہے، اس مقام سے شاہ کا مخیم دو فرسخ ہے۔ میں نے پوچھا کہ کیا شاہ کا یہی دستور ہے کہ جب کوئی آتا ہے تو اس کے استقبال کے لئے قاصد دوڑاتا ہے یا صرف اس موقع پر ایسا کیا ہے، اس نے جواب دیا کہ کبھی نہیں بلکہ لوگ آتے بھی ہیں تو عرصہ تک انھیں باریابی نصیب نہیں ہوتی، راستہ سے بجز آپ کے آج تک شاہ نے کسی کو نہیں بلایا، میں نے اپنے دل میں

جواہر سے مزین ہے، گلے میں موتیوں کے ہار ہیں اور قبا کے دونوں مونڈھوں پر جواہرات ٹنکے ہوئے ہیں، الغرض وہ اپنی شکل ولباس کے باعث پر تمکنت پر جلال معلوم ہوتا ہے، جب میں نے قریب سے اس کو دیکھا تو وہ تمام رعب جو اس کا میرے دل پر بیٹھا ہوا تھا جاتا رہا، اس نے ترکی زبان میں میرے ساتھ گفتگو شروع کی، پہلے احمد خاں (پاشا) کی خیریت دریافت فرمائی، پھر کہا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میری سلطنت میں ترکستان و افغانستان بھی ہیں وہاں کے لوگ ایرانیوں کو کافر کہتے ہیں اور ایرانی ان کو کافر سمجھتے ہیں حالانکہ سب ایک ہی امت کے ہیں اور ایک ہی دین کے پیرو اس لئے میں نہیں چاہتا کہ میری سلطنت میں ایسے مسلمان رہیں جو ایک دوسرے کو کافر بنائیں، میں نے آپ کو اسی غرض سے طلب کیا ہے کہ میری طرف سے وکیل بن کر ان کے باہمی مکفرات کو رفع کر دیجئے اور ہر فرقہ کو پابند کر دیجئے کہ وہ ان امور سے باز آجائے جن سے کفر عائد ہوتا ہے، تاکہ کوئی ان کو کافر نہ بنا سکیں جو کچھ آپ دیکھیں اور سنیں اس کو مجھ سے بھی آکر کہئے اور بغداد پہونچنے پر احمد پاشا کو بھی سنائیے۔

اس کے بعد ہم کو وہاں سے واپسی کی اجازت ملی، اور میری میزبانی کے لئے اعتماد الدولہ نامزد کئے گئے، میں وہاں سے نہایت خوش ہو کر نکلا کیونکہ میرا جو خطرہ تھا اس کے برخلاف شاہ نے سارے مذہبی اختیارات میرے ہاتھ میں دے دیے، اب ہم اعتماد الدولہ کی طرف روانہ ہوئے، نظر علی خاں، عبدالکریم بیگ اور ابوذر بیگ جو تینوں میری خدمت کے لئے مامور تھے ساتھ چلے اعتماد الدولہ خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا میں نے اس کو سلام کیا اس نے جواب دیا لیکن بدستور بیٹھا رہا میرے دل میں اس سے سخت انفعال اور غصہ پیدا ہوا کہ اس شخص نے اپنی رعونت سے علم اور اہل علم کی اہانت کی اور میں سوچنے لگا کہ جب نادر شاہ نے جملہ مکفرات کے اٹھا دینے کا وکیل مطلق مجھے بنا دیا ہے میں اس سے اس کی شکایت ضرور کروں گا اور اس کفر کو جو اسلامی شان کے بالکل خلاف ہے سب سے پہلے مٹاؤں گا، مگر جونہی کہ میں بیٹھ چکا، اعتماد الدولہ کھڑا ہوا اور اس نے ادب سے دونوں ہاتھ سینے پر رکھے اور میری طرف جھکتا ہوا مرحبا کہہ کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا، میں سمجھ گیا کہ ایرانیوں کا تعظیمی دستور یہی ہے، لہذا اب اس کی طرف سے کوئی شکایت مجھے نہیں رہی۔

اعتماد الدولہ دراز قامت، سفید رو اور کشادہ چشم ہے، داڑھی پر حنا اور وسمہ کا خضاب کرتا ہے، عاقل نرم خو اور خلیق ہے، جب کھانے سے فارغ ہو چکے تو حکم آیا کہ میں ملا باشی (درباری علامہ ملا علی اکبر) سے ملوں، میں سوار ہوا میزبانوں کی جماعت رفاقت میں تھی، راستہ میں ایک شخص افغانی لباس میں ملا اس نے سلام کیا، میں نے پوچھا کہ آپ کون ہیں؟ بولا کہ ملا حمزہ افغانستان کا مفتی، میں نے کہا کہ شاہ نے مجھ کو وکیل مطلق بنایا ہے کہ ایرانیوں سے ہر قسم کے مکفرات اٹھا دوں، تم چونکہ سنی ہو اس لئے میں تم سے امید رکھتا ہوں کہ اگر وہ کوئی فعل اس قسم کا کرتے ہوں جو کفر ہو اور مجھ سے اس کو چھپائیں تو مجھے اس سے مطلع کر دینا کیونکہ میں ان کے حالات وعقائد اور عبادات سے اس قدر واقف نہیں ہوں جس قدر کہ تم لوگ ہو۔

ملا حمزہ نے کہا کہ آپ شاہ کی باتوں سے دھوکہ میں نہ آجائیں درحقیقت اس نے تم کو ملا باشی کے پاس اس غرض سے بھیجا ہے کہ وہ مناظرہ کرے، ایران کے تمام علماء اس کا ساتھ دیں گے لہذا آپ ہوشیار رہیں، میں نے کہا کہ مجھے بحث کا زیادہ خطرہ نہیں ہے، صرف ڈر یہ ہے کہ وہ ناانصافی نہ کریں یا جو کچھ مجلس مناظرہ میں میں کہوں اس کے خلاف شاہ سے جا کر بیان کر دیں، اس نے کہا اس سے آپ خاطر جمع رہیں اس مجلس میں شاہ کے مخبر ہیں پھر ان مخبروں پر مخبر ہیں ان کے علاوہ خاص جاسوس ہیں یہ ناممکن ہے کہ ایک لفظ بھی خلاف واقعہ شاہ کے

★ محمد علی جوہر

غزل

تجھے تسکین دل پایا تجھے آرامِ جاں پایا
نہاں بھی ہے تو کیا تجھکو جہاں ڈھونڈھا وہاں پایا
کوئی نا مہرباں ہو کر ہمارا کیا بگاڑے گا
کرم تیرا تو ہے ہم پر تجھے تو مہرباں پایا
تھا وہ مبتلا، ناکام سمجھا جس کو دنیا نے
اسی کو سرخرو دیکھا، اسی کو کامراں پایا
حرم میں تھا ہر اک کو یوں تو تیرے عشق کا دعوے
جو کی تحقیق تو اکثر وہی عشقِ بتاں پایا
کسی کو ڈھونڈھتا دیکھو خود اپنے گوشۂ دل میں
تو بس سمجھو کہ اس نے سراغ لامکاں پایا
رہا آوارۂ دیر و حرم پہلو سے بیگانہ
دل اسکا عرش و کرسی ہے کہاں ڈھونڈھا کہاں پایا
جہاں ایماں ہو واں کیسے گزر ہو یاس و حرماں کا
کسی مومن کو بھی اے دل خدا سے بدگماں پایا
نہیں معلوم کیا ہو حشر جوہر کا پر اتنا ہے
کہ ہاں نامِ محمدؐ مرتے دم وردِ زباں پایا

★ برج لال جگی رعنا بی، اے۔

غزل

اپنی ہستی کو محبت میں فنا کرتا ہوں میں
زندگی کو زندگی سے آشنا کرتا ہوں میں
لالہ و گل کی طرح کرتا ہوں کانٹوں کو قبول
اس طرح طے راہ تسلیم و رضا کرتا ہوں میں
اُن کا شیوہ ہے کہ ہر اک پر ستم کرتے رہیں
میری فطرت ہے کہ ہر اک سے وفا کرتا ہوں میں
زندگی کی تلخیوں میں بھی ہیں کیا شیرینیاں
مر رہا ہوں پھر بھی جینے کی دعا کرتا ہوں میں
بخش کر ذوقِ نظر، ذوقِ تصور، ذوقِ دل
اہل عالم کو نئے جذبے عطا کرتا ہوں میں
اللہ اللہ اضطرابِ شوقِ منزل کے قریب
راہزن پر بھی گمانِ رہنما کرتا ہوں میں

★حسان کلیمی

قطعات

(۱)

دورِ حیات تلخ تو اتنا نہ تھا ندیم!
ہے آج بات کیا کہ زمانہ ہے مضمحل
شاید شرابِ شیشۂ مغرب کا ہی خمار
آنکھوں میں خون بنکے اُتر آیا ہی جو دل

(۲)

مردِ پروردۂ الحاد کا معراج کمال
رحم و انصاف کے فقدان کی تصویر ہی آج
خالقِ دہر کے آئین سے بغاوت کر کے
زندگی خوابِ بھیانک کی تعبیر ہے آج

(۳)

فرطِ حیرت سے یورپ کا منھ کھل گیا
عقل کی گم رہی وہ ستم ڈھا گئی
ابنِ آدم کی شب کی سحر تو کجا
تیرگی اور ظلمات پر چھا گئی

(۴)

زندگی کی تلاش اب بھی ہے
دل بتوں سے لگا کے دیکھ لیا
"سرخ" جامِ شراب بھی ہمدم
بارہا آزما کے دیکھ لیا

★علامہ اقبالؒ

پابندیٔ تقدیر کہ پابندیٔ احکام
یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مردِ خردمند
اک آن میں سو بار بدل جاتی ہی تقدیر
ہی اسکا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند
تقدیر کے پابند جمادات و نباتات
مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہی پابند

★غالب

نہیں گر ہمدمی آساں نہ ہو یہ رشک کیا کم ہے
نہ دی ہوتی خدایا آرزوئے دوست دشمن کو
نہ نکلا آنکھ سے تیرے اک آنسو اس جراحت پہ
کیا سینہ میں جس نے خونچکاں مژگانِ سوزن کو
خوشی کیا کھیت پر میرے اگر سو بار ابر آوے
سمجھتا ہوں کہ ڈھونڈے ہے ابھی سے برق خرمن کو
وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے
مرے بت خانہ میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

★ غلام محمد پرویز

شیطان کی یورش

•

ملت اسلامیہ کی زبوں حالی

ذرا اپنے گرد وپیش پر نظر دوڑائیے اور دیکھئے کہ ملت اسلامیہ جیسی امت واحدہ میں جن کا خدا ایک رسول ایک، ضابطۂ حیات (قرآن) ایک، مرکز محسوس (قبلہ) ایک، اس قدر فرقے اور گروہ کس علت کی بنا پر ہیں، بہ ادنیٰ تعمق یہ حقیقت آپ پر روشن ہو جائے گی کہ اس تفریق وانتشار کی تہ میں باہمی ضد اور تعصب کے سوا اور کچھ نہیں، اس لئے کہ خود قرآن کریم شاہد ہے کہ علم (یعنی علم کتاب) آچکنے کے بعد اختلاف محض ضد کی بنا پر ہوتے ہیں، قرآن کے منجانب اللہ ہونے کی تو سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس میں اختلاف نہیں۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (۴/۸۲)

(پھر کیا یہ لوگ قرآن (کے مطالب) پر غور وفکر نہیں کرتے (اور خدا کی دی ہوئی عقل وبصیرت سے کام نہیں لیتے) اگر یہ کسی دوسرے کی طرف سے ہوتا، اللہ کی طرف سے نہ ہوتا تو ضروری تھا کہ یہ اس کی بہت سی باتوں میں اختلاف پاتے (حالانکہ وہ تو اپنی ساری باتوں میں اول سے لے کر آخر تک کامل طور پر ہم آہنگ اور یکساں ہے)۔

حال دل خراش

پھر کیا یہ حقیقت دل خراش اور یہ صدیث الم انگیز نہیں کہ اس کتاب کے ماننے والے جس کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل یہ ہو کہ اس میں اختلاف نہیں، اس قدر اختلافات میں الجھے ہوئے ہوں اور ان اختلافات کو قائم رکھنے کی کوشش کو جہاد فی سبیل اللہ اور خدمت دینیہ دے رہے ہوں حالانکہ قرآن نے انھیں متنبہ کر دیا تھا کہ:—

وَلَا تَكُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ مِنَ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ (۳۰/۳۱-۳۲)

(اور دیکھو! کہیں مشرکین میں سے بعض اُن لوگوں جیسے جنھوں نے اپنے دین میں تفریق پیدا کر ڈالی اور الگ الگ گروہ بن بیٹھے، نہ بن جانا (پھر اس وقت حالت یہ ہو جایا کرتی ہے کہ) ہر فریق اپنے اپنے خیالات وعقائد پر خوش ہوتا ہے (اور اپنے آپ کو برسر حق اور دوسروں کو باطل پر سمجھ کر اپنے آپ کو فریب دے لیتا ہے)۔

اور جو ملت کی وحدت کو توڑ کر یوں فرقہ بندی کی لعنت میں گرفتار ہو جائے اس کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:—

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ (۶/۱۶۰)

(اے پیغمبر! جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور الگ الگ گروہ بن گئے، تمھیں ان سے کچھ سروکار نہیں (تمھاری راہ دین حقیقی کی راہ ہے، نہ کہ لوگوں کی بنائی ہوئی گروہ بندیوں کی راہ) ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے) پھر وہی بتلائے گا کہ جو کچھ وہ کرتے رہے ہیں اس کی حقیقت کیا تھی؟)۔

لیکن اس کا کیا علاج کہ ابلیس نے قیامت تک کیلئے مہلت مانگ رکھی ہے سو یہ فطرت ابلیس ہی ہے جو مختلف پردوں میں مختلف ادوار میں گردش کرتی رہتی ہے ؎

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات ومنات

مشرق کی رہبانیت

اب سوال یہ ہے کہ ابلیس کی یورش سے حفاظت کا سامان کیا ہو؟ اس سے چھٹکارا کس طرح حاصل کیا جائے؟ مشرق کی رہبانیت نے اس کا آسان علاج سوچ لیا کہ سر میں درد ہو تو سر کٹا دیا جائے یعنی ابلیسی کشمکش سے تنگ آکر ترک علائق پر اُتر آئے، نہ رہے بانس نہ بجے بانسری، لیکن ظاہر ہے کہ یہ تو شکست خوردہ

ذہنیت ( )کا ثبوت

اور ضعف خودی کی دلیل ہے یہ انتہائی یاس اور ناامیدی کا مظاہرہ ہے جو ابلیس کا مقصد و منشا ہے، اگر منشاء فطرت یہی ہوتا کہ انسان غاروں میں جا بیٹھیں تو کشمکش حیات کی ضرورت ہی کیا تھی! اس صورت میں تو خلافت ارضی کے لئے آدم سے بڑھ کر فرشتے زیادہ موزوں تھے عجمی تصوف کی رہبانیت کا مسلک اس امر کا اعتراف ہے کہ اس باب میں (معاذ اللہ۔ معاذ اللہ) خدا کا فیصلہ صحیح نہیں، یہ لوگ درحقیقت بہت سطح بیں تھے، انھوں نے سوچا ہی نہیں کہ انسانی خودی (نفس انسانی) کے عروج و ارتقا کے لئے کشمکش زندگی، ابلیسی قوتوں سے مقابلہ، کس قدر ضروری ہے، یہ تصادم و تزاحم عین تقاضائے فطرت انسانی ہے، لہذا رہبانیت کی زندگی غیر فطری اور سہل انگار ذہن انسانی کی ایجاد ہے۔

وَرُهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ فَاسِقُونَ ○ (۵۷/۲۷)

(رہبانیت انھوں نے خود ہی ایجاد کر لی ہم نے ان پر یہ طلب فرض کی تھی (رہبانیت اختیار کرنے کو تو انھوں نے اختیار کر لی لیکن چونکہ یہ غیر فطری چیز تھی اس لئے) وہ نباہ نہ سکے، پس ان میں سے جو لوگ ایمان لائے ہم نے انھیں ان کا اجر دیا مگر زیادہ تر ان میں نافرمان ہی ہیں)

انھوں نے سوچا نہیں کہ کائنات کی حرارت زندگی تو قائم ہی اسی کشمکش سے ہے

ہے گرمیِ آدم سے ہنگامۂ عالم گرم
سورج بھی تماشائی تارے بھی تماشائی

لہذا ایسی دنیا جس میں ابلیس کا وجود نہ ہو انسانوں کی بستی نہیں رہ سکتی۔ بقول علامہ اقبال

مزی اندر جہانے کور ذوقے کہ یزداں دارد و شیطاں ندارد

اسی لئے تو ابلیس کو قیامت کے لئے مہلت دیدی گئی ہے کہ جب تک دنیا میں انسانی فطرت کی شمشیر موجود ہے اس کی جلا و برندگی کے لئے فسان کی بھی ضرورت ہے۔

مغرب کی مادہ پرستی دوسری طرف مغرب کی مادہ پرستی ہے کہ اس نے نظام زندگی پر یکسر ابلیس کو مسلط کر رکھا ہے جس کا نتیجہ عدم سکون اور فقدان طمانیت کی وہ جہنم ہے جس میں آج یورپ ہی نہیں بلکہ ہر وہ سرزمین مبتلا ہے جس پر اس کے ابلیسی نظام کا کچھ بھی پرتو پڑ چکا ہے اور آج دنیا کا کون سا گوشہ ایسا ہے جو اس نظام کے اثرات سے محفوظ ہے، مغرب کے نظام میں ہوا یہ کہ

عقل ناپید خردمی گزدش صورت مار
عقل کو تابع فرمان نظر کر نہ سکا

لہذا یہ مسلک زندگی کسی طور پر بھی انسانوں کے شایان شان نہیں، اس میں تو ابلیس کا چیلنج پوری قوتوں کے ساتھ فاتح و بالادست بن کر ابھر کر سامنے آگیا ہے۔

صحیح راہ رو اب تیسرا گروہ باقی رہ گیا ہے یہ وہ گروہ ہے جس کے متعلق ابلیس کے چیلنج کے جواب میں کہا گیا تھا کہ جاؤ اپنی ساری قوتیں صرف کر دو، اپنا تمام لشکر دائیں بائیں سے یورش کر کے لے آؤ۔

إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ

(جو میرے مخلص بندے ہیں اُن پر تیرا کچھ زور نہ چلے گا)

یہی وہ گروہ ہے جو خدا کی عبودیت کو اپنے اوپر نافذ کئے ہوئے ہے ان پر ابلیس کا تسلط کبھی نہیں جم سکے گا بلکہ وہ ہمیشہ ابلیس پر غالب رہیں گے ساری ابلیسی قوتیں ان کے زیر فرمان ہوں گی، علم و عقل، دولت و قوت افراد کی کثرت اور ساز و سامان کی فراوانی، یہ تمام چیزیں ان کے ہاتھ میں سرکش و بیباک نہیں رہیں گی بلکہ نظام خداوندی کی زنجیروں میں جکڑی ہوئی رکھی جائیں گی،

شیطان پر غلبہ یہاں تک کہ خود ابلیس کو بھی قابو میں کر لیا جائے گا بالفاظ دیگر اسے مسلمان کر لیا جائے گا۔

علامہ اقبال فرماتے ہیں ؎

علم را بے سوز دل خوانی شر است | نور او تاریکی بحر و بر است
کشتن ابلیس کارے مشکل است | زانکہ او گم اندر اعماق دل است
خوشتر آں باشد مسلمانش کنی | کشتۂ شمشیر قرآنش کنی
خویش را برا ہرمن باید زدن | تو ہمہ تیغ آں ہمہ سنگ فسن

اپنے اندر اتنی قوت پیدا کی جائے کہ وہ تمام ابلیسی قوتوں کا مقابلہ کر سکے اور پھر اس قوت کے اجتماعی اثر سے ایسا نظام قائم کیا جائے جو قوانین الٰہیہ پر مشتمل ہو، یوں ابلیس کو لگام دے کر اُسے تابع فرمان بنا لیا جائے، غور فرمائیے وہ قوت کس قدر عظیم الشان اور کوہ شکن ہو گی جو ابلیس کے اشہب عناں تاب کو زیر پالاں لے آئے یہ قوت سوائے احکام الٰہی کی اطاعت کے اور کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتی ہے، اس لئے جب حضرت آدم کے ساتھ ابلیس کو دنیا میں بھیجا گیا تو اسی وقت بنی آدم سے کہہ دیا گیا تھا۔

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

(پس اگر تمھارے پاس میری جانب سے ہدایت آئے اور وہ یقیناً آئے گی تو جو لوگ میری ہدایت کی پیروی کریں گے اُن پر نہ کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے)

مت گھبراؤ اگرچہ ابلیسی لشکر کا ساز و سامان بڑا خوفناک اور ہراس انگیز ہے لیکن تمھیں ہم نے اکیلا نہیں چھوڑا ہے تمھیں ایسی شمشیر ہدایت سے مسلح کر دیا ہے کہ اس کی زد میں تمام ابلیسی لشکر آ سکتا ہے ؎

اگرچہ عقل فسوں پیشہ لشکرے انگیخت
تو دل گرفتہ نہ باشی کہ عشق تنہا نیست

یہ ہے وہ قوت جس کی بنا پر ایک عبد مومن ابلیس سے بھی سجدہ کرا سکتا ہے، ایسی تسخیر فطرت جس میں ابلیس انسان سے قدم قدم پر سجدے کرائے حکومت نہیں محکومیت ہے، اصل حکومت تو یہ ہے کہ تمام ابلیسی قوتیں سر جھکائے منتظر فرامین کھڑی ہوں، یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب انسان اِنَّ عِبَادِیْ کے گروہ میں داخل ہو جائے — اللہ کا محکوم اور ساری کائنات کا حاکم —

سب سے بڑی ابلیسیت جس کا انسان کو مقابلہ کرنا ہے یاس و نا امیدی ہے، ابلیس کا سب سے بڑا مشن یہ ہے کہ انسان پر یاس و نا امیدی طاری کر دے، اس کے جنود و عساکر ایسے اسباب پیدا کرتے ہیں جن سے اس پر خوف مسلط ہو جائے اس کے حوصلے پست اور ولولے سرد ہو جائیں، اس پر خوف و حزن طاری ہو جائے، مایوسیوں کی اتنی ظلمت خیز گھٹاؤں سے یا تو انسان سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کسی گوشۂ تنگ و تاریک میں سر بزانو بیٹھ جاتا ہے یا تخریب پر اتر آتا ہے، اور اپنے مقاصد کی وہ عمارت جو اس نے برسوں کے خون اور پسینہ سے بہزار مشقت تیار کی تھی اسے خود اپنے ہاتھوں سے توڑ پھوڑ کر خاک میں ملا دیتا ہے، اس وقت ابلیس اپنے مقصد میں کامیاب ہو کر انسان پر ہنستا ہے، مایوسیوں کی اس تاریکی میں اگر کہیں سے شعاع امید نظر آ سکتی ہے تو وہ فقط ایمان کی شمع فروزاں ہے جو ان بھیانک اور سیاہ بادلوں پر جگمگاتے نقرئی حروف میں لکھ دیتی ہے کہ

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ○

(نہ ہمت ہارو نہ غمگین ہو تم ہی سب سے برتر و اعلیٰ ہو، بشرطیکہ تم سچے مومن ہو)۔

<u>موجودہ مسلمان</u> لیکن کیا آج کا مسلمان بھی اس مقام کا دعویدار ہو سکتا ہے اس کی تو حالت یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی طاغوتی قوتوں کے سامنے بھی سجدہ ریز ہو جاتا ہے، ابلیس کی قوت قاہرہ کے تصور سے اس کی روح کانپ جاتی ہے، ابلیسی نظام پورے دبدبہ و جلال سے دنیا پر چھا رہا ہے اور یہ اس کے ماتحت نہایت اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کئے جا رہا ہے، قرآن نے کہا تھا کہ جب ابلیس کا مقابلہ ہو تو فوراً اپنے آپ کو تائید د

نصرت خداوندی کی پناہ میں سے آیا کرو جو اس سے
قوانین کی اطاعت سے حاصل ہوئی ہے، لیکن اس پناہ
کی تلاش آج کل اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کے خالی
الفاظ دہرانے تک محدود رہ گئی ہے۔ اس نے کہا تھا
کہ جب کبھی ابلیس کی قاہرانہ قوت جلادہ بن کر ڈرائے
تو ایمان محکم کی پوری قوتوں کے ساتھ اس کے سامنے
ڈٹ کر کھڑے ہو جاؤ اور اس سے کہدو کہ لاحول ولا
قوۃ الا باللہ العلی العظیم، تو مجھے اپنی قوت باطل سے
کیا ڈراتا ہے تیری قوت فقط فریب نگاہ ہے، تمام قوتوں
کا مالک وہ خدائے بلند و برتر جس نے مجھے تمھیں مغلوب
کرنے کے لئے پیدا کیا ہے ـــــ

یہ تھا وہ ایمان جس کے سایہ سے ابلیس بھاگتا تھا لیکن
آج یہ ایمان فقط زبان کی حرکات تک محصور ہو کر رہ گیا ہے
نتیجہ یہ ہے کہ ابلیس کو آج کسی تردد کی ضرورت نہیں ہے
ہم خود لپک کر اس کے دام میں گرفتار ہونے کے لئے چلے
جاتے ہیں سے

صید خود صیاد را گوید بگیر　　الاماں از بندۂ فرماں پذیر

ہم تو ابلیسانہ کشش و جاذبیت کے ذرا سے فریب اور
اُس کی تخویف و ترہیب کی چھوٹی سی دھمکی کے بھی حریف
نہیں ہو سکتے چہ جائے کہ اس کی قہرمانہ قوتوں کو پائے
استحقار سے ٹھکرا دیں، ابلیس کی فرعونی قوتوں کا اقتضا
تو یہ ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی فولادی پنجہ والا مرد مومن
آئے جس سے دو ہاتھ کرنے میں اُسے بھی مزہ آئے، وہ
تو آج ہم مٹی کے پتلوں سے زور آزمائی سے نالاں ہے
اور علامہ اقبال کے الفاظ رب العزت کے حضور میں فریاد کناں ہے

اے جہاں تنگ از فتوحات آدمم　　پیش تو بہر مکافات آدمم
منکر خود از تو می خواہم بدہ　　سوئے آں مرد خدا راہم بدہ
بندۂ باید کہ پیچد گردنم　　لرزہ اندازد نگاہش در تنم
اے خدا یکے زندہ مرد حق پرست　　لذتے شاید کہ یابم در شکست

لیکن آج ایسا بندۂ حق پرست کہاں نصیب۔

(معارف القرآن)

(بقیہ مضمون صفحہ (۲))

عربی مدارس کے منتظمین ابھی اپنی قدیم روش پر قائم ہیں انھوں
نے نہ نصاب تعلیم میں کوئی تغیر کیا ہے نہ نظام تعلیم میں
کسی اصلاح کے لئے تیار ہیں اسی دشوار اور پیچیدہ طریقہ
تعلیم کو اختیار کئے ہوئے ہیں اور ہنوز ان بے سود علوم کی
تعلیم پر مصر ہیں جو اب آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکے ہیں جن کی
نہ دنیا میں کوئی ضرورت ہے نہ آخرت میں ان کے پڑھنے
سے کوئی ثواب حاصل ہوگا، آٹھ دس برس کی طویل
مدت گزارنے کے بعد طلبہ میں عموماً نہ دین میں بصیرت تامہ
حاصل ہوتی ہے نہ اسلامی علوم میں مجتہدانہ نظر پیدا
ہوتی ہے نہ دنیا میں زندگی بسر کرنے کی صلاحیت پیدا
ہوتی ہے سخت تعجب ہوتا ہے کہ ان کھلے ہوئے نتائج کے
مشاہدہ کے بعد یہ حضرات کیوں نہیں عربی مدارس کے نصاب
اور نظام تعلیم میں تغیر کرتے ہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ نصف
صدی سے زیادہ کا تجربہ ان کی آنکھیں کیوں نہیں کھولتا،
اور جب اس پرانے نصاب و نظام تعلیم سے نہ دین کا
کوئی فائدہ ہے نہ دنیا کا تو آخر اس سے کیوں چمٹے ہوئے
ہیں جو حضرات نظری طور پر اصلاح کے قائل ہیں وہ بھی
عملاً کچھ نہیں کر رہے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زبان
ان کے دل کی ترجمانی نہیں کر رہی ہے۔

لیکن وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں زمانہ نے اُن کے ساتھ اب
تک رعایت کی ہے نہ آئندہ کرے گا، عربی مدارس کی
موجودہ کس مپرسی اور زبوں حالی بھی اگر انھیں اصلاح پر
آمادہ نہیں کرتی ہے تو پھر ان مدارس کا خدا ہی حافظ ہے

ان مدارس کی اصلاح اس طرح ہونی چاہئے کہ یہاں
تعلیم حاصل کرنے سے دنیاوی تعلیم کے حصول میں کوئی حرج
نہ ہو ان کا نصاب تعلیم اس نقطۂ نظر کے مطابق مرتب کرنا چاہئے
کہ دنیاوی علوم کے حاصل کرنے میں کوئی دشواری نہ ہو اور
سرپرست یہ نہ سمجھیں کہ عربی مدارس میں تعلیم دے کر ان کے
لڑکے کا وقت ضائع ہوگا۔

لڑکوں کی تعلیم کے ساتھ اس کی بھی ضرورت ہے کہ ہم

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۸)

آج کل تو یہ بھی ہوتا ہے کہ السلام علیکم کہا اور مخاطب سے دھوکہ دھڑی کی باتیں شروع کر دیں جس سے بار بار السلام علیکم کہا جاتا ہے اسی کی غیبت وشکایت کی جاتی ہے اور عیوب بیان کئے جاتے ہیں بلکہ اس کے خلاف سازشیں اور نقصان پہونچانے کی تدابیر بھی ہوتی رہتی ہیں، یہ تو سلام کے ساتھ مذاق ہوتا ہے اور ایسا ہی مذاق ہے جیسے کوئی شخص جان ومال سے کفار کی حمایت میں لگا ہوا ہو اور فانصرنا علی القوم الکافرین کے ساتھ دعائیں بھی کرتا رہے ——— غرضیکہ اگر شعور کے ساتھ سلام کیا جائے اور الفت ومحبت ختم کرنے کے دوسرے اسباب نہ ہوں تو یقیناً اس سے تمام مسلمانوں کے درمیان الفت ومحبت اور اتحاد ویگانگت کا رشتہ استوار ہو جائے گا۔

اس کے استعمال میں مرد عورت، چھوٹے بڑے، باپ بھائی اور بیوی بچے کی کوئی تفریق نہیں ہے، ہر ایک کو چاہئے کہ دوسرے کے لئے یہی لفظ استعمال کرے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ ھذا جبرئیل یقرء علیک السلام یہ جبرئیل تمھیں سلام کہتے ہیں حضرت عائشہؓ نے جواب میں فرمایا وعلیہ السلام ورحمة الله وبرکاته۔ حضرت انسؓ کو آپ نے حکم دیا یا بنیّ اذا دخلت علی اھلک نسلّم تکن برکة علیک وعلی اھلک، اے بیٹے جب اپنے اہل کے پاس آؤ تو سلام کرلیا کرو یہ تمھارے اور تمھارے گھر والوں کے لئے باعث برکت ہوگا ——— حضرت انسؓ کچھ لڑکوں کے پاس سے گزرے تو انھیں سلام کیا اور کہا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے ——— حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ آنحضرت ہم عورتوں کے مجمع سے گزرے اور آپ نے ہمیں سلام کیا ——— ایک بار آپ مومنوں اور اہل کتاب ومشرکین کے مخلوط مجمع سے گزرے تو بھی آپ نے ان مومنوں کی وجہ سے پورے مجمع کو سلام کیا، ورنہ آپ نے غیر مومن کے لئے یہ لفظ استعمال کرنے کی ممانعت فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ اگر کوئی اپنی طرف سے استعمال کرے تو اس کے جواب میں علیکم کہہ دیا کرو، اسی طرح جب بھی ملاقات ہو کرنا چاہئے وقت کی کوئی تخصیص نہیں ہے ——— آپ نے فرمایا ہے کہ تم میں سے کوئی شخص جب بھی اپنے بھائی سے ملے تو سلام کرے اگر درمیان میں کسی دیوار، پتھر یا درخت کی آڑ حائل ہو جائے تو دوبارہ ملاقات ہونے پر پھر سلام کرے، اور آپ نے حکم دیا ہے کہ جب کسی مجلس میں جاؤ تو سلام کرو اور جب وہاں سے اٹھو تو بھی سلام کرو، نیز آپ نے تصریحاً حکم دیا ہے کہ جس سے جان پہچان نہ ہو اسے بھی سلام کرو، اس کا رواج تو بہت کم ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کبھی یاد پڑ جائے اور کسی اجنبی کو سلام کر لیجئے تو وہ بے چارہ تشویش میں پڑ جاتا ہے اور سوچنے لگتا ہے کہ جس نے مجھے سلام کیا ہے اس کا نام کیا ہے؟ اس سے میری کہاں کی اور کیسی ملاقات ہے؟ جب نہیں پتہ چلتا تو اپنے حافظہ پر افسوس کرنے لگتا ہے، اس لئے اجنبی اور گمشدوں کے سلام کو بھی رواج دینے میں ایک مٹی ہوئی سنت کو زندہ کرنے کا اجر حاصل ہوگا۔

سلام کے آداب کی بھی ہدایت کی گئی ہے، زبان سے سلام کرنا زیادہ بہتر ہے، بغیر کسی مجبوری کے صرف ہاتھ اٹھا دینا کافی نہیں ہے ہاں دونوں کا استعمال کرنا درست ہے بلکہ بعض موقع پر اولیٰ ہے یوں تو ہر شخص کے لئے سلام میں پہل کرنے کا اور جواب میں ورحمة اللہ وبرکاتہ بڑھا دینے کا اجر زیادہ ہے ——— کم عمر والوں کے لئے مناسب ہے کہ بڑی عمر والوں کو، سوار پیادہ پا کو، راستہ چلنے والا بیٹھنے والوں کو اور تھوڑے لوگ زیادہ آدمیوں کو سلام کریں۔

آپ کی ذہنی الجھنیں

قطب جنوبی اور قطب شمالی میں جہاں کہ چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات بتائی جاتی ہے، بعض احباب کے درمیان اس کا چرچا تھا کہ وہاں کے باشندوں پر نماز روزہ فرض نہیں ہے کیونکہ اگر فرض ہو تو وہ کس طرح ادا کر سکیں گے؟ آپ اس بارے میں مسئلہ کی وضاحت کر دیجئے ——

یہ تو وہاں کے باشندوں سے دریافت کرنے کی چیز ہے لیکن اکثر لوگوں کے دلوں میں اسی طرح کی باتیں گشت کیا کرتی ہیں جن سے اپنے عمل کا کوئی تعلق نہ ہو، قرآن پاک میں روزہ اور نماز کی فرضیت اور تاکید میں جو آیات نازل ہوئی ہیں وہ بالکل صاف اور واضح ہیں ان میں کہیں بھی کسی ملک اور خطہ ارضی کی کوئی تخصیص نہیں ہے اس لئے ان آیات کی عمومیت میں کوئی تخصیص نہیں کی جا سکتی —— اللہ تعالیٰ کائنات کے تمام چپے چپے اور ذرہ ذرہ کا علم رکھتا ہے اور ہر جگہ کے اوقات و حالات اور وہاں کی کیفیات کا بھی علم رکھتا ہے اگر ان قطعات ارضی میں روزہ نماز کی ادائیگی ممکن نہ ہوتی تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے کلام میں بھی تخصیص آئی ہوتی —— اگر قطب شمالی اور جنوبی میں جہاں کہ چھ ماہ کی رات اور چھ ماہ کا دن ہوتا ہے کچھ لوگ بستے ہیں تو ان کے بارے میں یہ سوال کیوں نہیں پیدا ہوتا کہ آیا وہ چھ ماہ تک مسلسل سوتے رہتے ہیں اور چھ ماہ تک جاگا کرتے ہیں اور ان کے دوسرے کام اسی طرح چھ ماہ کی ایک رات اور ایک دن کے حساب سے انجام پاتے —— ظاہر ہے کہ ایسا نہیں کیا جا سکتا ہے کیونکہ انسان [illegible] ایک دن کا مزدور چھ ماہ تک کام کیا کرتا ہے؟ —— [illegible]

اور دوسری سب ضروریات کے اوقات متعین کرتے ہیں اور ان کو اسلام کی تعلیمات پہونچی ہیں تو چوبیس گھنٹوں میں پانچ وقت کی نمازوں کا وقت بھی متعین کر لیں گے اور اسی تناسب کے ساتھ ان اوقات کے درمیان فرق کر لیں گے جس فرق و تناسب کے ساتھ ۲۴ گھنٹوں کے روز و شب والے مقامات پر پانچوں نمازوں کے اوقات آتے رہتے ہیں۔ پھر اسی طرح افطار و سحر کے اوقات بھی متعین کر کے ایک سال میں ایک ماہ کا روزہ رکھ لیں گے

یہ بات بھی ذہن میں رکھنی چاہیے کہ جس طرح بارہ گھنٹے والی راتیں اور دن کی کیفیات شام سے صبح تک اور صبح سے شام تک یکساں نہیں ہوتی ہیں اسی طرح چھ ماہ والی رات کی کیفیت بھی ابتدا سے انتہا تک یکساں نہ ہوگی اور ان کیفیات کی تبدیلی کے ساتھ اوقات متعین کرنے میں زیادہ سہولت ہو جائے گی۔

کیا اگر مسلمان اپنے گھروں میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کی عادت ڈال لیں تو اس سے ان کی [illegible] مخالفت اور بے تعلقی دور ہو سکتی ہے؟ اور اجنبی و بے تعلق مسلمانوں سے سلام کرنے کا طریقہ رائج ہو جائے تو تمام مسلمانوں کے درمیان اتحاد و محبت کا سبب نہیں بن سکتا؟ اور کیا ایسا کرنا جائز اور کسی اجر کا باعث ہوگا —— واضح رہے کہ گھروں میں اکثر یہ قاعدہ ہے کہ بھائی بہن کو شوہر بیوی کو اور اولاد ماں باپ کو سلام نہیں کرتے اور اگر کسی گھر میں کرتے بھی ہیں تو صرف صبح کے وقت سو کر اٹھنے کے بعد ——
لہٰذا اس بارہ مفصل بتائیے کہ کیا کرنا چاہیے؟

سلام اپنے مخصوص معنی میں اسلام کے شعائر میں سے ہے قرآن پاک میں اکثر جگہ اس کا ذکر آیا ہے —— اہل جنت کی تعریف اور ان کی نعمتوں کے تذکرہ میں ہے کہ [illegible] جنت والے آپس میں [illegible] اور [illegible] سلام [illegible]

باری تعالےٰ کی جانب سے بھی اہل جنت کے لئے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خَالِدِيْنَ آیا ہے ـــ اور نماز میں بھی اس کی جانب سے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور صالح بندوں کے لئے یہی لفظ استعمال ہوا ہے ـــ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں جب اللہ کے فرشتے ان کے بیٹے کی بشارت لے کر آئے تھے ان کے بارے میں ذکر ہے کہ إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ. جب وہ آئے سلام کیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی ان کے جواب میں سلام کیا۔

اللہ تعالےٰ نے مومنوں کو خاص طور پر اس کا حکم بھی دیا ہے يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا غَيْرَ بُيُوتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَأْنِسُوا وَتُسَلِّمُوا عَلٰى أَهْلِهَا اے مومنو جب کسی گھر میں داخل ہوا کرو تو اجازت لیا کرو اور گھر والوں کو سلام کر لیا کرو ـــ اور اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت بھی اسی کا حکم دیا گیا ہے ـــ فَإِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوتًا فَسَلِّمُوا عَلٰى أَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبَارَكَةً طَيِّبَةً حدیث میں آیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو فرمایا کہ فرشتوں کی اُس جماعت کے پاس جاؤ انھیں سلام کرو اور سنو کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ انھوں نے جاکر السلام علیکم کہا فرشتوں نے جواب میں کہا السلام علیک و رحمۃ اللہ تب اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ هٰذِهٖ تَحِيَّتُكَ وَتَحِيَّةُ ذُرِّيَّتِكَ یہی تمھارا اور تمھاری اولاد کا سلام اور خیر و برکت کی دعا کا کلمہ ہے۔

ان تشریحات کے بعد سلام کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے کہ اس کا استعمال کتنا ضروری ہے اور کتنے اجر و ثواب کا باعث اور برکت و رحمت کا ذریعہ ہے۔ اس کی وجہ سے باہمی مخالفتیں اور کدورتیں بھی ختم ہوتی ہیں، آپس میں الفت و محبت اور قربت و یگانگت کے تعلقات پیدا ہوتے ہیں اور قائم رہتے ہیں ـــ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تم جنت میں اس وقت داخل ہو سکتے ہو جب کامل الایمان ہو جاؤ اور کامل الایمان ہونے کے لئے ایک چیز یہ بھی ضروری ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت رکھو لہٰذا میں تمھیں محبت کرنے کا ایک ذریعہ بھی بتا دیتا ہوں تم سلام کو پھیلاؤ اس سے باہمی محبت پیدا ہوگی اس لئے اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سلام کو جتنا رواج دیا جائے گا آپس کے تعلقات اتنے ہی زیادہ بہتر اور خوشگوار ہوں گے ـــ مگر اسی کے ساتھ یہ بات بھی سمجھ لینی چاہئے کہ ہاتھ پاؤں اور زبان کے کسی عمل کے ساتھ اگر دل کی وابستگی نہیں ہے، قصد و ارادہ اور شعور و احساس اس کے موافق نہیں ہیں تو خانہ پری کے لئے چاہے وہ عمل قبول اور تسلیم کر لیا جائے مگر اُس کے جو نتائج و اثرات مرتب ہونے چاہئیں وہ یا تو مرتب ہی نہ ہوں گے اور اگر ہوں گے تو ناقص مرتب ہوں گے ـــ مثال کے طور پر نماز، تسبیح اور دعا کو لے لیجئے اگر بے خبری کے عالم میں پڑھی جائے کہ نہ تو الفاظ کے معانی ذہن میں آئیں اور نہ اللہ تعالےٰ کی حضوری اور اس کی بندگی کا تصور پیدا ہو تو یہ نماز اور دعا تو ہو جائے گی لیکن اسکے وہ اثرات و نتائج سامنے نہیں آئیں گے جو قرآن پاک اور حدیث شریف میں بیان کئے گئے ہیں ـــ یہی حال سلام کا بھی ہے، اگر سیکڑوں بار السلام علیکم کہنے والے کے دل میں ایک بار بھی یہ خیال نہ گزرے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، تو اس کے اثرات و نتائج کیا مرتب ہوں گے؟ عام طور پر الفت و محبت کے رشتے اور تعلقات دوسرے اسباب و روابط کی وجہ سے قائم ہوتے ہیں اور سلام رسمی طور پر استعمال ہوتا ہے۔

"سلام" صحت و سلامتی اور خیر و برکت کی ایک دعا ہے اور کہنے والے کی طرف سے ایک طرح کا عہد و پیمان ہے کہ تم میری طرف سے ہر قسم کے شر سے محفوظ ہو اور میں تمھارے لئے سلامتی چاہتا ہوں۔ عہد رسالت میں دشمن بھی اپنی محبت و مودت ظاہر کرنے اور عداوت و دشمنی ختم کرنے کا اعلان کرنے کے لئے یہ لفظ استعمال کرتے تھے۔ اور صحابہ جس کے لئے کہہ دیتے اس کے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار بھی ہو جاتے تھے ـــ

(باقی صفحہ ... ملاحظہ ہو)

★ عبدالغفار ندوی

انمول موتی

پیامِ اسلام

اس سے متصل اشاعت میں مندرجہ بالا عنوان کے تحت ابوسفیانؓ اور قیصرِ روم کا مکالمہ تفصیل کے ساتھ آچکا ہے، آج دربارِ رسالت کا وہ خاص دعوت نامہ درج ذیل ہے جو قیصرِ روم کو لکھا گیا تھا:۔

فَاِذَا فِیْهِ - بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ - مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِهٖ وَرَسُوْلِهٖ ۔ اِلٰی هِرَقْلَ عَظِیْمِ الرُّوْمِ، سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی، اَمَّا بَعْدُ، فَاِنِّیْ اَدْعُوْكَ بِدِعَایَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلَمْ یُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَیْنِ فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْكَ اِثْمَ الْیَرِیْسِیِّیْنَ ۰ وَیَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ قَالَ قَالَ اَبُوْ سُفْیَانَ فَلَمَّا قَالَ مَا قَالَ وَفَرَغَ مِنْ قِرَاءَةِ الْكِتَابِ كَثُرَ عِنْدَهُ الصَّخَبُ وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ وَاُخْرِجْنَا فَقُلْتُ لِاَصْحَابِیْ لَقَدْ اَمِرَ اَمْرُ ابْنِ اَبِیْ كَبْشَةَ اِنَّهٗ یَخَافُهٗ مَلِكُ بَنِی الْاَصْفَرِ فَمَا زِلْتُ مُوْقِنًا اَنَّهٗ سَیَظْهَرُ حَتّٰی اَدْخَلَ اللّٰهُ عَلَیَّ الْاِسْلَامَ ۔

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے روم کے شہنشاہ کو جو تحریر بھیجی تھی اس کی ابتدا ان الفاظ میں ہوئی تھی ۔۔۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف سے روم کے بادشاہ ہرقل کی جانب، سلام ہو اس پر جو ہدایت حق کی پیروی کرے ” لفظ سلام اسلام کے شعائر میں سے ہے اور اس کا استعمال مومنوں کے ساتھ مخصوص ہے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ کے موقع پر یہ لفظ ایسی خوبی اور حسن بیان کے ساتھ استعمال فرمایا کہ مخاطب کی دل شکنی بھی نہ ہو اور سلام بھی اپنے بلند مقام پر باقی رہے ” میں تمھیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اسلام قبول کر لو سلامت رہوگے اور اللہ تعالےٰ تمھیں دہرا اجر عطا فرمائے گا ۔ ” دنیا میں امن و سلامتی کے ساتھ رہوگے اور چونکہ تمھارے قبول اسلام کی وجہ سے رعایا بھی مسلمان ہو جائے گی، اس لئے آخرت میں اللہ تعالےٰ تمھیں دونا اجر عطا فرمائے گا ۔۔۔ اور انکار کروگے تو اسلام کی حکومت قائم ہونے اور دین کے غالب آجانے کے بعد تمھاری یہ شہنشاہی بھی ختم ہو جائے گی اور آخرت میں بڑا سنگین عذاب ہوگا، کیونکہ تمھاری وجہ سے رعایا بھی ہدایت حق سے محروم اور باطل میں بھٹکتی رہے گی ۔۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے لکھا تھا کہ اے اہل کتاب اُس بات کی طرف آجاؤ اور اُس حقیقت کے سامنے جھک جاؤ جو ہمارے تمھارے درمیان ایک برابر کی تسلیم شدہ اور مانی ہوئی چیز ہے ۔۔۔ اور وہ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سوا اور کسی کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور خاص طور پر یہ کہ اللہ تعالےٰ کو چھوڑ کر ہمیں لوگوں میں سے کچھ لوگوں کو کچھ لوگ اپنا رب بنالیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے یا اہل الکتاب کہکر انھیں جس بات کی طرف بلایا ہے اللہ تعالےٰ نے اہل کتاب کو اسی طرح

خطاب کرنے کی ہدایت فرمائی ہے اور اس کے بعد مومنوں کو حکم دیا ہے کہ اگر اہل کتاب اس حقیقت کے تسلیم کرنے سے منہ موڑ لیں تو اے مومنو تم اُن سے کہہ دو کہ اے اہل کتاب گواہ رہو۔ حقیقی مسلمان ہم ہیں" کیونکہ ہم صرف اللہ کی ہدایت تسلیم کرتے ہیں لہذا تمھیں یہ حق نہیں ہے کہ اپنے کو اللہ کی ہدایت ماننے والا اور اسی کی رہنمائی تسلیم کرنے والا کہو، انسانوں کا آپس میں ایک دوسرے کو رب بنا لینے کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی ہدایت سے آنکھیں بند کر کے کسی ایک انسان یا بہت سے انسانوں کی ہدایت و رہنمائی حاصل کرے اور ان کے اوامر و نواہی کے آگے اپنی گردن جھکائے اسی طرح عمل کرتا چلا جائے کہ وہ کبھی اپنی عقل سے کام لے، نہ اپنا سر اُٹھا کے دیکھے کہ اللہ کی کتاب اور نبی کی زندگی کیا تعلیم دیتی ہے؟ —— اہل کتاب میں یہ انتہائی گمراہ کن اور تباہی کی طرف لیجانیوالا مرض پیدا ہو گیا تھا کہ وہ اشکاص پرست ہو گئے تھے شخصیتوں کے سامنے اس طرح گھٹنے ٹیکے ہوئے تھے کہ توراۃ اور انجیل کو گویا جانتے ہی نہ تھے اور بذات خود کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے ان کے جس عالم و صوفی اور پوپ و پادری نے جو بات بھی کہہ دی خواہ وہ بالکل من گھڑت ہی کیوں نہ ہو جانتے بوجھتے بھی اس کے مان لینے میں انھیں کوئی تکلف و تردد نہیں ہوتا تھا —— اسی لئے اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَ رُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ انھوں نے اللہ کے علاوہ اپنے علما اور صوفیا کو رب بنا لیا تھا اور ان علما و مشائخ اور صوفیا کا حال یہ تھا کہ انھوں نے اللہ کی کتاب اور اسکے احکام کو تجارت کا ذریعہ بنا لیا تھا، اپنی نفس پرستی، عیش کوشی، شکم پروری، سہل انگاری اور نفع اندوزی کی خاطر بڑے لوگوں اور حکومت کی موافقت و خوشنودی میں ان سے فوائد حاصل کرنے کے لئے ہر چیز اللہ کی کتاب سے نکال کر پیش کر دیتے تھے اِنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّھْبَانِ لَیَاْکُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ جس کو جائز و حلال ٹھہرانے میں کام چلتا تھا اُسے جائز قرار دیدیتے اور جس کو حرام کہدینے میں فائدہ نظر آتا، غفلت و عیش کی زندگی سنوارتی اُسے حرام کہدیتے، اللہ کا کلام بدل دیتے اپنی طرف سے مفہوم گڑھ کر عبارتیں پیش کر دیتے جس حکم کا موقع ہوتا اس کے علاوہ کوئی حکم سنا دیتے اور موقع کی بات چھپا لیتے، اور عام طور پر ان کی بات مان لینے میں کسی کو تامل بھی نہ ہوتا کیونکہ ان کے متبعین کو بھی لذت و منفعت انھیں کی بتائی ہوئی باتوں میں حاصل ہوتی تھی، ایک بار عدی بن حاتم نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے نہایت تعجب کے ساتھ دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ایسا تو نہیں ہے کہ ہم میں سے کوئی کسی کو اپنا رب بنا لے پھر قرآن کی اس آیت کے کیا معنی ہیں؟ آپ نے فرمایا کیا ایسا نہیں ہوتا کہ علما نے جس چیز کو چاہا حلال کر دیا اور جس چیز کو چاہا حرام ٹھہرا دیا اور ان کے پیرو وں نے اپنی آنکھیں بند کر کے مان لیا؟ —— انھوں نے کہا ہاں ایسا تو ہوتا رہا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی وجہ سے رب بنا لینے کا حکم لگایا گیا ہے —— اہل کتاب میں، اللہ کی کتاب اور اس کی حقیقی ہدایات سے بے نیاز اور غافل ہونے کا یہی تباہ کن مرض اور شخصیت پرستی کا خطرناک جذبہ اپنی انتہا کو پہونچ گیا تھا جس کی وجہ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اندر انھیں الوہیت کی صفات نظر آنے لگی تھیں اور وہ بشر کے لباس میں ملبوس دکھائی دیتے تھے، اسی کی وجہ کر انھوں نے انھیں اپنے تمام گناہوں کا کفارہ سمجھ رکھا تھا، اور یہود کو بھی حضرت عزیر علیہ السلام اللہ کے بیٹے معلوم ہوتے تھے حضرت موسےٰ علیہ السلام کا صرف زبانی دم بھرنے ہی سے وہ اپنے کو اللہ کے بیٹے اور چہیتے سمجھتے تھے اگر توراۃ و انجیل کی طرف ذرا بھی عقل سے توجہ کرتے تو ایسے خیالات ہرگز نہ پیدا ہوسکتے۔

ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان

تعمیر
(پندرہ روزہ) لکھنؤ

۳۸۔ امین آباد پارک

ادارہ تحریر

• سید ابوالحسن علی ندوی
• عبدالسلام قدوائی ندوی
• مشیر الحق بحری آبادی

۱۵ دسمبر سنہ ۱۹۵۱ء

۱۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۷۱ھ

اس شمارہ میں

شرائط ایجنسی

(۱) کم از کم پانچ پرچوں پر ایجنسی دی جائے گی۔
(۲) قیمت پیشگی جمع کرانی ہوگی۔
(۳) پرچے واپس نہ لئے جائیں گے۔
(۴) ۲۰ پرچوں تک کمیشن ۲۵ فیصدی، ۲۰ تا ۵۰ ۳۰ فیصدی، ۵۰ تک ۳۳ فیصدی۔ اس سے زیادہ پر ۳۵ فیصدی دیا جاتا ہے۔
(۵) سول ایجنٹ کو سو پرچے لینا ضروری ہے۔
(۶) جہاں سول ایجنٹ ہوں گے وہاں ایجنٹ لائبریریوں کو ایجنسی دی جا سکتی ہے۔
(۷) پرچے بذریعہ وی پی بھیجے جاتے ہیں، رجسٹرڈ منگانا ہو تو فیس رجسٹری ایجنٹ صاحبان کے ذمہ ہوگی۔

تعمیر کی قیمت

چندہ سالانہ:- چھ روپے • ششماہی:- تین روپے
ایک پرچہ کے لئے:- چار آنے
ممالک غیر علاوہ پاکستان
سالانہ:- آٹھ روپے • ششماہی:- چار روپے
فی پرچہ:- چھ آنے
نوٹ:- پاکستانی حضرات اپنا چندہ حسب ذیل پتہ پر بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمیں بھیج دیں۔
پتہ:- دفتر چراغ راہ عقب لوشا بلڈنگ۔ آرام باغ روڈ۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

ذکر رسولؐ

●

یہ ربیع الاول کا مبارک مہینہ ہے، چند روز پہلے مسلمان گھرانوں میں جگہ جگہ میلاد کی محفلیں منعقد ہوئی تھیں اور مسلمان محلوں میں عام طور سے ایک خوشی اور چہل پہل محسوس ہوتی تھی، آج سے لگ بھگ چودہ سو برس پہلے یہاں سے دور عرب کے ایک شہر مکہ معظمہ میں آخری رسول آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہوئی تھی اس وقت لوگ زندہ تھے، تمام کاروبار جاری تھے، ہر قسم کا کام ہو رہا تھا لیکن اندرونی طور سے وہ مر چکے تھے ان کا احساس ختم ہو چکا تھا، ان کی زندگی کا کوئی بلند مقصد اور کام کا کوئی واضح نصب العین نہیں تھا، صرف عرب ہی کی نہیں پورے عالم کی اخلاقی اور حسی موت ہو چکی تھی ــــ ایسے وقت میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیدائش صرف ایک انسان کی پیدائش نہ تھی بلکہ اخلاق، دیانت، دینداری اور اصول کا دوبارہ احیاء تھا، آپ نے اپنی پوری زندگی اور اپنے عمل کام سے لوگوں پر یہ ثابت کر دیا کہ اس وقت آپ کے دنیا میں آنے کی سخت ضرورت تھی، آج ہم مسلمان اسی ولادت نبوی کی یادگار میں جگہ جگہ محفلیں منعقد کرتے ہیں اور خوشیوں کی مجلسیں برپا کرتے ہیں۔

دنیا کی کوئی بھی قوم ہو، کوئی بھی ملک ہو، آج ہر جگہ یہ دستور سا بن گیا ہے کہ وہ اپنے قومی لیڈروں کا یوم پیدائش اور یوم وفات ضرور مناتے ہیں، پیدائش کے دن جگہ جگہ اپنے لیڈر کی یاد میں مسرت کے جلسے کرتے ہیں اور یوم وفات میں حسرت کے ــــ ان کے لیڈروں نے نہیں نیا حکم دیا ہے، اس کا مقصد کیا تھا، وہ قوم کو کس طرف لے جانا چاہتا تھا، یہ تمام باتیں جلسہ میں خوب زور و شور سے دہرائی جاتی ہیں لیکن جلسہ گاہ سے باہر آتے ہی اُسے طاق نسیاں پر رکھ دیا جاتا ہے اور پھر دوسرے سال اسی دن اُسے دہرا لیا جاتا ہے۔

دور کیوں جائیے، اپنے ہندوستان ہی میں دیکھ لیجئے گاندھی جی ہندوستان کے ایک بہت بڑے لیڈر تھے، ہر سال ان کی پیدائش اور موت کے دن جلسے ہوتے ہیں، اور وہ لوگ جو اپنے کو گاندھی جی سے براہ راست ہدایت یافتہ کہتے ہیں اور انھیں کے طریق کار کو دنیا کی فلاح کے لئے ذریعہ سمجھتے ہیں ــــ وہ ان دونوں دنوں میں خوشی اور غم کے جذبات کے ساتھ دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں، ان کے اصول پر چلنے کا وعدہ کرتے ہیں، انھیں دنیا کا سب سے بڑا لیڈر بتلاتے ہیں اور جلسہ کے باہر آنے کے بعد گاندھوی تعلیمات کو اس طرح فراموش کر دیتے ہیں جیسے چند منٹ پہلے کی سب تقریریں خواب تھیں ــــ زندگی کی اس دو عملی کا جو نتیجہ آج ہندوستان بھگت رہا ہے وہ کسی سے چھپا ہوا نہیں ہے۔

بالکل یہی حالت آج مسلمانوں کی ہے، وہ ۱۲ ربیع الاول کو اپنے ہادی اور مرشد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے سلسلے میں خوشیاں مناتے ہیں اور جلسے کرتے ہیں ان جلسوں اور محفلوں کا اگر آپ جائزہ لیں تو آپ کو محسوس ہوگا کہ سب جلسے آنحضرتؐ کے فرمان کے علی الرغم کئے جا رہے ہیں۔ سوچیے کیا آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی پیغام تھا اور آپ نے ہمیں یہی حکم دیا تھا، ہماری زندگی میں کیا چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ہم کہہ سکیں کہ ہم آنحضرتؐ کے پیرو ہیں، مصائب و مشکلات میں ہمیں خدا پر بھروسہ نہ ہو، راحت و آرام میں اس کی یاد نہ ہو، روزمرہ کی زندگی میں اسلام کے اصولوں کو ہم پس پشت ڈال چکے ہوں، ہمارے غیر اسلامی افعال کی بدولت پڑوسی ہم پر بھروسہ نہ کریں، عزیز ہمیں بیگانہ اور دوست ہمیں دشمن گردانیں، دشمن ہم پر اطمینان نہ رکھ سکیں، اپنے غیر جانیں اور غیر ہمیں پہچان نہ سکیں ــــ (باقی صفحہ پر)

★ عبد السلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَإِذَا أَفَضْتُم مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِن كُنتُم مِّن قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ۝

ترجمہ:

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو (یعنی دوران حج میں تجارت کرو) پھر جب تم عرفات سے واپس ہو تو مزدلفہ کے پاس اللہ کو یاد کرو اور اس کو اسی طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمہیں ہدایت کی ہے اور تم اس سے پہلے یقیناً گمراہوں میں سے تھے۔

تشریح:

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں موسم حج میں عکاظ مجنہ اور ذوالمجاز کے بازار لگتے تھے اور لوگ ان میں کاروبار کرتے تھے لیکن اسلام لانے کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خیال ہوا کہ تجارت حج کے تقدس کے منافی ہے انھوں نے اس بارہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا اس سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اور حج کے ساتھ تجارتی کاروبار کی اجازت ہوگئی۔[2]

قرآن مجید تجارت اور طلب رزق کے لئے جدوجہد کو اللہ کے فضل کی طلب قرار دیتا ہے، اس سے صاف ظاہر ہے کہ ترک دنیا اسلام کی تعلیم نہیں ہے بلکہ وہ احکام الٰہی کے مطابق دنیاوی جدوجہد کو ثواب قرار دیتا ہے اسکے نزدیک دنیا آخرت کی سواری (مطیۃ الاٰخرۃ) ہے منزل آخرت تک اسی سواری پر سوار ہوکر پہنچنا ہے البتہ وہ دنیا کو اپنے اوپر سوار کرانے سے روکتا ہے اور تاکید کرتا ہے کہ ہم دنیا پر سوار رہیں اور اس کا رخ آخرت کی طرف رکھیں۔

فاذا افضتم من عرفات ...... اس آیت میں عرفات سے واپسی کے وقت مزدلفہ کے پاس اللہ کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ المشعر الحرام مزدلفہ ہی کو کہتے ہیں واذکروہ کما ھدٰکم کا ایک مفہوم تو وہی ہے جو ترجمہ میں اختیار کیا گیا ہے لیکن بعض مفسرین کا ذہن ایک اور طرف بھی گیا ہے، ان کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالےٰ نے تمہیں راہ ہدایت دکھائی ہے اس لئے اس کی اس مہربانی کا تمہاری طرف سے یہ جواب ہونا چاہیئے کہ تم اسے خوب یاد کرو، ذکر کو ہدایت کے مشابہ ہونا چاہیئے یعنی جس طرح اس نے تمہاری بہترین رہنمائی کی ہے اسی طرح تمھیں چاہیئے کہ کمال خشوع و خضوع کے ساتھ اس کا ذکر کرو۔

ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝

[1] افاضہ کے لغوی معنی ہیں بہانا چونکہ بکثرت حاجی عرفات سے تیزی کے ساتھ مزدلفہ کی طرف روانہ ہوتے ہیں اس لئے دیکھنے میں یہ منظر سیلاب کی طرح بہتا ہوا نظر آتا ہے اسلئے واپسی کیلئے یہاں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے تاکہ پڑھتے وقت ذہن میں روانی کی تصویر پھر جائے۔

[2] صحیح بخاری۔

ترجمہ

پھر جہاں سے سب لوگ واپس ہوں وہیں سے تم بھی واپس ہو اور اللہ سے بخشش چاہو، اللہ یقیناً بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تشریح

اسلام سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں قریش دوسرے تمام باشندوں کے مقابلہ میں بہت معزز سمجھتے تھے، چونکہ وہ مکہ معظمہ میں رہتے تھے اور خانہ کعبہ کی دیکھ بھال کرتے تھے اس لیے وہ بیت اللہ کے مجاور اور متولی سمجھے جاتے تھے، اس بنا پر باشندگان عرب انھیں عقیدت کی نظر سے دیکھتے تھے اور عزت کے ساتھ پیش آتے تھے، صدیوں کی اس عزت و تکریم نے قریش کو اپنی نظر میں بھی معزز بنا دیا تھا اور وہ یہ سمجھنے لگے تھے کہ دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں وہ بہت زیادہ معزز ہیں، اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ موسم حج میں بھی انھوں نے اپنا امتیاز قائم کر لیا، تمام زائرین بیت اللہ میدان عرفات میں پہنچتے تھے لیکن قریش مزدلفہ سے آگے نہیں بڑھتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ ان کی امتیازی خصوصیت ہے لیکن یہ طرز عمل حج کی روح اور انسانی مساوات کے نقطۂ نظر کے خلاف تھا، اس لیے جب اسلام آیا تو اللہ تعالےٰ نے قریش کی اس مغرورانہ روش کو ناجائز قرار دیا اور حکم دیا کہ قریش کو خدا کے دربار میں کوئی امتیاز حاصل نہیں ہے اللہ کی نظر میں نام و نسب اور نسل و خاندان کی کوئی اہمیت نہیں ہے اس لیے تمام حجاج کی طرح قریش کے لوگ بھی عرفات جائیں اور وہاں دوسرے لوگوں کے ساتھ قیام کریں پھر سب کے ساتھ واپس ہوں۔

اسی کے ساتھ یہ بھی حکم دیا کہ اپنی اس دیرینہ عادت کے ترک کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے حضور میں توبہ و استغفار بھی کریں اور اس غلط جذبہ پر طالب عفو ہوں اس حکم سے مقصود یہ تھا کہ اس دیرینہ غلط رواج کو صرف ترک کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ اس پر اظہار ندامت ضروری اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی طلب لازم ہے۔ اس حکم سے صرف یہی نہیں ہوا کہ قریش کے اس مغرورانہ رسم کا خاتمہ ہو گیا بلکہ دلوں میں اس جاہلی دستور کے خلاف نفرت پیدا ہو گئی اور نگاہیں شرم سے جھک گئیں کہ ہم احکم الحاکمین کے دربار میں سربسجود ہونے کے بجائے اپنی بڑائی اور تعظیم کے طلبگار رہتے۔ اس خیال نے دلوں میں لرزش پیدا کی، سر خدا کے حضور میں جھک گئے اور زبانیں عفو و درگزر اور خطا پوشی اور جرم بخشی کی درخواست کرنے لگیں۔

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۝ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝ أُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِمَّا كَسَبُوا ۚ وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

ترجمہ

پس جب تم مناسک حج ادا کر چکو تو اپنے باپ دادوں کے ذکر کی طرح اللہ کو یاد کرو بلکہ اس سے بھی زیادہ شدت سے اُسے یاد کرو، پھر لوگوں میں سے کچھ ایسے ہوتے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں عطا فرمائے اور حالت یہ ہوتی ہے کہ آخرت میں ایسے لوگوں کے لئے کوئی حصہ نہیں ہوتا ہے، لیکن انھیں انسانوں میں کچھ ایسے بھی

★ ابوالاعلیٰ مودودی

میلادالنبی

(ایک ریڈیائی تقریر)

آج اس عظیم الشان انسان کا جنم دن ہے جو زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کے لئے رحمت بن کر آیا تھا اور وہ اصول اپنے ساتھ لایا تھا جن کی پیروی میں ہر فرد انسانی، ہر قوم و ملک اور تمام نوع انسانی کے لئے یکساں فلاح اور سلامتی ہے یہ دن اگرچہ ہر سال آتا ہے، مگر اب کے سال یہ ایسے نازک موقع پر آیا ہے جب کہ زمین کے باشندے ہمیشہ سے بڑھ کر اس دانائے کامل کی رہنمائی کے محتاج ہیں۔ معلوم نہیں مسٹر برنارڈ شا نے اچھی طرح جان بوجھ کر کہا تھا یا بے جانے بوجھے مگر جو کچھ انھوں نے کہا وہ بالکل سچ تھا کہ محمدؐ اگر اس وقت دنیا کے ڈکٹیٹر ہوتے تو دنیا میں امن قائم ہو جاتا۔ میں اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم دنیا میں موجود نہ سہی، ان کے پیش کردہ اصول تو بے کم و کاست موجود ہیں، ان کے اصولوں کو بھی اگر ہم راستبازی کے ساتھ ڈکٹیٹر مان لیں تو وہ سارے فتنے ختم ہو سکتے ہیں جن کی آگ سے آج نسل آدم کا گھر جہنم بنا ہوا ہے[1]۔

اب سے چودہ سو برس پہلے جب محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں قدم رکھا تھا، اس وقت خود ان کا اپنا وطن اخلاقی پستی بدنظمی اور بدامنی کی انتہا کو پہونچا ہوا تھا، قرآن میں اس وقت کی حالت پر ان الفاظ میں تبصرہ کیا گیا ہے کہ تم آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے کے کنارے کھڑے تھے جس سے خدا نے تمھیں بچایا، اس سے کچھ بہتر حالت دنیا کے دوسرے ملکوں کی نہ تھی، ایران اور مشرقی رومی سلطنت اس وقت انسانی تہذیب کے دو سب سے بڑے گہوارے تھے، اور ان دونوں کو ایک طرف آپس کی پیہم لڑائی اور دوسری طرف خود اپنے گھر کے معاشرتی امتیازات، معاشی ناہمواری اور مذہبی جھگڑوں نے تباہ کر رکھا تھا، ان حالات میں محمد صلے اللہ علیہ وسلم اُٹھے اور تیئیس برس کے اندر انھوں نے نہ صرف عرب کو بدل ڈالا بلکہ ان کی رہنمائی میں عرب سے جو تحریک اٹھی تھی اس نے ایک چوتھائی صدی کے اندر ہندوستان کی سرحدوں سے شمالی افریقہ تک دنیا کے ایک بڑے حصہ کو اخلاق، تمدن، معیشت، سیاست، غرض ہر شعبۂ زندگی میں درست کر کے رکھ دیا۔

یہ اصلاح کیونکر ہوئی؟ ایک مختصر گفتگو میں اس کی ساری تفصیلات بیان کرنا ناممکن ہے، لیکن اس کے موٹے موٹے اصول میں آپ کے سامنے بیان کروں گا۔

سب سے پہلی چیز جس پر انھوں نے زور دیا وہ یہ تھی کہ تمام انسان صرف خدائے واحد کو اپنا آقا، مالک، معبود اور حاکم تسلیم کریں، خدا کے سوا کسی کی بندگی قبول نہ کریں صرف مذہب کے محدود دائرے ہی میں نہیں بلکہ زندگی کے سارے معاملات میں تنہا خدا کے اقتدار اعلےٰ کے آگے جھک جائیں۔

اس کے ساتھ دوسری اہم چیز ان کی تعلیم میں یہ تھی کہ انسان کی مطلق العنانی اور غیر ذمہ داری کو بالکل ختم کر دیا جائے، ہر انسان فرداً فرداً اپنے آپ کو خدا کے سامنے جوابدہ سمجھے، اور اسی طرح انسانی جماعتیں بھی خواہ وہ خاندانوں اور قبیلوں کی شکل میں ہوں یا طبقات کی شکل میں، قوموں کی شکل میں ہوں یا ریاستوں اور حکومتوں کی شکل میں، بہرحال خدا کے حضور اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں، محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے انسان کا تصور ہی یہ پیش کیا کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ یا نائب ہے، اس کو جس قدر اور جس حیثیت میں بھی کچھ اختیارات حاصل ہیں درحقیقت وہ اس کے ذاتی اختیارات نہیں ہیں بلکہ خدا کے دیے ہوئے ہیں اور ان کے استعمال میں وہ بالآخر خدا کے سامنے جوابدہ ہے۔

خدائی اقتدار اعلیٰ اور انسانی خلافت کی بنیادوں پر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے نوع انسانی کے درمیان منصفانہ

[1] ملاحظہ فرمائیے کہ یہ جنگ عظیم نمبر ۲ کے انتہائی زور کا زمانہ تھا۔

وحدت و اتفاق کا وہ رشتہ فراہم کیا جو کسی دوسرے ذریعے سے پیدا نہیں ہو سکتا، نسل، نسب، زبان، رنگ وطن، معاشی مفاد اور دوسری جتنی چیزیں سوسائٹی کی بنیاد بنتی ہیں وہ لازمی طور پر انسانوں کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر کے ایک دوسرے کا مدمقابل بنا دیتی ہیں ان میں اگر موافقت ہوتی بھی ہے تو اغراض کی بنا پر ایک ناپائدار عارضی موافقت ہوتی ہے، کشمکش اور جنگ اس تقسیم کی عین فطرت میں داخل ہے اور اس کا لازمی نتیجہ بے انصافی ہے، اس کو دور کرنے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں کہ تمام انسانوں کو خدا کی بندگی پر متحد کیا جائے اور خدا کے سامنے جواب دہ ہونے کا احساس پیدا کر کے انھیں انصاف پر آمادہ کیا جائے۔

قومیت اور طبقات کے بجائے خدا کی بندگی اور خلافت کے تصور پر جس عالمگیر اور سماجی زندگی کی بنیاد محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے رکھی اس کے ہر پہلو کو انھوں نے پائدار اخلاقی اصولوں پر ڈھال دیا، ان کے پیش کئے ہوئے اخلاقیات تارک الدنیا درویشوں کے لئے نہیں تھے بلکہ دنیا کا کام چلانے والے لوگوں کے لئے تھے کسان، زمیندار، مزدور، کارخانہ دار، تاجر، خریدار، پولیس مین، مجسٹریٹ، کلکٹر، جج، گورنر، سپاہی اور سپہ سالار، وزیر اور سفیر ہر ایک کو اس کے دائرۂ عمل میں انھوں نے اخلاق کے ایسے ضابطوں سے باندھ دیا جس کی بندشوں کو کھولنا اور کسنا، جس کے اصولوں کو بنانا اور بگاڑنا افراد یا رائے عام کی خواہشات پر منحصر نہیں تھا انھوں نے معاشرت اور شخصی تعلقات کو آرٹ اور ادب کو کاروبار، اور لین دین کو سیاست اور انتظام ملکی کو، بین الاقوامی تعلقات اور صلح و جنگ کو، غرض انسانی زندگی کے سارے معاملات کو، اخلاق کا پابند بنایا اور جو چیز بھی انسانی زندگی سے تعلق رکھتی ہو اس کا یہ حق تسلیم کرنے سے انکار کر دیا کہ وہ اخلاق کی بندشوں سے آزاد ہو کر نشوونما پائے۔

یہ وہ بڑے بڑے اصول تھے جن پر محمد صلے اللہ علیہ وسلم کا اصلاحی پروگرام مبنی تھا، اس پروگرام کو عمل میں لانے کے لئے انھوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ انفرادی اصلاح سے شروع ہوتا تھا، اُن کی نگاہ سے یہ بات پوشیدہ نہ تھی کہ اجتماعی اصلاح کے ہر نقشہ کا دارومدار بالآخر افراد ہی پر جا کر ٹھہرتا ہے، کوئی بہتر سے بہتر نظام بھی کمزور کیرکٹر اور ناقابل اعتماد سیرت کے لوگوں کو لے کر کامیابی کے ساتھ نہیں چلایا جا سکتا، افراد کی سیرت کی خامیوں سے ایک نظام کے عمل درآمد میں جو رخنے اور شگاف پڑتے ہیں، انھیں کاغذ پر نہیں بھرا جا سکتا، کاغذ کی دنیا میں آپ مختلف ممکن خرابیوں کے سدباب کا جس قدر چاہیں خیالی انتظام کر لیں، لیکن عمل کی دنیا میں اس کاغذی نقشہ کو چلانے کا انحصار بہرحال کارکن افراد ہی پر ہو گا یہ افراد اگر بجائے خود خواہشات، اغراض اور تعصبات سے شکست کھا جانے والے لوگ ہوں، اگر ان کے اندر سچا ایمان اور پختہ کیرکٹر نہ ہو تو آپ کی ساری خیالی احتیاطوں کے باوجود اس نظام میں رخنے پڑیں گے اور ایسی ایسی جگہوں سے پڑیں گے جہاں تک آپ کا تصور بھی نہ جا سکے گا، بخلاف اس کے کاغذ پر ایک نظام کو دیکھ کر کر آپ اس میں بہت سے رخنوں کا امکان ثابت کر سکتے ہیں، لیکن اس کو چلانے کے لئے اگر بھروسے کے قابل افراد موجود ہوں تو ان کا صحیح عمل ان سارے رخنوں کو بھر دے گا جن کے رونما ہونے کا امکان عالم خیال میں آپ کو نظر آتا ہو۔

اسی بنا پر محمد صلے اللہ علیہ وسلم نے پہلے اپنی ساری قوت ایسے افراد کو تیار کرنے پر صرف کی جو ان کے پروگرام کے مطابق بہترین طریقہ پر دنیا کی اصلاح کر سکتے ہیں، انھوں نے ایسے لوگ تیار کئے جو ہر حال میں خدا سے ڈر کر بدی سے پرہیز کرنے والے ہوں، جو اپنی زندگی کے ہر معاملہ میں خدا کے سامنے اپنی ذمہ داری کو پیش رکھنے والے ہوں، جو ہر اس کام سے رک جانے والے ہوں

جن کے متعلق انھیں خدا کی ناراضی کا اندیشہ ہو اور ہر اُس کام میں دل و جان سے کوشش کرنے والے ہوں جن کے متعلق انھیں معلوم ہو جائے کہ خدا اس سے خوش ہوگا جنھیں خدا کی خوشنودی پر اپنی کسی چیز کو قربان کرنے میں تامل نہ ہو، جن کے دل میں خدا کے سوا کسی کا خوف، کسی کی مہربانی کا لالچ، اور کسی کے انعام کی تمنا نہ ہو، جن کے لئے پبلک اور پرائیوٹ زندگی میں کوئی فرق نہ ہو جو ماؤں کے پردوں میں بھی اتنے ہی نیک، شریف اور پرہیزگار ہوں، جتنے پبلک میں منظر عام پر نظر آئیں، جن پر یہ بھروسہ کیا جا سکے کہ بندگان خدا کی جان، مال، آبرو اگر ان کے چارج میں دے دی جائے تو خیانت کار ثابت نہ ہوں گے، اپنی ذات یا اپنی قوم اور حکومت کی طرف سے کوئی عہد کریں تو بے وفا نہ نکلیں گے، انصاف کی کرسی پر بٹھائے جائیں تو ظالم نہ پائے جائیں گے، لین دین کے بازار میں بیٹھیں تو بدمعاملگی نہ کریں گے، حق مانگنے میں چاہے سست ہوں مگر حق ادا کرنے میں سست نہ ہونگے اور اپنی ذہانت، ہوشیاری، تدبر اور قوت و قابلیت کو راستی اور انصاف کے لئے اور انسانیت کی فلاح کے لئے استعمال کریں گے نہ کہ شخصی اور قومی اغراض کی خاطر دوسروں کو بیوقوف بنانے اور دوسروں کے حق تلف کرنے کے لئے۔

کامل پندرہ سال تک محمد صلے اللہ علیہ وسلم ایسے افراد کی تیاری میں لگے رہے، اس مدت میں آپ نے حق پرستوں کی ایک مٹھی بھر جماعت تیار کر لی، جو صرف عرب کے لئے نہیں بلکہ تمام دنیا کی اصلاح کے لئے سچا عزم رکھتی تھی اور جس میں عرب کے علاوہ دوسری قوموں کے افراد بھی شامل تھے۔

اس جماعت کو منظم کرنے کے بعد آپ نے وسیع پیمانہ پر سماج کی اصلاح کے لئے عملی جدوجہد شروع کی اور صرف آٹھ برس میں بارہ لاکھ مربع میل پر پھیلی ہوئی سرزمین عرب کے اندر مکمل اخلاقی، معاشی، تمدنی اور سیاسی انقلاب برپا کر کے رکھ دیا۔

پھر وہی جماعت جسے آپ نے منظم کیا تھا، عرب سے فارغ ہو کر آگے بڑھی اور اس نے اس زمانہ کی مہذب دنیا کے بیشتر حصے کو اس انقلاب کی برکتوں سے مالا مال کر دیا جو عرب میں رونما ہوا تھا۔

آج ہم نئے نظام (نیو آرڈر) کی آوازیں ہر طرف سے سن رہے ہیں لیکن یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ جن بنیادی خرابیوں نے پرانے نظام کو آخرکار فتنہ بنا کر چھوڑا وہی اگر صورت بدل کر کسی نئے نظام میں بھی موجود ہوں تو وہ نیا نظام ہوا کب، وہ تو وہی پرانا نظام ہوگا جس کے کاٹنے اور ڈسنے سے جاں بلب ہو جانے کے بعد ہم نئے نظام کا تریاق مانگ رہے ہیں، انسانی اقتدار اعلےٰ، خدا سے بے نیازی و بے خوفی، قومی و نسلی امتیازات، ملکوں اور قوموں اور طبقوں کی سیاسی و معاشی خودغرضیاں، اور ناخدا ترس افراد کا دنیا میں برسر اقتدار ہونا، یہ ہیں وہ اصلی خرابیاں جو اس وقت تک نوع انسانی کو تباہ کرتی رہی ہیں اور آئندہ بھی اگر ہماری زندگی کا نظام ان ہی خرابیوں کا شکار رہا تو یہ ہمیں تباہ کرتی رہیں گی، اصلاح اگر ہو سکتی ہے تو ان ہی اصولوں پر ہو سکتی ہے جن کی طرف انسانیت کے ایک سچے بہی خواہ نے اب سے صدیوں پہلے ہماری محض رہنمائی ہی نہ کی تھی بلکہ عملاً اصلاح کر کے دکھا دی تھی۔

(ترجمان القرآن)

(بقیہ مضمون صفحہ (۸) ۹)

اسلام پر قبول کرنے کے لئے تیار رہتے تھے، مدینہ میں جب اسیران بدر کا معاملہ پیش ہوا تو حضرت عمر اپنی اس رائے کو بہت سختی سے پیش کرتے رہے کہ ہر مسلمان اپنے قریبی کافر عزیز کو قتل کرے تاکہ یہ مسلسل مناقشات کا سلسلہ ہی ختم ہو جائے۔

صحابہ کی زندگی میں آنحضرت کے احکام کی پیروی اس طرح رچ بس گئی تھی کہ وہ زندگی کا ایک ایک قدم (باقی صفحہ ۱۴)

★ مشیر الحق مجری آبادی

فلکیات سے دلچسپی رکھنے والے لوگ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ستارے بذات خود روشنی نہیں ہیں بلکہ وہ کوئی اور ہی ہے جس کے پرتو سے وہ چمکتے ہیں، لیکن اس کے باوجود اندھیری رات میں ہر ستارہ بھٹکے ہوئے مسافروں کی رہبری کی صلاحیت رکھتا ہے، اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے تربیت کئے ہوئے صحابہ کرام ہیں آپ نے ان کے متعلق فرمایا ہے کہ میرے صحابی ستاروں کے مانند ہیں ان میں سے جس کی پیروی کروگے سیدھی راہ پاجاؤگے، سرسری نظر سے پڑھ کر گزر جانے والوں کو اس اس حدیث میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئے گی، لیکن اگر کوئی شخص اس پر تھوڑی دیر بھی غور کرے گا تو اُسے محسوس ہوگا کہ صحابہ کی مثال ستاروں سے دے کر ان کا درجہ بہت بلند کردیا گیا ہے، دراصل ستاروں میں بذاتہ روشنی رہنے کی صلاحیت تو نہیں ہوتی لیکن روشنی قبول کرنے کی صلاحیت بہت زیادہ ہوتی ہے عالم کی بہت سی چیزیں ہیں جن پر سورج کی روشنی پڑتی رہتی ہے اور ان میں چمک نہیں پیدا ہوتی۔

یہی حالت صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کی تھی، وہ خود تو روشن نہیں تھے لیکن روشن ہوجانے کی صلاحیت ان میں بدرجہ اتم موجود تھی، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک نظر سے وہ چمک اُٹھے اور ایسے چمکے کہ آج بھولے بھٹکے ان کے سہارے منزل مقصود تک پہونچ جاتے ہیں۔ صحابہ رضہ کے حالات کا مطالعہ کیجئے تو محسوس ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے ان کی شخصیت بالکل دوسری تھی، اسلام لانے سے پہلے تقریباً ہر صحابی کے حالات کم وبیش ملتے جلتے ہیں، ہر ایک کے دل میں اسلام اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف جذبات موجزن رہتے تھے، ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ کسی طور ہمارے ملک سے اس تحریک کا خاتمہ ہوجائے لیکن وہی لوگ جب آپ سے متاثر ہوکر اسلام لاتے تھے تو ان کی زندگی یکسر بدل جاتی تھی، وہ اسلام کے خلاف ایک لفظ سننا پسند نہ کرتے تھے، ابتدائے اسلام میں مسلمان مالی حیثیت سے بہت کمزور تھے، اس پر ہجرت کا سلسلہ جاری تھا، مدینہ میں ہر روز غریب مسلمانوں کی تعداد بڑھ رہی تھی، اس وقت مدینہ کے یہودیوں نے بہتیری کوششیں کیں کہ غریب مسلمانوں کو دولت کے جال میں پھانس کر اسلام سے پھیر دیا جائے لیکن اس میں وہ ناکام رہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ جب غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوسکے اور ان سے مکمل مقاطعہ (بائی کاٹ) کا حکم دیا گیا اس وقت ان کے اپنے عزیز، قریب، دوست احباب، بیوی بچے، لونڈی غلام بات کرنے کے روادار نہ تھے، وہ مدینہ کی بھری پری آبادی میں تنہا تھے، بازار میں نکلتے تھے تو لوگوں کی نگاہوں کی تاب نہ لاسکتے تھے، ایسے نفسیاتی موقع پر شاہ غسان نے انھیں خط لکھا کہ میں نے سنا ہے تمھارے آقا نے تم پر بہت ظلم کیا ہے، آؤ، ہمارے پاس چلے آؤ، اس موقع پر حضرت کعب کی بہت بڑی آزمائش تھی جس سے وہ صاف بچ گئے، آپ نے اس دعوت نامہ کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال کر قاصد سے کہا میرا یہ جواب بتا دینا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تربیت میں رہ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگیوں میں اتنی تبدیلیاں ہوچکی تھیں کہ پہلے کی زندگیوں سے کوئی مناسبت ہی نہ تھی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو حالت کفر میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی جان کے ارادے سے نکلے تھے اور مسلمان ہوگئے، وہ اسلام لانے کے بعد ہر چیز کو

(باقی صفحہ ... پر)

★عبدالغفار ندوی

مُصحفِ عثمانی

•

ناظرین مصحف عثمانی کے نام سے ناآشنا نہیں ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن پاک کے تمام نسخے جمع کرانے کے بعد صرف ایک نسخہ مرتب کرایا تھا اور اسی کی نقل تمام عالم میں شائع ہوئی تھی اس نسخہ کا نام مصحف امام یا مصحف عثمانی ہے یہ نسخہ زوال بغداد تک اسلامی خلفاء کے ہاتھوں منتقل ہوتا چلا آیا اور ۱۹۵۸ء تک موجود رہا ہے، اس نسخہ کے متعلق ربیع الاول ۱۳۶۶ھ میں ایک غلط بیان شائع ہوا تھا۔ استاذ محمد سلطان معصومی مدرس مسجد حرام نے اس کی تردید کرنے کے لئے ایک عربی رسالہ میں اپنا بیان شائع کیا ہے، ناظرین کی معلومات کے لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ بیان پیش کر دیا جائے۔

موصوف فرماتے ہیں کہ میں نے مصحف امام کو قیصر روس کے شاہی کتب خانہ میں کئی بار دیکھا اور پڑھا ہے بہت خوبصورت کوفی خط میں لکھا ہوا تھا، یہ مصحف وہاں اس طرح پہونچا تھا کہ تیمور لنگ نے جب بغداد فتح کیا تو عباسی کتب خانہ سے یہ مصحف وہ اپنے ہمراہ سمرقند لے گیا اس نے وہاں قثم بن عباسؓ کی قبر پر ایک بے نظیر اور بڑی شاندار عمارت بنوائی تھی اس میں ایک کتبخانہ بھی قائم کیا تھا اسی کتب خانہ میں بہت حفاظت کے ساتھ مصحف امام کو رکھا تھا۔

جب ان ممالک پر روسیوں کا قبضہ ہوا تو مزار کے مجاوروں نے روسی سپہ سالار کے ہاتھ یہ مصحف تین ہزار روپیہ میں فروخت کر دیا، سپہ سالار نے اسے لے جا کر روسی شہنشاہ کی خدمت میں پیش کیا، شہنشاہ روس نے اس کی بڑی تعظیم کی، اور ایک نہایت قیمتی مضبوط الماری تیار کرا کے اپنے کتب خانہ میں محفوظ کر دیا — چنانچہ اس وقت تک محفوظ رہا جب تک روس کا منحوس انقلاب نہیں آیا تھا۔

جب روس میں اشتراکی نظام آیا اور ترکستان کے ممالک آزاد ہو گئے تو حکومت نے یہ مصحف ترکستان کے حوالہ کر دیا، اس وقت ترکستان کے حاکم قاضی رضا والدین تھے — مگر ترکستان کا دارالسلطنت سمرقند کے بجائے تاشقند قرار پایا تو حکومت نے اسے تاشقند کے ترکستانی مکتبہ میں داخل کر دیا اور یہاں یہ مصحف ۱۳۴۳ تک محفوظ رہا، میں اس وقت چین میں تھا جب کہ مجھے اطلاع ملی کہ وہ مصحف غائب ہو گیا، واللہ اعلم کیا ہوا کوئی لے گیا یا ضائع ہو گیا۔

الیاس مرزا مشہور فوٹو گرافر نے اس مصحف امام کی تصویریں لے کر نہایت عمدہ کاغذ پر بہت سے نسخے تیار کئے تھے جو حجم وغیرہ میں بالکل اصل کے مطابق تھے یہ شخص مکمل مصحف تین سو روپے میں اور صرف سورہ یٰسین تین روپے میں ہدیہ کیا کرتا تھا — اس مصحف کے بارے میں امیر بخارا کا بیان بالکل غلط ہے وہ تو اس وقت وہاں موجود بھی نہیں تھا بلکہ افغانستان کے حدود میں بھاگا پھرتا تھا۔

اس سلسلہ میں جو کچھ میں نے بیان کیا ہے شاید اس سے بہتر اور کوئی علم رکھنے والا نہیں ملے گا۔

★ علامہ اقبالؒ

نذرِ عقیدت

یہ نہ ہو پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمنِ دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمہ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبضِ ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے

وسعتِ کون و مکاں سازِ پئے مضراب ہے یہ
دہرِ مسجد ہے سراپا خمِ محراب ہے یہ
جامِ گردوں میں عیاں مثلِ مئے ناب ہے یہ
روحِ خورشید ہے خونِ رگِ مہتاب ہے یہ
صوتِ نغمۂ کن میں تو اسی نام سے ہے
زندگی زندہ اسی نور کے اتمام سے ہے

مثلِ بو قید ہے غنچہ میں پریشاں ہو جا
رخت بر دوش ہوائے چمنستاں ہو جا
شوق وسعت ہے تو ذرے سے بیاباں ہو جا
نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا
بول اس نام کا ہر قوم میں بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا کر دے

★ حضرت اکبر

گلہائے عقیدت

جب باغِ جہاں کے مالی نے کی دیکھا بھالی پھولوں کی
اک پھول انہیں میں نے چھانٹ لیا تھیں جتنی ڈالی پھولوں کی
وہ پھول عرب کے گلشن کا سب پھولوں میں تھا خوشبو والا
جس نے کھل کر اس عالم میں اک شان نکالی پھولوں کی
اس گل کا محمدؐ نام ہوا جب تازہ اسلام ہوا
شاخ اس نے کاٹی کانٹوں کی بیل اس نے ڈالی پھولوں کی
اس کی ہی مہک سے مہکی ہے اس کی ہی چمک سے چمکی ہے
ہے جتنی نکہت غنچوں کی ہے جتنی لالی پھولوں کی
طیبہ کا مالی کہلاؤں روضہ پہ چڑھانے کو آؤں
اک ہاتھ میں گجرا کلیوں کا اک ہاتھ میں ڈالی پھولوں کی

★ مہاراجہ کشن پرشاد شاد

زمزمہ

کان عرب سے نکل کر سرتاج بنا سرداروں کا
تیرا چرچا گھر گھر ہے جلوہ دل کے اندر ہے
روپ ہے تیرا رتی رتی نور سے ہے تیرا پتی پتی
تیرے عرق میں گل کی بو قامت تیرا سرو جو
اُمّی گو سب کہتے تھے علم لدنی کا تھا عالم
بوبکر و عمر عثمان و علی تھے چار عناصر ملت کے
کسب تجلی کرتے تھے چاروں مہر نبوت سے
بادۂ عرفاں ملتا ہے ساقی کے مے خانہ سے

نام محمدؐ اپنا رکھا سلطان بنا سرکاروں کا
ذکر ہے تیرا لب پر جاری دلدار بنا دلداروں کا
مہر و مہ کو تجھ سے رونق نور بنا سیاروں کا
بس گئیں کلیاں طیبہ کی بھاگ کھلا گلزاروں کا
راز بھرا تھا سینہ میں قرآن کے تیسوں پاروں کا
کثرت وحدت میں ہے جیسے حال وہ تھا ان چاروں کا
بخت رسا تھا برج شرف میں تیرے چاروں یاروں کا
شاد مقدر فضل خدا سے جاگا اب مے خواروں کا

★ پنڈت ہری چند اختر

سوال

کس نے ذروں کو اُٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
شوکت مغرور کا کس شخص نے توڑا طلسم
منہدم کس نے الٰہی قصر کسریٰ کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا درِ یتیم
اور غلاموں کو زمانہ بھر کا مولیٰ کر دیا
کہہ دیا لَا تَقْنَطُوْا اختر کسی نے کان میں
اور دل کو سربسر محوِ تمنا کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

★ پنڈت برج موہن لال

جواب

سبق وحدت کا دنیا کو دیا حضرت محمد نے
دوئی کو دور ہر دل سے کیا حضرت محمد نے
اٹھا کر پردۂ بیگانگی دنیائے عالم سے
انھیں رنگ آشنائی کا دیا حضرت محمد نے
وہ حسرت اور پریشانی وہ وحشت اور پشیمانی
گریباں چاک تھا آکر سیا حضرت محمد نے
سبق پاکیزگی کا اور نیکی کا دیا سب کو
بڑا احسان دنیا پر کیا حضرت محمد نے
شریک درد مظلوماں انیس حال محروماں
دل اک عالم کا ہاتھوں میں لیا حضرت محمد نے

مولانا اسلم جیراجپوری

سعی نادر

(۲)

اب ہم ملا باشی کے خیمے کے قریب پہونچ گئے، وہ منتظر تھا، استقبال کے لئے نکلا، گندم گوں اور پستہ قد آدمی تھے، مجھ کو لے جاکر صدر پر بٹھایا اور خود سامنے شاگردوں کی طرح ادب کے ساتھ بیٹھ گیا، مجمع کثیر تھا ہر ملک کے علما جمع تھے پہلے اس نے مجھ سے رسمی باتیں کیں، اس کے بعد افغانی مفتی کو مخاطب کرکے کہا کہ تم نے بادی خواجہ (قاضی بخارا) کو دیکھا؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں، ملا باشی نے کہا کہ مجھے تعجب ہے کہ اس نے اپنا لقب بحرالعلوم کیوں رکھا ہے اس کو تو علم سے ذرا بھی مس نہیں ہے، بخدا اگر میں حضرت علی کی خلافت کے متعلق دو دلیلیں بھی بیان کروں تو وہ ان کا جواب نہیں دے سکتے اور وہ کیا اہل سنت کے علما ر سے بھی ان کا جواب بن نہ پڑے گا، اس آخری جملہ کو اس نے تین بار دہرایا اس لئے لازم آگیا کہ میں ان دو دلیلوں کو پوچھوں اور ان کے جو جواب ہو سکتے ہوں پیش کر دوں۔

میں:- جناب ذرا میں بھی سنوں کہ حضرت علی کی خلافت کے ثبوت میں آپ کی وہ کونسی دلیلیں ہیں جن کا جواب آپ کے خیال میں کسی بڑے سے بڑے سنی عالم سے بھی نہیں ہو سکتا۔

ملا باشی:- میں پہلے آپ سے یہ پوچھ لینا چاہتا ہوں کہ آنحضرت کا یہ قول حضرت علی کے متعلق آپ کے یہاں مسلم ہے یا نہیں کہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسیٰ الا انہ لا نبی بعدی (تم میرے ساتھ وہ نسبت رکھتے ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا)

میں:- ہاں یہ حدیث مشہور ہے۔

ملا باشی:- تو کیا اس حدیث کا منطوق و مفہوم صریحاً اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ خلیفہ برحق علی ابن ابی طالب ہیں۔

میں:- دلیل کی صورت معرض بیان میں لائیے۔

ملا باشی:- جب آنحضرت نے ہارون کے تمام منازل و مراتب حضرت علی کے لئے فرما دیے اور ان میں سے کوئی بجز نبوت کے مستثنیٰ نہ کی تو ثابت ہو گیا کہ خلیفہ برحق حضرت علی ہیں کیونکہ ہارون کا اولین مرتبہ تو خلافت ہی تھا اگر وہ زندہ رہتے تو ضرور حضرت موسیٰ کے بعد ان کے خلیفہ ہوتے۔

میں:- آپ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس کو قضیہ موجبہ کلیہ سمجھتے ہیں، لہذا یہ بتلائیے کہ اس ایجاب کلی پر کونسا لفظ دلالت کرتا ہے کہ ہارون کے تمام منازل حضرت علی کو حاصل ہیں۔

ملا باشی:- اس لئے کہ منزلۃ ہارون میں جو اضافت ہے وہ بقرینہ استثنا استغراقی ہے۔

میں:- سنئے یہ حدیث اولاً تو نص جلی نہیں ہے اور آپ کے یہاں امامت یا خلافت کے لئے نص جلی درکار ہے، ثانیاً محدثین نے اس کے متعلق اختلافات کئے ہیں کسی نے اس کو صحیح کہا ہے کسی نے حسن اور کسی نے ضعیف یہاں تک کہ ابن جوزی نے جو نقد حدیث کا بہت بڑا امام ہے اس کو قطعاً موضوع قرار دیا ہے۔

ملا باشی:- نص جلی ہمارے یہاں شرط ہے نہ کہ آپ کے یہاں سو ہم حضرت علی کی خلافت کے لئے دوسری حدیثیں پیش کرتے ہیں جو نص جلی ہیں لیکن چونکہ اہل سنت کے نزدیک وہ نامقبول ہیں اس لئے ان کے واسطے اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔

میں:- یہ حدیث مختلف وجوہ سے دلیل نہیں بن سکتی اولاً یہ کہ استغراق کا دعوے جو آپ کیا وہ ممنوع ہے

کیونکہ ہارون حضرت موسےٰ کے ساتھ نبی تھے، اور حضرت علی میں یہ بات نہ تھی حالانکہ استثناء تو نبوت بعد از وفات کا ہے، ثانیاً ہارون حضرت موسےٰ کے ماں جائے بھائی تھے اور حضرت علی نبی کے ساتھ یہ رشتہ نہیں رکھتے تھے لہذا استغراق کا دعوے تو قطعاً باطل ہوا، اب اس کی دلالت ظنی رہ گئی جو اصولاً صرف ایک منزلت پر ہوگی، جیساکہ منزلۃ کی تاء وحدت سے خود ظاہر ہے اس لئے یہ اضافت عہد ہے نہ کہ استغراق اور مقصود یہ ہے کہ علی خلافت جنگ تبوک میں میرے ساتھ وہی نسبت رکھتے ہیں جو حضرت ہارون کو حضرت موسےٰ کے ساتھ اس وقت تھی جب انھوں نے حکم دیا تھا اخلفنی فی قومی (میری قوم میں میری جانشینی کر)۔

ملا باشی:۔ تو پھر کیا اس استخلاف سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ صحابہ میں افضل تھے اور نبی کے بعد ان کی جانشینی کے سب سے زیادہ مستحق تھے۔

میں:۔ نہیں، کیونکہ حضرت علی کے علاوہ اور صحابہ کو بھی آپ نے اپنی جانشینی کا زندگی میں شرف بخشا ہے مثلاً ابن ام مکتوم وغیرہ کو پھر وہ بھی وفات کے بعد اسی دلیل سے خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہوں گے، علاوہ بریں اگر یہ استخلاف کوئی فضیلت ہوتی تو حضرت علی اس پر ناراضی کا اظہار نہ کرتے جیساکہ انھوں نے کہا کہ آپ مجھ کو کمزوروں، بچوں اور بوڑھی عورتوں کے ساتھ چھوڑتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی اس کبیدگی کو دفع کرنے کے لئے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فقرہ انت منی بمنزلۃ ھارون من موسےٰ فرمایا تھا۔

ملا باشی:۔ لیکن لحاظ عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصی سبب کا۔

میں:۔ خصوصی سبب کو میں نے دلیل نہیں گردانا ہے بلکہ اس کو قرینہ بنایا ہے کہ یہاں ایک منزلت جو مراد ہے اس سے صرف وہی خلافت مخصوصہ جنگ تبوک ہے نہ کہ اور کوئی خلافت۔

اس کے بعد ملا باشی خاموش رہ گیا اور اس کے کثیر طرف دار علماء میں سے بھی جو اس کی حمایت کے لئے پس پشت بیٹھے ہوئے تھے کوئی آواز بلند نہ ہوئی، اب اس نے اپنی دوسری دلیل شروع کی اور کہنے لگا کہ میری دوسری دلیل تو ایسی ہے کہ اس میں قطعاً کسی تاویل کی گنجائش نہیں۔

میں:۔ اس کو بھی بیان فرمائیے۔

ملا باشی:۔ وہ آیت مباہلہ ہے:۔ قل تعالوا ندع ابناءنا وابناءکم ونساءنا ونساءکم وانفسنا وانفسکم ثم نبتہل (کہہ دے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تمھارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمھاری عورتوں کو اور اپنے آپ کو اور تم کو پھر مباہلہ کریں)۔

میں:۔ استدلال کی شکل بیان کیجئے:۔

ملا باشی:۔ جب نجران کے نصاریٰ مباہلہ کے لئے آئے تو نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے گود میں حسینؓ کو اٹھایا، حسن کا ہاتھ پکڑا، پیچھے فاطمہ تھیں اور ان کے پیچھے علی رضی اللہ عنہم، ظاہر ہے کہ دعا کے لئے وہی لوگ منتخب ہو سکتے ہیں جو سب سے افضل ہوں۔

میں:۔ یہ منقبت ہوئی نہ کہ فضیلت اکثر صحابہ بعض خصوصیات سے مختص ہیں جو دوسروں میں نہیں ہیں اور یہ باتیں ان لوگوں سے مخفی نہیں ہیں جو تاریخ وسیر کا مطالعہ کرتے ہیں مگر یہ خصوصیات فضیلت کی دلیل ہرگز نہیں ہو سکتیں، فرض کرو کہ دو قبیلوں میں جنگ ہو ان دونوں کے رؤسا کے صرف اپنے اپنے خاص خاص متعلقین کو ساتھ لے کر مبارزہ کریں تو یہ دلیل اس امر کی نہیں ہو سکتی کہ ان قبیلوں میں ان رؤسا کے خاص عزیزوں سے بڑھ کر کوئی بہادر نہ تھا اور یہ چونکہ دعا کا موقع تھا جس میں خاص متعلقین کی موجودگی سے خشوع

زیادہ بڑھتا ہے اس لئے مقتضائے مقام تھا کہ آنحضرت انھیں حضرات کو اپنے ساتھ لے جاتے۔

ملا باشی:۔ ہاں تو خشوع نتیجہ ہے فرط محبت کا اور ہم بھی تو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ آنحضرتؐ کو یہی حضرات سب سے زیادہ محبوب تھے۔

میں:۔ یہ طبعی اور جبلی محبت ہے نہ کہ اختیاری جس سے کوئی فضیلت ثابت ہوسکے، انسان کے اندر طبعاً عزیزوں کی محبت ہوتی ہے۔

ملا باشی:۔ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت میں ایک خاص نکتہ ہے جس کی وجہ سے ہم حضرت علی کی افضلیت کی دلیل اس کو سمجھتے ہیں وہ یہ کہ ابنائنا سے مراد حسنؓ وحسینؓ، نسائنا سے فاطمہؓ اور انفسنا سے آنحضرتؐ اور علیؓ، اس لئے حضرت علی نفس نبی ہوئے اور یہ انتہائی فضیلت ہے۔

میں:۔ یہ تو میں پہلے سمجھ گیا تھا کہ تم اصول سے ناواقف ہو لیکن اب معلوم ہوا کہ عربیت سے بھی ناآشنا ہو، سنو انفس جمع علت ہے جو جمع متکلم کی طرف مضاف ہے اور جمع جب جمع کی طرف مضاف ہوتی ہے تو تقسیم احاد کی مقتضی ہوتی ہے مثلاً رکبوا بقوم دوابهم (لوگ اپنی سواریوں پر سوار ہوئے) اس کا یہ مطلب نہیں کہ جملہ اشخاص سب گھوڑوں پر چڑھ گئے بلکہ یہ مراد ہے کہ ہر ہر شخص اپنے اپنے گھوڑے پر سوار ہوا یہ قاعدہ متعارف و متداول ہے اور کتب نحو میں یہ تصریح مذکور ہے۔

یہ سن کر وہ خاموش ہوگیا اور کوئی جواب اس سے بن نہ پڑا کہنے لگا میرے پاس ایک دلیل اور بھی ہے میں نے کہا اسے بھی پیش کیجئے۔

ملا باشی:۔ آیت انما ولیکم اللہ ورسولہ کی تفسیر میں جملہ اہل تفسیر کا اتفاق ہے کہ حضرت علی کے متعلق نازل ہوئی ہے اور آیت میں إنما (صرف) کلمہ حصر ہے جس سے ان کا افضل امت ہونا ثابت ہوتا ہے۔

میں:۔ اس دلیل کے متعدد جوابات ہیں۔

میں اسی قدر کہنے پایا تھا کہ اس کے ساتھیوں میں سے ایک نے فارسی زبان میں کہا کہ یہ بحث چھوڑ دو کیونکہ یہ شخص تمہاری ہر دلیل کو توڑتا چلا جائے گا اور لوگوں کی نگاہوں میں تم اسی قدر گرتے جاؤ گے، یہ سن کر اس نے میری طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا کہ آپ فاضل شخص ہیں میری ہر دلیل کا جواب دے لیتے ہیں لیکن میرا روئے سخن تو دراصل بحر العلم (تاتاری عالم) کی طرف تھا، میں نے کہا کہ آغاز سخن میں آپ نے فرمایا تھا کہ اکابر علماء اہل سنت بھی میری دلیلوں کا جواب نہیں دے سکتے اس بنا پر میں نے گفتگو کی ورنہ مجھے کوئی بحث نہ تھی۔

ملا باشی:۔ میں عجمی شخص ہوں، عربی بولنے میں کبھی کبھی مقصود کے خلاف جملے میری زبان سے نکل جاتے ہیں۔

میں:۔ اچھا اب میں دو سوال کرتا ہوں جس کی بابت مجھ کو یقین ہے کہ علماء شیعہ میں سے کوئی بھی ان کے جواب نہ دے سکے گا۔

ملا باشی:۔ وہ کیا ہیں؟

میں:۔ کیا تمہارے یہاں یہ روایت مسلم نہیں ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد تمام صحابہ بوجہ حضرت علی کی خلافت پر بیعت نہ کرنے کے مرتد ہوگئے بجز پانچ کے حضرت علی، مقداد، ابوذر، سلمان اور عمار رضی اللہ عنہم۔

ملا باشی:۔ ہاں مسلم ہے۔

میں:۔ اگر معاملہ یہ تھا تو کیوں حضرت علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر کے ساتھ کیا۔

ملا باشی:۔ مجبوراً دباؤ سے۔

میں:۔ بخدا تم نے حضرت علی کی ایسی توہین پر عقیدہ رکھا ہے جس کو ادنیٰ عرب بلکہ کم حیثیت بازاری لوگ بھی اپنے لئے جائز نہ رکھیں گے، اگر جبراً کسی کی بیٹی کو کوئی بیاہ لے تو کیا اس کی زندگی بے غیرتی کی زندگی نہیں ہے پھر اس کے بعد تم کیسے یہ دعوے کرسکتے ہو کہ حضرت علی شیر خدا، اسد اللہ، شاہ مرداں اور شجاع دوراں تھے۔

ملا باشی :- یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر کے یہاں بجائے ام کلثوم کے کوئی چڑیل یا جتنی رخصت کی گئی ہو۔

میں :- یہ جواب اس سے بھی عجیب تر ہے اگر اس احتمال کا دروازہ کھولا جائے تو شریعت کا کوئی نقطہ اپنی جگہ باقی نہیں رہ سکتا، مثلاً ایک شخص اپنی منکوحہ کے پاس جاتا ہے وہ کہتی ہے کہ ممکن ہے کہ تم میرے شوہر نہ ہو بلکہ جن یا بھوت ہو اگر وہ دو گواہ پیش کرے تو وہ کہہ سکتی ہے کہ ممکن ہے کہ یہ بھی انسان نہ ہوں بلکہ غول بیابانی ہوں، علیٰ ہذا ایک قاتل عدالت میں پیش کیا جائے وہ بیان کرے کہ میں نے قتل نہیں کیا ممکن ہے کوئی جن میرا ہم شکل بن گیا ہو، یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ مذہب جعفری جس کو تم حق سمجھتے ہو ممکن ہے کہ امام جعفر سے نہ مروی ہو بلکہ کسی جن سے ہو جس نے حضرت جعفر صادق کی شکل اختیار کر لی ہو۔

یہ سن کر وہ اس مرتبہ بھی خاموش ہو گیا، اب میں نے دوسرا سوال پیش کیا کہ ظالم خلیفہ کے افعال کی بابت تمہارا کیا عقیدہ ہے۔

ملا باشی :- غیر نافذ ہیں شرعاً بھی اور دیانۃً بھی وہ ناقابل نفاذ ہیں۔

میں :- یہ بتائیے کہ حضرت علی کے بیٹے محمد بن الحنفیہ کی والدہ کس قبیلہ کی تھیں اور کس نے ان کو مال غنیمت میں حاصل کیا تھا۔

ملا باشی :- میں یہ نہیں جانتا لیکن علمار شیعہ میں سے ایک نے کہا کہ بنی حنیفہ میں سے تھیں اور حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں ان کے حکم سے بنی حنیفہ کے ساتھ جو لڑائی ہوئی تھی اس میں گرفتار ہو کر قیدیوں کے ساتھ آئی تھیں۔

میں :- پھر حضرت علی نے یہ کیسے جائز سمجھا کہ خلیفۂ ظالم کے مال غنیمت میں سے کنیز (لونڈی) لے کر اس سے اولاد پیدا کریں، اس معاملہ میں تو بڑی احتیاط کی ضرورت تھی۔

ملا باشی :- ہو سکتا ہے کہ حضرت علی نے اس کو خود بنی حنیفہ سے بطور ہبہ کے مانگ لیا ہو۔

میں :- اس کی کوئی دلیل۔

اس پر ہر طرف خاموشی تھی۔

میں :- میں نے قصداً احتیاط رکھی کہ کوئی حدیث یا آیت آپ کے سامنے پیش نہ کروں اس لئے کہ ممکن ہے کہ ہم دونوں اس کی صحت یا تاویل میں متفق نہ ہوں اور استدلال صرف انھیں باتوں سے ہو سکتا ہے جو فریقین کے نزدیک مسلم ہو، میرے یہ دونوں سوالات عقل اور عرف کی بنا پر تھے۔

اس مناظرہ کی اطلاع نادر شاہ کو لفظ بہ لفظ پہونچائی گئی اس نے حکم دیا کہ جملہ علمار اکٹھا ہو کر طے کر لیں کہ ایک دوسرے کی تکفیر سے دست بردار ہو جائیں، اختلافات کی صورت میں مجھے حکم مان لیں۔

اس کے بعد ایران، افغانستان، اور ترکستان کے شیعہ اور سنی علمار نے مل کر تبادلہ خیالات کیا اور آپس میں اتفاق کر لیا، ملا باشی اور تمام علمار شیعہ نے اقرار کیا کہ صحابہ کو عادل مانتے ہیں، کسی صحابہ کے لئے بُرے الفاظ استعمال نہیں کریں گے، متعہ کو حرام سمجھتے ہیں، خلفار راشدین کا ادب کریں گے اور ان کے درمیان فضیلت خلافت کی ترتیب سے ہو اس مجلس صلح میں ملا باشی نے یہاں تک تسلیم کر لیا کہ حضرت ابوبکرؓ اس امت میں نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں، اس کے بعد افغانی اور تاتاری علمار نے باہم دگر مصافحہ معانقہ کیا اور بھائیوں کی طرح بغلگیر ہوئے، دوسرے دن ۲۵ر شوال ۱۱۵۶ھ میں ایک مسجد عظیم کے سامنے شاہ کی طرف سے یہ اعلان کیا گیا جس پر تمام علمار کے دستخط بھی تھے۔ اس محضر کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

ہو اللہ جل شانہ اس دنیا میں سلسلہ وار رسول بھیجا اور سب کے آخر میں محمد مصطفٰے صلے اللہ علیہ وسلم کو اس نے اپنا

رسول بنا کر بھیجا جن پر رسالت ختم کر دی، ان کی وفات کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بالاتفاق ابو بکر صدیق ابن ابی قحافہ کو آپ کا جانشین بنایا اور ان کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی، حضرت علی نے بھی بطیب خاطر بلا جبر واکراہ بیعت فرمائی اور باجماع صحابہ حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے، پھر انھوں نے بذریعہ عہد عمر ابن خطاب کو اپنا جانشین کیا، ان کے ہاتھ پر جملہ اصحاب نے مع حضرت علی کے خوشی کے ساتھ بیعت کی، حضرت عمر نے خلافت کو اپنے بعد چھ امیدواروں میں بطور شوریٰ کے چھوڑ دیا، جن میں سے ایک علی ابن ابی طالب بھی تھے کثرت رائے سے حضرت عثمان خلیفہ ہو گئے، جب وہ اپنے گھر میں باغیوں کے ہاتھ سے شہید ہو گئے اور امت بلا خلیفہ کے رہ گئی تو اس وقت صحابہ نے حضرت علی کو خلیفہ بنایا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی، ان چاروں کے درمیان کبھی کوئی جھگڑا نہیں ہوا بلکہ ایک دوسرے کی تعریف کرتے تھے اور باہم محبت رکھتے تھے، یہاں تک کہ جب حضرت علی سے شیخین کی بابت سوال کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ وہ دونوں امام عادل اور برحق تھے اور اسی پر مرے، اسی طرح جب حضرت ابو بکر کے ہاتھ پر لوگ بیعت کرنے لگے تو انھوں نے فرمایا کہ تم میں علی موجود ہیں اور تم پھر بھی میرے ہاتھ پر بیعت کرتے ہو۔

اہل ایران تم کو یقین رکھنا چاہیئے کہ ان کی افضلیت اسی ترتیب سے ہے جس طرح بیان کی گئی ہے سو جو شخص ان کی تحقیر کرے گا یا ان کی بابتہ کوئی ناشائستہ کلمہ زبان پہ لائے گا اس کا مال، اولاد اور خون سب شہنشاہ کے لئے حلال ہوگا اور اس کے اوپر اللہ، ملائکہ اور تمام بنی نوع انسان کی لعنت ہوگی، میں نے پہلے سال میں تخت نشینی کے وقت ہی عہد لیا تھا کہ جو کوئی صحابہ کو برا یا شیخین پر تبرا کہے گا اس کو اس کے اہل و عیال سمیت قید کر دوں گا اور مال و جائداد ضبط کر لوں گا، یہ بدعت ایران میں کبھی نہ تھی اس کا ظہور اسمٰعیل شاہ صفوی کے عہد میں ۹۰۶ھ میں ہوا جو بعد کو تمام ملک میں پھیل گئی"۔

اس محضر کے نیچے باشندگان سلطنت کی طرف سے اقرار نامہ تھا اور علماء کے دستخط تھے۔

دوسرے دن جمعہ کے خطبہ میں شاہی امام نے خلفاء اربعہ کا نام حسب ترتیب لیا اور ان کی تعریف کی پھر خلیفہ عثمانی اور اس کے بعد نادر شاہ کے لئے دعا مانگی، نماز امامیہ کے قاعدہ کے مطابق پڑھائی۔

اس کے بعد شاہ نے مجھے بلا کر رخصت کیا، شاہ نے مرزا محمد علی نائب وزیر کو حکم دیا کہ تمام ایران کا دورہ کر کے خطبوں میں خلفائے اربعہ کا نام داخل کریں اور اس محضر کو سارے ملک میں نافذ کریں، بعد کو باب عالی میں ساری کیفیت لکھ کر اپنے پانچوں مطالبات کی منظوری کی درخواست کی، عرصہ تک سفیروں کی آمد و رفت رہی بالآخر تین مطالبات شیخ الاسلام اور سلطان محمود نے منظور کر لئے، البتہ مذہب شیعہ کی صحت اور کعبہ میں ان کے لئے پانچویں مصلے کی تعمیر منظور نہ کی، بالآخر نادر شاہ نے بھی مصلحت وقت دیکھ کر تین باتوں ہی پر قناعت کی اور محرم سنہ ۱۱۵۷ھ میں فریقین کے درمیان عہد مصالحت لکھا گیا۔ (جامعہ)

(بقیہ مضمون صفحہ ۷)

فرمان نبوی کی روشنی میں اٹھاتے تھے، اسلام نے راگ باجہ مسلمانوں کے لئے ممنوع کر دیا تھا، اس پر صحابہ بہت سختی سے پابندی کرتے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ حال تھا کہ گھنٹی کی آواز سننا بھی پسند نہ کرتی تھیں۔

انھیں حالات اور پابندیوں کا نتیجہ ہے کہ صحابہ خواہ چھوٹے درجہ کے ہوں خواہ بڑے ہمارے لئے رہبر کا کام دیتے ہیں، اور اس اندھیرے زمانہ میں ہم ان روشن ستاروں سے اپنی منزل کا رخ بھی متعین کر سکتے ہیں اور ان کی سیدھ میں چل کر

خشت اوّل

اس عنوان کے ماتحت ہر ماہ آپ کے ان دو مختصر سوالات کے جواب دیئے جائیں گے جو روز مرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں اور عام پڑھنے والوں کے لئے مفید ہوں گے۔ ہر سوال کے بعد جواب کے لئے جگہ چھوڑئیے اور خریداری نمبر کا حوالہ دیجئے۔ (ادارہ)

فرحت ــــــــــ جیتور

س (۱) جمعہ کے روز خطبہ کے قبل چار سنت کوئی ادا نہ کر سکا ہو تو پھر اُسے خطبہ کے درمیان (اول و دوئم خطبات کے وقفہ کے وقت) سنت پڑھ لینا چاہیئے یا نماز فرض کے بعد؟

عربی سے ناواقفیت کے باوجود، خطبہ کو مؤدبانہ سُن لینے کے احکام ہیں، دونوں خطبوں کے درمیان میں اتنا وقفہ نہیں ہوتا کہ چار سنتیں بہ اطمینان ادا کی جا سکیں، لیکن اکثر لوگ خطبہ کے درمیان ہی میں سنت ادا کرنے لگ جاتے ہیں۔

ج۔ اگر کوئی شخص جمعہ کے فرض سے قبل چار سنتیں نہیں پڑھ سکا ہے تو بعد نماز وہ سنتیں پڑھ لے اور جمعہ کے خطبہ کے دوران میں پڑھنا منع ہے ایسا ہرگز نہ کرنا چاہیئے۔

س۔ (۲) ایک تہجد گزار ہے اور بے علم، ایک صرف اردو داں، وہ بھی اتنا کہ قبر کو قبرا اور حشر کو حشر کہتا ہے مگر خوش الحان، داڑھی رکھتا ہے اور نماز کا پابند ہے۔ ایک عالم اور نمازی مگر داڑھی نہیں رکھتا، مونچھیں رکھتا ہے اور آواز کا بھی اچھا نہیں۔ ایک معمولی تعلیم یافتہ دنیادار لیکن مقرر اور قاری خوش الحان ہے، فرمائیے امامت کون کرے؟ نمبر دیجئے تاکہ آئندہ وہ نہ ہوں تو وہ اور وہ نہیں تو وہ سے کام لیا جاتا ہے۔

ج۔ کیا آپ کے یہاں کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو صوم و صلوٰۃ کا پابند ہو اور نماز کے مقررہ اوراد اور اتنا قرآن مجید صحیح پڑھ سکتا ہو جتنا نماز میں پڑھنا ضروری ہے، اگر ایسا شخص کوئی نہیں ہے تو پھر مجبوری ہے انھیں میں سے کسی کو امام بنائیے، نماز کے ضروری اوراد اور بقدر ضرورت قرآن مجید صحیح پڑھنا ہر حال ضروری ہے، اس لئے مذکورہ بالا اشخاص میں ترتیب حسب ذیل ہے: اول (۳)، دوم (۴)، سوم (۲)، چہارم (۱)۔ (بشرطیکہ یہ تہجد گزار نماز کے ضروری اوراد اور بقدر سورۂ اخلاص بھی صحیح نہ پڑھ سکتا ہو اور نماز اور طہارت کے موٹے موٹے مسئلے بھی نہ جانتا ہو لیکن ایسا پابند تہجد گزار سمجھ میں نہیں آتا، نہ کوئی مسلمانوں کی بستی ایسی سمجھ میں آتی ہے جہاں ایک شخص بھی ایسا نہ ہو جو نماز و طہارت کے موٹے موٹے مسئلے جانتا ہو اور قرآن مجید کی چھوٹی چھوٹی تین آیتیں صحیح پڑھ سکتا ہو، اگر واقعی ایسی صورت حال ہے تو ساری بستی کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اس کی جانب توجہ کریں، ورنہ سب گنہگار ہوں گے۔

منیجر ادبستان ــــــــــ رامپور

س۔ کیا چنگی کی چوری جائز ہے؟ اگر ہے تو اس کی ترکیب کیا ہے؟

ج۔ نہ جائز ہے اور نہ شریعت میں اس کے جائز بنانے کی کوئی ترکیب ہے۔ جو لوگ ایسے ناجائز کاموں کے لئے شریعت کے حیلے نکالتے ہیں وہ دین کے ساتھ مذاق کرتے ہیں، انسانی معاملات اور کاموں میں حیلے حوالے چل سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے

معاملہ میں جو لامحدود علم وخبر رکھنے والا ہے کوئی حیلہ حوالہ نہیں چل سکتا، کسی گناہ اور ناجائز کام کو تاویلات کے ذریعہ صحیح سمجھ کر اطمینان کے ساتھ کرتے رہنا، شریعت کی نگاہ میں اور خدا تعالیٰ کے نزدیک اس سے زیادہ ناپسند اور معیوب ہے کہ مسلمان کوئی غلطی کرے اور اسے گناہ سمجھے بھی اس کے دل میں بے اطمینانی اور بے چینی پائی جائے حتی الامکان اس سے نکلنے اور بچنے کی سعی کرے اور مجبورانہ حالتوں میں جس قدر ملوث ہو اس کے لئے خدا کے حضور توبہ و ندامت کا اظہار کرے۔

ولی رامپوری ——— رامپور

س۔ کیا جماعت کی نماز کے لئے اقامت ہوتے وقت امام اور مقتدیوں کو بیٹھا رہنا چاہیئے اور حی علی الصلوٰۃ کی آواز سن کر کھڑا ہونا مسنون ہے، اس بیٹھے رہنے میں امام کا رخ شمال کی جانب ہونا چاہیئے یا مقتدیوں کی طرف؟

ج۔ امام یا مقتدی کو اپنے کھڑے ہونے میں حی علی الصلوٰۃ کی آواز کا انتظار نہیں کرنا چاہیے بلکہ بہتر یہی ہے کہ پہلے سے کھڑے ہوں تاکہ صفیں درست ہو جائیں اور اقامت کے بعد فوراً نماز شروع ہو سکے اور صفوں کی درستی میں لگے رہنے کی وجہ سے امام کو تکبیر تحریمہ کہنے میں تاخیر نہ ہو ——— نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عمل یہی تھا اگر کبھی اس کے خلاف ہوا ہے کسی خاص مصلحت و ضرورت کی وجہ سے ہوا ہے ——— ابوداؤد شریف میں ایک حدیث ہے جس میں نعمان بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہماری صفیں سیدھی کراتے تھے جب ہم صفیں سیدھی کر لیتے تھے تب آپ تکبیر کہتے تھے، بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ صفوں کا درست کرنا بھی اقامت صلوٰۃ کا ایک جزو ہے یعنی اقامت سے پیشتر یا اقامت کے وقت صفیں درست کرنی چاہیئے اور ظاہر ہے کہ صفوں کی درستی کھڑے ہونے کے بعد ہی ہوگی اسی سے یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے امام کو مقتدیوں کی جانب متوجہ رہنا اور صفوں کی درستی کا خیال کرنا چاہیئے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۲)

اور پھر ہم بھی اکڑ اکڑ کر کہتے رہیں کہ لوگو ہم مسلمان ہیں، قرآن ہمارا اصول ہے، محمد صلے اللہ علیہ وسلم ہمارے رہبر ہیں، اسلام ہمارا نظام ہے جو جہانبانی کی طاقت رکھتا ہے ——— کون اس پر یقین کر سکتا ہے۔

اگر دلوں کی بات جاننے کے لئے کوئی آلہ ہوا اور تمام مسلمانوں کے دل پڑھے جائیں تو ان مواقع پر اکثر دھواں دھار تقریریں کرنے والوں اور آنسو فشاں و خونچکاں عبارتیں لکھنے والوں کے دل کہہ دیں گے کہ ہم جو کہہ رہے ہیں اور جو لکھ رہے ہیں ہمیں اس پر قطعاً یقین نہیں ہے، لیکن دوسری قوموں سے پیچھے بن کر بھی نہیں رہ سکتے اس لئے ان کے مقابلے میں یوم پیدائش اور یوم وفات منا رہے ہیں ———

سوچیئے اور خود فیصلہ کیجئے کہ جب ہماری زندگی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقوں سے بالکل مختلف ہو تو پھر ہمیں یہ حق کہاں رہتا ہے کہ ہم اپنے کو آپ کا پیرو کہیں اور جب ہم آپ کے لئے غیر ٹھہرے تو پھر ان محفلوں اور مجلسوں کا مطلب؟

(م۔ح۔ب)

★ عبدالغفار ندوی

انمول موتی

رحمۃ للعالمین:

عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا أَنَّهَا قَالَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ أَتَى عَلَيْكَ يَوْمٌ كَانَ أَشَدَّ مِنْ يَوْمِ أُحُدٍ؟ قَالَ لَقَدْ لَقِيتُ مِنْ قَوْمِكِ مَا لَقِيتُ، وَكَانَ أَشَدَّ مَا لَقِيتُ مِنْهُمْ يَوْمَ الْعَقَبَةِ إِذْ عَرَضْتُ نَفْسِي عَلَى ابْنِ عَبْدِ يَالِيلَ بْنِ عَبْدِ كُلَالٍ فَلَمْ يُجِبْنِي إِلَى مَا أَرَدْتُ فَانْطَلَقْتُ وَأَنَا مَهْمُومٌ عَلَى وَجْهِي فَلَمْ أَسْتَفِقْ إِلَّا وَأَنَا بِقَرْنِ الثَّعَالِبِ فَرَفَعْتُ رَأْسِي فَإِذَا أَنَا بِسَحَابَةٍ قَدْ أَظَلَّتْنِي فَنَظَرْتُ فَإِذَا فِيهَا جِبْرِيلُ فَنَادَانِي فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ سَمِعَ قَوْلَ قَوْمِكَ لَكَ وَمَا رَدُّوا بِهِ عَلَيْكَ وَقَدْ بَعَثَ إِلَيْكَ مَلَكَ الْجِبَالِ لِتَأْمُرَهُ بِمَا شِئْتَ فِيهِمْ، فَنَادَانِي مَلَكُ الْجِبَالِ فَسَلَّمَ عَلَيَّ ثُمَّ قَالَ يَا مُحَمَّدُ فَقَالَ ذٰلِكَ فَمَا شِئْتَ إِنْ شِئْتَ أَنْ أُطْبِقَ عَلَيْهِمُ الْأَخْشَبَيْنِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرْجُو أَنْ يُخْرِجَ اللّٰهُ مِنْ أَصْلَابِهِمْ مَنْ يَعْبُدُ اللّٰهَ وَحْدَهُ وَلَا يُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا۔

(بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ آپ کے اوپر کوئی دن اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت گزرا ہے — آپ نے فرمایا کہ ہاں جو مصائب و شدائد تمہاری قوم سے پہونچے وہ تو پہونچے ہی تھے — مگر ان میں سب سے زیادہ تکلیف مجھے عقبہ کے دن پہونچی تھی جب میں طائف کے (رئیس القبائل) ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے پاس آیا تھا (کہ ممکن ہے اس کے یہاں مکہ کے مظالم سے بچنے کی جگہ مل جائے) مگر جو کچھ میں چاہتا تھا اس نے اسے منظور نہیں کیا (بلکہ اسکے برعکس اہل طائف نے اینٹ پتھر سے جواب دیا، اور لہولہان کر دیا) وہاں سے میں ایسا رنج و افسوس اور درد و غم لے کر واپس ہوا جس میں میری عقل کام نہیں کرتی تھی کہ کدھر جاؤں؟ میں اس ہوشربا غم سے نہیں نکلا تھا کہ مقام قرن ثعالب میں (جو مکہ سے ایک دن رات کی مسافت پر واقع ہے) میں نے اپنا سر اوپر اٹھایا تو ایک بادل میرے اوپر سایہ کئے ہوئے تھا اور میں نے دیکھا کہ اس میں جبریل ہیں انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اللہ نے آپ کی قوم کی باتیں سُن لی ہیں، اور اس قوم نے آپ کی ہدایت و اصلاح کا جو کچھ جواب دیا ہے اور آپ کے ساتھ جو سلوک کیا ہے اللہ تعالےٰ اسے بھی دیکھ اور سُن رہا ہے اس نے آپ کے حضور میں اپنا وہ فرشتہ بھیجا ہے جو پہاڑوں پر اختیار رکھتا ہے آپ اپنی قوم کے بارے میں جو کچھ چاہتے ہیں وہ حکم دیجئے، پھر پہاڑوں کے

فرشتہ نے مجھے آواز دی، سلام کیا اور کہا کہ اے محمدؐ اگر آپ چاہیں تو میں مکہ کے دونوں پہاڑوں کو کہ دائیں بائیں ہیں ملا دوں اور اہل مکہ اس کے درمیان پس جائیں ـــ سراپائے رحمت نے فرمایا کہ نہیں بلکہ مجھے امید ہے کہ اسی قوم کی نسل سے ایسے لوگ بھی وجود میں آئیں گے جو صرف ایک اللہ کی بندگی کریں گے اور اس کے ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے۔

عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی وَجْہِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَحْکِیْ نَبِیًّا مِّنَ الْاَنْبِیَاءِ صَلَوَاتُ اللّٰہِ وَسَلَامُہٗ عَلَیْہِمْ ضَرَبَہٗ قَوْمُہٗ فَاَدْمَوْہُ وَھُوَ یَمْسَحُ الدَّمَ عَنْ وَجْہِہٖ وَیَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں (کہ یہ بات میرے ذہن میں ایسی جمی ہوئی ہے) جیسے کہ میں اس وقت بھی رخ انور کو دیکھ رہا ہوں، آپ فرما رہے تھے کہ انبیاء علیہم السلام میں سے ایک نبی کو اس کی قوم نے مارا اور لہولہان کر دیا وہ نبی اپنے چہرہ سے خون پونچھتا جا رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ اے اللہ میری قوم کو معاف کر (اور انھیں ہدایت فرما) کیونکہ یہ قوم نہیں جانتی ہے۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَیْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِّنْ بَنِیْ حَنِیْفَۃَ یُقَالُ لَہٗ ثُمَامَۃُ بْنُ اُثَالٍ سَیِّدُ اَھْلِ الْیَمَامَۃِ فَرَبَطُوْہُ بِسَارِیَۃٍ مِّنْ سَوَارِی الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ اِلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَاذَا عِنْدَکَ یَا ثُمَامَۃُ قَالَ یَا مُحَمَّدُ عِنْدِیْ خَیْرٌ اِنْ تَقْتُلْ تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَاِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلٰی شَاکِرٍ وَاِنْ کُنْتَ تُرِیْدُ الْمَالَ فَسَلْ تُعْطَ مِنْہُ مَا شِئْتَ فَتَرَکَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی کَانَ الْغَدُ۔ الخ

(مشکوٰۃ مسلم)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب ایک اسلامی دستہ بھیجا تھا، وہ دستہ دشمنوں میں سے بنو حنیفہ کے ثمامہ نامی ایک شخص کو گرفتار کر لایا اور مسجد کے ایک کھمبے میں مقید کر دیا، یہ شخص باشندگان یمامہ کا رئیس تھا۔ رسول اللہ اس کے پاس سے نکلے تو فرمایا کہ ثمامہ تمہارے نزدیک کیا ہے؟ ثمامہ نے کہا اے محمدؐ میرے پاس تو خیر ہے اگر آپ مجھے قتل کر دیں گے تو ایک خونی آدمی کو قتل کریں گے (یعنی یہ کہ قتل کے مستحق کو قتل کریں گے کیونکہ میں نے آپ کی دشمنی میں جنگ کی ہے اس لئے اس میں میری کوئی توہین نہیں ہے) اور اگر آپ مجھے چھوڑ کر احسان کریں گے تو ایک شکر گزار پر احسان کریں گے اور آپ کچھ دولت چاہتے ہیں تو فرمائیے حاضر کر دی جائے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے کوئی جواب نہیں دیا اور چھوڑ کر ہٹ گئے، دوسرے دن صبح آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ ثمامہ اب تمہارا کیا خیال ہے، انھوں نے پھر انھی الفاظ میں جوابات دیے، آپ نے حکم دیا کہ انہیں چھوڑ دیا جائے۔ وہ چھوٹتے ہی گئے اور ایک قریبی جگہ سے غسل وغیرہ کر کے آئے اور فرمایا کہ یا رسول اللہ میں صمیم قلب سے شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں اور آپ اس کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں، اور اس سے پہلے میرے لئے روئے زمین پر آپ سے زیادہ کوئی مبغوض نہ تھا اور اب خدا کی قسم آپ کے روئے

TAMEER

تعمیر

Lucknow

22 DEC 1951

عربی بہت آسان ہے

❀

ہر روز کی تھوڑی سی محنت اور ان کتابوں کے مطالعہ سے آپ اتنی عربی سیکھ لونگے کہ قرآن و حدیث کو آسانی سے سمجھ سکیں اور نماز کا پورا لطف اٹھا سکیں—

❀ عربی زبان کے دس سبق	چار آنے
❀ تفہیم الدروس حصہ اول	چار آنے
❀ تمرین الدروس تین حصے	ڈیڑھ روپئے
❀ قرآن مجید کی پہلی کتاب	سوا روپئے
❀ قرآن مجید کی دوسری کتاب	ڈیڑھ روپئے
❀ قرآن مجید کی تیسری کتاب	سوا دو روپئے
❀ القصص الصالحین	ایک روپیہ ڈیڑھ آنہ

—•❀•—

دنیا میں اسلام کیسے پھیلا ؟

❀

یہ غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، حقیقت یہ ہے کہ اسلام صحابہ کی انتھک کوششوں اور بے پناہ مصائب کے برداشت کرنے سے پھیلا ہے— تفصیل کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا—

❀ حضرت ابوبکر -۱۰-	❀ حضرت ابن عمر -۵-
❀ " عمر -۱۰-	❀ " ابن مسعود -۶-
❀ " بلال -۴-	❀ " ابن عباد -۴-
❀ " ابن عباس -۴-	❀ " اسامہ ۶-۴-
❀ " ابوذر -۴-	❀ " ابن وقاص -۴-
❀ " ابوہریرہ -۵-	❀ " ابوایوب -۳-
❀ " حمزہ -۴-	❀ " انس -۴-
❀ " زید -۴-	❀ ترک بیٹواں -۶-
❀ " جعفر -۳-	❀ " خواجہ فرید -۳-
❀ " ابن الجراح -۴-	❀ خواجہ نظام -۵-
❀ " مصعب -۴-	❀ شاہ ولی اللہ -۶-۴-
❀ " زبیر -۵-	❀ مولانا روم -۶-۳-
❀ " خالد -۱۰-	❀ امام ربانی -۴-
❀ " سلمان -۵-	❀ بی بی رابعہ -۳-
❀ " طلحہ -۴-	❀ جمال الدین -۲-

❀ اسلام کیا ہے	۲-۸-
❀ تلقین حق	-۱۰-
❀ احکام القرآن	۲-۰-
❀ سیرت مولانا الیاس	۲-۸-
❀ ملفوظات مولانا الیاس	۲-۰-
❀ زاد سفر [مجموعہ احادیث]	۳-۱۴-

❀ اللہ کے رسول [چھوٹے بچوں کے لئے]	-۶-
❀ خلفاءِ راشدین " "	۱-۸-
❀ اچھی باتیں—چار حصے "	۱-۱۰-
❀ حسن معاشرت—عورتوں کے لئے	-۱۲-
❀ دعائیں—سب کے لئے	-۶-

مکتبہ تعلیمات اسلام، لکھنؤ

ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان

تعمیر (پندرہ روزہ) لکھنؤ

جلد (۳) — نمبر (۷)

۳۸- امین آباد پارک

ادارہ تحریر

- سید ابو الحسن علی ندوی
- عبد السلام قدوائی ندوی
- مشیر الحق بحری آبادی

یکم جنوری سنہ ۱۹۵۲ء

۲ر ربیع الآخر سنہ ۱۳۷۱ھ

اس شمارہ میں

شرائط ایجنسی

(۱) کم از کم پانچ پرچوں پر ایجنسی دی جائے گی۔

(۲) قیمت پیشگی جمع کرانی ہوگی۔

(۳) پرچے واپس نہ لئے جائیں گے۔

(۴) ۲۰ پرچوں تک کمیشن ۲۵ فیصدی ۴۰ تک ۳۰ فیصدی ۸۰ تک ۳۳⅓ فیصدی ۸۰ سے زیادہ پر ۴۰ فیصدی دیا جاتا ہے۔

(۵) سول ایجنٹ کو سو پرچے لینا ضروری ہیں۔

(۶) جہاں سول ایجنٹ نہ ہونگے وہاں ایک سے زائد لوگوں کو ایجنسی دیجا سکتی ہے۔

(۷) پرچے بلا رجسٹری بھیجے جاتے ہیں رجسٹرڈ منگانا ہو تو فیس ایجنٹ صاحبان کے ذمہ ہوگی۔

تعمیر کی قیمت

چندہ سالانہ :- چھ روپئے • ششماہی :- تین روپئے

ایک پرچہ کے لئے .... چار آنے

ممالک غیر سے علاوہ پاکستان

چندہ سالانہ :- آٹھ روپئے • ششماہی :- چار روپئے

فی پرچہ :- چھ آنے

نوٹ :- پاکستانی حضرات اپنا چندہ حسب ذیل پتہ پر بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمیں بھیجدیں۔

پتہ :- چراغ راہ ۹۱ لوٹیا بلڈنگ آرام باغ روڈ۔ کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

سوچنے کی بات

تعمیر کی اسی اشاعت میں "امریکہ میں اسلام کی رفتار" کے عنوان سے ایک مضمون شائع ہو رہا ہے، اس مضمون میں مولانا عبدالعلیم صاحب میرٹھی کا بھی ذکر آیا ہے، ذیلی حاشیہ میں اسی جگہ مختصر تعارف بھی کرا دیا گیا ہے لیکن حاشیہ کی تنگ دامانی مزید تفصیل کی متحمل نہ تھی اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ یہاں بھی چند ضروری پہلوؤں کا ذکر کر دیا جائے ان سطور کے لکھنے کی غرض نہ مولانا عبدالعلیم صاحب سے اظہار عقیدت ہے، نہ ان کے عقائد و خیالات سے کوئی تعرض مقصود ہے بلکہ قارئین کو ایک خاص پہلو کی جانب توجہ دلانا ہے۔

مولانا عبدالعلیم صاحب اپنے خاندانی اثرات اور تعلیمی ماحول کے اعتبار سے ایک خاص مکتب خیال سے تعلق رکھتے ہیں، وہ اور ان کے اعزہ بریلوی فکر و خیال سے متاثر ہیں اسی ماحول میں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی۔ اس حلقہ کے لوگوں کا حال سب کو معلوم ہے، ان کی شدت اور انتہا پسندی کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے اپنی رائے سے اختلاف رکھنے والوں کو وہ جس نظر سے دیکھتے ہیں ان کے خلاف جیسے سخت خیالات رکھتے ہیں اور جس شدت سے ان کی مخالفت کرتے ہیں وہ محتاج تشریح نہیں، ان کے نامور علماء اور مناظرین جس سختی کے ساتھ اپنے مخالفین کا رد کرتے ہیں وہ سب جانتے ہیں، ان کے تیز زبان مقررین کی تقریریں جن لوگوں کو سننے کا اتفاق ہوا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ کس طرح ان کی تقریروں میں تضلیل و تکفیر کی گرم بازاری ہوتی ہے اور کیسی تیزی و تندی کے ساتھ حریفوں کی خبر لی جاتی ہے۔

اس حلقہ کے علماء و مناظرین میں بہت ہی کم اصحاب ایسے نکلیں گے جو دوسروں کے ساتھ رواداری برتتے ہوں بعض مناظرین نے تو مناظرہ بازی اور اس میں تضلیل و تکفیر کو اپنا پیشہ بنا لیا ہے اور مسلمانوں کو کافر بنانا ان کا خاص مشغلہ ہے۔

مولانا عبدالعلیم صاحب کے لئے بھی یہ راہ کھلی ہوئی تھی وہ چاہتے تو میلاد، فاتحہ، نذر، زیارت قبور وغیرہ مسائل پر گرما گرم تقریریں کرتے، دلخراش مضامین لکھتے اور ہنگامہ آفریں کتابیں تصنیف کرتے اور اس طرح اپنے آپ کو مشہور کرتے اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف برپا کر کے اپنا حلقہ عقیدت پیدا کرتے اور اس سے فوائد حاصل کرتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں یہ توفیق دی کہ انھوں نے یہ ہنگامہ آفریں راہ اختیار کرنے کے بجائے اپنے لئے دینی خدمت کا ایک وسیع میدان منتخب کیا اور مسلمانوں کو کافر بنانے کے بجائے کافروں کو مسلمان بنانے کی فکر میں لگ گئے۔ اس کام سے اشاعت اسلام کے ساتھ ان کی ذات کو بھی بہت فائدہ پہونچا، ہنگامہ آفرینی اور تیز زبانی سے زیادہ سے زیادہ نادانوں کی ایک بھیڑ ان کے ساتھ ہو جاتی اور ان کی خدمت میں کچھ تحفے اور نذریں پیش کرتی، لیکن اشاعت اسلام کی عالمگیر جد و جہد میں ان کو اس سے کہیں زیادہ عزت حاصل ہوئی، ہر طبقے کے اچھے خاصے لوگ ان کی عزت کرتے ہیں اور ان کے ساتھ محبت و عقیدت کا برتاؤ کرتے ہیں۔

اس موقع پر ۱۹۳۴ء کا ایک جلسہ یاد آ رہا ہے وہ افریقہ کے سفر سے واپس آئے تھے، اس زمانہ میں بمبئی میں علماء کا ایک اجتماع تھا، اس جلسہ کی صدارت کے لئے سب نے مولانا عبدالعلیم کو منتخب کیا، (باقی ص۱۶ پر)

★عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

تشریح

جاہلیت کا ایک بڑا دستور یہ تھا کہ مناسک حج ادا کر چکنے کے بعد منیٰ میں کھڑے ہو کر اپنے اپنے باپ دادا کے کارنامے بیان کرتے اور اس فضائل و مناقب کے بیان کرنے میں دوسروں سے مقابلہ بھی ہو جاتا کبھی کبھی اس کی وجہ سے تکرار ہونے لگتی اور بات بڑھتے بڑھتے جنگ و جدل کی نوبت آتی۔

باپ دادا کے فضائل و مناقب کے بیان میں نزاع و اختلاف کے اس خوف کے علاوہ یہ بُرائی بھی تھی کہ اس میں اللہ کی یاد اور اُس کی عظمت و کبریائی کے اعلان کے بجائے انسانی عظمت کا اظہار ہوتا تھا اور رنگ و نسل کے اس غرور کی پرورش ہوتی تھی جسے مٹانے کے لئے اسلام دنیا میں آیا تھا ان وجوہ کی بنا پر اس غلط جاہلی رواج کی مخالفت کردی گئی اور حکم دیا گیا کہ اس کے بجائے یہ وقت خدا کی یاد میں گزارا جائے اور پوری دلی توجہ اور قلبی انہماک کے ساتھ اس کا نام لیا جائے اور اس کی صفات کا تصور ذہن میں جاگزیں کیا جائے۔

فمن الناس من یقول ربنا آتنا ....

اوپر خدا کی یاد اور اس کی جانب توجہ کا حکم دیا گیا ہے اس لئے اس موقع پر اس پہلو کی جانب بھی توجہ دلائی جا رہی ہے کہ اس ذکر و فکر اور خضوع و خشوع کے موقع پر اللہ تعالےٰ سے اپنے لئے مکمل فلاح و سعادت کی دعا مانگی جائے، اور دنیاوی زندگی کی کامرانیوں کے ساتھ آخرت کی کامیابیوں کے لئے بھی عرض کیا جائے، اس موقع پر دونوں قسم کے اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے، ایک وہ ہیں جو آخرت کی فکر سے غافل ہیں، انھیں صرف اسی دنیائے فانی کی راحت و آرام کا خیال ہے اور حیات جاودانی کی کوئی فکر نہیں ہے، ایسے لوگ صرف یہی چاہتے ہیں کہ زندگی کے جو دن ہیں وہ خیر و خوبی سے گزر جائیں وہ اسی کے لئے کوشش کرتے ہیں اور یہی دعا مانگتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ اس ذہنیت کے اشخاص کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتا ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں فلاح و سعادت کا کوئی امکان نہیں ہے اس لئے جسے آخرت کی کامیابی کی تمنا ہو اس کا فرض ہے کہ دنیا کے ساتھ آخرت کی فکر سے بھی غافل نہ ہو اور اس چند روزہ زندگی کو خوش اسلوبی سے گزارنے کی خواہش کے ساتھ اس عالم جاودانی میں بھی فلاح و کامگاری کا طلبگار ہو۔

اس موقع پر یہ بات خاص طور سے یاد رکھنے کے لائق ہے، دین و دنیا کی تفریق مومن کا کام نہیں ہے، ایک سچے مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ دین و دنیا دونوں میں خیر و فلاح کا طلبگار ہو، وہ جہاں دوزخ سے نجات کا خواستگار ہو اور نہ آخرت میں فوز و کامرانی کا متمنی ہو وہیں اُسے دنیا میں حصول خیر و برکت کی فکر ہو، یہاں یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ مومن کامل کی دعا میں دنیا کی بھلائی کا ذکر آخرت کی بھلائی کے ذکر سے پہلے ہے اس سے مقصود اس حقیقت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ دنیاوی زندگی کی شاہراہ ہی سے ہو کر آخرت کی منزل تک پہونچا جا سکتا ہے الدنیا مزرعۃ الآخرۃ (دنیا آخرت کا کھیت ہے) یہاں اگر اچھی کاشت کی جائے گی تو آخرت میں اس کے بہترین ثمرات حاصل ہوں گے ــ الدنیا مطیۃ الآخرۃ (دنیا آخرت کی سواری ہے) سواری جس قدر اچھی، مضبوط اور تیز رفتار ہوگی اسی قدر جلد منزل تک پہونچا سکے گی، دنیا پر اگر قدرت حاصل ہے تو آخرت رسی میں کوئی شبہ نہیں ہے لیکن اگر یہ سواری لاغر اور کمزور ہے تو اُسے

آخرت تک پہونچنا دشوار ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ دنیا پر سوار ہے دنیا کو اپنے اوپر سوار نہ کرے ورنہ منزل تک پہونچنے کا کیا سوال ہے سواری کے بوجھ سے سوار کے کچل کر ختم ہوجانے کا ڈر ہے۔

الغرض دعا کی تلقین اور دعا کرنے والے دونوں فریقوں کے ذکر سے اس پہلو کی جانب توجہ دلائی جا رہی ہے کہ مومن کا کام دنیا کو ترک کرنا نہیں ہے بلکہ اُسے مرضی الٰہی کے مطابق چلانا ہے، اس کا فرض ہے کہ ہوشیار اور چابک دست سوار کی طرح دنیا پر سوار ہو اور اسے آخرت کی منزل کی طرف لے چلے، نہ اُسے اپنے اوپر سوار کرے نہ گر کر اس کے قدموں کے تلے پامال ہو، بلکہ مضبوطی کے ساتھ اُس کی باگ ہاتھ میں لئے رہے اور پوری قوت کے ساتھ اسے دوڑاتا ہوا عالم جاودانی میں بہترین جگہ تک پہونچنے کی فکر کرے۔

قرآن مجید لوگوں کے دلوں میں دین کا جو تصور قائم کرنا چاہتا ہے اس میں ترک دنیا کی کوئی گنجائش نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس نے اس خیال کے لوگوں کا اس موقع پر کوئی ذکر نہیں کیا ہے جو صرف آخرت کے طلبگار ہیں، اور دنیا کو بالکل چھوڑ کر گوشوں میں بیٹھے ہوئے ہیں یا جنگلوں بیابانوں میں مارے مارے پھر رہے ہیں اور کسی نہ کسی طرح زندگی کی سانسیں پوری کر رہے ہیں۔ اسلام رہبانیت کو پسند نہیں کرتا ہے۔ اس کے نزدیک دنیا کو چھوڑنا کوئی کمال نہیں ہے بلکہ اس پر قابو رکھنا اور اسے صحیح برتنا کمال ہے، وہ اپنے پیرووں سے اس کی توقع رکھتا ہے کہ وہ دنیا سے ڈر کر بھاگیں گے نہیں بلکہ اس پر سوار ہو کر اسے آخرت کی شاہراہ پر چلائیں گے اور اس کی باگ ایسی مضبوطی سے ہاتھ میں لیں گے کہ وہ حق کی صراط مستقیم سے کبھی ڈانواں ڈول نہ ہونے پائے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ○

ترجمہ

اور چند متعین دنوں میں اللہ کا ذکر کرو پھر جس نے دو دنوں میں جلدی کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جس نے دیر کی اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے، اس شخص کے لئے (یہ بات ہے) جس نے پرہیزگاری اختیار کی اور اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ تم اسی کے یہاں اکٹھا کئے جاؤگے۔

تشریح:

اس آیت میں چند دنوں میں جس ذکر کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد تکبیر تشریق ہے، ۹ ذی الحجہ کی صبح سے ۱۳ ذی الحجہ کی عصر تک ۲۳ نمازوں میں اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ایک مرتبہ کہنا چاہئے، جماعت کی نماز کے بعد یہ تکبیر کہنی ضروری ہے۔ رمی جمار[1] کے موقع پر بھی ذکر کرنے کا حکم ہے، حاجی کو اختیار ہے کہ پورے ایام تشریق وہیں قیام کرے یا جمرہ کی رمی سے فارغ ہو کر دو دن پہلے ہی چلا آئے کہ وہ بقیہ ایام تشریق میں تکبیریں جہاں ہو وہاں کہہ لے۔

---

[1] رمی جمار کا تذکرہ تعمیر کی گزشتہ اشاعت میں جہاں مسائل حج کا ذکر ہے گزر چکا ہے، تین پتھروں کے نشان ہیں جنھیں حاجی کنکریاں مارتے ہیں۔

★ عبد النعیم

امریکہ میں اسلام

گزشتہ سال سے ڈربن (جنوبی افریقہ سے) (THE MUSLIM'S DIGEST.) کے نام سے ایک ماہوار رسالہ شائع ہونے لگا ہے، مضمون ذیل اس کے ایک مضمون کا ملخص ترجمہ ہے۔

(عبد السلام قدوائی)

اسلام کا چرچا ادھر چند برسوں سے امریکہ میں اسلام کا اچھا خاصا چرچا ہے اسلام اور اسلامی ممالک کا تذکرہ ریڈیو اور پبلک جلسوں میں آئے دن ہوتا رہتا ہے، مسلم سیاحوں کا ذکر بھی ہوتا رہتا ہے، اخبارات کا پرانا رویہ اب تبدیل ہو گیا ہے، مخالفانہ پروپیگنڈا کے بجائے اب معقول اور ہمدردانہ انداز بحث رواج پا گیا ہے۔

اسباب امریکی پبلک اور امریکن پریس کا یہ طرز عمل بہت کچھ ان سیاسی حالات کا نتیجہ ہے جو اس وقت دنیا میں رونما ہو رہے ہیں، پاکستان کا وجود، انڈونیشیا کی مسلم مملکت کا قیام اور ٹرکی اور مشرق اوسط کے مسلم ممالک کے موقع اور اہمیت کی بنا پر قدرۃً مسلمانوں کا ذکر زیادہ ہونا ضروری ہے، ایرانی تیل اور جاوا بینک بھی کثرت ذکر کا باعث ہیں، شمالی افریقہ کے تازہ حالات اور سیاسی کیفیات کی وجہ سے یہ چرچا اور بڑھ رہا ہے، ان ممالک میں مسلمانوں کی بہت بڑی آبادی ہے اس لئے قدرۃً ان کے ذکر کے ساتھ مسلمانوں کا ذکر ہوتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ اسلام کا نام آنا ناگزیر ہے، یہی وجہ ہے کہ امریکی باشندے اسلام اور مسلمانوں کے حالات سے دلچسپی لینے لگے ہیں، مسلم ممالک کے سفارت خانوں کی وجہ سے بھی اچھی خاصی مسلم آبادی کی اہمیت ہو گئی ہے، امریکہ اقوام متحدہ کا بھی مرکز ہے اس لئے اس کے اجتماعات اکثر یہاں ہوتے ہیں اور ان اجتماعات میں مسلم مندوبین کی شرکت سے امریکہ میں اچھا خاصا مسلم اجتماع ہو جاتا ہے خصوصاً عید الفطر اور عید الاضحٰے کے مواقع پر یہ اجتماع بڑا اہم اور موثر ہو جاتا ہے، عیدین کی نمازوں میں دنیا کے مختلف ممالک کے مسلمان شریک ہوتے ہیں اور اس نسل و رنگ اور قوم و وطن کے تعصب کے دور میں جدید تہذیب کے بہت ہی اہم مرکز میں چشم عالم اسلام کی انسانی مساوات کا روح پرور نظارہ کرتی ہے اور نیشنلزم کی تباہ کردہ دنیا کو یہ منظر دیکھنے کا موقع ملتا ہے، کہ مختلف ملکوں، مختلف نسلوں، مختلف رنگوں، مختلف زبانوں اور مختلف تہذیبوں سے تعلق رکھنے والے ایک ہی صف میں کھڑے ہوئے ہیں اور ایک ساتھ مل کر پوری مساوات کے ساتھ کھا پی رہے ہیں، امیر و غریب، غنی و فقیر، شاہ و گدا، سرخ و زرد، سیاہ و سفید، افریقی و امریکی، ایشیائی و یورپی سب مکمل یکجہتی و ہم آہنگی کے ساتھ ایک خدا کی بندگی میں مصروف ہیں۔ یہ منظر انھیں انسانی مساوات اور عالمگیر برادری کا جیتا جاگتا نمونہ دکھاتا ہے اور انھیں نظر آتا ہے کہ جس عالمی حکومت اور جس کی انسانی مساوات کا وہ خواب دیکھ رہے ہیں دنیا کی ایک بڑی آبادی کے اندر اس کی کھلی ہوئی بنیادیں موجود ہیں جو صرف ذہنی حد تک ہی نہیں بلکہ عملی طور پر رنگ و نسل اور قوم و وطن کے تنگ دائروں سے بیزاری کا اعلان کرتی ہے اور وسیع بنیادوں پر ساری دنیا کے انسانوں کو ایک رشتہ میں منسلک کرتی ہے۔

مختلف مسلم ممالک کے طلبہ امریکن یونیورسٹیوں میں تعلیم لے رہے ہیں، ان کے میل جول سے امریکی نوجوانوں کو اسلام سے واقفیت کا موقع ملتا ہے۔

تبلیغ اسلام سے تعارف کے ان اسباب کے علاوہ اب

---

۱ اصل انگریزی میں Abdul B Naeem لکھا ہے

مسلمان مبلغ بھی اسلامی تعلیمات سے اہل امریکہ کو روشناس کرنے کی غرض سے آنے لگے ہیں، پچھلے سال مولانا عبدالعلیم[1] صاحب صدیقی اور ان کے سکریٹری فضل الرحمن انصاری[2] علیگ امریکہ تشریف لائے تھے اور مختلف شہروں کا دورہ کیا تھا ان کی آمد سے یہاں اسلام کی اشاعت کی رفتار بہت بڑھ گئی، مقامی مسلمانوں کی ہمت افزائی اور مسرت۔ انگیزی کے علاوہ امریکہ کے غیر مسلم باشندوں کو بھی اسلام سے کافی متعارف ہونے کا موقع ملا۔

قبول اسلام ان کے قیام امریکہ کے دوران میں پچاس پچاس اشخاص روزانہ مسلمان ہوئے ہیں۔ نیو یارک میں راقم الحروف (عبدالنعیم) کو ان سے ملاقات کا موقع ملا، وہاں جس گرم جوشی سے لوگوں نے ان کا استقبال کیا اور ان کی رہنمائی سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی، اس کے مناظر میری نظر کے سامنے ہیں، ان کی صحبت سے بہت سے لوگوں کے دل اس یقین سے معمور ہو گئے کہ سفر حیات میں صحیح راہ نمائی اور روح کی تشفی صرف اسلام اور قرآن مجید ہی سے حاصل ہو سکتی ہے، اس سلسلہ میں بہت سے تعلیم یافتہ اور ذی فہم اصحاب بھی مسلمان ہوئے چنانچہ نیو یارک یونیورسٹی کے فزکس کے پروفیسر بھی اسلام لائے۔

اسلامی انجمنیں ممالک متحدہ امریکہ اور کناڈا میں متعدد اسلامی انجمنیں بھی قائم ہیں جن میں نیو یارک کی پاکستانی لیگ اور فلاڈلفیا کی مسلم لیگ بہت ممتاز ہیں پاکستان لیگ کے روح رواں ابراہیم چودھری ہیں، یہ کئی برس سے نیو یارک اور اس کے قرب و جوار میں اسلامی سرگرمیوں کا مرکز ہیں بڑے جری مستقل مزاج جفاکش اور صاحب ایثار ہیں۔

فلاڈلفیا کی مسلم لیگ کے بانی عبدالرحمن (جان سن) ہیں، ان کے مددگار ایک نومسلم عبدالرحیم ہیں، یہ اگرچہ تھوڑا ہی عرصہ ہوا جب مسلمان ہوئے ہیں لیکن اسلام سے خاصے واقف ہیں، قرآن مجید کا کافی مطالعہ کیا ہے اور کافی عربی جانتے ہیں، ان کی عمر ابھی صرف ۲۴ سال کی ہے لیکن ان کی سرگرمیوں کو دیکھ کر توقع ہے کہ آئندہ وہ یہیں (مسلمانان) امریکہ کے لیڈر ہوں گے، فلاڈلفیا کی مسلم جماعت نے اب تک نصف درجن سے زیادہ پبلک پروگرام پیش کئے ہیں، مسلم ڈائجسٹ کے علاوہ مصر، جنوبی افریقہ، پاکستان اور ایران سے منگوا کر بہت سا اسلامی لٹریچر جمع کر لیا ہے، ۱۶۲۰ وہارٹن اسٹریٹ فلاڈلفیا، میں

---

[1] یہ میرٹھ کے رہنے والے ہیں ہندوستان میں میرٹھی کر کے مشہور تھے، عقائد میں بریلی اسکول سے تعلق رکھتے ہیں، لیکن متشدد نہیں ہیں، تبلیغی ذوق شروع سے ہے اور زیادہ تر غیر مسلموں کو اسلام کا پیغام پہونچانے کا شوق ہے، عقائد میں بریلوی ہونے کے باوجود اتحاد بین المسلمین کے قائل ہیں اور آپسیں ہنگامہ آرائی کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں اسی لئے حنفی وہابی کے جھگڑوں میں پڑنے کے بجائے غیر مسلموں کو اسلام سے روشناس کرنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں، عموماً غیر ممالک کا دورہ کرتے رہتے ہیں بہت دنوں افریقہ کے مختلف حصوں میں کام کیا، ملایا وغیرہ میں بھی کافی کام کیا، گذشتہ سال امریکہ گئے تھے جس کا اوپر کی سطور میں ذکر ہے، اپنی ان خدمات کی وجہ سے مسلمانوں کے تمام طبقوں میں انکی عزت کی جاتی ہے، کاش ان کی مثال تنگ دل اور مسلمانوں کے اندر اختلاف عقائد کی بنیاد پر جنگ و جدل برپا رکھنے والوں کو راہ ہدایت دکھائے اور انھیں توفیق ہو کہ سب و شتم اور حرب و ضرب کے بجائے وہ اپنی قوتیں دنیا میں اسلام کا پیغام پہونچانے پر صرف کریں بریلوی فکر و خیال کے اصحاب کو خاص طور سے ان کی مثال سے سبق لینا چاہیے۔

[2] یہ علیگڑھ کے تعلیم یافتہ ہیں، مولانا عبدالعلیم صاحب کے داماد ہیں، مولانا ہی کی توجہ سے انھیں تبلیغی کاموں کا ذوق پیدا ہوا تقریباً پندرہ برس سے اشاعت اسلام کی جد و جہد میں مصروف ہیں، ۱۹۳۳ء میں سنگاپور سے جینیون اسلام نامی ایک انگریزی سالہ نکلتے تھے، اب اسلامی ریسرچ اکاڈمی اینڈ پبلیکیشنز بیورو کراچی کے ڈائرکٹر ہیں۔ ڈربن (جنوبی افریقہ) سے دی مسلم ڈائجسٹ بھی انہیں کی ادارت میں نکلتا ہے۔

اس انجمن کی ایک اجتماع گاہ بھی ہے جو رقبہ کے اعتبار سے اگرچہ کچھ بہت زیادہ وسیع نہیں ہے لیکن نفاست اور آراستگی کے اعتبار سے اچھی خاصی ہے۔

پریس کی توجہ امریکہ میں اسلام سے امریکن پریس بھی متاثر ہو رہا ہے، گزشتہ ایک سال کے عرصہ میں کم از کم دو قابل ذکر کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ ایک کا نام "اللہ، اسلام کا خدا" ہے جس کے مصنف ڈاکٹر فلورنس میری فنچ ہیں، جو اوبرلن کالج میں پروفیسر ہیں۔ دوسری کتاب "مختصر قرآن" کے نام سے چھپی ہے، جس کے مصنف جارج ایم لاماسا ہیں۔

ان کتابوں کے علاوہ بعض میگزین اور اخبارات اسلام کے بارے میں اچھے اچھے مضامین پیش کرتے ہیں جو واقعۃً اسلام کے بارے میں بہتر اور مفید ہوتے ہیں۔

اس موقع پر ان دو کتابوں کے بارے میں سرسری طور پر تعارف کرا دینا مناسب ہے۔ "اللہ، اسلام کا خدا" نامی کتاب کا حسب ذیل اقتباس قابل مطالعہ ہے:-

"اسلام مختلف مذاہب میں سے ایک مذہب ہے، جو دنیا کے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں بہت زیادہ جمہوریت پسند اور مضبوط مذہب ہے، اسلام کے اس سرعت سے پھیلنے کے اسباب میں ایک سبب اس کی سادگی اور سدھائی ہے، وہ رہبانیت کا قائل نہیں، اسلام کے اندر نہ پاپائیت ہے اور نہ پُر اسرار رسوم، نہ پیچیدہ اصول اس کے فرائض محدود اور عملی ہیں، اس کے معیار ایک اوسط درجہ کے آدمی کے لئے ممکن الحصول ہیں، اسلام کی جمہوریت ایک فوج کی جمہوریت کی طرح ہے، اس میں انسانوں کے درمیان فرق کی کوئی گنجائش نہیں ہے جو بالاتر ہستی کے مطیع ہیں، ہر انسانی روح ایک اہمیت رکھتی ہے، انسان براہ راست خدا کے حضور میں دن میں پانچ بار پہونچتا ہے، اس کے لئے کسی واسطے کی ضرورت نہیں ہے، اسلام کا نظم سب کے لئے یکساں ہے"

اخلاق کا اثر مسٹر جارج ایم لاماسا جو عملاً عیسائی ہیں اور عیسائیت کے مختلف پہلوؤں پر مستند کتابوں کے مصنف ہیں، وہ اپنی اس کتاب کے آغاز میں خود اپنے متعلق ایک دلچسپ قصہ سناتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ:

"محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی صداقت کے متعلق اور ان کے مذہب کی صداقت کی پہلی کرن مجھ تک اس طرح پہونچی کہ ایک مرتبہ ایک برطانوی جہاز پر بحر اسود میں سفر کر رہا تھا، جہاز باطوم سے برطانیہ لوہا لے جا رہا تھا، کچھ جگہ خالی تھی اس میں اس نے تھوڑے سے مسافروں کو جگہ دیدی تھی، ان میں سے اکثر عیسائی اور مسلمان تھے، اور زیادہ تر بیت المقدس یا مکہ معظمہ جا رہے تھے، میری زندگی میں یہ پہلا طویل سفر تھا، میں اس زمانے میں جوان تھا اور سفر کا کوئی بڑا تجربہ نہ رکھتا تھا، اس سے پہلے مجھے جہاز پر سونے کا اتفاق نہ ہوا تھا، نہ اتنے بڑے کسی بحری رقبہ کو دیکھا تھا جتنا کہ بحر اسود تھا۔

سفر کے دوران میں مسلمان مسافر روزانہ اپنے مذہبی دستور کے مطابق پانچ مرتبہ نماز پڑھتے تھے، لیکن عیسائی چائے پیتے تھے، تاش کھیلتے تھے اور کبھی کبھی باہم دست بگریباں ہو جاتے تھے، میں ان کی نماز کی ہر کیفیت کو بغور دیکھتا رہتا تھا، کیونکہ میں ان چیزوں کو سمجھ سکتا تھا جو وہ نماز کے اندر پڑھتے تھے۔

سفر کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے میری زادراہ اور روسی سکے دو دن پہلے ہی ختم ہو گئے، اب میرے پاس صرف ایک چک تھا، جو استنبول کے عثمانی بنک سے بھن سکتا تھا، دو دن گزر گئے اور میں مشکل سے کچھ کھا سکا میں جہاز کے مستول پر نظر جمائے ہوئے تھا اور فکر میں تھا کہ کب جہاز قسطنطنیہ پہونچتا ہے، اسی ادھیڑ بن میں کھانے پینے کا ہوش نہ تھا، تیسرے دن مجھے تعجب ہوا جب ایک مسلمان نے مجھے کنارے بلایا اور بڑی آہستگی لیکن مہربانی کے ساتھ کہنے لگا، میرے بچے! میں تمہیں کھاتا ہوا نہیں دیکھ رہا ہوں، پھر اس نے میری آنکھوں کی طرف نظر کرتے ہوئے یہ کہا کیا تمہارے پاس کھانا خریدنے کے لئے کچھ رقم ہے؟ میں نے کہا کہ میرے پاس چک ہے لیکن میرے

پاس سکے نہیں ہیں جس سے کھانے پینے کا سامان خرید سکوں یہ سن کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی، پھر اپنا بٹوا کھولا اور دس ابن نکال کر میرے حوالے کئے جو اس زمانے میں دس ڈالر کے برابر ہوتے تھے، یہ ایک اچھی خاصی رقم تھی، یہ رقم دے کر اس نے مجھ سے کہا یہ رقم لو، اور اپنے لئے کھانے اور چائے کا سامان کرو اگر کبھی دوبارہ میری اور تمہاری ملاقات ہو تو تم مجھے یہ رقم واپس کر سکتے ہو لیکن اگر اس کا موقع نہ ملے تو صرف یہ وعدہ کافی ہے تو تم یہ رقم کسی حاجت مند کو دیدو گے۔ ایک مسلمان کی طرف سے ایسے دیندارانہ عمل نے میرے اندر جذبہ بیدار کر دیا کہ میں مذہب اسلام کا مطالعہ کروں، اور مجھے اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑا کہ انسان محض اس مذہب کا نام لے کر یا اس تو میعت سے تعلق ظاہر کر کے نہیں بچ سکتے ہیں جس سے وہ تعلق رکھتے ہیں بلکہ انسانیت کا تحفظ خدا پر حقیقی اعتقاد اور نیک اعمال پر منحصر ہے، میں نے محسوس کیا کہ اس اچھے عمل کے پیچھے ضرور کوئی ایسی بات ہے جس سے میں اب تک ناواقف تھا، لہٰذا ایک مسلمان کے اس معمولی لیکن پاکیزہ عمل نے میرے اندر اسلام کے متعلق گہری معلومات حاصل کرنے کی خواہش پیدا کر دی، کیونکہ میں بھوکا تھا اور مسلمان نے مجھے کھلایا، میں گرم چائے کی ایک پیالی کو ترس رہا تھا اور ایک مسلمان کی بدولت مجھے وہ نصیب ہوئی۔"

قابل غور بات اس موقع پر مسٹر لاما نے کچھ ایسی باتیں کہی ہیں جو ان کے ہم وطنوں کو غور سے پڑھنی چاہئیں بہت سے امریکن اور یورپین مشنری مشرق اوسطا اور مشرق اقصیٰ میں اپنے مذہب کے بڑے کٹر ہوتے ہیں لیکن بسا اوقات جب انہیں مسلمانوں سے ساحثہ کا اتفاق ہوتا ہے تو وہ بالآخر مسلمان ہو جاتے ہیں، انھیں پتہ چلتا ہے کہ ان کے مقابل مسلمان حضرت عیسٰےؑ اور دوسرے پیغمبروں اور انجیل کے متعلق ان لوگوں سے زیادہ واقف ہوتے ہیں جنھوں نے امریکہ یا یورپ سے ان مشنریوں کو بھیجا ہے، یہ سب اس وجہ سے ہوتا ہے کہ امریکہ اور یورپ کی پبلک اسلام اور اس کی مقدس کتاب کے متعلق بہت کم واقفیت رکھتا ہے، چند برس پہلے کا واقعہ ہے کہ ایک امریکن مبلغ جو جلد ہی ہندوستان آیا تھا اس نے ایک مسلمان پر اپنا زور تبلیغ صرف کرنے اور اُسے عیسائی بنانے کیلئے منتخب کیا، لیکن وہ مسلمان اچھا خاصا پڑھا لکھا تھا جب گفتگو شروع ہوئی تو لوگوں نے تعجب سے دیکھا کہ امریکن مشنری اس کو عیسائی بنانے کے بجائے خود ہی مسلمان ہو گیا، میں نے اس کے مسلمان ہونے کا واقعہ خود اسی کا لکھا ہوا لاہور کے ایک میگزین میں پڑھا تھا، اس نے اقرار کیا تھا کہ اس نے حضرت عیسٰےؑ اور چرچ کے متعلق جو کچھ سیکھا تھا وہ اس کے ذہن میں پورے طریقہ سے واضح نہ تھا، اب اُسے معلوم ہوا ہے کہ مسلمان حضرت عیسٰی کی تعلیمات سے اس چرچ کے مقابلے میں زیادہ قریب ہیں جس نے اسے تبلیغی مشن کے لئے تیار کیا تھا۔

★ساغر نظامی

نظم

جو کلیاں اب پژمردہ ہیں وہ پھول بنیں گی کھل کھل کر
مجبور جو آج افسردہ ہیں وہ خوب بنیں گے مل مل کر
پھر ظلمت گاہِ عالم پر انوار کا پرچم چمکے گا
پھر دھوپ چڑھے گی کوٹھوں پر پھر نیرِ اعظم چمکے گا
پھر ہر افسردہ ذرّے میں تاروں کی محفل چمکے گی
پھر ہر افتادہ پیکر کے قدموں میں منزل چمکے گی
پھر عشرت کے ساغر لیکر محفل میں ساقی آئے گا
قسمت کے بھرے میخانے سے جو کچھ ہے باقی آئے گا
جو آج نہیں وہ کل ہوگا مایوسی سے کیا حاصل ہے
ہر ماضی حال کا آئینہ ہر حال میں اک مستقبل ہے

★آثر صہبائی

غزل

تقدیر کا گلہ بھی تو کرنا نہیں مجھے
الزام سر پہ غیر کے دھرنا نہیں مجھے
ساحل پہ جاؤں گا بھی تو موجوں کو چیر کر
کشتی کے بل پہ پار اترنا نہیں مجھے
منزل مری بلند ہے خورشید و ماہ سے
خورشید و ماہ پہ ہی ٹھہرنا نہیں مجھے
مسجودِ مہر و ماہ ہوں معبودِ کائنات
سجدہ کسی کے در پہ بھی کرنا نہیں مجھے
ہے کائنات ایک صنم خانۂ جمال
نذرِ مجاز روح کو کرنا نہیں مجھے
ہر گام پر ہجومِ مصیبت سہی مگر
ہے اقتضائے عشق کہ ڈرنا نہیں مجھے
گرتا ہوں بار بار اُبھرتا ہوں بار بار
کہتا ہے کون گر کے اُبھرنا نہیں مجھے
رہ جائے گا گلوں میں مرا رنگ و بو آثرؔ
موجِ صبا کی طرح گزرنا نہیں مجھے

★ محمد وارث کامل بی، اے

قطعات

غضب کی رات ہے تاروں کی چھپ گئیں نبضیں
جو کچھ دیے ہیں کہیں ٹمٹمائے جاتے ہیں
نظر سے دل کی طنابیں جو کھینچ لیتے ہیں
کہیں جہاں میں وہ انساں بھی پائے جاتے ہیں

دل پسیجا تو کھل گئیں آنکھیں
اشک ڈھلکے تو ڈھل گئیں آنکھیں
اشک موتی بنے دل آئینہ
اور پھولوں میں تل گئیں آنکھیں

دل نظر کی خراد پر چڑھ کر
وار کرتا ہے عقل پر بڑھ کر
کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں دیوانے
مذہب عشق میں سبق پڑھ کر

★ عبدالحسین علام

بڑا دلچسپ ہے انساں کی کمزوری کا افسانہ
جہاں یہ تھک کے رہ جاتا ہے یزداں بنتے جاتے ہیں
خرد کی آبیاری کس قدر زرخیز نکلی ہے
کہ دل نشو و نما پا کر بیاباں بنتے جاتے ہیں
اب اس سے بڑھ کے کیا تنظیم ممکن ہے سفینے کی
سفینہ جس طرف بڑھتا ہے طوفاں بنتے جاتے ہیں
عدم جن کی فراست پر مدار زیست تھا اپنا
وہ یاران ستم دستور ناداں بنتے جاتے ہیں

★ ذوق

مرے طالع میں ہے کیا کام اے گردوں ستارے کا
چمک جانا ہی کافی آتش غم کے شرارے کا
جسے کہتے ہیں بحر عشق اس کے دو کنارے ہیں
ازل نام اس کنارے کا ابد نام اس کنارے کا
نہ پکڑیں دامن الیاس گرداب بلا میں ہم
کہ بدتر ڈوب کر مرنے سے ہے جینا سہارے کا
نفس ہی جادۂ عمر رواں جس طرح سے گزرے
یہاں پوچھے ہے اے گمراہ کیا رستہ گزارے کا
فقط تار نفس کا ذوق خط جادہ کافی ہے
پئے عمر رواں کیا چاہئے رستہ گزارے کا

★عبدالعلیم ندوی بی۔اے (جامعہ)

خوبصورت بدصورتی

•

"یہ قصہ مصر کے مشہور ادیب مصطفٰے صادق الرافعی کی کتاب "وحی القلم" حصہ اول سے لیا گیا ہے، مصطفٰے صادق الرافعی کا نام ادبی مقام تو مشرق اوسط میں مسلم ہے لیکن ان دینی مضمون تحریروں میں مذہبی اقدار کو خوبصورت رنگ اور دلنشیں انداز میں پیش کرنے کا سلیقہ بھی ایسا قدرت نے ودیعت کیا ہے کہ اصلی عربی میں پڑھئے تو ادبی لطف کے ساتھ دینی تاثیر کا یہ عالم ہوتا ہے کہ دل سے حجاب اٹھنے لگتے ہیں اور قلب نور ایمان سے منور ہو جاتا ہے، ان کی اس خوبی کا اعتراف مصلح عظیم حضرت مفتی محمد عبدہ نے ان الفاظ میں کیا ہے:- "میری دعا ہے کہ خدا تمہاری زبان میں تلوار کی طاقت بخش دے تاکہ باطل کا قلع قمع کردو اور اگلے لوگوں میں حضرت حسانؓ کا جو درجہ تھا وہ تمھیں پچھلے لوگوں میں نصیب ہو۔"　　(عبدالحلیم ندوی)

آج گھر میں خاصی رونق تھی، کھانے کا کمرہ معززین شہر، ممتاز تاجروں اور ادیبوں سے بھرا پڑا تھا، بصرہ کے مالدار باذوق اور علم دوست، تاجر مسلم بن عمران نے ابن طولون کے کاتب احمد بن امین کے اعزاز میں دعوت کی تھی، محفل جمی ہوئی تھی، لوگ گپ شپ میں مشغول تھے اور سب کا مرکز احمد بن امین بنے ہوئے تھے، اتنے میں سب کی نگاہیں یک بیک دروازے کی طرف اٹھ گئیں، دو کمسن لڑکے زرق برق لباس میں ملبوس عطر بیز و عنبر نشاں، کمرہ میں ایک عجیب شان سے داخل ہوئے مسکراتے غنچے، ہنستے پھول، یہ تھے صاحب خانہ کے دونوں لڑکے لڑکے کیا تھے چاند کے ٹکڑے، فسوں ساز و سحر کار، ضیا پاش و گہربار جیسے ان کی نشو و نما پھولوں کی ان حسین پنکھڑیوں کی طرح ہوئی ہو جنھیں شبنم نے اپنے دل اور روح کے آخری قطروں سے سینچا ہو، اور نسیم صبح نے بڑی محبت اور وارفتگی سے اپنی لطافتوں اور عطر بیزیوں کی پنگوری میں پال کر پروان چڑھایا ہو، آنکھوں نے تو حسن و زیبائش، دلفریبی و دلکشی کا اتنا مکمل نمونہ کبھی نہ دیکھا تھا، سب محو حیرت تھے کہ یہ آدمی کے بچے ہیں یا پیکر نور، چاند سے بھی کہیں زیادہ آبدار اور شفق سے بھی کہیں زیادہ خوش رنگ و خوش وضع۔

سب کی نگاہیں ان پر جمی تھیں، وہ باپ کے سامنے چپ چاپ کھڑے تھے، احمد بن امین ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بس دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو گئے ہوں، ایک لمحہ کے لئے بھی انکی نظر لڑکوں پر سے نہ ہٹتی تھی۔ بڑی دیر تک احمد بن امین لڑکوں کو دیکھتے رہے، پھر نظریں ہٹائیں اور باپ سے مخاطب ہو کر بولے "خدا کی قسم آج تک ان آنکھوں نے اتنے بھولے بھالے اور اتنا دلفریب حسن اور جذب آگیں جمال نہیں دیکھا۔

کیا اچھا ہو۔ مسلم بن عمران بولے۔ کہ حضور ان دونوں کے حق میں دعائے خیر فرما دیں۔ دعائے خیر و برکت؟ ان کے لئے؟ اور میں؟ اچھا لیجئے۔ یہ کہہ کر انھوں نے اپنے دونوں ہاتھ لڑکوں کے سر پر پھیرے اور ان کے لئے دعا مانگی، پھر باپ سے کہا میں مبارکباد دیتا ہوں کہ تم نے ایسی رفیقہ حیات اپنے لئے پسند کی کہ جس سے ایسی موتی جیسی چمکتی اور ہیرے جیسی آبدار اولاد ہوئی معلوم ہوتا ہے کہ تم نے قیصر کی لڑکی سے شادی کی ہے اور اسی کے جمال جہاں آرا اور شاہانہ شان کا پَرتو ان لڑکوں پر پڑا ہے کہ ان میں بھی وہی منفرد شان اور شاہانہ وقار اور قابل رشک ادب و تمیز پائی جاتی ہے۔

مگر حضور — باپ بولے — آپ شاید اعتبار نہ فرمائیں حقیقت تو یہ ہے کہ بندہ کو خوبصورت عورت ایک آنکھ نہیں بھاتی، خصوصاً ایسی جس کی طرف حضور نے بھی اشارہ کیا، ایسی لڑکی کی طرف تو میں آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھوں، یقین فرمائیے مجھے تو ایسی عورت پسند ہے جو بدصورتی، بدنمائی اور بدقوارگی کا نمونہ ہو، کیا عرض کروں سرکار، مجھے ایسی عورت سے جتنی دل بستگی ہوتی ہے، جتنی خوشی اور سکون ملتا ہے،

کا جائیے اتنا قیصر و کسریٰ کی گرد فر، حسن و جمال کی ملکہ لڑکیوں سے بھی نہ ملے۔

یہ سن کر تو احمد بن امین کا منھ کھلا کا کھلا رہ گیا، ان کو یقین نہ آیا کہ جو کچھ تاجر کہہ رہا ہے سچ ہے، پھر سوچا ممکن ہے یہ ایسا ہی سمجھتے ہوں، کیونکہ کچھ آدمی بعض طبعی خرابیوں کی وجہ سے مٹی کھاتے ہیں، اب انہیں اگر اس کی جگہ برفی دیجئے تو ان کو ہرگز پسند نہ آئے، پر یہ تاجر تو ایسا نہیں ہے، پڑھا لکھا سمجھ دار آدمی ہے، کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ان لڑکوں کی ماں کی موجودگی میں کسی دوسری کے چکر میں پڑ گیا ہو۔ ایسا کیا ہے تو اس نے اس بے چاری پر بڑا ظلم کیا، یہ بڑا خراب آدمی ہے، یہ بات ذہن میں آئی تھی کہ ضبط نہ کر سکے، تاجر سے مخاطب ہوئے اور بولے اماں تم بہت خراب آدمی ہو تو یہ اتنا بڑا کفران نعمت، مجھے تو ان لڑکوں کی سج دھج، وضع قطع سے ہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی ماں کی طبیعت میں کوئی فتور نہیں، وہ صاف اور کھلی طبیعت کی عورت ہے، یہی وجہ ہے کہ بچوں کو اتنے تمیز، سلیقہ اور سگھڑ پن سے بنا سنوار کر بھیجا ہے، لیکن جتنی وہ اچھی ہے اس سے کہیں زیادہ تم بُرے، ایک اس کی شرافت دیکھو کہ تمھاری اس برائی کے باوجود بھی اپنی نیک طبعی اور سلیقہ مندی کا ثبوت دے رہی ہے تم جتنا اس کے ساتھ بُرا سلوک کر رہے ہو وہ اتنی ہی نیک نیتی، سگھڑ پن اور وفاداری کر رہی ہے، اور تم اس کے ساتھ دھوکہ بازی، مکر و فریب اور بد سلوکی سے پیش آ رہے ہو، ٹھیک کہا ہے کسی نے اصل اصل ہے اور نقل نقل، ع

چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک!

مسلم بولے — آپ کا فرمان بالکل بجا، پر آپ یقین مانئے، ان سب باتوں کے باوجود مجھے بدصورت اور بدہیئت عورت جتنی پسند ہے اتنی خوبصورت سے پیار نہیں، سچ عرض کرتا ہوں میں اس کو پاکر دنیا کی حسین ترین عورتوں کو بھول جاتا ہوں، وہ میرے دل میں اتر جاتی ہے آنکھوں میں سما جاتی ہے، یقین جانئے اگر میں اپنی محبوب عورت کا نقشہ آپ کے سامنے بیان کرنا شروع کر دوں تو ساری بدصورتی اور بدنمائی کو ظاہر کرنے والے الفاظ ختم ہو جائیں پر اس کا حلیہ اور اس کی بدصورتی محتاج بیان رہ جائے، لیکن.....

لیکن حضور — ان سب برائیوں کے باوجود وہ میرے نزدیک بہترین عورت ہے، بہترین ساتھی ہے، ایسی ساتھی جس نے ایک مردہ دل و دماغ، عقل و خرد پر اپنا قبضہ جما لیا ہے، اور جس کی طبیعت کے حسن نے تمام ظاہری بدنمائیوں کو دھو کر اُسے موتی بنا دیا ہے۔

توبہ توبہ..... ابن امین نے قدرے حقارت اور کراہیت سے منھ بنا کر کہا لا حول ولا قوۃ، اور پھر بھی تم اپنے کو انسان کہتے ہو، خدا کی پناہ، اتنی بدصورت عورت، جس کی بدصورتی کو بیان کرنے کے لئے الفاظ ناکافی ہیں۔ اس کو تم نے ان لڑکوں کی ماں کے سر پر لا کر بٹھا رکھا ہے تم کو شرم نہیں آتی کہ تم نے ایسی بدگوارہ عورت کو اس حور صفت عورت کے سینہ پر مونگ دلنے کے لئے بٹھا رکھا ہے، پر حیرت ہے اتنی حسین جمیل اتنی عالی نسب عورت تمھاری ان تمام انسانیت سوز حرکتوں کے باوجود تمھارے ساتھ رہتی کیسے ہے؟ اس نے تو بے نفسی کی انتہا کر دی۔

یہ سن کر مسلم ہنس پڑے، ارے حضور تو پریشان ہو گئے ذرا صبر فرمائیے، سارا قصہ بتلائے دیتا ہوں، بات ہے تو بہت مضحکہ خیز اور عجیب سی، پر آپ سے کیا پردہ، لیجئے سنئے۔

یہ قصہ ان دنوں کا ہے جب میں اُبلّہ میں کاروبار کرتا تھا، ان دنوں ستارہ عروج پر تھا، تجارت میں بڑا نفع ہوا، میں نے سوچا اگر میں یہاں سے جا کر بصرہ میں کاروبار شروع کر دوں تو بہت کماؤں، چنانچہ سب لاؤ لنگر اُٹھا بصرہ پہونچا، اور یہاں بھی قسمت نے زور دکھایا، خوب کمایا، اب تو ٹھاٹ پڑ گئی، چنانچہ اب اس شہر سے اس شہر پھرنے لگا، جوانی کے دن امنگوں کی راتیں، پیسے کی ریل پیل۔ جی میں سمائی کہ چلو اب ذرا اپنی اس دنیا سے باہر کی دنیا کی بھی سیر کی جائے، نئے نئے ملک، نئے نئے لوگ، نت نئے تجربے، بھاری منافع، بڑی امیدیں تھیں، اور پھر یہ خیال بھی آیا کہ شاید اس جہاں گردی میں مجھے میرا

وہ پونجی مل جائے جو امیدوں کا مرکز، میری کوششوں کا حاصل اور زندگی کا مقصد ہے، جو میرے خوابوں کی دنیا کی دیوی ہے، جس کے قدموں میں میں نہ معلوم کب سے عقیدت اور محبت کے پھول غائبانہ چڑھایا کرتا ہوں جسے ان آنکھوں نے بصرہ کے چمنستانوں میں اور اُبلہ کے گلزاروں میں چھان مارا، پر اس کی دید سے محروم نہ ہوئیں، آسمان حسن کا وہ جگمگاتا چاند جس کی ضیا پاشیوں سے اپنی ویران دل کی دنیا معمور کرنا چاہتا تھا، وہ جانِ تمنا، روحِ حیات، شاید اسی طرح گھومتے گھومتے کہیں اپنا عکس جمال افروز دکھا جائے اور پھر میں اس سے اپنے ارمانوں کی دنیا سجا لوں،

غرض یہ سوچ کر میں بصرہ سے روانہ ہو گیا، گھومتا گھومتا بلخ پہونچا، خراسان بھر میں سب سے بڑا اور مرکزی شہر — جہاں دولت اور اشیائے خورد و نوش کی فراوانی تھی، مردم خیز خطہ علم و ادب کا مرکز، یہاں کے علما اور اماموں میں ان دنوں امام ابو عبداللہ بلخی کا نام بہت مشہور تھا، میں ان کو بصرہ سے جانتا تھا، ایک دفعہ کہیں جاتے ہوئے کچھ دنوں کے لئے وہاں ٹھہر گئے تھے، ان کا نام سنتے ہی وطن میں ان کی مجلس اور وطن کی یاد ستا گئی، کشاں کشاں ان کے حلقہ میں پہونچا کہ شاید ان کے حلقہ میں شریک ہو کر وطن کی اُن بہترین دنوں کی یاد تازہ ہو جائے، حلقہ میں حاضر ہوا، امام صرف ایک حدیث کی تشریح فرما رہے تھے جس میں اس پر زور دیا گیا ہے کہ عورت کا انتخاب محض ظاہری حسن و جمال کی بنا پر نہ کرنا چاہیئے بلکہ اس کی بہترین صلاحیتوں اور خوبیوں کی بنا پر رفیقۂ حیات بنانے کا خیال کرنا چاہیئے، عورت کو محض حسن صورت کی بنا پر چاہنا تو درحقیقت ایک قسم کی حیوانیت ہے، حسن و قبح کے فیصلہ کا حق صرف آنکھ ہی کو نہیں ہے آخر دل و دماغ بھی تو کوئی چیز ہیں جن کے بغیر کوئی فیصلہ صحیح نہیں ہو سکتا ہے، پھر اگر آنکھ کو ایک چیز اچھی نہیں لگتی ہے لیکن دل و دماغ اُسے اچھا سمجھتے ہیں تو یہ کہاں کی عقلمندی ہے کہ محض ایک کے فیصلہ کو مان لیا جائے اور دو کا فیصلہ رد کر دیا جائے — میں بہت سے علما اور ادبا کی صحبتوں میں اس سے پہلے بیٹھ چکا تھا، ان کی باتیں سُن چکا تھا، مگر امام بلخی کا انداز ہی کچھ اور تھا، میں نے آج تک اتنی دل نشین تقریر نہ سُنی تھی، ایک ایک لفظ دل کی گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا اور جب میں وہاں سے اٹھا تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ لے کر جا رہا ہوں، دن بیتتے رہے، میں اپنا کام کرتا رہا، مگر جو بات اس دن سُنی تھی وہ کچھ اس طرح دل میں سما گئی تھی کہ وہ اندر ہی اندر اپنا کام کر رہی تھی، اور آخر کار وہ واقعہ پیش آیا جسے میں اب آپ کے سامنے بیان کروں گا، سچ ہے کبھی کبھی ذہن کی گہرائیوں میں اتری ہوئی ایک معمولی سی بات دنیا میں بڑے سے بڑے حادثہ کا پیش خیمہ بن جاتی ہے اور......

ارے بھائی اب مختصر بھی کرو اس کہانی کو — ابن امین بولے — مگر ہاں امام بلخی نے حدیث کی تشریح میں جو کچھ کہا تھا اگر مناسب سمجھو تو وہ مجھے بتاؤ، مجھے تو اس سے بڑی دلچسپی ہو چلی ہے۔

بہتر ہے — مسلم بولے — آپ کی یہی مرضی ہے تو سنیے، یہ کہہ کر میں نے امام بلخی کی پوری تقریر جہاں تک مجھے یاد آ سکی انھیں سنائی، شیخ کے خیال کو سُن کر ابن امین پر وجد کا عالم طاری ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھیں کوئی بیش بہا خزانہ ہاتھ آ گیا ہے، فرط مسرت سے ان کا چہرہ دمکنے لگا بولے "واللہ مسلم میں نے آج تک ایسی دل نشین، مدلل اور معقول تقریر نہیں سُنی، کیا بتاؤں دل کے سرور اور روح کی مسرت کا کیا عالم ہے مجھے....

میرے بیان کا تو آپ پر اتنا اثر ہوا — مسلم نے کہا — اگر آپ امام موصوف کی زبان سے اُسے سنتے تو پھر کیا عالم ہوتا، اس تقریر سے میرے خیالات کی دنیا بدل گئی اور زاویۂ نظر تبدیل ہو گیا، کہاں تو یہ عالم تھا کہ دل کسی پری پیکر اور زہرہ جبیں کا طالب تھا اور نگاہ حسن صورت کی شیدائی تھی یا یکایک طبیعت میں ایسا انقلاب

کہ دل جمال کے بجائے کمال کا متلاشی ہوگیا اور صورت کے بجائے سیرت مرکز توجہ بن گئی اب پری پیکر کے بجائے فرشتہ خصلت کی تلاش تھی اور حسن ظاہر کے بجائے نور باطن کی فکر تھی، مجھے رہ رہ کر امام احمد بن حنبل کی یہ بات یاد آتی تھی کہ انہوں نے ایک خوبصورت آنکھ والی عورت کے بجائے اس کی کانی بہن سے شادی کی تھی، کیونکہ وہ عقل و دانائی، عفت و طہارت اخلاق و عادات، خوش سلیقگی و خوش اطواری، ایمان و دیانت اور صلاح و تقوے میں اپنی خوبصورت بہن سے بہت ممتاز تھی ——— میں نے ارادہ کر لیا کہ اگر شادی کروں گا تو ایسی عورت سے کروں گا جو ظاہری خوبصورتی کے بجائے جمال باطنی، صلاحیت اور کمال سیرت سے متصف ہوگی۔

ہاں تو پھر کیا ——— ابن امین نے پوچھا ——— تم اپنا قصہ تو سنانا بھول ہی گئے!

پھر یہ ہوا جناب کہ میں بصرہ واپس آگیا، اللہ کا دیا بہت کچھ تھا، سوچا کہ اب زندگی کے دن یہیں گزار دوں گا پر آپ جانیے اکیلے دن کیسے کٹتے، جی چاہا کہ شادی کر لوں پر کہاں کروں، یہ سوال تھا، سو یہ بھی حل ہوگیا، میرے قریب ہی ایک بزرگ رہا کرتے تھے، ان کے ایک لڑکی تھی، اس کے سیکڑوں پیام آئے پر انھوں نے سب رد کر دیے، جی نے کہا کہ ضرور کوئی خاص بات اس لڑکی میں ہے یا تو وہ اتنی حسین ہے کہ کوئی اس کے برابر کا جوڑ نہیں ملتا یا پھر کوئی ایسی اہم حقیقت ہے جس کا قدر دان کوئی نظر نہیں آتا، جب ہی تو بڑے میاں سب کے پیام رد کر دیتے ہیں، کیوں نہ میں بھی قسمت آزمائی کروں، چنانچہ میں دوسرے دن بڑے میاں کے پاس پہونچا ان سے اپنا نام، باپ کا نام بتا کر مدعا عرض کیا۔ بولے، ہاں میں تمھیں اور تمھارے باپ کو اچھی طرح جانتا ہوں، پر ——— اور پھر کسی گہری سوچ میں پڑ گئے ——— تھوڑی دیر کے بعد میری طرف دیکھا اور بولے کہ تم اپنے فیصلہ پر نظر ثانی نہیں کر سکتے ہو؟ میں نے باادب عرض کیا کہ اپنا تو فیصلہ اٹل ہے، بس اب آپ کے فیصلہ کی دیر ہے ——— بولے کہ اچھا کل برات لے آؤ ——— چنانچہ میں خوشی خوشی اپنے تاجر ساتھیوں کے پاس آیا اور خوش خبری سنا کر کل برات میں شرکت کی دعوت دے دی، لوگوں کو اس پر یقین نہ آیا، بعضوں نے کہا کہ میاں ہوش کی لو، تم سے کہیں بڑے بڑے آدمیوں کے پیام تو اس شخص نے رد کر دیے ہیں، تم سے بھلا کیسے اپنی لڑکی کا نکاح کر سکتے ہیں، کیوں ہم لوگوں کو خواہ مخواہ تکلیف دو گے، پر میں نے انھیں باصرار رضامند کر لیا، انھوں نے پھر کہا کہ اچھا چلیں گے، مگر اس خیال سے کہ جیسے گئے تھے ویسے ہی سوکھے منھ واپس آجائیں گے۔

اب ابن امین اکتا گئے تھے، جھنجھلا کر بولے، ہاں ہاں سمجھ گئے کہ تم دولھا بن کر گئے اور اس حسینہ سے شادی کر لی جس کے پیٹ سے یہ بچے پیدا ہوئے، اچھا اب اس بدصورت عورت کا قصہ تو سناؤ کہ اس کے دام میں تم کیسے پھنسے؟

اب تک تو حضور نے بڑے صبر سے میری بات سن لی ——— مسلم نے کہا ——— اب تھوڑی دیر اور صبر سے سن لیجئے، بدصورت کا بھی قصہ آئے جاتا ہے ——— اس سے میری پہلی ملاقات اسی شادی کی رات کو ہوئی۔

جی تو میں بارات لے کر بڑے میاں کے یہاں پہونچا، بڑی شفقت و محبت سے ملے، بڑی آؤ بھگت کی اور بلا چون و چرا اپنی لڑکی میرے عقد میں دے دی، اونٹ ذبح کئے اور باراتیوں کو بڑا پر تکلف کھانا کھلایا، اور پھر مجھ سے بولے کہ اگر تم کہو تو رخصتی کی رسم بھی ادا کر دوں، یہیں اپنے گھر میں، مجھے کوئی عذر نہیں ہے، میں نے ادب سے عرض کیا یہ آپ کی مہربانی ہے، پھر مجھے لے کر نماز پڑھنے مسجد گئے نماز جب ختم ہوئی تو میں نے دیکھا کہ بڑے میاں گڑگڑا کر دعائیں مانگنے میں مشغول ہیں، گویا ان کی لڑکی کسی بڑی مصیبت میں پھنسنے جا رہی ہے اور یہاں میرے لئے فرقت کی گھڑیاں اب پہاڑ ہوئی جا رہی تھیں، چنانچہ مجھے رہ رہ کر بڑے میاں پر تاؤ آرہے کہ دعا ہی نہیں ختم کر چکتے، خدا خدا کر کے دعا ختم ہوئی اور بڑے میاں مجھے لے کر اندر گئے اور ایک کمرے میں مجھے بٹھایا، پھر بولے، اچھا اب خدا حافظ، خدا تم دونوں کو خیر و برکت عطا کرے، اب جو میں نے کمرے کے لوگوں پہ

نظر ڈالی تو عجیب منظر تھا۔ جدھر دیکھئے بوڑھی، بدقوارہ کھوسٹ عورتیں، ان سب سے کمسن جو تھی اس کی عمر ۶۰ سال کی تھی اور چہرے بس نہ پوچھئے، جیسے قبروں سے مُردے اٹھالائے گئے ہوں، اور جسم اللہ کی پناہ، معلوم ہوتا تھا گھُنی سڑی لکڑیاں ہیں جنھیں کسی سہارے سے کھڑا کر دیا گیا ہے، ان میں کوئی بھی ایسی نہ تھی جس کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھنے کو جی چاہے۔

خوب، تو یہ کہئے کہ آپ کی محبوبہ دلنواز میں بدصورتی کے علاوہ بڑھاپے کی بھی صفت ہے، ماشاء اللہ، کریلا اور نیم چڑھا ـــ ابن امین نے طنزاً کہا، واقعی تم نے ان لڑکوں کی ماں کو مار ڈالا۔

جی آگے تو سنئے ـــ مسلم بولے ـــ پھر ان میں سے ایک عورت اٹھی اور میری بیوی کو میرے سامنے لائی، پر ماحول کی وحشت، میرے اوپر اس طرح سوار تھی کہ مجھے ہر طرف موت، بڑھاپا، بدصورتی کے سایے سے چلتے نظر آرہے تھے، ہر طرف بھوتوں اور عفریتوں کی روحیں منڈلاتی معلوم ہوتی تھیں، چنانچہ جونہی مجھے بیوی کی آہٹ آئی میں سنبھلا، اتنے میں عورتوں نے پردہ کھینچ دیا، اور خود کمرے سے غائب ہوگئیں، اب میں نے خدا کا شکر ادا کیا، کہ خس کم جہاں پاک، اور پھر اپنی بیوی پر بڑی مشتاقانہ نگاہیں ڈالیں ـــ

اب ابن امین ضبط نہ کرسکے، چلائے، ارے مختصر بھی کرو اس حکایت رنگیں کو، کیا صبح تک بیان کرنے کے ارادے ہیں، میں سمجھ گیا کہ وہ تمھاری حسین وجمیل بیوی، ان لڑکوں کی ماں تھی، مجھے تم اس بدصورت عورت کا قصہ سناؤ۔

وہ بدصورت عورت ـــ اکیا عرض کروں سرکار، وہ بدصورت عورت یہی دلہن تھی۔

یہ سننا تھا کہ سب کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور ابن امین حیرت واستعجاب سے مسلم کو دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے ـــ پر مسلم اپنی بات کہتے رہے ـــ جب میں نے اس پر نظر ڈالی تو امام ابو عبداللہ بلخی کی پھر وہی بات یاد آگئی، اور جی میں کہا کہ میں نے خود ہی تو یہ کیا ہے۔ گویا کہ امام موصوف کی تقریر غیر شعوری طور پر اپنا کام کرتی رہی تھی اور میرا معیار حسن اندر ہی اندر بدلتی رہی تھی، اور پھر آج کے دن حقیقت بن کر میرے سامنے آگئی، ادھر اس بیچاری کی حالت نہ پوچھئے اس نے مجھے گم سم کھڑا دیکھا تھا فوراً میرے ہاتھوں کو بوسہ دے کر بولی، میں اپنے باپ کا راز ہوں جسے وہ اب تک لوگوں سے چھپاتے رہے تھے، مگر اس راز کو انھوں نے آپ کے حوالہ کر دیا ہے یہ امید کر کے کہ آپ اس کے اہل ہیں، دیکھئے اس راز کو اب افشا نہ ہونے دیجئے گا ورنہ میرے باپ کی بڑی دل شکنی ہوگی، یہ صحیح ہے کہ میرے اندر حسن صورت نہیں ہے لیکن اگر حسن سیرت، سلیقہ مندی، عصمت وعفت بھی عورت کے جوہر ہیں تو یقین فرمائیے کہ میں نہ صرف اس پر پوری اتروں گی بلکہ قدرت نے جتنی کمی حسن صورت میں کی ہے اتنی ہی فراوانی سے یہ دولت مجھے بخشی ہے آپ دیکھیں گے کہ میں آپ کو اتنا چاہوں گی کہ آپ تصور نہ کرسکیں گے، اگر آپ مجھے تکلیف پہونچائیں گے تو میں اُسے آپ کی طرف سے انعام سمجھوں گی، پھر آپ ہی سوچئے میری عقیدت اور محبت اس وقت کتنی بڑھ جائے گی جب آپ مجھ سے شریفانہ اور محبت کا برتاؤ کریں گے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ کا دل بڑا نیک ہے اور آپ میرے جیسی دکھیاری کی دل دہی اور خوشی کا سبب بننا بڑا کار ثواب سمجھیں گے۔ بولئے اگر ایک دکھیاری کی تکلیف دہ زندگی آپ کے دم اور حسن معاملہ اور آپ کی محبت سے خوشی، محبت اور خوشگوار زندگی میں تبدیل ہو جائے تو آپ ایسا نہ کریں گے؟ یہ کہہ کر ایک کونے سے اشرفیوں سے بھری ہوئی ایک تھیلی اُٹھائی اور مجھ سے مخاطب ہو کر بولی، آپ غم نہ کیجئے خدا نے میری موجودگی میں آپ کو تین اور شادیوں کی اجازت دی ہے یہ رقم آپ پر نچھاور ہے، اور اس کے بدلے میں میں صرف

آپ سے اپنی پردہ پوشی کی طلبگار ہوں اور بس۔

اس نے یہ باتیں کچھ اتنے درد اور سوز کے انداز میں کہیں کہ اسی وقت دل میں اس کی وقعت بیٹھ گئی، چنانچہ میں نے اس سے کہا کہ خدا کی قسم آج سے میں تم کو اپنی دنیا اپنا سرمایہ اور پونجی سمجھوں گا، تمھارے سوا اور عورت کا خیال بھی نہیں کروں گا، پھر میں نے امام عبداللہ بلخی کی ساری باتیں اسے سنائیں اور اپنا خیال بتایا تب اسے اطمینان ہوا، اور پھر ہم دونوں رہنے سہنے لگے، اور جوں جوں ازدواجی زندگی کے دن گزرتے جاتے اس کے چہرے کی بدصورتی، اس کے حسن کردار، سلیقہ مندی، وفاداری اور بے لوث محبت سے دھلتی جاتی، یہاں تک کہ ایک دن ایسا آیا کہ وہ سراپا حسن، سراپا جمال، سراپا رنگینی و رعنائی بن گئی اب مجھے محسوس نہ ہوتا تھا کہ وہ بدصورت ہے، بلکہ دنیا کی جمیل ترین عورتوں سے کہیں زیادہ حسین و خوبصورت معلوم ہونے لگی، اور پھر اس کے بطن سے یہ پہلا لڑکا پیدا ہوا، چاند سا چمکتا ہوا، پھول سا کھلتا ہوا، مجھے بڑی حیرت ہوئی، پر اس نے کہا کہ آپ حیران نہ ہوں، یہ ایمان صادق اور اعتماد علی اللہ کا صلہ ہے، میں اپنے رب سے گڑگڑا کر دعائیں کرتی رہی ہوں کہ میری بدصورتی کو آگے نہ بڑھائے، چنانچہ خدا نے ایسا ہی کیا، اس کے بعد دوسرا بچہ ہوا، یہ بھی چندے آفتاب چندے ماہتاب، اب مجھے یقین ہو گیا کہ جس بات پر ایمان اور عقیدہ کی پختگی کے ساتھ بھروسہ رکھا جائے خدا اسے پورا کر دیتا ہے، اور اگر اس میں نیک نیتی، حسن سلوک، خلوص اور بے غرضی ہے تو ناممکن ہے کہ خدا اپنے فضل و کرم سے اسے پورا نہ کرے اور اسی کو کہتے ہیں ایمان محکم کی معجز نمائی!

(بقیہ مضمون صفحہ (۲))

اس موقع پر صدارت کی تحریک کرتے ہوئے مرکزی خلافت کمیٹی کے سکریٹری غازی محی الدین اجمیری نے ایک بڑی پُرمعنی تقریر کی تھی، اس کے چند فقرے اب بھی ذہن میں تازہ ہیں، غازی صاحب نے اس موقع پر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ شعر پڑھا ؎

ما و مجنوں ہم سبق بودیم در دیوان عشق
او بصحرا رفت و من در کوچہ ہا رسوا شدیم

یاد پڑتا ہے کہ اس برمحل شعر نے جلسہ میں ایک خاص کیفیت پیدا کر دی تھی، درحقیقت یہ شعر مولانا عبدالعلیم اور ان معاصرین کے طرز عمل اور اس کے نتائج پر ایک جامع تبصرہ تھا، اشاعت اسلام کی جد و جہد میں لگ کر انھوں نے عزت و تکریم حاصل کی اور مسلمانوں کو کافر بنا کر ان کے معاصرین نے اپنی رسوائی کی تکمیل کی، مسلمانوں کو بھی اس سے نقصان پہونچا اور وہ لوگ بھی ذلیل و خوار ہوئے۔

ان سطور کے لکھنے کی غرض صرف اسی جانب توجہ دلانا ہے، خصوصاً ہنگامہ آفریں، فرقہ بند، کفر ساز، مفرزین اور ان کے معتقدین سے عرض کرنا ہے کہ وہ غور کریں کہ کیا ان کی یہ روش بہتر ہے یا وہ طرز عمل بہتر ہے جو مولانا عبدالعلیم صاحب نے اختیار کیا ہے، کاش مولانا موصوف کی اس مثال سے ہنگامہ آرائی کرنے والوں اور مسلمانوں کے اندر تفرقہ پیدا کرنے والوں کو نصیحت حاصل ہو اور وہ یہ سمجھیں کہ عزت و سرافرازی اپنوں کو کافر بنانے سے حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ غیروں کو اسلام کا پیغام پہونچانے سے ہوتی ہے۔

ہماری نظر میں

● مسئلہ انتخابات اور مسلمانان ہند

از مولانا ابو اللیث اصلاحی

صفحات ۱۱۱۔ طباعت کتابت معمولی۔ قیمت: ۱۲ر

پتہ :۔ مکتبہ جماعت اسلامی ہند۔ رام پور (یو، پی)

تقسیم ہند کے بعد یہ مسئلہ فوراً ہی اٹھ کھڑا ہوا کہ اب مسلمانان ہند کو کس جماعت میں رہنا چاہئے، مسلمانوں کا مرکزی نقطۂ فکر اب ایک تو ہے نہیں، جو ان بیان تک مصائب اور مشکلات کے بعد کوئی ایک متفقہ شکل عوام کے سامنے آجاتی، اس لئے خواص نے اس مسئلہ کو جتنا سلجھانے کی کوشش کی وہ اتنا ہی الجھتا گیا، اور اب الکشن کے زمانہ میں یہ سوال تو بہت شد و مد سے سب کے سامنے آگیا ہے کہ مسلمان اپنی رائے (ووٹ) کسے دیں۔

یہ رسالہ اسی موضوع پر ہے اس میں مولانا ابو اللیث صاحب امیر جماعت اسلامی ہند نے جماعت اسلامی کی ترجمانی کی ہے، اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ موجودہ الکشن میں مسلمانوں کو قطعاً بے تعلق رہنا چاہئے اور کسی بھی جماعت یا شخص کو ووٹ نہ دینا چاہئے کیونکہ ان کے نزدیک مسلمانوں کے لئے یہی مفید ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ اس علٰحدگی سے مسلمانوں کی حیثیت محفوظ رہے گی، ملک کی دوسری مسلمان جماعتوں کو اس سے اختلاف ہے اور وہ الکشن میں مسلمانوں کی شرکت ضروری سمجھتے ہیں۔

جن لوگوں نے طے کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو الکشن میں حصہ لینا چاہئے وہ تو اس وقت ایسی کتابیں اور مضامین پڑھنا بھی پسند نہیں کریں گے، لیکن جن لوگوں کے دل کو ابھی اطمینان حاصل نہیں ہوا ہے اور وہ ابھی تک غور و فکر کی منزل میں ہیں انہیں یہ رسالہ ایک راستہ متعین کرنے میں مدد دے سکتا ہے۔

ممکن ہے بہت سے لوگوں کو یہ گریز کی صورت نظر آئے اور موجودہ حالات میں وہ اسے قابل عمل نہ سمجھتے ہوں لیکن بہرحال یہ ایک نقطۂ نظر ہے اور اگر ملت اسلامی کے مشن کو پیش نظر رکھا جائے اور اس عظیم الشان مقصد کو سامنے رکھا جائے جو دعوت اسلامی کا نصب العین ہے تو الکشن کی ہماہمی زیادہ اہم نہیں رہ جاتی لیکن موجودہ صورت حال میں جب ملت اسلامیہ کے سامنے نہ وہ بلند نصب العین ہے نہ مسلمان وہ اعلٰی اسلامی کیرکٹر رکھتے ہیں نہ ان کے اندر وہ داعیانہ تڑپ ہے عملاً مصنف کی دعوت پر

●● شعر نمبر (ماہنامہ چراغ راہ)

مرتب :۔ نعیم صدیقی

صفحات ۱۹۱، کتابت طباعت بہتر، قیمت: ۶ر

پتہ :۔ ماہنامہ چراغ راہ ۹ لوٹیا بلڈنگ آرام باغ روڈ، کراچی ۱

شعر نمبر ماہنامہ چراغ راہ کراچی کی خصوصی اشاعت کی حیثیت رکھتا ہے، اس نمبر میں مرتب نے کوشش کی ہے کہ جماعت اسلامی کے علاوہ دوسرے حلقہ سے تعلق رکھنے والے شعراء کے اسلامی کلام کو بھی جمع کر دیں، اس مجموعہ کو چند حصوں میں بانٹا گیا ہے، ۱۸۵۷ء سے پہلے تک کی نظمیں ایک جگہ ہیں، اس کے بعد ایک ایک سال کا انتخاب ۱۹۵۱ء تک ہے پھر آخری حصہ میں بلا تعیین زمانہ ـــ

اس مجموعہ میں ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ سب کام اشتہار سے نکالا گیا ہے، شعر نمبر کے لئے شعر اور شاعر پر ایک گہری تنقیدی نظر ضرور ہونی چاہئے تھی اسے بھی مرتب نے اقبال، حالی اور مختلف موجودہ شعراء کے انتخاب کلام سے مرتب کیا ہے، اگر یہ پورا باب "شعر اور شاعر" پڑھ لیا جائے تو صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ نعیم صدیقی صاحب نثر کی زبان میں اپنے خیالات کی جس طرح ترجمانی کرتے وہ ان شعرا کی زبانی کرائی گئی ہے، تاہم اس مجموعہ میں دو ایک ایسے تنقیدی اور سنجیدہ مقالوں کو ضرور جگہ دینی چاہئے تھی جس سے قاری کے ذہن میں اسلامی شعر اور اسلامی شاعری کی تصویر آجاتی اور وہ اسلامی شاعری

اور غیر اسلامی شاعری میں نمایاں فرق محسوس کرتا۔

پورے مجموعہ میں صنف غزل کی کمی بھی محسوس ہوتی ہے اور بیچ بیچ میں بعض ایسی نظمیں آجاتی ہیں جہاں ذوق شعری مجروح ہوجاتا ہے اور صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس چیز کی اس مجموعہ میں جگہ نہ تھی — لیکن یہ ذوقی بات ہے اور کچھ ضروری نہیں کہ ناقد اور مرتب کا ذوق بالکل یکساں ہو۔

یہ مجموعہ ان لوگوں کے لئے بہت دلچسپ اور مفید ہے جو یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ اب تک اسلام پسند شعرا نے کہاں تک ترقی کی اور ان کی اٹھان کیسی ہے۔

٭ ہندوستانی سوشلزم

از سید اصغر علی عابدی

صفحات ۴۵، قیمت ۸ر کتابت طباعت متوسط

پتہ :- مکتبہ فکر نو، ۱۳۵ شاہ گنج، الہ آباد

منتظمین مکتبہ کی نظر میں انتخاب کے اس موسم میں ملک کی مختلف پارٹیوں کی غرض و غایت اور طریقہ عمل کا غیر جانبدارانہ مطالعہ نہایت ضروری ہے اور یہ مضمون اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے — لیکن کتابچہ کی چند سطریں پڑھتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ مطالعہ غیر جانبدارانہ نہیں ہے، کتاب کی چوتھی سطر ہی میں مصنف کا یہ دعوے کردینا کہ "ہندوستانی سوشلزم بھی ناکام ہی ہوگی" پڑھنے والوں پر ظاہر کردیتا ہے کہ مصنف کس مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہے۔

اس بات سے قطع نظر عابدی صاحب نے ہندوستانی سوشلزم اور اس کے اجزائے ترکیبی کو اس طرح واضح کرکے بیان کیا ہے کہ پڑھنے والا صاف طور سے محسوس کرتا ہے کہ ہندوستان کا علاج ہندوستانی سوشلزم کے پاس نہیں ہے۔

عابدی صاحب نے بعض جگہوں پر بلا وجہ ہندی الفاظ لکھ کر عبارت کے حسن کو غارت کردیا ہے، خواہ مخواہ اردو الفاظ کی جگہ ہندی الفاظ لکھنا ہندوستانی ادب کا ثبوت نہیں ہے — "آج درحقیقت جو سوشلزم بھارتی آکاش کے نیچے جنم لے رہی ہے" (ص ۸)، یا "مقدار کے بندے اس کی دھرتی پر چین کی زندگی بسر کرسکتے ہیں" (ص ۴۲) وغیرہ یہاں بھارتی آکاش اور دھرتی کے بجائے اردو کے آسان الفاظ لکھے جاسکتے تھے جو ہندی کے طبع نازک پر گراں بھی نہ گزرتے اور حسن صحت بھی باقی رہتا۔

یہ مضمون ہندوستانی سوشلزم کا سرسری مطالعہ ہے لیکن دلچسپ اور مفید۔

٭ باکورۃ العربیہ
٭ استاذ العربیہ

تالیف مولوی ابوالاثر عبدالسلام نعمانی

صفحات بالترتیب ۲۲ و ۹۵، قیمت ۳ر و ۱۲ر

پتہ :- ندوۃ المعارف - کچی باغ - بنارس

مولوی عبدالسلام صاحب نعمانی نے یہ دونوں رسالے اس مقصد سے مرتب کئے ہیں کہ لوگ آسانی کے ساتھ کم وقت میں عربی سیکھ لیں، عربی نصاب کو آسان کرنے اور مفید بنانے کی کوشش ہندوستان میں پچھلے برسوں سے شروع ہوچکی ہے، بعض ادارے اپنے اس مقصد میں اچھی خاصی حد تک کامیاب ہوچکے ہیں، یہ دونوں کتابیں بھی اسی جدوجہد کے سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

پہلی کتاب (باکورۃ العربیہ) میں روزمرہ کے ان اردو اسماء کی عربی بتادی گئی ہے جس سے ہمیں ہر وقت واسطہ پڑتا رہتا ہے، الفاظ میں ترتیب ہے، اعضا ایک جگہ ہیں، رشتہ ایک جگہ جمع کردیے گئے ہیں، آخر میں چھوٹے چھوٹے مرکب جملے دے دیے گئے ہیں۔

دوسری کتاب میں ۴۰ اسباق ہیں جس کے متعلق مولف کا دعوے ہے کہ ۴۰ دن میں یہ اسباق ختم ہوسکتے ہیں اور اس کے بعد اچھی خاصی عربی آسکتی ہے۔

مقدمہ کتاب میں اگرچہ مولف نے صراحت سے کہا ہے کہ یہ کتاب آسان نصاب کی کڑی ہے لیکن عربی کو آسان کرنے والوں کو یہ بات ہمیشہ ذہن میں رکھنی چاہئے کہ اس زمانہ میں بھی لوگ عربی زبان کو (باقی صفحہ ۱ پر)

★ محمد مصطفیٰ ندوی

انمول موتی

وضو کی فضیلت:

عن ابی مالک الاشعری رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الطھور شطر الایمان۔ (مسلم)

حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسم و لباس کی پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا توضأ العبد المسلم فغسل وجھہ خرج من وجھہ کل خطیئۃ نظر الیھا بعینیہ مع الماء او مع اخر قطر الماء فاذا غسل یدیہ خرج من یدیہ کل خطیئۃ کان بطشتھا یداہ مع الماء او مع اخر قطر الماء فاذا غسل رجلیہ خرجت کل خطیئۃ مشتھا رجلاہ مع الماء او مع اخر قطر الماء حتی یخرج نقیا من الذنوب۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدا کا فرمانبردار بندہ جب وضو کرنے میں اپنا منہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ساتھ اس کے وہ گناہ ساقط ہوجاتے ہیں جن کی طرف اس کی آنکھوں نے دیکھا تھا اور جب وہ اپنے ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ساتھ وہ سارے گناہ جھڑ جاتے ہیں جنھیں اس نے اپنے ہاتھوں سے انجام دیا تھا، اور جب وہ پیر دھوتا ہے تو پیروں سے متعلق سارے گناہ جن کی طرف وہ چل کر گیا تھا پانی کے ساتھ ساتھ نیچے ساقط ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ وہ (نماز اور ثواب کی غیبت سے) وضو کرنے کی وجہ سے گناہوں (کی آلودگیوں) سے پاک و صاف ہو جاتا ہے اور اب اس کا مسجد کی طرف چلنا اور نماز (تکفیر سیئات کے لئے نہیں بلکہ رفع درجات کے لئے ایک) زائد عبادت ہے۔

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال الا ادلکم علی ما یمحو اللہ بہ من الخطایا و یرفع بہ الدرجات قالوا بلی یا رسول اللہ قال اسباغ الوضوء علی المکارہ وکثرۃ الخطا الی المساجد و انتظار الصلوۃ بعد الصلوۃ فذلکم الرباط فذلکم الرباط۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمھیں ایسے کام بتاؤں جن کے ذریعہ اللہ خطاؤں کو درگزر کرکے (جنت میں) بلند درجات عطا فرمائے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ اے اللہ کے سچے رسول! ضرور ارشاد فرمائیے تو نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے فرمایا (کہ وہ تین باتیں ہیں) (۱) اس وقت پورا پورا اہتمام وضو کرنا جب کہ طبیعت

یا کسی اور وجہ سے وضو طبیعت پر شاق گزرتا ہو، (۲) مسجدوں کی طرف (نمازوں کے لئے) زیادہ سے زیادہ آمد و رفت (۳) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے منتظر رہنا، ان تین کاموں کا ذکر کرکے آنحضرتؐ نے فرمایا کہ یہ اعمال ثواب میں اسلامی مملکت کی سرحد کی حفاظت کے ثواب کے برابر ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اُمَّتِیْ یُدْعَوْنَ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ غُرًّا مُحَجَّلِیْنَ مِنْ اٰثَارِ الْوُضُوْءِ فَمَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ اَنْ یُّطِیْلَ غُرَّتَهٗ فَلْیَفْعَلْ۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے آنحضرتؐ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ میری امت کے لوگ قیامت کے دن اس حالت میں حاضر کئے جائیں گے کہ ان کے اعضاء وضو کرنے کے سبب روشن ہوں گے، پس تم میں سے جو شخص اس روشنی کو بڑھانا چاہے تو اُسے (بار بار) وضو کرنا چاہئے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ یَّتَوَضَّأُ فَیُبْلِغُ اَوْ فَیُسْبِغُ الْوُضُوْءَ ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ التَّوَّابِیْنَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُتَطَهِّرِیْنَ اِلَّا فُتِحَتْ لَهٗ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ الثَّمَانِیَةُ یَدْخُلُ مِنْ اَیِّهَا شَآءَ۔ (مسلم، ترمذی)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آنحضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے جو شخص وضو کرے اور باقاعدہ پورا پورا وضو کرے اور بعد میں یہ دعا پڑھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، تو اُس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جائیں گے (اور اجازت دی جائے گی) کہ جس دروازے سے داخل ہونا چاہے داخل ہو جائے۔

سلہ اسلامی مملکت کی سرحد کی حفاظت کے متعلق آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ "ایک دن کی خدمت دنیا کے مال و متاع یا ایک ماہ کے روزوں اور ایک ماہ کی شب بیداری سے بہتر ہے اور مرنے کے بعد قیامت تک اس عمل کا ثواب ملتا رہے گا اور قبر کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

سلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اس قول "فذٰلکم الرباط فذٰلکم الرباط" کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان تینوں اعمال کے خیر و برکت اور اثرات و نتائج کا یہ عالم ہے کہ ایک ایسے شخص کے دل و دماغ پر شیطان کا تسلط نہیں ہو سکتا اور یہ اعمال اس کے قلب و دماغ کی سرحدوں پر مضبوط حصار (پہرہ) کا کام دیں گے (فذا لکم الرباط۔ زرقانی ملخصاً) اور اس کا ضمیر ہمیشہ بیدار رہیگا، ان الصلوٰة تنھیٰ عن الفحشاء والمنکر۔

(بقیہ مضمون صفحہ (۱۸) سے)

مشکل نہیں سمجھتے بلکہ انہیں اُلجھن اس طریقہ تعلیم سے ہوتی ہے جس میں پہلے ہی روز سے انہیں قواعد (گرامر) سے پالا پڑتا ہے اور انہیں غیر مانوس گرامر رٹنی پڑتی ہے۔

استاد العربیہ میں پڑھنے والا گرامر کے یاد کرنے سے چھٹکارا نہیں پا سکتا —— عربی کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کے لئے ایسا نصاب مفید ہو سکتا ہے جس میں قواعد کو مختلف اسباق کے ماتحت اس طرح سمو دیا گیا ہو کہ پڑھنے والا اول روز یہ محسوس کرے کہ آج مجھے عربی آگئی اور فَعَلَ فَعَلَا تک بھی نہیں رٹنا پڑا —— لیکن یہ کتاب ان لوگوں کو فائدہ پہونچا سکے گی جو باقاعدہ کسی مدرسہ میں اپنا پورا وقت صرف کرکے عربی سیکھنا چاہتے ہیں۔

آئندہ اڈیشن میں اس کتاب کی طباعت، کتابت اور کاغذ پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے۔ (م۔ع۔ب)

ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان

جلد (۲) — نمبر (۹)

تعمیر (پندرہ روزہ) لکھنؤ

۳۸- امین آباد پارک

۱۵ جنوری ۱۹۵۲ء

۱۶ ربیع الآخر ۱۳۷۱ھ

اس شمارہ میں

شرائط ایجنسی

(۱) کم از کم پانچ پرچوں پر ایجنسی دی جائے گی۔
(۲) قیمت پیشگی بھیجنی ہوگی۔
(۳) پرچے واپس نہ لئے جائیں گے۔
(۴) ۲۰ پرچوں تک کمیشن ۲۵ فیصدی ۴۰ تک ۳۰ فیصدی ۸۰ تک ۳۳⅓ فیصدی ۸۰ سے زیادہ پر ۴۰ فیصدی دیا جاتا ہے۔
(۵) سول ایجنٹ کو سو پرچے لینا ضروری ہیں۔
(۶) جہاں سول ایجنٹ نہ ہونگے وہاں ایک سے زائد لوگوں کو ایجنسی دی جا سکتی ہے
(۷) پرچے بلا رجسٹری بھیجے جاتے ہیں رجسٹرڈ منگانا ہو تو فیس رجسٹری ایجنٹ صاحبان کے ذمہ ہوگی۔

تعمیر کی قیمت

چندہ سالانہ:- چھ روپئے • ششماہی:- تین روپئے
ایک پرچے کے لئے:- چار آنے
ممالک غیر سے علاوہ پاکستان
سالانہ:- آٹھ روپئے • ششماہی:- چار روپئے
فی پرچہ:- چھ آنے

نوٹ:- پاکستانی حضرات اپنا چندہ حسب ذیل پتہ پر بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمیں بھیجدیں۔
پتہ:- دفتر چراغ راہ معرفت نوشیا بلڈنگ آرام باغ روڈ، کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ؕ

۲۶ گاؤں کی کھیتی

ابھی پچھلے دنوں ایک دینی اجتماع میں شریک ہونے کا اتفاق ہوا، شہر سے دور، سڑک سے دور، گاؤں کے باہر اجتماع کا انتظام تھا، شاید اس لئے کہ شہر کی کثافتوں اور سڑک (جس پر ہر فکر و خیال کے لوگ چلتے ہیں) کے گرد و غبار سے لوگ محفوظ رہیں۔ شرکاء اجتماع کو دیکھ کر رشک آتا تھا، سیدھے سادے دیہاتی جنھیں علم کا دعوے تو کجا، علم کی گلی سے گزرنے کا بھی اتفاق نہ ہوا، دینی رنگ میں اس طرح سرشار تھے کہ چشم تصور میں مجھے نہ جانے کیا کیا نظر آ رہا تھا —— اس اجتماع میں بے پڑھے لکھے دیہاتی گنوار بھی تھے، اور اچھے تعلیم یافتہ شہری مہذب بھی؛ جاہل بھی تھے اور چوٹی کے بعض علماء بھی ——

یوں تو تقریریں بہت ہوئیں لیکن ایک بزرگ نے بہت ہی درد کے ساتھ سامنے بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، جب میں ان چند گنے چنے لوگوں کو دیکھتا ہوں تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے اور کیوں نہ افسوس ہو، اگر کوئی کسان پورے سال ۲۶ بیگھے کھیت میں محنت کرے اور فصل کٹنے کے بعد اس کے سامنے تھوڑا سا غلہ رکھا ہو تو کیا اُسے افسوس نہ ہوگا —— اسی طرح یہ ہمارے ۲۶ گاؤں کی کھیتی کا کھلیان ہے —— ۲۶ گاؤں اور یہ گنتی کے آدمی، افسوس!!“ انھوں نے یہ بات کچھ اتنے درد سے کہی تھی کہ مجمع کا ہر شخص متاثر نظر آ رہا تھا، ان کی اس نقشہ کشی سے مجھے بھی بہت تکلیف اور دینی کام کی غیر مقبولیت پر افسوس ہوا لیکن پھر جب میں نے بعد میں غور کیا تو مجھے محسوس ہوا کہ وہ صحیح صورت نہیں بیان کر سکے۔ اس وقت ہم مسلمانوں کی جو سب سے بڑی کمزوری ہے وہ یہ ہے کہ ہم ہر ایک کام سے بہت جلد گھبرا جاتے ہیں اور حسب منشا نتیجہ فوراً برآمد نہ ہونے سے ہمت ہار بیٹھتے ہیں اور یہ سب اس وجہ سے ہے کہ ہم میں علم کی کمی ہے، ہمیں اپنی تاریخ نہیں معلوم، ہم نہیں جانتے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے کس طرح کام شروع کیا تھا، انھیں کن کن مرحلوں سے گزرنا پڑا اور کیسے کیسے حالات کا مقابلہ کرنا پڑا —— تاریخ رسالت میں ایک وہ وقت بھی تھا جب آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تیرہ برس مسلسل محنت کا نتیجہ صرف گنتی کے چند گنے چنے لوگ تھے، لیکن آپ مایوس نہیں ہوئے تھے، آپ نے یہ نہیں سمجھا تھا کہ دعوت میں اثر نہیں ہے، آپ جانتے تھے کہ یہی تھوڑے سے لوگ کل زیادہ ہوں گے، آج سے پہلے اس سے بھی کم تھے ——

دراصل انسان دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک تو وہ جو ہر کام کا روشن پہلو دیکھتے ہیں، انھیں اگر کسی کام میں کامیابی کی ذرا بھی توقع دکھائی دیتی ہے تو وہ اُسے بہت سمجھتے ہیں اور ان کے ذہن میں ہر وقت یہی رہتا ہے کہ ہم کامیاب ہوں گے، ناکامیابی کا تصور ان کے ذہن کے دروازوں کے پاس پھٹکنے بھی نہیں پاتا، دوسرے وہ ہوتے ہیں جو ہر کام کا تاریک پہلو دیکھتے ہیں یہ لوگ ہر کام میں ناکامیابی کے پہلو پر نظر بہت رکھتے ہیں، یہ ناکامیابی کے اندیشہ کو یقینی اور طے شدہ امر سمجھ لیتے ہیں، تاریخ شاہد ہے کہ ایسے لوگ کبھی کوئی کام نہیں کر سکے —— کام وہی کرتے ہیں جو ناکامیابی کے بارے میں سوچتے بھی نہیں —— ناکامیابی کے ہر خطرے کو اس رنگ میں پیش کرتے ہیں کہ لوگ اُسے بھی کامیابی کی نشانی سمجھنے لگتے ہیں ——

جس تقریر کا میں نے اوپر ذکر کیا، اس کو سن کر نہ معلوم کتنے دل ایسے ہوں گے جو ٹوٹ گئے ہوں گے اور شیطان نے ان کے اس تاثر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ناکامیابی کی کتنی ہیبت ناک اور بھیانک تصویریں ان کے سامنے لا کھڑی کی ہوں گی —— یہ صحیح تھا کہ آدمی کم تھے لیکن اسی کو وہ اس طرح سے پیش کر سکتے تھے کہ لوگوں میں اور جوش پیدا ہوتا، وہ کہہ سکتے تھے:——

(باقی صفحہ پر ملاحظہ ہو)

★ عبد السلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ۝

ترجمہ:

اور لوگوں میں سے کچھ ایسے اشخاص ہیں جن کی بات دنیاوی زندگی کے بارہ میں تمھیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہے جو کچھ ان کے دل میں ہے اس پر وہ خدا کو گواہ بناتے ہیں حالانکہ وہ شدید ترین دشمن ہوتے ہیں اور جب پلٹتے ہیں تو زمین میں کوشش کرتے ہیں کہ اس میں فساد پھیلائیں اور کھیتی اور نسل کو ہلاک کریں اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا ہے، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو تو جذبۂ نخوت انھیں گناہ پر ابھارتا ہے، ان کے لئے جہنم کافی ہے اور وہ کیا ہی بُرا ٹھکانا ہے، اور لوگوں میں سے کچھ ایسے اشخاص (بھی) ہیں جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتے ہیں اور اللہ بندوں پر بڑا شفیق ہے۔

تشریح

اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص اُخنس بن شریق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اسلام کا اظہار کیا اگرچہ اس کے دل میں ذرہ برابر بھی ایمان نہ تھا اور اسلام کا اظہار اس نے صرف فریب دہی کے لئے کیا تھا لیکن زبان سے خوب چکنی چپڑی باتیں کرتا رہا اس طرح غلط فہمی میں مبتلا کرکے اس نے مسلمانوں کو کافی نقصان پہونچانے کی کوشش کی، مدینہ منورہ سے واپسی میں جہاں موقع ملا کھیتیاں جلا ڈالیں اور جانوروں کو مار ڈالا، بعض اہل تفسیر کا یہ بھی خیال ہے کہ اس آیت میں قبیلہ عضل و قارہ کے ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو آنحضرت کی خدمت میں سنہ ۳ھ میں حاضر ہوئے تھے انھوں نے آپ سے درخواست کی کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا ہے آپ چند اہل علم مسلمانوں کو ہمارے ساتھ کر دیجئے تاکہ وہ ہمیں اسلام کی تعلیم دیں، آپ نے دس آدمی ان کے ساتھ کر دیے جو قرآن مجید سے خوب واقف تھے جب یہ لوگ مقام رجیع تک پہونچے تو ان کے ساتھ بدعہدی کی اور گرد و پیش کے کافر قبیلوں کو اُکساکر ان مسلمانوں کا محاصرہ کرلیا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ کے سوا اور سب مسلمان مارے گئے، ان دونوں بزرگوں کو گرفتار کرکے قریش کے ہاتھ فروخت کردیا جنھوں نے انھیں قتل کردیا، حضرت خبیب اور حضرت زید نے بڑی ثابت قدمی کے ساتھ جان دی۔ حضرت خبیب جب قتل گاہ میں لائے گئے اور اُن پر تیروں اور تلواروں کے وار ہونے لگے اُن کی زبان پر یہ الفاظ تھے؎

وَلَسْتُ اُبَالِيْ حِيْنَ اُقْتَلُ مُسْلِمًا
عَلٰي اَيِّ جَنْبٍ كَانَ لِلّٰهِ مَصْرَعِيْ

(جب میں اسلام کی حالت میں قتل کیا جا رہا ہوں تو مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں کس پہلو پہ مارا جا رہا ہوں)

اس موقع پر جب کہ ان کا جسم تیروں، نیزوں اور تلواروں کے زخموں سے چھلنی ہو رہا تھا وہ اسلام پہ دل

جان سے شیدا تھے، حضرت زید جب قتل گاہ میں لائے جا رہے تھے تو کفار کی طرف سے کہا گیا کیا اچھا ہوتا اگر تم اس وقت بچ جاتے اور تمہارے بجائے محمدؐ قتل کر دیے جاتے، حضرت زیدؓ اس فقرہ کو سن کر بیتاب ہو گئے اور فرمایا خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں ہو سکتا کہ میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا ہوں اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ایک کانٹا بھی چبھ جائے، یہ جواب سُن کر قریش کے لوگ دنگ رہ گئے اور ابو سفیان کے منہ سے نکلا میں نے محمدؐ کے اصحاب سے زیادہ کسی کو اپنے سردار سے محبت کرتے نہیں دیکھا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت کسی خاص واقعہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، نہ محض کسی شخص یا چند اشخاص کا اس میں ذکر ہے، یہ الگ بات ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص بھی اس کے تحت میں آتے ہوں لیکن آیت ان کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ جس طرح اس سے پہلے ومن الناس من یقول ربنا اتنا فی الدنیا........ میں مومن و کافر دو قسم کے اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے اسی طرح یہاں منافق و مومن خالص دو قسم کے اشخاص کا ذکر کیا جا رہا ہے جس طرح وہاں کافروں کے نقطۂ نظر کو بیان کر کے مومنین کے مطمح نظر کا ذکر کیا گیا ہے اسی طرح یہاں منافقوں کی روش کا ذکر کر کے مومنین کے اخلاص و فداکاری کا تذکرہ کیا جا رہا ہے، کفار علے الاعلان اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اور احکام الٰہی کے خلاف کھلم کھلا جدوجہد کرتے ہیں لیکن منافقین کو کھُل کر مخالفت کی ہمت نہیں ہوتی، وہ دل میں دشمنی کے جذبات رکھتے ہیں لیکن زبان سے خلوص و محبت کا اظہار کرتے ہیں لیکن جب انھیں موقع ملتا ہے تو فساد انگیزی اور ہلاکت و نقصان رسانی میں کوتاہی نہیں کرتے وہ اپنی چکنی چپڑی باتوں سے دلی خیالات کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں اور قسمیں کھا کھا کر خلوص قلب اور تعلق خاطر کا یقین دلاتے ہیں لیکن دل کے اندر دشمنی کے شدید جذبات رکھتے ہیں جب کوئی ان کے اس دورُخے پن پر انھیں متنبہ کرتا ہے تو اُسے تسلیم کرنے کے بجائے اور بھی جوش میں آکر ناروا باتیں کرتے ہیں لیکن ان کے مقابلہ میں مخلص اہل ایمان کا طرزِ عمل یہ ہوتا ہے کہ ان کی زندگی کا مقصد مرضی الٰہی کی تعمیل ہوتی ہے وہ اللہ کی خوشنودی کے لئے اپنے آپ کو قربان کرنے میں تامل نہیں کرتے اللہ کی رضا کے حصول میں جان کھپانا ان کا مقصود حیات ہوتا ہے۔

ان دونوں قسم کے نمونوں کا ذکر کر کے اللہ تعالےٰ ایک قسم کے لوگوں (مومنوں) کو اپنی شفقت کا یقین دلاتا ہے اور دوسری قسم (منافقوں) کو عذاب کی خبر دیتا ہے۔

ایمان و نفاق کے یہ دونوں نمونے آنحضرتؐ کے زمانے میں بھی پائے جاتے تھے جن کا ذکر ان آیتوں میں آیا ہے اور آپ کے بعد بھی ہر دور میں ان دونوں قسموں کے انسان پائے جاتے رہے ہیں اور آئندہ بھی پائے جاتے رہیں گے اس تذکرہ سے یہاں مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس جانب توجہ دلائی جائے کہ وہ اخلاص کے ساتھ اپنے کام میں مصروف رہیں اور راہ حق میں دل و جان سے جدوجہد کرتے رہیں اللہ ان کی بندگی اور فرمانبرداری کی قدر کرے گا اور انھیں اپنی شفقت و رحمت سے نوازے گا۔ اسی کے ساتھ اس تذکرہ سے یہ مقصود بھی ہے کہ اہل ایمان کو کھلے ہوئے مخالفوں کے ساتھ چھپے ہوئے دشمنوں سے بھی ہوشیار رہنے کی تلقین کی جائے، کھلے ہوئے دشمنوں کے مقابلہ میں پوشیدہ مخالفوں سے بچنا زیادہ دشوار ہوتا ہے، ان کی ظاہری باتوں سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے بلکہ ان کے عمل پر نظر رکھنی چاہیئے، جب تک ان کے الفاظ عمل کی کسوٹی پر پورے نہ اُتریں اس وقت تک ان کی دلفریب باتوں کا کوئی اعتبار نہیں، زبانی باتیں اور ملمع سازی تو آسان ہے امتحان اس وقت ہوگا جب قدرت و اختیار کے بعد یہ الفاظ عمل کا جامہ پہنیں۔

منافقین کے ذکر کے تحت میں اِتَّقِ اللّٰہ کے الفاظ سے اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ خدا کا خوف ہی انسان کو راہ راست پر قائم رکھ سکتا ہے اور ظاہر و باطن میں ہم آہنگی اُس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ ایک ہمہ داں و ہمہ بیں ذات پر ایمان نہ لایا جائے۔

(باقی آئندہ)

★ سید ابوالحسن علی ندوی
مشیر الحق بحری آبادی

غار حراء سے!

ایک نشری تقریر ہے جو سعودی ریڈیو (جدہ) سے ربیع الاول کے مہینہ میں نشر کی گئی تھی، آج اس کا مفہوم اردو کے قالب میں ناظرین تعمیر کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

●

کوہ نور پر چڑھتے ہوئے جب میں غار حرا پر پہونچا تو میں نے اپنے دل میں کہا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں اللہ تعالےٰ نے اپنے محبوب محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو رسالت کے شرف سے نوازا تھا اور یہیں آپ کو جبرئیل علیہ السلام نے اِقْرَأْ پڑھائی تھی، یہیں سے وہ سورج طلوع ہوا تھا جس نے عالم کو ایک نئے نور اور نئی زندگی سے بھر دیا تھا۔

بارہا ایسا ہوتا ہے کہ عالم میں صبح ہوتی ہے لیکن اس میں نہ کوئی نیا پن ہوتا ہے اور نہ تازگی، نہ خیر ہوتی ہے نہ سعادت — ایسا بھی ہوتا ہے کہ عالم میں صبح ہوتی ہے، انسان جاگتے ہیں لیکن انسانیت پڑی سوتی رہتی ہے، جسم بیدار ہوتے ہیں اور دل و جان غافل رہتے ہیں — تاریک دن اور جھوٹی صبح عالم میں کس نے نہیں دیکھی — لیکن اس غار حرا سے وہ صبح صادق طلوع ہوئی تھی جس کے نور نے ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپا لیا تھا، جس کے پھیلتے ہی کائنات بیدار ہوگئی تھی اور تاریخ کے دھارے کا رخ بدل گیا تھا۔

رفتۂ حیات میں گرہیں پڑ چکی تھیں، زندگی کے سب دروازے مقفل ہو چکے تھے، عقل پر اتنے دبیز پردے پڑے ہوئے تھے جس کے اٹھانے سے حکما اور فلاسفہ عاجز آ چکے تھے، ضمیر پر تالے پڑے تھے جس کے کھولنے سے واعظین اور مرشدین عاجز تھے، دلوں کے دروازے اس طرح بند ہو چکے تھے جسے حوادث و انفسیات بھی نہیں کھول سکتے تھے صلاحیتیں مجبور تھیں تعلیم و تربیت اور سوسائٹی و ماحول کے کاندھے اٹھانے میں ناکام رہے تھے، مدرسے مقفل تھے جن کے کھولنے سے علما و مدرسین عاجز تھے، عدالتیں بند تھیں جنھیں فریاد خواہ اور انصاف طلب کھولنے کی قدرت اس کی اصلاح سے عاجز — دولت مند اور امراء خزانہ کے سانپ بنے بیٹھے تھے ان کے کانوں پر بھوکوں کی بھوک اور ننگوں کی عریانیت سے جوں بھی نہیں رینگتی تھی — ایسی حالت میں بڑے بڑے مصلحین اور نامی گرامی قائدین دنیا کی اصلاح سے عاجز آ چکے تھے اور ان بڑے بڑے تالوں کے کھولنے سے ہمت ہار چکے تھے، انھوں نے ایک زمانہ سے ان تالوں کی کنجی کھو دی تھی، اور کہیں تالا بغیر اپنی کنجی کے بھی کھلا ہے۔

انھوں نے دوسری کنجیوں سے اسے کھولنے کی بہت کوشش کی لیکن انھیں ناکامی ہوئی، پھر انھوں نے چاہا کہ ان تالوں کو توڑ ڈالیں، اس میں انھیں کامیابی تو کیا ہوئی ہاں اپنے صحیح سالم ہاتھ کو زخمی کر بیٹھے۔

اور اس وقت اسی غار حرا میں جو متمدن دنیا سے الگ تھلگ ایک جاڑ پہاڑ پر ہے جہاں نہ بڑے بڑے مدرسے ہیں اور نہ اونچے اونچے کتب خانے — اس ویران غار میں اللہ تعالےٰ نے دنیا کی اس کھوئی ہوئی کنجی کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا۔

یہ کنجی ہے صرف یہ عقیدہ کہ "اللہ ایک، رسول برحق، اور قیامت یقینی ہے" اس کنجی سے ایک ایک بند تالے کھل گئے ایک ایک مقفل دروازے کھل گئے۔

یہ نبوت کی کنجی جب عقل کے تالے میں لگائی گئی تو عقل اس قابل ہوگئی کہ وہ اچھے برے میں تمیز کر سکے، مخلوق سے خالق تک پہونچ سکے، کثرت سے وحدت کو پہچان سکے شرک، بت پرستی اور اوہام و خرافات کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

اس کنجی سے جب انسان کے سوئے ہوئے ضمیر کو جھنجھوڑ کر جگایا تو اس وقت اسے مردہ اور زندہ میں تمیز ہوئی، اور اسے اچھے برے میں اس طرح تمیز ہونے لگی

کہ گنہگار کا ضمیر اُس وقت تک مطمئن نہ ہوتا تھا جب تک کہ وہ اپنے چھپے ہوئے گناہوں کو رسول کے سامنے بیان کرکے سزا کے لئے اصرار نہ کرتا ــــ ضمیر کی اسی بیداری کی بدولت گنہگار عورت کو دیہات میں واپس کر دیا جاتا، لیکن وہ پھر قتل ہونے کے واسطے دربنوت پر حاضر ہو جاتی ــــ گویا ضمیر کی کھٹک قتل سے زیادہ اذیت پہونچاتی تھی ــــ اسی کا اثر تھا کہ ایک معمولی سپاہی کسریٰ کے تاج کو لوگوں کی نظروں سے بچاتا ہوا خلیفہ کی خدمت میں لے آتا تھا، کیونکہ مال غنیمت میں چوری جائز نہیں ہے۔

دل پہلے پتھر کے تھے، نہ وہ نرم ہوتے تھے نہ پگھلتے تھے لیکن اس کنجی کے ملنے کے بعد وہ نرم ہوگئے، حادثات کا ان پر اثر پڑتا تھا اور نشانیوں سے نصیحت حاصل کرتے تھے

اس کنجی نے بند مدرسے کے دروازوں کو کھولا جسے معلم چھوڑ چکے تھے اور جس کے طلبا گوشہ نشین ہو چکے تھے، جہاں علم کی ساکھ گر چکی تھی اور معلم بے عزت ہو چکا تھا ــــ اسی کنجی نے علم کی بڑائی کو سمجھایا، عالم، متعلم، مربی اور معلم کی فضیلت کو بتایا، آہستہ آہستہ اس کا اثر یہاں تک پہونچا کہ ایک ایک مسجد اور مسلمانوں کا ایک ایک گھر مدرسہ بن گیا، ہر شخص اپنے لئے متعلم اور دوسرے کے لئے معلم ہوگیا۔

اس نے جب مقفل عدالتوں کو کھولا تو ہر عالم منصف قاضی ہوگیا اور ہر حاکم اللہ کا مطیع اور منصف مزاج حاکم ہوگیا، مسلمان خود عدل کو قائم کرنے لگے، ان کے اندر اللہ کا ایمان اور یوم آخر کا یقین اس طرح جاگزیں ہوگیا کہ ان میں خود بخود عدل کی کثرت اور بے انصافی کی کمی ہوگئی - جھوٹی گواہیاں، بے انصافیاں مفقود ہوگئیں۔

جب خاندان کی اصلاح ہوئی تو باپ بیٹے کی کھوئی ہوئی محبت مل گئی، بھائی بہن کے رشتہ میں مضبوطی پیدا ہوئی، میاں بیوی کے تعلق میں زندگی آئی، جن خاندانوں کی حالت یہ تھی کہ ان کا ہر فرد خواہ مالک ہو یا ملازم، چھوٹا ہو یا بڑا، ذمہ دار ہو یا غیر ذمہ دار، ہر ایک خود غرض تھا ہر ایک اپنا حق چاہتا تھا لیکن حق ادا کرنے سے کتراتا تھا

ان خاندانوں میں ایمان کا بیج بویا۔ انھیں اللہ کے عقاب سے ڈرایا اور بتایا ــــ "اے لوگو! اس رب سے ڈرو جس نے تمھیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلائیں ــــ اس اللہ سے ڈرو جس سے تم مانگتے ہو، اور رشتہ داروں کا خیال رکھو ــــ بے شک اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے" اس کے بعد خاندان کے ہر شخص پر خاندان کی بھلائی برائی کی ذمہ داری ڈالی اور کہا ــــ "تم میں کا ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا" ــــ اور اس طور خاندان اور سوسائٹی کو سدھارا، ان کے شعور کو بیدار کیا ان میں امانت اور خوف کو پیدا کیا یہاں تک کہ لوگوں میں خشیت پیدا ہوئی اور قوم کا سردار حقیقت میں ان کا خادم ہوگیا، اور قوم کا والی یتیم کے سرپرست کے مثل ہوگیا کہ اگر اُسے ضرورت نہ ہو تو وہ اُس کے مال سے کچھ نہ لے لیکن اگر وہ مجبور ہو تو اللہ کو سامنے سمجھ کر اس کے مال سے بقدر ضرورت لے لے۔

اس نبوت کی کنجی نے دولت مندوں اور تاجروں کو دنیا کی طرف سے بے پرواہ اور آخرت کا عاشق بنا دیا، انھوں نے جب اللہ کا حکم سُنا "(حاجت مندوں) کو اللہ کے اس مال میں سے دو جو تمھارے پاس ہے" تو اللہ کے راستے میں اپنے مال کو خرچ کرنا شروع کیا، رسول نے انھیں ذخیرہ اندوزی چور بازاری اور اللہ کے راستے میں مال نہ خرچ کرنے سے ڈرایا اور اللہ کا فرمان سنایا کہ ــــ "وہ لوگ جو سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی کرتے ہیں اور اُسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ہیں تو انھیں دردناک عذاب کی خوش خبری دے دیجئے، جس دن کہ ان پر وہ سونا چاندی پگھلا کر ڈالا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیاں پہلو اور پشتوں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا یہ ہے وہ جسے تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا، پس کل جو تم جمع کرتے تھے آج اُس کا مزہ چکھو"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیغام و دعوت

سوسائٹی کو ایسے صالح افراد مل گئے جو اللہ پر ایمان رکھتے تھے، اللہ کے عذاب سے ڈرتے تھے، امانت دار تھے، آخرت کے لئے دنیا کو تج دینے والے تھے، مادی قوتوں کو روحانی قوتوں سے دبا دینے والے تھے، جو اس بات پر یقین رکھتے تھے کہ وہ دنیا کے لئے نہیں ہیں بلکہ دنیا اُن کے لئے ہے، ان میں کا ہر ایک اس صلاحیت کا تھا کہ اگر وہ تاجر ہو تو سچا امانت دار کھرا تاجر ہو، اگر فقیر ہو جائے تو شرافت کا دامن اس کے ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، اگر کہیں کا عامل بنا دیا جائے تو بہترین عامل ہو، اگر دولت مند ہو جائے تو سخاوت اس کی لونڈی بنے، اگر قاضی ہو تو انصاف اس کا خادم ہو، اگر حاکم ہو تو اخلاص اور امانت اس کے جلو میں ہوں، اگر سردار بنے تو رحم اور بردباری اس کے دائیں بائیں ہوں، اگر ملازم و مزدور ہو تو قوت و امانت سے کام لے، اگر عوام کی دولت کا امین بنے تو تمام و صاحب علم خزانچی ہو۔

ان بنیادوں پر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے قائم کی تھیں اسلامی سوسائٹی اور پھر جب وقت آیا تو اسلامی حکومت وجود میں آئی، یہ سوسائٹی اور حکومت در اصل ان اخلاق و صفات کا مظہر تھی جو ان افراد میں پائے جاتے تھے، یہ ایک صالح سوسائٹی تھی ایک امین معاشرہ تھا، وہ لوگ آخرت کے واسطے دنیا کو تج دیتے تھے وہ مادہ سے مغلوب نہیں غالب تھے، اس سوسائٹی میں تاجروں کی صداقت اور امانت تھی، غریبوں کا استغنا تھا، عاملوں کی مدد جہد تھی، دولت مندوں کی سخاوت تھی، قاضیوں کا عدل تھا اور حاکموں کا اخلاص و امانت، مخدوموں کی تواضع اور رحمت تھی، تو خادموں کی فرض شناسی اور احساس ——

اس سوسائٹی اور اس حکومت کے ذریعے وہ انسانی زندگی وجود میں آئی جو سرتاپا ایمان و عمل صالح تھی، لینے دینے میں عدل اور اپنے غیر میں انصاف اس کی خصوصیات تھیں۔

میں ان خیالات میں بالکل محو تھا، مجھے یاد نہیں رہا تھا کہ میں کہاں ہوں، دفعتاً میں چونکا اور میں نے دیکھا کہ اب پھر انسانیت کے دروازوں پر تالے پڑ چکے ہیں، حالانکہ زندگی اس وقت سے لیکر اب تک بہت سے مراحل طے کر چکی ہے، انسانیت کے قدم بہت آگے بڑھ چکے ہیں، انسانی مسائل بہت پر پیچ ہو چکے ہیں —— میں نے سوچا کیا ان نئے تالوں کو ان پرانی کنجیوں سے کھولا جا سکتا ہے، اس بات کو صحیح یا غلط ثابت کرنے کے لئے جب میں نے ان تالوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ تو وہی پرانے تالے ہیں ہاں پالش نئی ہے، آج بھی دنیا کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ افراد جو زندگی کا فاسد ہیں، آج ہر شخص صرف مادی طاقتوں اور ظاہری قوتوں پر ایمان رکھتا ہے، آج اُسے اپنی ذات اور خواہشات سے بڑھ کر کچھ عزیز نہیں ہے، وہ خود پرستی اور خواہش پرستی میں اس حد تک بڑھ چکا ہے کہ خالق اور مخلوق کا رشتہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکا ہے، انبیا اور آخرت کے عقیدہ کا زینہ اس کے پیروں کے نیچے سے نکل چکا ہے آج ہر شخص پوری انسانیت کی بدبختی کا منبع بن چکا ہے۔

آج کا تاجر ذخیرہ اندوز ہے، چور بازاری کرنے والا ہے —— جو فقیر ہے وہ بُرا فقیر ہے، اس کی خواہش ہر وقت یہی رہتی ہے کہ بغیر محنت دوسرے کا سب سامان مل جائے —— اگر وہ عامل ہے تو اپنے حقوق کے لینے میں چوکس لیکن ادا کرنے میں ڈھیلا —— اگر دولت مند ہے تو اس کا دل پتھر ہے جو نہ پگھل سکے اور نہ اس پر کچھ اثر ہو سکے اگر کہیں کا والی ہے تو راشی اور ظالم —— اگر سردار ہے تو خود غرض اور نفس پرست —— اگر خادم ہے تو خائن اور بنا ہوا کمزور —— اگر خزانچی ہے تو خرد برد کرنا اس کی فطرت ہے —— اگر خدانخواستہ کسی حکومت کا وزیر ہے، وزیر اعظم ہے، صدر جمہوریہ ہے تو اسے اپنی، اپنے احباب کی اور اپنے نفس کی خدمت سے چھٹی نہیں، اقربا پروری، احباب نوازی اس کی فطرت ہے —— اگر قسمت سے لیڈر ہو گیا ہے تو وہ اپنے وطن یا نسل ہی کو پوجتا ہے وہ اپنے ہر

...ن کی دشمنی کرے گا خواہ اس کا مخالف حق پر ہو —— وہ سائنس داں ہے تو انسانیت کی تباہی اس کا امتیاز ہے، انسانیت کو فائدہ پہونچانے کیلئے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم بنانا اس کا فرض ہے۔

آج ان افراد سے حکومت مرتب ہوتی ہے، آج یہ لوگ سوسائٹی اور معاشرہ کے روح رواں ہیں —— جیسی روح ویسے فرشتے —— ظاہر ہے ان کے مجموعہ سے جو حکومت بنے گی وہ کیسی ہوگی، جس حکومت میں ذخیرہ اندوز اور چور بازاری کرنے والے تاجر، خود غرض فقیر، بے رحم عالم، سخت دل دولت مند کھوٹے والی، ظالم آقا، خائن ملازم، غبن کرنے والے خزانچی، موقع پرست وزرا، وطن پرست قائدین، تباہی لانے والے سائنٹسٹ، بربادی پھیلانے والے مورخ ہوں، اس سوسائٹی اور حکومت کا نقشہ کوئی کیا کھینچے —— انہیں سے آج انسانی سوسائٹی میں وہ برائیاں پھیلی ہیں، اور ان مشکلات کا سامنا ہے جن سے انسانیت پناہ مانگ رہی ہے۔

آج مفکرین اور مصلحین ان مشکلات کے دور کرنے سے عاجز آچکے ہیں، اب وہ ہر طرف سے [illegible] ہو کر آزمائے ہوئے نسخوں کو پھر آزما رہے ہیں، کبھی وہ اس کا علاج شخصی حکومت بتاتے ہیں اور پھر دوبارہ نبض دیکھ کر نسخہ کاٹ دیتے ہیں اور علاج جمہوریت بتلاتے ہیں، کوئی دوسرے فخر الاطبا اس کا علاج ڈکٹیٹر شپ بتاتے ہیں [illegible] اسی طرح شخصی نظام سے جمہوریت کی طرف، اور جمہوریت سے اشتراکیت و اشتمالیت کی طرف چھلانگیں لگائی جارہی ہیں۔

لیکن حالات میں اس وقت تک تغیر نہیں ہوسکتا، جب تک کہ افراد میں تغیر نہ ہو، یا تو وہ جانتے نہیں ہیں یا جان بوجھ کر انجان بن رہے ہیں کہ افراد بگڑ چکے ہیں ان میں کجی پیدا ہوچکی ہے، اگر وہ سمجھ لیں کہ سوسائٹی کے افراد بگڑے ہوئے ہیں تو وہ اس کی اصلاح اور اس کی درستگی سے باز آجائیں، کیونکہ ان کے پاس علمی درسگاہیں، بڑی بڑی تعلیم گاہیں اور نشرگاہیں اور تربیت گاہیں تو ہیں لیکن ان کے

پاس وہ چیز نہیں ہے جو افراد کی اصلاح کرسکے، اس کی کجی کو درست کرسکے، اس کے رخ کو شر سے خیر کی طرف موڑ سکے جو اسے بگاڑ سے بناؤ کی طرف لاسکے، آج افراد روحانی دیوالیہ ہوچکے ہیں، ایمان سے تہی دست ہیں، ان کے پاس وہ چیز نہیں ہے جو ان کے قلب کو غذا پہونچاسکے، ایمان کو بڑھاسکے، آقا اور بندہ کے درمیان رشتہ کو استوار کرسکے، اس زندگی اور آنے والی زندگی کے تعلقات کو درست کرسکے، مادہ اور روح میں تعلق پیدا کرسکے، علم اور اخلاق کو درست کرسکے، ان کے روحانی دیوالیہ پن، اندھی مادہ پرستی اور کبر و نخوت کی حد یہ ہے کہ انھوں

(بقیہ مضمون صفحہ (۲))

"بھائیو! یہ جو تم تھوڑے سے آدمی دیکھ رہے ہو یہ ۲۶ گاؤں کا کھلیان نہیں ۲۶ گاؤں کے کھیتوں کے بیج ہیں —— گیہوں کے ایک دانے سے کتنے گیہوں پیدا ہوتے ہیں یہ تم جانتے ہو، اسی طرح اس اجتماع کا ہر آدمی کتنے آدمیوں کو دین کی طرف لائے گا وہ کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے"

اس کا اثر کچھ اور ہوتا، لوگ اپنے دل میں ایک نیا جوش، ایک بلند حوصلہ، ایک عزم، ایک ولولے کر اٹھتے اور شیطان کو اس وقت ان کے نزدیک آنے کی ہمت بھی نہ ہوتی۔

تقریر اور تحریر کی معمولی غلطی قوم کے مزاج بدل دیتی ہے، اس سے ہمیں غافل نہ ہونا چاہئے، خصوصاً ایسے جلسوں میں جہاں زیادہ سے زیادہ عزم پیدا کرنے کی ضرورت ہو وہاں تو بھولے سے بھی مایوس کرنے والی باتیں نہ کرنی چاہئیں ——

(م۔ع۔ب)

ایک گزارش } براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کیجئے۔

منیجر

تعمیر، ۳۰۔ امین آباد پارک لکھنؤ

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

الجزائر کی دردناک سرگزشت

●

ان اوراق میں وقتاً فوقتاً اسلامی ممالک کے حالات شائع ہوتے رہتے ہیں، اس سلسلہ میں سنہ ۵۸ء کے کسی تعمیر میں الجزائر (الجیریا) کے حالات بھی شائع ہو چکے ہیں جو حاضر العالم الاسلامی پر امیر شکیب ارسلان مرحوم کے حواشی سے ماخوذ تھے، اس مضمون میں الجزائر پر فرانسیسی حملہ، امیر عبدالقادر کی سرفروشانہ مدافعت بالآخر امیر مرحوم کی شکست اور الجزائر پر فرانسیسی تسلط کے مختصر حالات بیان کئے گئے تھے اور فرانسیسیوں کے ان لرزہ خیز اور ہوش ربا مظالم کا تذکرہ کیا گیا تھا جو انھوں نے الجزائر کے مظلوم باشندوں پر ڈھائے تھے، امیر شکیب ارسلان مرحوم کے حواشی پندرہ سولہ برس پہلے کے لکھے ہوئے تھے، لیکن ان پندرہ سولہ برس کے اندر فرانسیسی حکومت نے الجزائر کے باشندوں کو جس طرح غارت کیا اور وہاں کی اسلامی زندگی کو جس قدر برباد کیا اُسے سن کر ہر دردمند خون کے آنسو بہائے گا لیکن فرانسیسی گورنمنٹ کی زبردست کوشش ہے کہ کسی طرح ان واقعات کی اطلاع باہر نہ پہونچنے پائے، اس غرض سے بیرونی ممالک کے اشخاص خصوصاً عربوں اور مسلمانوں کو الجزائر میں داخل ہونے کا موقع نہ دیا جاتا تاکہ کسی کو ان مظالم کی خبر نہ ہونے پائے اور چپ چپاتے اس ملک کی ساری اسلامی خصوصیات ختم کر دی جائیں، خود باشندگان ملک اس قدر کچل دیے گئے ہیں کہ انھیں مجال دم زدنی نہیں ہے۔

مشہور مصری رسالہ الثقافۃ کے نامہ نگار ابو مروان مقیم طنجہ (مراکش) کی عرصے سے کوشش تھی کہ کسی طرح انھیں الجزائر جانے کا موقع ملے تاکہ وہاں کے موجودہ حالات سے واقفیت ہو اور یہ پتہ چلے کہ فرانسیسی حکومت کے مظالم کا اب کیا حال ہے، کسی اور ملک میں جانا ہوتا تو سرسری تفتیش اور ضابطہ کی خانہ پُری کے بعد اجازت نامہ یا پروانہ راہ داری مل جاتا لیکن الجزائر کے متعلق تو فرانسیسی حکومت کی طے شدہ پالیسی ہے کہ حتی الامکان کسی بیرونی شخص کو وہاں داخل نہ ہونے دیا جائے عربوں اور مسلمانوں کے لئے تو خاص طور سے رکاوٹیں پیدا کی جاتی ہیں، اس لئے ابو مروان صاحب کی معمولی سیاحت کی درخواست کی منظوری میں ایک مدت دراز صرف ہو گئی اگرچہ کہنے کو الجزائر فرنچ کامن ویلتھ کا ایک حصہ ہے لیکن درحقیقت دوسرے خالص مقبوضہ علاقوں اور غلام ملکوں سے بھی اسکی حالت بدتر ہے اس لئے ابو مروان صاحب کو ان کے اس ارادہ سے باز رکھنے کے لئے طرح طرح سے کوششیں کی گئیں اور پروانہ راہ داری کے حصول میں جہاں تک ہو سکا رکاوٹیں ڈالی گئیں، ان پر قسم قسم کی پابندیاں لگائی گئیں اور طرح طرح کے بیان لئے گئے، ان مراحل سے گزرنے کے بعد یہ مزید مطالبہ کیا گیا کہ وہ الجزائر کے دو معتبر آدمیوں کے نام بتائیں جو ان سے واقف ہوں اور ان کے چال چلن کی تصدیق کریں، یہ شرط بڑی سخت تھی ان کے جاننے والے تو الجزائر میں بہت تھے وہ لوگ ان کی تصدیق بھی کر دیتے لیکن اس طرح ان کے پیچھے جلا لگا دینی تھی اور آئے دن ان غریبوں کو فرانسیسی حکام کی زیادتیوں کا شکار رہنا تھا اس لئے کچھ عرصہ تک تامل رہا بالآخر کسی نہ کسی طرح یہ مرحلہ بھی طے ہوا اور ہزاروں دقتوں کے بعد ابو مروان صاحب الجزائر پہونچ سکے وہاں انھوں نے جو کچھ دیکھا اُسے انھیں کے الفاظ میں سنیے:-

عبدالسلام قدوائی

عربی زبان کا خاتمہ ایک سو بیس سال کے فرانسیسی قبضہ کے بعد

میں نے اس ملک کو اس حال میں پایا کہ عربی آثار اسلامی نشانات اور قومی آداب سب یکسر مٹا دیے گئے ہیں، صرف کہیں کہیں کچھ نقوش اس طرح نظر آجاتے ہیں جیسے راکھ کے نیچے دبی ہوئی چنگاریاں، میں نے سارے ملک میں نہ کوئی عربی اخبار دیکھا نہ مجھے کوئی عربی رسالہ نظر آیا، کسی سڑک یا گلی کے سائن بورڈ بھی مجھے عربی میں لکھے ہوئے دکھائی نہ دیے۔ ستر لاکھ مسلمانوں کی آبادی میں برائے نام ایک ہفتہ وار رسالہ البصائر نکلتا ہے جو یہاں کی جمعیۃ العلما کا ترجمان ہے اور اس کا مقصد اسلام اور عربیت کی تائید و ترویج ہے، اعلان تو ہفتہ وار اشاعت کا ہے لیکن ایسا ہو نہیں پاتا، وجہ یہ ہے کہ الجزائر ملک سرکاری طور پر فرانسیسی ہو گیا ہے، فرنچ زبان یہاں کی قومی زبان قرار پا گئی ہے، مدارس میں اصلی زبان کے طور پر اسی کی تعلیم دی جاتی ہے اور عربی کا درجہ اجنبی زبان کا سا ہو گیا ہے، طالب علم فرانسیسی کے بعد اسپینی اور اطالوی زبان کی طرح اگر چاہے تو عربی بھی ایک مضمون کے طور پر لے سکتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربی کے پڑھنے والے بہت ہی کم ہو گئے ہیں، اس کے علاوہ ایک سبب یہ بھی ہے کہ رسالہ البصائر میں دلچسپ خبریں اور عشقیہ افسانے نہیں ہوتے ہیں بلکہ یہ مفید علمی مضامین کا حامل ہوتا ہے، اس کے مقابلہ میں فرانسیسی مقامی اور بیرونی اخبارات اور رسائل میں پڑھنے والوں کو جو سامان لطف ملتا ہے وہ البصائر میں ممکن نہیں اس وجہ سے بھی اس کے خواستگار کم ہیں۔

میں نے الجزائر کے لوگوں سے عربی میں گفتگو کی کوشش کی لیکن ہم ایک دوسرے کی بات سمجھنے پر قادر نہ ہو سکے الجزائری جس عربی سے واقف ہیں وہ بربری اور فرانسیسی سے کافی مخلوط ہے، لہجہ اور تلفظ تک اس سے متاثر ہے، حد یہ ہے کہ محمد کو مہمت اور علی کو الی کہتے ہیں۔

عربی مدارس کی حالت جمعیۃ العلما اور دوسری غیرت مند وطن پرور جماعتوں نے اس صورت حال کے دور کرنے کے لیے عربی مدارس قائم کیے ہیں، لیکن ان سے فائدہ اٹھانے والے بہت کم ہیں، اس کا سبب بھی واضح ہے، بچوں کو ان کے والدین سرکاری مدرسوں میں بھیجتے ہیں جہاں انھیں سند ملتی ہے جس سے آئندہ زندگی میں روزی کی راہیں پیدا ہوتی ہیں اور ملازمتیں ملتی ہیں، لیکن عربی مدرسوں کا مستقبل خیالی سمجھا جاتا ہے، وہاں سے ایسی سندیں میسر نہیں آتیں جو سرکاری طور پر تسلیم کی جاتی ہوں اور نہ اعلیٰ تعلیم کی راہیں کھلتی ہیں، بعض لوگ جنھیں شوق ہے کہ ان کے بچے عربی پڑھیں وہ اپنے بچوں کو صبح سرکاری مدرسے جانے سے پہلے دو ایک گھنٹوں کے لئے عربی مدرسوں میں بھیجتے ہیں، بعض لوگ شام کو چھٹی کے بعد بھیجتے ہیں لیکن اس صورت میں بچوں پر جو بوجھ پڑتا ہے اور انھیں جو مشقت برداشت کرنی پڑتی ہے وہ ظاہر ہے، اس مشقت کے ساتھ طلبہ کی بے توجہی کا باعث یہ بھی ہے کہ ان عربی مدارس میں ایسا فرسودہ نظام تعلیم اور طریق درس رائج ہے جو طالب علم کو علم سے متنفر کر دیتا ہے۔

اسلامی آثار کی بربادی یہ تو عربی زبان کی سرگزشت تھی اسلامی آثار کے ساتھ جو کچھ ہوا اور ہو رہا ہے اس کی روداد اس سے بھی دردناک ہے، اسلامی آثار میں سب سے اہم مسجدیں ہیں مسجدوں کی موجودگی اور آبادی مسلمان جماعت کے وجود کا پتہ دیتی ہے لیکن اس سلسلہ میں یہ سن کر آپ کو بہت رنج ہوگا کہ مسجدیں سب سے زیادہ برباد کی گئی ہیں، ایک جزائری دوست نے بتایا کہ فرانسیسی حملہ کے وقت صرف خاص شہر الجزائر میں تقریباً دو سو مسجدیں اور خانقاہیں تھیں لیکن اب صرف دو مسجدیں باقی رہ گئی ہیں، یہ حال کیسے ہوا؟ اس طرح کہ اوقاف کا سلسلہ منقطع کر دیا گیا، دینی وظائف بند کر دیے گئے، عمارتوں کی مرمت نہیں کی گئی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ گر گئیں اور ویران ہو گئیں، ان میں سے بعض گرجوں کی شکل میں تبدیل کر لی گئیں چنانچہ بعض گرجے ہنوز اس شکل میں موجود ہیں کہ مسجد کی پرانی ساخت صاف ظاہر ہے[1]۔

اس طرح مسجدوں کے زوال، علما پر تشدد، قومی مدارس کی جگہ فرانسیسی تعلیم گاہوں کی تاسیس اور عربی زبان کے بجائے فرانسیسی زبان کی ترویج کا انجام یہ ہوا کہ اُمّت

---

[1] اس جگہ مراسلہ نگار نے مسجد کی تصویر بھی شائع کی ہے جو گرجا کی شکل میں تبدیل کر لی گئی ہے۔

موجودہ نسل کے نام کے سوا اسلام سے اور کچھ واقفیت نہیں رہ گئی ہے وہ تقلیدی طور پر اسلام کو مانتے ہیں لیکن اس کا نہ کوئی واضح مفہوم ان کے ذہن میں ہے نہ کوئی اس کا قوی احساس ان کے دل میں ہے۔

لادینی حکومت کی حقیقت یوں کہنے کو تو فرانس ایک لادینی ریاست ہے اس لئے سرکاری مدارس میں کسی مذہب کی تعلیم نہیں ہوتی لیکن قوم عیسائی ہے جس کا بڑا حصہ رومن کیتھولک ہے اور ان سرکاری مدارس کے استاد اور استانیاں اصلی فرانسیسی ہیں اس لئے اسلامی شعار کے بجائے مسیحی دستور رائج ہو گیا ہے مثلاً تعطیل اتوار کے دن ہوتی ہے۔

فرانسیسی فتوحات کے وقت جو پادری آئے تھے وہ ملک میں پھیلے ہوئے ہیں خصوصاً دیہاتوں اور پہاڑی علاقوں میں انھیں حکام کی پوری تائید حاصل ہے، کہنے کو یہ پادری یہی اعلان کرتے ہیں کہ ان کی کوئی اور غرض نہیں ہے بلکہ محض انسانی اور اجتماعی خدمت مقصود ہے مگر در پردہ مقصود کچھ اور ہی ہے، ان لوگوں کی سوسائٹیاں، تعلیم گاہیں اور اسپتال قائم ہیں، یہ ملک کے پست اقوام میں کام کرتے ہیں اور اپنی خدمات اور اعانات سے ان کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں، اس طرح انھوں نے بہت سے سادہ لوح اشخاص کو عیسائی بنا لیا ہے، بہت سے مسلمانوں کے یتیم اور غریب بچوں کی امداد کر کے انھیں اپنے دین کا پیرو بنا لیا ہے، اس طرح استعماری طاقت نے اسلام کے مقابلہ میں صرف سلبی روش ہی اختیار نہیں کی ہے بلکہ ایجابی طور پر بھی در پردہ اس کی بیخ کنی میں مصروف ہے لیکن بایں ہمہ یہ اللہ تعالےٰ کا فضل ہے اہل الجزائر ہنوز اپنے دین پر قائم ہیں، پورے اس بیان سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ میں متعصب ہوں یہ خیال قطعاً صحیح نہیں ہے، میرا ایمان قرآن مجید پر ہے جس میں آیا ہے کہ لکم دینکم ولی دین (تمھارے لئے تمھارا دین ہے اور میرے لئے میرا دین ہے) میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ جو کچھ میں نے الجزائر میں اسلام اور مسلمانوں کی حالت دیکھی ہے وہ آپ کے سامنے بیان کر دوں تاکہ آپ دیکھیں کہ استعماری طاقت نے اس ملک کے دین اور یہاں کی زبان کے ساتھ کس قدر زیادتی کی ہے۔

قومی رسوم اور آداب کی کیفیت اگر قومی رسوم و آداب کے متعلق کچھ آپ واقفیت چاہتے ہوں تو سنئے اس کا حال اور بھی بدتر ہے، ملک میں اب قومی رسوم و تقاریب کا کہیں پتہ نہیں ہے، اس کے مقابلہ میں ۱۴ر جولائی کو انقلاب فرانس کی یادگار منائی جاتی ہے، مدارس کے نصاب میں صرف فرانس کی تاریخ داخل ہے، جس طرح اسلامی اور ملکی تاریخ درس میں شامل نہیں ہے اسی طرح قوم کے اکابر کا تذکرہ بھی طلبہ کے سامنے نہیں ہوتا ہے نہ ملک میں کہیں ان کی کوئی یادگار قائم ہے، سڑکوں، مدرسوں اور میدانوں کے نام ملکی رہنماؤں اور دینی بزرگوں کے بجائے فرانس کے سپہ سالاروں، مدبروں، شاعروں اور مصنفوں کے ناموں پر رکھے گئے ہیں۔

اخلاقی حالت اخلاقی حالت یہ ہے کہ طوائفان بازاری کی دوکانیں علے الاعلان کھلی ہوئی ہیں، شراب کی دوکانیں سگرٹ اور سگار کی دوکانوں سے بھی زیادہ ہیں، نوبت اب یہاں تک پہونچ گئی ہے کہ اسلامی الجزائر اب شراب کے لئے مشہور ہے یہی شراب فروشی افراد اور حکومت، دولت و ثروت کا منبع ہے، قمار گھر اور لہو و لعب کے مرکز باضابطہ قائم ہیں اور انھیں سرکاری اجازت نامے حاصل ہیں، الغرض اب کوئی ایسی رسم باقی نہیں ہے جس سے ملک تاریخ یاد آئے اور اس کی عزت و عظمت کا کچھ احساس ہو فرنگی استعمار نے قبر پرستی کا سلسلہ البتہ جاری رکھا ہے اگر آپ کسی مقبرہ کی طرف جائیں تو وہاں عورتوں، بڈھوں اور بچوں کی ایک بھیڑ نظر آئے گی، یہ لوگ قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان سے برکت حاصل کرتے ہیں اور دفع بلا، واپسی گم شدہ اور شفائے امراض کے امیدوار ہوتے ہیں۔

فقر و تنگ دستی اس کے علاوہ استعمار فرانس نے اور جس چیز کو

باقی رکھا اس کی ہمت افزائی کی وہ فقر و تنگ دستی ہے دنیا کو کس قدر یہ مغالطہ ہے کہ استعمار سے ملک کی ثروت میں اضافہ ہوتا ہے، اگرچہ اضافہ ہوتا ہے تو اہل ملک کے لئے نہیں بلکہ صرف اسی استعماری طاقت کے لئے اور اس کے باشندوں کو نفع پہونچتا ہے، دیکھئے اہل ملک کے ساتھ کیا سلوک ہوتا ہے، فرانسیسیوں نے ملک کے اصلی باشندوں سے زرعی زمین خریدی اور انھیں جنوب کے ویران اور صحرائی علاقوں کی طرف ڈھکیل دیا، لیکن ان غریبوں کے ساتھ اس بے رحمانہ سلوک پر اکتفا نہیں کی گئی بلکہ جب ان بیچاروں نے سخت محنت کرکے جنگلوں کو صاف کیا اور اپنی غیر معمولی جد و جہد سے صحرائی علاقہ کو قابل کاشت بنایا تو انھیں ان کے چھوڑنے پر مجبور کیا، اس طرح سارا زراعتی فائدہ اہل ملک کے بجائے مستعمرین کی جیبوں میں پہونچ گیا۔

جب زراعتی میدان میں غریب باشندگان ملک کا یہ حشر ہوا تو یہ آسانی سے سمجھا جا سکتا ہے کہ صناعتی اور تجارتی میدان میں ان کا کیا انجام ہوا ہوگا، بھلا محکوم الجزائری کی یہ ہمت کہاں ہے کہ وہ صنعت و تجارت میں اپنے فرانسیسی آقا کا مقابلہ کر سکے، صنعتی کمپنیاں، اور تجارتی منڈیاں اور بینک سب اہل فرانس کے ہاتھ میں ہیں، اور انھیں کا سکہ جاری ہے، ملک زرعی اور معدنی اعتبار سے اچھا خاصہ مالدار ہے، لوہے کی کانیں، بہترین تمباکو، تیل، صابون، عمارتی لکڑیاں اور میوہ جات بکثرت ہوتے ہیں، لیکن اس کے باوجود غریب الجزائری فقر و فاقہ میں مبتلا ہیں اور ایک صدی سے زیادہ فرانسیسی تہذیب کے زیر سایہ رہنے کے باوجود ان کی تنگ دستی بدستور بلکہ روز افزوں ہے نہ وہ فرانسیسی بن پائے نہ اپنی حالت پر باقی رہ پائے۔

ایک دن میں نے انتہائی جنوبی علاقہ کا سفر کیا اور ایک گاؤں میں گیا میرا خیال تھا کہ وہاں مجھے خالص الجزائری ملیں گے، لیکن افسوس کہ وہاں بھی ہوٹل، دوکانیں قہوہ خانے، عالی شان مکان اور بہترین باغ سب فرانسیسیوں کے ہاتھ میں آئے۔

یہ میرا شمالی افریقہ میں فرنچ استعمار کا ایک تجربہ ہے یہ استعمار کا ایک سیاہ صفحہ ہے اور اس قوم کا نامۂ اعمال ہے، جو آزادی، مساوات اور اخوت کی دعوت تمام ساری اقوام عالم میں پیش پیش ہے، جو اپنی جمہوریت اور حریت نوازی پر فخر کرتی ہے، سچ ہے دنیا اسی متناقض چیزوں سے بھری ہوئی ہے ؎

قتل امرئ فی غابة جريمة بالتفتقر
کسی جنگل میں کسی شخص کا قتل ناقابل سلامتی ہے

وقتل شعب آمن مسألة فيها نظر
اور ایک پُرامن قوم کا قتل ایسا مسئلہ ہے جو محل نظر ہو

(بقیہ مضمون صفحہ (۲۰) ۹)

اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے مجھے تو حکم دیا گیا ہے کہ میں ان فتنہ پرداز مشرکوں اور کافروں سے اُس وقت تک جہاد کرتا رہوں جب تک یہ دین حق کے ماتحت نہ ہو جائیں یا کہ یہ نماز قائم کریں، زکوٰۃ ادا کرنے لگیں اور شاہد بن جائیں کہ خدائے واحد کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور بے شک محمد اس کے بندے اور اس کی ہدایت کو انسانوں تک پہونچانے والے ہیں جب یہ لوگ ایسا کریں گے تو اسلام کی پناہ میں آجائیں گے اپنا مال اور اپنی جانیں محفوظ کر لیں گے الا یہ کہ اس کے جان و مال میں شریعت ہی کوئی مطالبہ لعدہ حق نکل آئے (ہم ان کے ساتھ یہ معاملہ ان کے ظاہری قول فعل اور عقائد و اعمال کی بنا پر کریں گے، رہا ضمائر قلوب کا حال تو اس معاملہ میں) ان کا حساب اللہ تعالے کے ذمہ ہے۔

★جگر مرادآبادی

غزل

•

نقشِ وفا کا رنگ مٹایا نہ جائے گا
مل بھی گیا جو زہر تو کھایا نہ جائے گا

سر سے جنونِ عشق کا سایہ نہ جائے گا
تم سے بھی یہ طلسم مٹایا نہ جائے گا

دل نے اگر چھپا بھی دیئے داغہائے عشق
آنکھوں سے تو یہ راز چھپایا نہ جائے گا

مجھ ناتوانِ عشق کو سمجھا ہے تم نے کیا
دامن پکڑ لیا تو چھڑایا نہ جائے گا

ان کو بلا کے اور پشیماں ہوئے جگر
یہ کیا خبر تھی ہوش میں آیا نہ جائے گا

★دل شاہجہانپوری

غزل

•

اے اہلِ دل یہ شیوۂ تمکینِ یار ہے
اظہارِ حق کے جرم میں تعزیر دار ہے

کیا پوچھنا حقیقت عہدِ الست کا
اے بے خبر تری رگِ جاں پردہ دار ہے

مضطر نہ ہوں تلاطمِ پیہم سے خستہ جاں
کشتی بس ایک دو ہی تھپیڑوں میں پار ہے

اے غم نصیب دل ترے شکوے بجا مگر
سب کا جواب اک نگہِ شرمسار ہے

رعنائیِ مجاز سے تا چند التفات
یہ کیف رنگ و بو تو فریبِ بہار ہے

ذروں میں کچھ کشش ہے محسوس ہو چلی
اے دل سنبھل کہ پیشِ نظر کوئے یار ہے

•

★عطا کلیانوی

رباعیات

(۱)

تعبیر تری خواب ہوئی جاتی ہے
کشتی تری گرداب ہوئی جاتی ہے
وہ زندگی ہونا تھا جسے جام شراب
افسوس کہ خوناب ہوئی جاتی ہے

(۲)

تو عالم تعبیر میں بیدار نہیں
تو منزلِ تعمیر میں معمار نہیں
اے رند! یہ سیکشی ہے کس طرح حلال؟
ساغر میں ترے عکسِ رُخِ یار نہیں

(۳)

تاریک کو براق بنانا ہو گا
انفس کو بھی آفاق بنانا ہو گا
گو زندگی تلخ تر ہوئی جاتی ہے
اس زہر کو تریاق بنانا ہو گا

(۴)

مہکے گلزار میری بُو سے کتنے
چمکے دُر میری آبرو سے کتنے
صد شکر کہ اک قطرہ بھی ضائع نہ ہوا
گل بوٹے کھلے میرے لہو سے کتنے

★احسان

غزل

بڑھ رہی ہیں عشق کی دشواریاں
ہیں دل آزاری میں بھی دلداریاں
صبر الفت آزمانے کے لئے
ہوتی ہیں ایجاد دل آزاریاں
پھر بھڑک اُٹھیں گے شعلے ایک دن
کہتی ہیں دل کی دبی چنگاریاں
حسن کو بھی کس قدر منظور ہیں
اپنے دیوانے کی خاطر داریاں
پھر ہے شور آمدِ فصلِ بہار
پھر وہی وحشت کی ہیں تیاریاں
چاہیے احسان پر تو لطفِ خاص
سیکھیے غیروں سے دنیاداریاں

★محمد وارث کامل بی، اے

قطعات

باغباں کے ستم سہے نہ گئے
پھر بھی بلبل کے چہچہے نہ گئے
خشک آنکھوں میں ہو گئے آنسو
نہ گئے دل کے قہقہے نہ گئے

*

زندگی سے گریز کی تلقین
آدمیت کی ہے کھلی توہین
مقصدِ زندگی نہیں کامل
صرف ذوقِ نگاہ کی تسکین

★ رضوان علی ندوی

ماہِ تاباں

●

بے حجاب چاند شرما گیا جب میں نے اس سے پوچھا کہ تیری صبیح پیشانی پر یہ سیاہ داغ کیسا؟ ــــ کیا تجھ سے بھی بڑھ کر پُرنور اور درخشاں کوئی چاند ہوا ہے، جس کے پاس تجھ سے کہیں زائد دل کی ٹھنڈک ہو، جس کی نورپاشی اُس وقت بھی راہ کو روشن کرتی ہو جس وقت کالی بدلیاں چھاکر ہر طرف سے تیری ضیا باری کے راستے بند کر دیتی ہیں، جس کی ٹھنڈی چاندنی ان لمحوں میں دل و دماغ پر خنک باری ہو جب سورج اپنی آتش باری سے تیری لطیف برودت ناپید کرتا ہے جو اُن ساعتوں میں بھی دنیا پر چاندی کے ورق بکھیرتا ہو، جب تیرا محسن "مخزنِ نور" تیری چاندنی کے مستعار سیمیں ورق تجھ سے واپس چھین کر پگھلا دیتا ہے ــــ ہاں چاند شرما کر ایک ہلکی بدلی کی اوٹ میں آگیا تھا ــــ کیونکہ اُسے اپنی داستانِ شکست یاد آگئی تھی اور پھر اپنی مستقل کم مائگی .... وہ مجبور ہو گیا تھا اپنی تلخ حکایتِ پارینہ اور ناکام حال کے بیان پر کہ دنیا کے فرزانے اس کو بھولے نہیں ــــ چاند نے اپنے چہرہ سے سیاہ نقاب سرکائی اور کہنا شروع کیا ــــ ہاں ایک اور چاند طلوع ہوا تھا، فاران کی چوٹیوں سے جس کا سیلِ نور تیزی سے بڑھتا گیا حتیٰ کہ جب ایک مرتبہ کچھ نادانوں اور تاریک دلوں نے اس کی متاعِ نور کو لوٹنا چاہا اور اُس سے میرے مقابلہ کی فرمائش کی تو میں اس کی پاک و بے داغ نورانیت کی تاب نہ لا سکا، شدتِ الم سے میرا سینہ پھٹ گیا اور شکستِ نور کا سیاہ داغ ہمیشہ کے لئے میری پیشانی پر ثبت ہو گیا، وہ کہہ رہا تھا ــــ

بے شک میری ضیا پاشی سے میدان کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں، لیکن مفلسوں اور مجرموں کے سیاہ خانوں کے میرا گزر نہیں، بے شک میری ٹھنڈی اور ہلکی روشنی آنکھوں کے لئے تسکین بخش ہوتی ہے، لیکن جو نگاہوں سے محروم ہیں ان کے لئے میرے پاس کوئی سرمایۂ نور نہیں، کوئی نشاط نہیں، بے شک میں عاجز آجاتا ہوں رہنمائی اور ہدایتِ منزل سے جب کالی گھٹاؤں کی دیواریں اپنی گہری تاریکی کے ساتھ میری راہ نورد کے درمیان حائل ہو جاتی ہیں، ہاں افسوس میرے چاندی کے پتر بے قیمت ہو جاتے ہیں جب موسمِ سرما کا سورج اپنی لطیف حرارت سے انسانوں کے منجمد خون کو پھر سے ان کی رگوں میں دوڑا دیتا ہے، اور ان کو گرمیٔ حیات عطا کرتا ہے ــــ مگر وہ چاند جو فاران کی چوٹیوں سے طلوع ہوا تھا اور وہ داغ کی گھاٹیوں سے اپنی بلندی کے نقطۂ وسط کو پہونچا تھا، وہی جو اپنی ابدی پُرسوز لطیف تابندگی اور اپنا بے داغ نور آسمانِ انسانیت پر برسا کر خاکِ یثرب کی گود میں چھپ گیا ــــ وہی ماہِ تاباں تھا جس کی درخشانی و تابانی کے فیضِ عام کو دیکھ کر آج بھی احساسِ بے نوری سے میں سیاہ جبیں ہوں جس کی جلوہ باری کی نمود خاص اور اپنی شکستِ نور کو یاد کر کے اب بھی میں غم کی سیاہ چادر اوڑھ لیا کرتا ہوں ــــ کاش میں اس کے رخِ انور کی صباحت ہی ہوتا ــــ چاند کہے جا رہا تھا ــــ ہاں وہی ماہِ منور تھا جس کے پاس آنکھوں سے بڑھ کر دل کی بھی ٹھنڈک تھی جس کا لطیف اور بے داغ نور عام تھا، اس پر بھی جس کی ظاہری آنکھیں کھلی ہوں اور اس پر بھی جس کی یہ آنکھیں بند ہوں مگر وہ محروم تھا اور آج بھی ہے جس کی حیوانی کھلی اور انسانی آنکھیں بند ہوں، چاند کے لہجہ سے شدتِ جذبات کا اظہار ہو رہا تھا، بے شک جہالت و گمراہی کی گھنگھور گھٹائیں اس کی نورپاشی کو نہ روک سکیں اور بے شک دلوں کے سیہ خانے آج بھی اُسی کے پاک و بے میل نور سے روشن ہوتے ہیں، ہاں! ہاں! فرزانوں کی نگاہوں میں اسکی ہدایت و تعلیم کے سیمیں اوراق ہوا و ہوس کی آتش کے مقابلہ میں آج بھی ٹھوس ثابت ہو رہے ہیں۔

ملگجی بدلی نے چاند پر ہلکی سی نیم نقاب ڈال دی تھی
اس کے چہرہ سے افسردگی کے آثار نمایاں تھے اور اُس کے
انداز خطاب سے حسرت ٹپک رہی تھی، رندھے ہوئے گلہ
سے اس نے سلسلۂ کلام کو جاری کیا "مگر افسوس کہ انسانیت
کی کثرت، زندگی کے نور، دل کی ٹھنڈک، حقیقی رونق حیات
اور اپنے اصلی سرمایۂ نقد کو بھول چکی ہے اور میرے طمع پر
اس کی نظریں اٹک گئی ہیں۔"
سچ تو یہ ہے کہ میری یہ چمک دمک بھی اسی کا صدقہ ہے
جس کی شان تابش وجمال داعیا الی اللہ باذنہ وسراجا
منیرا اور جس کے ابدی نور کی تاریخی شہادت کشف الدجیٰ
بجمالہ ہے وہ اپنے جسم سے وادی بطحا کا چاند تھا، لیکن
اپنے ہمہ گیر نور ہدایت سے سارے عالم کے لئے ماہ نیم ماہ
اس کے ایک گدائے نور کی صدا سنو ؎

فروغ حسن سے تیرے چمک گئی ہر شے
اداۓ رسم بلالی کہ طرز ہلالی

اب تم سمجھ گئے ہوگے وہ ماہ منور وہی ہے جو محمد (صلعم)
(روحی فداہ) کے شیریں نام سے پکارا جاتا ہے ؎

بلغ اللہ صلاتی وسلامی ابی
نسبی عربی مدنی حرمی

چاند کا لہجہ اب کافی سنجیدہ اور کچھ طنز آمیز ہو چلا تھا ۔۔۔
اس کی تعلیمات اس کی ہمہ تاب اور مبارک نورانیت کا
آئینہ ہیں، بدقسمتی سے آج کی انسانیت اگر وہ رسول عربی
کی پر نور سیرت کے سامنے ہوتے ہوئے زندگی کی گمراہ
کن ظلمتوں اور دل ودماغ کے سیہ خانوں کو منور نہ کر سکے
جن کی ہدایت وہ آئینہ خانہ ہے جس میں داخل ہو کر زندگی
کو ہر داغ دھبے سے صاف کیا جا سکتا ہے اور اس کو آراستہ
اور دلکش بنایا جا سکتا ہے خواہ وہ سیاست کے ردمار گوشے
ہوں یا اقتصادیات و معاشیات کے تاریک پہلو، چاہے
علم وفن کے اندھیرے اور گھپ کونے ہوں یا صنعت و
تجارت کے گھنے کنج، مصطفوی نور ہدایت ہر جگہ رہنما ثابت
ہوگا مگر طلب شرط ہے، جو تیرے دل میں نہیں وہ تیری
قسمت میں نہیں، عدم طلب و صلاحیت نور کی کمی پر دلالت
نہیں کرتی، چہرہ کی آنکھیں بند کر لوگے میری روشنی سے
محروم رہوگے، دل کی آنکھیں بند کر لوگے نور نبوت سے
بے نصیب رہوگے ؎

طبیب عشق نے دیکھا تو مجھ کو فرمایا
ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشی

اور جانتے ہو آج دنیا میری سکون بخش چاندنی مہر عالم تاب
کی بے محابا ضیا باری اور انسانوں کے روشن کئے ہوئے
تمدن کے ہزاروں قمقموں کے باوجود کیوں بحر ظلمات بنی
ہوئی ہے جس میں ایک انسان دوسرے انسان کے سرمایۂ
حیات کو لوٹنے، ایک قوم دوسری قوم کو برباد کرنے اور
تسلط میں لانے کے درپے ہے جس کی روشن تاریکی میں آزادانہ
حق تلفی، خیانت، ضمیر فروشی کا دور دورہ اور عصمت فروشی
اور اخلاق سوزی کا بازار گرم ہے، جس میں ایک نے ناجائز
طور پر موقع سے فائدہ اٹھا کر اور لوگوں کا خون چوس کر اتنا
جمع کر لیا ہے کہ اُسے ہضم کرنا دشوار ہے اور دوسرا فاقوں کے
باعث بے دم ہو رہا ہے، تہذیب و تمدن کے تاریک بازار
میں لوٹ کھسوٹ، جبر وظلم سے انسانیت عظمیٰ سینہ فگار
اور آہ بر لب ہے لیکن گھپ اندھیرے میں کوئی کسی کی سننے
والا نہیں، صلاحیتیں برباد، ذہن ودماغ مفلوج، ہمدردی
ومروت مفقود، ظلمات بعضها فوق بعض اذا اخرج
یدہ لم یکد یراها کی صحیح تصویر ہے، نور نبوت سے
محروم ہونے کے عالم انسانیت کا نقشہ وہ انسان ؎

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

ارشاد الٰہی ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور
کے بعد اس تاریک شب کی سحر ناممکن ہے سوائے نبوت کی
روشنی کے ؎

فکر بے نور ترا جذب عمل بے بنیاد
سخت مشکل ہے کہ روشن ہو شب تار حیات

(باقی صفحہ پر ملاحظہ ہو)

ہماری نظر میں

• اہل کتاب صحابہ و تابعین

مرتبہ مولوی حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی
صفحات ۲۶۵ کتابت و طباعت بہتر، قیمت [illegible]
پتہ :- دار المصنفین اعظم گڈھ

ابھی تک کوئی بھی ایسی کتاب نہیں تھی جس میں اہل کتاب صحابہ اور تابعین کے حالات یکجا ہوتے، اردو کا تو ذکر ہی کیا عربی زبان میں بھی ان بزرگوں کے حالات ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے، اس میں کوئی خدا کی مصلحت ہو گی، دین دنیا کے ہر موضوع پر لوگوں نے قلم اٹھایا، ہر قسم کی کتابیں مرتب کی گئیں اور اگر کسی موضوع کی طرف لوگوں کا خیال نہیں گیا تو وہ یہی تھا کہ اہل کتاب صحابہ کے حالات کو یکجا کر دیا جائے۔ دار المصنفین اور مرتب دونوں قابل مبارکباد ہیں جنھوں نے یہ خدمت انجام دی۔

اس کتاب میں ترانوے ایسے صحابہ صحابیات، تابعین اور تابعات کے سوانح اور کارنامے درج ہیں جو مذہبا یہودی یا نصرانی تھے اور مشرف باسلام ہوئے، کتاب کے شروع میں ایک مقدمہ بھی ہے جس میں جزیرہ عرب میں یہود و نصاریٰ کی قدیم تاریخ ان کے تمدنی و سیاسی اثرات اور ان کی دینی و اخلاقی حالت کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ کتاب میں دو نقشے (ایک مدینہ منورہ اور دوسرا جزیرہ عرب کا) بھی ہیں جس سے کتاب کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔

جن لوگوں کو تاریخ اسلام سے دلچسپی ہے ان کے لئے یہ کتاب بہت ہی عمدہ اور نئے سال کا نیا تحفہ ثابت ہوگی۔

دار المصنفین کی دوسری کتابوں کے برعکس اس کی تصحیح کا التزام نہیں کیا گیا ہے۔ صفحہ ۴۹ پر "قرآن کو واضح طور پر ان پر کفر و شرک کے ارتکاب کا الزام عائد کرتا ہے"۔ صفحہ ۹۴ ہی پر "قرآن نے ان کے بارے میں واکثرھم الفاسقون" اس عبارت کا مطلب ہی پورا نہیں ہوتا۔ صفحہ ۱۵ پر "لیکن ان کے عوام جوان اسلحہ کا استعمال نہیں جانتے تھے" چھپا ہے صفحہ ۵۲ پر "جو کنگھیوں اور بالوں میں منتر پڑھ کر پھونکتے تھے"۔

مقدمہ میں مرتب نے یہود کے حالات میں تحریف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے "حضرت زید بن سعنہ کے حالات میں تحریف کی ایک مثال آئے گی" ۔۔۔ لیکن حضرت زید بن سعنہ کے حالات میں تحریف کلام اللہ کی کوئی مثال نظر نہیں آتی، یا تو کتابت کی غلطی سے نام کچھ کا کچھ چھپ گیا ہے یا مرتب کو نام لکھنے میں کچھ سہو ہوا ہے۔

کتابت کی ان معمولی فروگزاشتوں سے قطع نظر کتاب قابل مطالعہ ہے اور اس کی صورت اور سیرت دونوں سے دار المصنفین کے نمایاں امتیازات کا پتہ چلتا ہے۔

•• مقالات صارم

مرتبہ مولانا عبد الصمد صارم فاضل جامعہ ازہر (مصر)
صفحات ۱۷۵ قیمت مجلد عہ غیر مجلد عہ
کتابت طباعت معمولی اور کاغذ ایک ہی کتاب میں دو قسم کا
پتہ :- ادارہ علمیہ، دھنی رام روڈ، نئی انارکلی، لاہور

اس کتاب میں ۵ مقالے اور ۵ تراجم ہیں، کتاب کیا ہے ایک کشکول ہے جس میں ہر موضوع پر مضامین کو جمع کر دیا گیا ہے۔ پہلا مضمون قدیم اسلامی نظریہ تعلیم ہے یہ مضمون اس حیثیت سے بہت دلچسپ ہے کہ اس میں استاد اور طالب علم دونوں کے لئے ہدایات درج ہیں کہ انھیں اپنے فرائض کو کس طرح پورا کرنا چاہئے، اس کتاب میں قید خانے اور سزائیں پر بھی مضمون ہے، چیونٹی اور مجرم بچوں پر بھی مضامین ہیں، مرض سل پر ایک مضمون ہے اور آخر میں چند بیماریوں کے مجرب نسخے بھی درج ہیں، کتاب اچھی ہوتی اگر اس میں ایک ہی موضوع پر مقالات ہوتے، اب یہ طریقہ ترتیب کچھ پسندیدہ نہیں ہے

حضرت ابوذرؓ اشتراکی نہ تھے

مرتبہ اختر علی ندوی
صفحات ۴۰، قیمت ۱۰ ر

پتہ:- (۱) سمیع اللہ خاں ندوی مکتبہ اسلامیات کرسٹ ضلع اناؤ۔
(۲) مکتبہ جامعہ الٰہیات، چمن گنج، کانپور

اشتراکیت کی تبلیغ چونکہ ہمیشہ چور دروازوں سے کی جاتی ہے اور یہ تحریک ہر ملک اور ہر قوم کے مزاج کے مطابق نئے نئے ڈھنگ سے پیش کی جاتی ہے اسی وجہ سے ہندوستان میں جب اس تحریک نے قدم جمانا چاہا خصوصاً مسلمانوں کو اس طرف لانا چاہا تو پہلے روز اس کے ذمہ داروں کو محسوس ہوا کہ مسلمانوں کو مذہب کے نام پر بلایا جا سکتا ہے، چونکہ عام مسلمانوں میں خود علم و فہم کی کمی ہے اس لئے آج ان سے اسلام کے نام پر شرک تک کرایا جا سکتا ہے لیکن مذہب سے الگ ہو کر وہ کسی کو سلام کرنے کے بھی روادار نہ ہوں گے اسی وجہ سے اشتراکیت کے مبلغوں نے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ کے متعلق یہ پروپگنڈا شروع کیا کہ وہ اشتراکی تھے، اشتراکیت اسلام کا دوسرا نام ہے، یہ بات کچھ اس طرح پھیلائی گئی کہ آج بہت سے مسلمان ان تضاد تحریکوں کو سنجیدگی سے ایک سمجھتے ہیں۔

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اشتراکی نہ تھے بلکہ مسلمان تھے، اسی موضوع پر یہ رسالہ مرتب کیا گیا ہے، شروع میں حضرت ابوذر کی مختصر سوانح عمری ہے، دوسرے باب میں اشتراکیت اور اسلام کا واضح فرق بیان کیا گیا ہے اس باب میں پورے طور پر مولانا ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے اس موضوع پر لکھنے والوں کی کتابوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے اس لئے قدرتاً یہ باب جاندار ہو گیا ہے، رسالہ ختم کرنے کے بعد اس ڈھول کا پول سامنے آ جاتا ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس پروپگنڈے کی کوئی اصلیت نہیں ہے، اس رسالہ میں اگر مولانا مناظر احسن گیلانی کی کتاب سیرت ابوذر غفاریؓ سے بھی فائدہ اٹھایا جاتا تو رسالہ اور اچھا ہو جاتا۔

(بقیہ مضمون صفحہ (۱۶))

آج کی انسانیت اگر اپنے اندھیروں کو اجالوں سے اپنی ظلمتوں کو انوار سے بدلنا چاہتی ہے تو اس کے لئے ایک ہی طریقہ ہے کہ نور مصطفوی کا بھکاری بنے اور اُس پر اپنی نگاہیں جمائے، نبوت کے اسی ماہ کامل کے روشن کئے ہوئے تارے سلسلۂ نور کا کام دیں گے اور حیات کی ظلمتوں میں مشعل راہ ثابت ہوں گے۔

چاند اپنی پُر عبرت داستان الم ختم کر چکا تھا اور گہری سرمئی نقاب کی اوٹ میں چلا گیا تھا، لیکن طنز کے تیز نشتروں سے میرے زخموں کو ہرا کر گیا تھا، سامان جراحت بھی فراہم کر گیا تھا اور مرہم کے پھاہے بھی ——— میں سوچنے لگا ———

انسانیت کا ماہ کامل اپنی ابدی اور عالم افروز روشنی آسمان انسانیت پر برسا کر عرصہ ہوا دوسرے عالم میں جا چکا ہے لیکن ایک زندہ حقیقت کی طرح اُس کے نور ہدایت کا فیض آج بھی عام ہے، لیکن افسوس کتنا ظلم کیا ہے انھوں نے جو اُسے اپنا کہتے ہیں ——— خود پر ——— اپنی انفرادی و اجتماعی، علمی و فنی، تہذیبی و ثقافتی، معاشی و معاشرتی زندگی میں اس کی تعلیمات کو پس پشت ڈال کر جس کا نتیجہ موجودہ عالمی ذلت و نکبت کی صورت میں آشکار ہے اور ——— دوسروں پر ——— اپنے غلط طرز عمل سے راستہ کی دیوار بن کر اس گروہ کی محرومی کا سبب اس کی اپنی کورچشمی بھی ہے کہ چاند آسمان پر چمک رہا ہے، اس کا نور اپنے اور بیگانہ کی قیود سے آزاد ہے، اپنے کہنے والوں کا قصور ان کی دعوت نور و ہدایت سے غفلت اور بے تعلقی ہے۔

ماہ نبوت سے نسبت جوڑنے والے اگر اس کے نور کے سچے طالب اور اپنے قول و عمل سے اس کے داعی بن جائیں تو آج بھی انسانیت کے بازار میں ابدی اور لطیف نورانیت آ سکتی ہے جس کی روشنی میں انسان دوسرے انسان کے جماعت دوسری جماعت کے اور بندے اپنے مالک حقیقی کے

[illegible] تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ تیرے پیمانے میں ہے ماہ تمام [illegible]

★ عبد الغفار ندوی

انمول موتی

جنت کا شوق :

صحابہ رضی اللہ عنہم کے ذہن و دماغ میں آخرت کی نعمتیں اور جنت کی حقیقتیں اس طرح حاضر رہتی تھیں جیسے مشاہدات اور دیکھی بھالی چیزیں حاضر رہتی ہیں، یہی وجہ تھی ان حضرات میں سے اکثر نے بے چین اور بے قرار ہو ہو کر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا ہے کہ یا رسول اللہ کوئی ایسی بات ارشاد فرمائیے، کسی ایسے عمل کی طرف رہنمائی کیجئے، کوئی ایسا طریقہ بتا دیجئے جس کے صلہ میں آخرت کی فلاح و کامرانی اور جنت کی نعمتیں حاصل ہونے کا یقین ہو جائے؟ کبھی کبھی انھوں نے یوں بھی دریافت کیا کہ یا رسول اللہ سب سے بہتر اور اعلیٰ درجہ کا عمل کون سا ہے؟ ان حضرات کے جواب میں آپ نے صدہا ضروری اعمال اور بعض عقائد کا اظہار فرمایا ہے جن کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ ان کے علاوہ دوسرے واجبات، فرائض اوامر و نواہی اور عقائد و خیالات غیر اہم ہیں اور ان کے بارے میں کوتاہی اور خلاف ورزی، غفلت و بے اعتنائی کوئی اہمیت نہیں رکھتی یا ان کے سلسلہ میں سعی عمل بے وزن ہے بلکہ ان جوابات میں کہیں تو آپ نے مخاطب کے جذبہ و شوق اور ایمان و اخلاص کا لحاظ فرمایا ہے، کہیں اس کی فکری یا علمی کوتاہی کی رعایت کی ہے کہیں حالات و ضروریات کا اعتبار کیا ہے کہیں مخاطب کے سوال کو نظر انداز فرما کر دین کی عمومی اور بنیادی باتیں بیان کر دی ہیں یا آپ نے اس وقت جو کچھ مناسب سمجھا ہے بیان فرمایا ہے۔

عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ بِالنَّاسِ قَبْلَ غَزْوَۃِ تَبُوْکَ فَلَمَّا اَنْ اَصْبَحَ صَلّٰی بِالنَّاسِ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ ثُمَّ اِنَّ النَّاسَ رَکِبُوْا فَلَمَّا اَنْ طَلَعَتِ الشَّمْسُ نَعَسَ النَّاسُ فِیْ اَثَرِ الدُّلْجَۃِ وَلَزِمَ مُعَاذٌ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتْلُوْ. اَثَرُہٗ النَّاسُ تَفَرَّقَتْ بِھِمْ رِکَابُھُمْ عَلٰی جَوَادِ الطَّرِیْقِ تَاکُلُ وَتَسِیْرُ فَبَیْنَمَا مُعَاذٌ عَلٰی اَثَرِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَنَاقَتُہٗ تَاکُلُ مَرَّۃً وَتَسِیْرُ اُخْرٰی عَثَرَتْ نَاقَۃُ مُعَاذٍ فَکَبَحَھَا بِالزِّمَامِ فَھَبَّتْ حَتّٰی نَفَرَتْ مِنْھَا نَاقَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَشَفَ عَنْہُ قِنَاعَہٗ فَالْتَفَتَ فَاِذَا لَیْسَ مِنَ الْجَیْشِ رَجُلٌ اَدْنٰی اِلَیْہِ مِنْ مُعَاذٍ فَنَادَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا مُعَاذُ! قَالَ لَبَّیْکَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ قَالَ اُدْنُ دُوْنَکَ فَدَنَا

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لوگوں کو لے کر غزوہ تبوک کی جانب روانہ ہوئے (رات کا سفر تھا) جب صبح ہوئی تو آپ نے لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی (نماز سے فراغت کے بعد) لوگ پھر سوار ہو گئے۔ جب آفتاب طلوع ہوا تو لوگ شب بیداری کی تکان میں اونگھنے لگے حضرت معاذ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو گئے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے لگے (لوگ چونکہ اونگھ رہے تھے اس لئے بے لگام ہو کر) ان کی سواریاں چرتی رہیں اور چلتی رہیں اور راستہ کی کشادگی میں اپنے سواروں کو لے کر تتر بتر ہو گئیں ـــ حضرت معاذ رسول اللہ کے پیچھے ہی لگے تھے ان کی اونٹنی بھی کبھی کھاتی تھی اور کبھی چلتی تھی کہ دفعۃً ان کی اونٹنی لڑکھڑا گئی انھوں نے لگام کھینچ کر اس کو سنبھالا تو ایسی تیز ہوئی کہ اس کی وجہ سے آنحضرت کی اونٹنی بھی بدک گئی، اب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

منه حتى لصقت راحلتهما احدهما بالاخرى فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما كنت احسب الناس منا كمكانهم من البعد فقال معاذ يا نبي الله نعس الناس فتفرقت بهم ركابهم ترتع وتسير فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم وانا كنت ناعسا فلما رأى معاذ بشرى رسول الله صلى الله عليه وسلم وخلوته له قال يا رسول الله ائذن لي اسئلك عن كلمة قد امرضتني واسقمتني واحزنتني فقال نبي الله سلني عم شئت فقال يا نبي الله حدثني بعمل يدخلني الجنة لا اسئلك عن شيء غيرها قال نبي الله صلى الله عليه وسلم بخ بخ لقد سئلت بعظيم وانه يسير على من اراد الله به الخير فلم يحدثه بشيء الا قاله ثلاث مرات يعني اعاده عليه ثلاث مرات لكيما يتقنه عنه فقال نبي الله صلى الله عليه وسلم تؤمن بالله واليوم الاخر وتقيم الصلوٰة وتعبد الله وحده لا تشرك به شيئا حتى تموت وانت على ذالك الخ

(رواہ احمد والترمذی حسنہ مختصراً)

اپنا نقاب ہٹا کر متوجہ ہوئے تو دیکھا کہ پورے لشکر میں کوئی شخص معاذ سے زیادہ آپ سے قریب تر نہیں تھا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو ندا دی اور فرمایا یا معاذ! انھوں نے کہا لبیک (میں حاضر ہوں) اے اللہ کے نبی، آپ نے فرمایا ذرا اور قریب آجاؤ! حضرت معاذ اتنے قریب ہوئے کہ دونوں کی سواریاں ایک دوسرے سے مل گئیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نہیں سمجھتا تھا کہ لوگ مجھ سے اتنے دور ہوں گے، حضرت معاذ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ لوگ اونگھنے لگے تو ان کی سواریاں انھیں لئے ہوئے منتشر ہوگئیں اور (میدانی راستوں کی کشادگی میں) وہ چرتی رہیں اور چلتی رہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں بھی اونگھنے لگا تھا (شاید اس کا ذکر آپ نے اس لئے کیا ہو کہ حضرت معاذ کے دل سے پورے لشکر کی غفلت کا احساس رفع ہو جائے) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خوش طبعی اور آپ کے ساتھ اپنی قربت و خلوت دیکھ کر (موقع سے فائدہ اٹھایا) اور فرمایا کہ یا رسول اللہ مجھے اجازت عطا فرمائیے کہ میں آپ سے ایک ایسی بات دریافت کروں جس نے مجھے بیمار نڈھال اور غمگین کر رکھا ہے، اللہ کے نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ چاہو پوچھ لو! حضرت معاذ نے کہا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت میں داخل کر دے میں آپ سے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں پوچھوں گا؟ آپ نے فرمایا ٹھہرو، ٹھہرو، تم نے تو بڑی بات پوچھی ہے تم نے تو بڑی بات پوچھی ہے، اور یہ تو اس شخص پر بالکل آسان ہے اللہ تعالیٰ جس کے خیر کا ارادہ فرمالے (کیونکہ اس کی توفیق سے مامورات کا بجا لانا اور محظورات سے بچنا آسان ہو جاتا ہے) آپ نے اس موقع پر ہر بات کو تین تین بار بیان کیا تاکہ حضرت معاذ اچھی طرح سے محفوظ کر سکیں ــــ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پر اور آخری دن پر ایمان لے آؤ، نماز قائم کرو، خدائے واحد کی بندگی کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو یہاں تک کہ اسی حالت میں وفات پاؤ۔ پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ معاذ! اگر تم چاہو تو میں اس دین کا راس اور اس کی چوٹی کا عمل تمھیں بتا دوں؟ عرض کیا یا رسول اللہ میرے والدین آپ پر قربان ہوں ضرور ارشاد فرمائیے۔ آپ نے فرمایا کہ اس دین کا سرا یہ ہے کہ تم اس بات کی شہادت دینے لگو کہ ایک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے اور محمد اس کے بندے اور نمائندے ہیں اور سنو اس دین کا ستون نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا ہے اور بلاشبہہ اس کی سب سے بلند چوٹی (باقی ص۳۲ پر)

TAMEER
تعمیر
Lucknow

دنیا میں اسلام کیسے پھیلا ؟

یہ غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، حقیقت یہ ہے کہ اسلام صحابہ کی انتھک کوششوں اور بے پناہ مصائب کے برداشت کرنے سے پھیلا ہے— تفصیل کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا—

- حضرت ابوبکر ۔ ۱-۰-۰
- ،، عمر ۔ ۱-۰-۰
- ،، بلال ۔ -۴-
- ،، ابن عباس ۔ -۴-
- ،، ابوذر ۔ -۴-
- ،، ابوھریرہ ۔ -۵-
- ،، حمزہ ۔ -۴-
- ،، زید ۔ -۴-
- ،، جعفر ۔ -۳-
- ،، ابن الجراح ۔ -۴-
- ،، مصعب ۔ -۴-
- ،، زبیر ۔ -۵-
- ،، خالد ۔ ۱-۰-۰
- ،، سلمان ۔ -۵-
- ،، طلحہ ۔ -۴-
- حضرت ابن عمر ۔ -۵-
- ،، ابن مسعود ۔ -۶-
- ،، ابن عبادہ ۔ -۴-
- ،، اسامہ ۔ ۶-۴-
- ،، ابن وقاص ۔ -۴-
- ،، ابوایوب ۔ -۳-
- ،، انس ۔ -۴-
- نیک بیبیاں ۔ -۶-
- ،، خواجہ فرید ۔ -۳-
- خواجہ نظام ۔ -۵-
- شاہ ولی اللہ ۔ ۶-۴-
- مولانا روم ۔ ۶-۳-
- امام ربانی ۔ -۴-
- بی بی رابعہ ۔ -۳-
- جمال الدین ۔ -۲-

عربی بہت آسان ہے

ہر روز کی تھوڑی سی محنت اور ان کتابوں کے مطالعہ سے آپ اتنی عربی سیکھ لینگے کہ قرآن و حدیث کو آسانی سے سمجھ سکیں اور نماز کا پورا لطف اٹھا سکیں—

- عربی زبان کے دس سبق ۔ چار آنے
- تفہیم الدروس حصہ اول ۔ چار آنے
- تمرین الدروس تین حصے ۔ ڈیڑھ روپئے
- قرآن مجید کی پہلی کتاب ۔ سوا روپئے
- قرآن مجید کی دوسری کتاب ۔ ڈیڑھ روپئے
- قرآن مجید کی تیسری کتاب ۔ سوا دو روپئے
- القصص الصالحین ۔ ایک روپیہ ڈیڑھ آنہ

—○—

- اللہ کے رسول [چھوٹے بچوں کے لئے] ۔ -۶-
- خلفائے راشدین ،، ،، ۔ ۱-۸-
- اچھی باتیں—چار حصے ،، ۔ ۱-۱-۰-۰
- حسن معاشرت—عورتوں کے لئے ۔ -۱۲-
- دعائیں—سب کے لئے ۔ -۶-

- اسلام کیا ہے ۔ ۲-۸-
- تلقین حق ۔ ۱-۰-
- احکام القرآن ۔ ۲-۰-
- سیرت مولانا الیاس ۔ ۲-۸-
- ملفوظات مولانا الیاس ۔ ۲-۰-
- زادِ سفر [مجموعہ احادیث] ۔ ۳-۱۴-

مکتبہ تعلیمات اسلام، لکھنؤ

ادارۂ تعلیماتِ اسلام کا ترجمان

تعمیر (پندرہ روزہ) لکھنؤ

جلد (۲) — شمارہ (۱۰)

۳۸۔ امین آباد پارک

ادارۂ تحریر

• سید ابوالحسن علی ندوی
• عبدالسلام قدوائی ندوی
• بشیر الحق بحری آبادی

یکم فروری ۱۹۵۲ء
۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۱ھ

اس شمارہ میں

شرائطِ ایجنسی

(۱) کم از کم پانچ پرچوں پر ایجنسی دی جائے گی۔
(۲) قیمت پیشگی جمع کرانی ہوگی۔
(۳) پرچے واپس نہ لئے جائیں گے۔
(۴) ۲۰ پرچوں تک کمیشن ۲۵ فیصدی، ۴۰ تک ۳۰ فیصدی، ۸۰ تک ۳۳⅓ فیصدی، ۸۰ سے زیادہ پر ۴۰ فیصدی دیا جاتا ہے۔
(۵) سول ایجنٹ کو سو پرچے لینا ضروری ہیں۔
(۶) جہاں سول ایجنٹ ہوں گے وہاں ایک سے زائد لوگوں کو ایجنسی دی جا سکتی ہے۔
(۷) پرچے بلا رجسٹری بھیجے جاتے ہیں، رجسٹرڈ منگاتا ہو تو فیس رجسٹری ایجنٹ صاحبان کے ذمہ ہوگی۔

تعمیر کی قیمت

چندہ سالانہ:۔ چھ روپے • ششماہی:۔ تین روپے
ایک پرچہ کے لئے:۔ چار آنے
ممالک غیر سے علاوہ پاکستان
چندہ سالانہ:۔ آٹھ روپے • ششماہی:۔ چار روپے
فی پرچہ:۔ چھ آنے

نوٹ:۔ پاکستانی حضرات اپنا چندہ حسب ذیل پتہ پر بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمیں بھیج دیں۔
پتہ:۔ چراغ راہ ع۔ف لوٹیا بلڈنگ
آرام باغ روڈ۔ کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد والہ واصحابہ اجمعین

مذہبی تعلیم و تربیت کی ایک راہ

بچوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ ہمیشہ سے اہم ہے اور کسی ایسی درسگاہ کے قیام کی ضرورت مدت دراز سے محسوس کی جا رہی ہے جہاں بچوں کی تعلیم کے ساتھ ان کی تربیت کا بھی معقول انتظام ہو، اب سے پچاس ساٹھ برس پہلے تک گھروں میں ابتدائی تربیت کا کچھ نہ کچھ انتظام رہتا تھا، اس وقت کا معاشی نظام اس طرح کا تھا کہ بڑے بڑے خاندان عموماً اکٹھا آباد ہوتے تھے، اس اجتماعی قیام کی وجہ سے گھریلو نظام کے چلانے میں بڑی سہولت ہوتی تھی، نوجوان معاشی ضروریات کی فراہمی میں مصروف رہتے تھے اور بڑے بوڑھے گھر کا انتظام دیکھتے، خاندان کے دو ایک معمر بزرگ ہمہ وقت گھر ہی پر رہتے تھے، اُن کا کام یہ ہوتا تھا کہ ایک طرف گھر کے عمومی نظم ونسق کی دیکھ بھال کرتے تھے اور دوسری طرف خاندان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی خدمت انجام دیتے تھے، ان کی تعلیمی اور اخلاقی نگرانی کی وجہ سے طلبہ کو گھر پر رہ کر بورڈنگ کا فائدہ حاصل ہوتا تھا بلکہ بورڈنگ سے بھی زیادہ نفع پہونچتا تھا۔ لیکن رفتہ رفتہ ذرائع معاش ختم ہوتے گئے اور اس کے ساتھ خاندان کا اجتماع بھی ختم ہو گیا نوبت یہاں تک پہونچی کہ اب شاید ہی کوئی شہر اور قصبہ ایسا باقی رہ گیا ہو جہاں خاندان کے افراد ایک ساتھ رہ رہے ہوں، معاشی ضروریات نے افرادِ خاندان کو منتشر کر دیا اب تلاش روزگار میں لوگ سرگرداں ہیں، باپ مشرق میں ہیں تو بیٹا مغرب میں، ایک بھائی ملک کے ایک کونے میں مصروف جدوجہد ہے تو دوسرا بھائی دوسرے گوشے میں ضروریات زندگی کے حصول کی کوشش کر رہا ہے، برسوں گزر جاتے ہیں اور ایک کو دوسرے کی شکل دیکھنی نصیب نہیں ہوتی، ان حالات کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عموماً بچوں کی تعلیم و تربیت کی نگرانی کا گھروں میں کوئی انتظام باقی نہیں رہ گیا ہے نہ اب بڑے بوڑھوں کی صحبت میسر ہے نہ بڑی بوڑھیوں کی تربیت کا موقع حاصل ہے، مرد صبح سے شام تک فکر معاش میں سرگرداں ہیں اور عورتیں امور خانہ داری کے جھمیلوں میں منہمک ہیں نہ انھیں موقع ہے کہ بچوں سے دو باتیں کر سکیں نہ انھیں موقع ہے کہ ان کی حالت پر ایک نظر ڈال سکیں ان حالات میں گھریلو تعلیم و تربیت کا کوئی امکان باقی نہیں رہ گیا ہے، اب لے دے کر مدرسوں ہی کا سہارا ہے۔

مذکورہ بالا حالات تیس چالیس برس سے قائم ہیں لوگوں کی مصروفیت اور افکار میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے اس صورت میں لامحالہ ایسے مدرسوں کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے جو اچھی تعلیم گاہ کے ساتھ اچھی تربیت گاہ کا بھی کام دیں، ایسے اچھے مدرسے ملک میں مشکل سے چند ہوں گے جو پہلے ہی ضرورت کے لئے کافی نہ تھے پھر اب بڑھتی ہوئی ضرورت کس طرح پوری ہو، یہ سوال سارے ملک کو متفکر بنائے ہوئے ہے ہر صاحب اولاد اپنے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے پریشان ہے لیکن کوئی راہ نظر نہیں آتی، تعلیم تو ٹوٹی پھوٹی میسر بھی آجاتی ہے لیکن تربیت کی صورت نظر نہیں آتی ہے نتیجہ یہ ہے کہ روز بروز بچوں کا اخلاقی معیار گرتا جا رہا ہے یہی بچے آگے چل کر بڑے ہوتے ہیں، اخلاقی تربیت کی کمی سیرت کی کمزوری کی شکل میں ملک کے سامنے آتی ہے۔

اوپر کی سطروں میں جو کچھ لکھا گیا یہ تو عمومی نقطہ نظر سے حالات کا سرسری بیان ہے، مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کا مسئلہ اور بھی زیادہ پریشان کن ہے سرکاری تعلیم گاہوں میں پہلے ہی سے مذہبی تعلیم و تربیت کا کوئی انتظام نہ تھا مسلمانوں نے جابجا خود ہی اسکول اور کالج قائم کئے تھے۔ (باقی صفحہ [illegible])

★عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

(۷۶)

اسی طرح اہل ایمان کے تذکرہ کے بعد سے ڈن بالعباد کہہ کر اس پہلو کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے کہ رضائے الٰہی کی طلب بغیر بندگی کے ممکن نہیں، ایک زرخرید غلام کی طرح اپنی ہر خواہش آقا کی خوشی پر قربان کر دی جائے۔ اپنے جان و مال کو اپنی ملکیت نہ سمجھا جائے، بلکہ آقا کی ملک سمجھا جائے، اور بے چون وچرا اس کے احکام کی تعمیل کی جائے جب تک عقیدہ اور عمل کی یہ کیفیت نہ ہو جائے گی اس وقت تک مالک کی خوشنودی حاصل ہونی دشوار ہے اور حصول خوشنودی کے بغیر اس کی جانب سے شفقت و محبت کے برتاؤ کی توقع فضول ہے، شفقت و محبت مطلوب ہے تو اطاعت و فرمانبرداری و بندگی و تابعداری کو اپنا دستور العمل بنانا چاہئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَافَّةً ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ۝ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمُ الْبَيِّنَاتُ فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝

ترجمہ

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو وہ یقیناً تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے، پس اگر تم نے کھلے ہوئے دلائل اور آیات کے آ جانے کے بعد بھی لغزشیں کیں تو جان لو کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

تشریح :-

اوپر مومن و کافر اور مخلص و منافق دو قسم کے انسانوں کا ذکر ہو چکا ہے اب اس کے بعد اہل ایمان کو مخاطب کر کے انھیں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر انھوں نے اسلام قبول کیا ہے اور اللہ و رسول کی فرمانبرداری کا اقرار کیا ہے تو اسے پورے طریقے سے عمل میں لائیں، کچھ احکام کو ماننا اور کچھ احکام کو نظر انداز کرنا دعوے ایمان کے خلاف ہے، کچھ ماننا اور کچھ نہ ماننا اسلام نہیں ہے نفاق ہے، اسلام تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کامل کا نام ہے، مسلم وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرے، اس موقع پر یہ بھی واضح کیا جا رہا ہے کہ احکام الٰہی کی اطاعت سے گریز درحقیقت شیطان کی پیروی ہے، اللہ کے سامنے سر جھکایا ہے تو شیطان کی پیروی سے اجتناب ضروری ہے، سلسلۂ کلام میں اس حقیقت کی جانب بھی اشارہ کر دیا کہ شیطان کی راہ فلاح و سعادت کی راہ نہیں ہے وہ تمہارا خیر خواہ نہیں، بلکہ دشمن ہے، پھر یہ عقل و دانش سے بعید ہے کہ شفیق و رحیم مالک کو چھوڑ کر اس کی پیروی کی جائے جو علی الاعلان دشمن ہے اس آیت میں اس بات کو کھول کر بیان کر دیا ہے کہ احکام الٰہی کی پابندی سے گریز اپنے ساتھ دوستی نہیں بلکہ دشمنی ہے اور یہ حقیقت کوئی ڈھکی چھپی چیز نہیں ہے بلکہ بالکل واضح ہے جو شخص ذرا بھی خیال کرے گا اسے صاف محسوس کرے گا۔ آخر میں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ تمہاری اطاعت و فرمانبرداری سے اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں ہے اور تمہاری نافرمانی سے اس کا کوئی نقصان نہیں ہے اگر اتنی واضح ہدایات اور نمایاں دلائل کے بعد بھی تم نے صحیح راہ اختیار نہ کی بلکہ بدستور لغزشوں اور خطاؤں پر مصر رہے تو اللہ کا کچھ بگاڑ نہ سکو گے وہ بہرحال غالب اور صاحب حکمت و تدبیر ہے، اگر تم اللہ کے رسول پر ایمان لاؤ گے اور احکام الٰہی کے مطابق کام کرنے لگو گے تو فلاح و سعادت تمہاری قسمت میں آئے گی ورنہ اللہ کا کام کچھ تم پر موقوف نہیں ہے وہ دین حق کے غلبہ کے لئے اپنی حکمت و تدبیر سے اور صورت پیدا کر دے گا۔

اور اپنے رسول کی اعانت کے لئے دوسروں کو اٹھا کھڑا کرے گا۔

تاریخ میں ان آیات کا مشاہدہ بارہا ہو چکا ہے، قریش مکہ کی طرح بہتوں نے فلاح وسعادت کی راہ اختیار کرنے سے گریز کیا اور تباہ و برباد ہو گئے، اور انصار مدینہ کی طرح بہتوں نے دین حق کی نصرت کر کے اپنے لئے عزت و کامگاری کے دروازے کھول لئے، اور آج بھی یہ دونوں راہیں کھلی ہوئی ہیں، دین کی خدمت کر کے سربلندی حاصل ہو سکتی ہے اور احکام الٰہی کو نظر انداز کر کے ذلت وخواری نصیب ہو سکتی ہے پچھلوں کے واقعات اوراق تاریخ میں درج ہو چکے ہیں اور ہمارے کارنامے آئندہ مؤرخ لکھیں گے۔

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ وَقُضِيَ الْأَمْرُ ۚ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ○

ترجمہ

وہ اسی بات کے منتظر ہیں کہ اللہ اور فرشتے بادلوں کے چھتروں میں آجائیں اور معاملہ فیصل ہو جائے، اور معاملات اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

تشریح

آپ نے پرانے شاہانہ جلوس کی تصویریں دیکھی ہوں گی بادشاہ کے سر پر ایک بڑا سا چھتر لگا ہوتا ہے، امراء و وزراء ہمرکاب ہوتے ہیں، اس منظر کو سامنے رکھ کر اس آیت کو پڑھئے اللہ تعالٰے کہتا ہے کہ کیا اس قدر واضح دلائل و براہین کے بعد نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی معجزانہ پاکیزہ زندگی اور مخلصانہ جد و جہد کے بعد بھی اگر لوگ ایمان نہیں لاتے ہیں تو اب آخر وہ کس بات کے منتظر ہیں کیا وہ اس کے منتظر ہیں کہ اللہ تعالٰے بادلوں کا چھتر لگائے اور فرشتوں کو جلو میں لئے ہوئے ان کے سامنے آکر کھڑا ہو جائے گا اور وہ بدا حکام دے گا اگر ان کا ایسا خیال ہے تو غلط ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا اگر انھیں ایمان لانا ہے تو یہ دیکھے ہی خدا پر ایمان لانا ہے، دلائل و براہین بہت سے ان کے سامنے آچکے ہیں، اور نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا وہ خوب مشاہدہ کر چکے ہیں، اب ان واضح دلائل کے بعد ایمان کے لئے کسی اور دلیل کی ضرورت نہیں ہے۔

سَلْ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمْ آتَيْنَاهُم مِّنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَن يُبَدِّلْ نِعْمَةَ اللَّهِ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ○

ترجمہ

بنی اسرائیل سے دریافت کرو ہم نے انھیں کس قدر کھلی کھلی نشانیاں دیں، اور جو اللہ کی نعمت کو اس کے بعد تبدیل کرے گا تو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

تشریح

بنی اسرائیل کو اللہ تعالٰے نے سیکڑوں ایسی واضح نشانیاں دیں جن میں سے ہر ایک ان کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی تھی انھوں نے ایک سے بڑھ کر ایک معجزے دیکھے، لیکن ان کی سرکشی میں کوئی فرق نہ آیا، انبیاء علیہم السلام نے انھیں پیغام حق سنانے اور راہ راست دکھانے کی غیر معمولی کوشش کی لیکن انھوں نے ہمیشہ سنی ان سنی کر دی نتیجہ یہ ہوا کہ رحمت الٰہی کے دروازے ان کے لئے بند ہو گئے اور وہ ذلت و رسوائی اور بیچارگی دونوں حالتوں میں مبتلا ہو گئے۔

ان حالات کی طرف اشارہ کر کے اللہ تعالٰے کفار قریش کو متنبہ کرتا ہے کہ اگر انھوں نے عناد و سرکشی کی روش نہ بدلی اور آیات الٰہی سے بے اعتنائی کرتے رہے تو ان کا بھی یہی حشر ہوگا اور انھیں بھی اسی طرح ذلت و بیچارگی میں مبتلا ہونا پڑے گا، نبی صلے اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کلام الٰہی کا نزول اور دین حق کی تکمیل اللہ تعالٰے کی بڑی نعمت ہے اس نعمت کی قدر کرنا چاہیے، اور اس مہربانی پر اللہ تعالٰی کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ (باقی آئندہ)

★ مجیب اللہ ندوی

درحدیث دیگراں

●

(یہ مضمون مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی کی تازہ کتاب "اہل کتاب صحابہ وتابعین" کے مقدمہ سے مختلف جگہوں سے لے کر انھیں کے الفاظ میں مرتب کیا گیا ہے، یہ مضمون دراصل آج کی ہر قوم کے لئے ایک آئینہ ہے جس میں وہ اپنا چہرہ دیکھ سکتی ہے۔ "درحدیث دیگراں" ایک ایسا پیمانہ ہے جس سے قومیں اور افراد اپنے اعمال کو ناپ سکتے ہیں، اور صاف صاف معلوم کرسکتے ہیں کہ ان کا انجام کیا ہونے والا ہے — اڈیٹر —)

قرآن نے یہود کی دینی حالت اور اخلاقی معائب جو نقشہ کھینچا ہے اس میں دنیا کے تقریباً تمام یہود مبتلا تھے، مگر ہمارا موضوع بحث صرف جزیرہ عرب کے یہود ہیں، اس لئے قرآن نے ان کے جن معائب کی نشان دہی کی ہے ہم اس کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔

دینی گمراہیاں تمام انبیائے کرام کی تعلیم میں یہ بات مشترک رہی ہے کہ عزت وشرافت اور آخرت کی فلاح وسعادت کا مدار، اور خدا کے نزدیک محبوبیت اور مقبولیت کا معیار ایمان وعمل ہے نہ کہ نسل وذات، مگر یہودیوں کی ایک بنیادی غلطی اور گمراہی یہ تھی کہ انھوں نے شرافت ونجات کا معیار ہی سرے سے بدل دیا، اس کا مدار ایمان وعمل کے بجائے نسل وذات پر رکھا، ان کے نزدیک یہودی گھرانے میں پیدا ہونا ہی دنیا کا سب سے بڑا شرف اور نجات آخرت کے لئے کافی تھا، کہتے تھے کہ

نحن ابناء اللہ و احباءہٗ | ہم اللہ کے لڑکے اور اس کے محبوب ہیں۔

اور سمجھتے تھے کہ:—

لن تمسنا النار الا ایاما معدودۃ | ہم دوزخ میں چند دن کے لئے ڈالے جائیں گے۔

اسی غلط تصور کا نتیجہ تھا کہ ان کے نزدیک کسی بدعقیدگی بدمعاملگی اور بداخلاقی کی کوئی اہمیت باقی نہیں رہ گئی تھی، یہودیت کی سند مل جانے کے بعد وہ سمجھتے تھے کہ ان کی کوئی بُرائی بُرائی نہیں رہ جاتی، یہی وجہ تھی کہ ان میں وہ تمام برائیاں گھس آئیں جن کا کم از کم ایک صاحب شریعت قوم میں تصور تک نہیں کیا جا سکتا۔

یہود ایک صاحب شریعت قوم تھی جس کو حضرت موسیٰؑ کے ذریعہ پہلے ہی دن یہ سبق دیا گیا تھا کہ

لا الٰہ الا انا فاعبدونی واقم الصلوٰۃ لذکری | میرے سوا کوئی معبود نہیں تم میری ہی عبادت کرو اور میری ہی یاد کے لئے نماز پڑھا کرو

مگر یہود کی تاریخ بتاتی ہے کہ انھوں نے ہمیشہ عقیدہ توحید میں رخنہ اندازی کی اور اس چشمہ صافی کو کفر وشرک اور فسق وفجور سے گدلا کرنے کی برابر کوشش کی، جزیرہ عرب کے یہود بھی اس جرم میں دنیا کے دوسرے یہود سے پیچھے نہیں تھے قرآن واضح طور پر ان پر کفر وشرک کے ارتکاب کا الزام عائد کرتا ہے۔

لعنھم اللہ بکفرھم | ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی۔

گو یہ کفر، کفر باللہ نہ ہو مگر کفر باحکام اللہ تو ضرور تھا، وہ شرک میں بھی مبتلا تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

وقالت الیھود عزیر ن ابن اللہ۔ | اور یہود نے کہا کہ عزیر خدا کے بیٹے ہیں۔

انھوں نے اپنے علماء واحبار کو وہ مرتبہ اور درجہ دے دیا تھا جو صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ | انھوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء ومشائخ کو اپنا رب بنا رکھا ہے۔

اپنی کتاب توراۃ کے بارے میں بھی ان کا عقیدہ کچھ اچھا

نہیں تھا وہ کتاب کی تاویل و تفسیر اپنی خواہشات اور دنیاوی اغراض کے ماتحت کرتے تھے۔ قرآن میں ہے۔

یحرفونہ من بعد ما عقلوہ یکتبون الکتٰب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ لیشتروا بہ ثمنا قلیلا۔

پھر اس کو بدل ڈالتے تھے اس کو سمجھنے کے بعد، اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ہے، اس سے غرض یہ ہوتی ہے کہ کچھ روپے پیسے حاصل کریں۔

جب اس معنوی تحریر سے کام نہ چلتا تو کلام الٰہی کو چھپا دیتے۔ (مائدہ)

یہ تو پڑھے لکھے یہودیوں کا حال تھا جو اپنی ہر خواہش اور غرض کی تکمیل کے لئے کتاب اللہ کو آلۂ کار بناتے تھے اور اس کی من مانی تفسیریں کرتے تھے، لیکن ان کے عوام جاہل اسلحوں کا استعمال نہیں جانتے تھے وہ صرف اپنی خواہشوں اور تمناؤں ہی کو آخری سند سمجھتے تھے۔

ومنھم امیون لا یعلمون الکتٰب الا امانی۔

اور ان میں بہت سے ناخواندہ ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن دل خوش کن باتیں۔

مشرکانہ اوہام و خرافات، جادو، گنڈا اور عملیات وغیرہ پر ان کا اعتقاد تھا، لبید، عاصم وغیرہ بہت سے یہودی عامل تھے جو کنگھیوں اور بالوں پر منتر پڑھ کر پھونکتے تھے یہ ان کے دینی معائب کا ایک مختصر خاکہ ہے جن وہ دور رسالت صلے اللہ علیہ وسلم تک مبتلا تھے، اب ان کے اخلاق و معاملات پر روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اخلاق و معاملات۔ اخلاق و معاملات کے اعتبار سے جزیرہ عرب کے یہود نہایت ہی گرے ہوئے تھے یہ اخلاقی گراوٹ ان ہی تک محدود نہیں تھی بلکہ اس میں ہر جگہ کے یہود برابر کے شریک تھے، ان کے اخلاق و اعمال حد درجہ مبتذل، رکیک اور قابل نفرین تھے، جن کا انسانیت شرافت اور فضائل اخلاق سے کوئی دور کا بھی تعلق باقی نہیں رہ گیا تھا۔

ذیل کی سطروں میں ان کے چند بنیادی عیوب کا تذکرہ کیا جاتا ہے:۔

نفاق | یہود حجاز میں جن اخلاقی کمزوریوں کا شکار تھے ان میں سب سے اہم منافقت تھی یہ روح انسانی کے لئے ایسا روگ ہے جو انسان کی تمام اخلاقی خوبیوں اور فطری صلاحیتوں کو ختم کر دیتا ہے، جس فرد یا جماعت میں یہ مرض پیدا ہو جائے اس سے کسی چیز کی امید نہیں کی جا سکتی چنانچہ یہود حجاز کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ ان میں بھی نفاق نے اچھی طرح گھر کر لیا تھا، انھوں نے اسلام کے بارے میں مسلسل نفاق کا ثبوت دیا اور دوسروں کو بھی نفاق پر ابھارتے تھے۔

حرام خوری | حرام خوری بھی ان کا شاید قومی خاصہ ہو گیا تھا، قرآن میں ہے۔

اکلون للسحت۔ | یہ بڑے حرام کھانے والے ہیں۔

سودی کاروبار، رشوت ستانی اور ناجائز طریقہ پر شکم پری کے بھی عادی ہو گئے تھے۔

واکلھم اموال الناس بالباطل۔

اور ان کے ناحق طریقہ سے مال کھانے کی وجہ کر۔

دوسروں کا حق مارنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھا جاتے تھے۔

ان الذین یشترون بعھد اللہ وایمانھم ثمنا قلیلا۔

یقیناً جو لوگ حقیر رقم لے لیتے ہیں بمقابلہ اس عہد کے جو انھوں نے اللہ سے کیا ہے اور بمقابلہ اپنی قسموں کے۔

ان کے علماء اور احبار بھی دوسروں کا مال ہڑپ کر لیتے تھے۔ (توبہ)

حرص و طمع | یہ مالدار اور خوش حال تھے مگر ان کے حرص و طمع کا یہ حال تھا کہ دو دو چار چار روپے کے لئے معصوم بچوں کو ہلاک کر ڈالتے تھے، سودی قرضوں میں بچوں، اور عورتوں کو رہن رکھ لیتے تھے، ان کے پاس سونے چاندی کا ڈھیر تھا مگر راہ حق میں ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کر سکتے تھے۔

والذین یکنزون | (حرص کی وجہ سے) جو لوگ

الذهب والفضة ولا ینفقونها فی سبیل الله۔	سونا چاندی جمع کر رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔
ام لھم نصیب من الملك فاذا لا یاتون الناس نقیرا۔	کیا ان کے پاس سلطنت کا کوئی حصہ ہے، اگر ہوتا تو وہ ایک ذرہ برابر اس میں سے دوسروں کو نہ دیتے۔

خیانت حرص و طمع کا نتیجہ خیانت ہے، چنانچہ ان میں یہ عیب بھی موجود تھا۔

ومنھم من ان تامنه بدینار لا یؤده الیك الا مادمت علیه قائما	ان میں بعض ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھو تو وہ تم کو ادا نہ کریں گے جب تک کہ تم ان کے سر پر سوار نہ ہو جاؤ۔

پھر اس خیانت کو اپنے لئے جائز اور اپنا پیدائشی حق سمجھتے تھے۔

قالوا لیس علینا فی الامیین سبیل۔	(یہ خیانت اس لئے ہے کہ) وہ کہتے ہیں کہ غیر اہل کتاب (کے مال) کے بارے میں ہم پر کوئی جرم نہیں۔

بغض و حسد بغض و حسد کا جذبہ ایک بدترین جذبہ ہے اس کی موجودگی میں کبھی حق و انصاف کا جذبہ آدمی کے دل میں پرورش نہیں پاتا، جس کے اندر یہ جذبہ موجود ہوتا ہے اس کو دوسروں کی خوبیاں اور بھلائیاں نظر ہی نہیں آتیں یا اگر نظر آتی ہیں تو وہ ان کی طرف سے صرف نظر کر لیتا ہے۔ یہود کی زندگی اس بُرے جذبہ کا مکمل نمونہ تھی۔ قرآن نے ان کے اسی بغض و حسد کی بنا پر فرمایا کہ

موتوا بغیظکم	اپنے غصہ سے مر رہو۔

دروغ گوئی اور بدعہدی دروغ گوئی، بدعہدی اور جھوٹی قسمیں کھانا ان کا شیوہ تھا۔

اتخذوا ایمانھم جنة	انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا لیا ہے

وہ فواحش اور بے حیائیوں سے بھی باز نہیں رہتے تھے عرب عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اور ان سے کھلا ہوا مذاق کرتے تھے، کعب ابن اشرف ان کا مشہور شاعر اس میں بے حد بدنام تھا، ایک مرتبہ ایک انصاری بزرگ نے اس سے قرض مانگا تو اس نے ان سے برجستہ کہا کہ اس کے بدلے اپنی بیوی کو میرے یہاں گرو رکھ دو۔

ایک بُرائی ان میں یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شریف اور معزز آدمی زنا کرتا تو اس کو چھوڑ دیتے اور اگر کوئی معمولی اور کم رتبہ کا آدمی اس کا ارتکاب کرتا تو اس کو سزا دیتے۔

ان میں خود غرضی اور قساوت قلبی بھی حد درجہ تھی جس کا مظاہرہ دن رات ہوتا رہتا تھا، حتے کہ وہ اپنے یہودی بھائیوں کو گھر سے نکال دیتے، اس خود غرضی کی وجہ سے وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے، یہی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے خلاف اپنے دشمنوں تک کو مدد دیتے تھے۔ قرآن میں ہے

تحسبھم جمیعا و قلوبھم شتی۔	تم ان کو متفق خیال کرتے ہو حالانکہ انکے دل آپس میں متفق نہیں ہیں۔

پھر ان تمام اخلاقی جرائم پر وہ خوش ہوتے اور چاہتے تھے کہ جو خوبیاں ان میں نہیں ہیں ان پر بھی ان کی تعریف و تحسین کی جائے۔

الذین یفرحون بما اتوا ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا۔	یہ لوگ اپنے اخلاق و کردار پر خوش ہیں اور جو کام انھوں نے نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ انکی تعریف ہو۔

حق واضح ہو جانے کے بعد بھی وہ اپنی دنیاوی مصلحتوں جھوٹے وقار اور مصائب کے خوف سے اُسے قبول نہ کرتے تھے۔

مسند طیالسی اور نسائی میں ہے کہ کچھ یہود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور انھوں نے آپ سے

نوشانیوں کے متعلق سوال کیا، آپ نے صحیح صحیح بیان کر دیا تو انھوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کا بوسہ دیا اور پکار اُٹھے۔

نشھد انك نبی	ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بیشک نبی ہیں۔

آپ نے فرمایا جب تمھیں میری نبوت تسلیم ہے تو میرا اتباع کرنے میں کیا چیز مانع ہے۔

انا نخشیٰ تبعناك ان یقتلنا الیهود	ہم کو ڈر ہے کہ اگر ہم نے آپ کا اتباع کیا تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے۔

اسی طرح کعب بن اشرف جو بڑا مالدار یہودی تھا اس کے متعلق زرقانی میں ہے کہ اس کے یہاں سے تمام یہودی علما واحبار کو وظیفے ملتے تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد جب علمار ایک بار اس کے پاس اپنے وظائف لینے گئے تو اس نے کہا اس شخص (محمد صلعم) کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ انھوں نے کہا کہ

هو الذی کنا منتظرین	یہ وہی ہیں جن کا ہم انتظار کر رہے تھے

چونکہ جواب اس کی توقع کے خلاف تھا اس لئے یہ کہہ کر کہ میرے مال میں اور بہت سے لوگوں کے حقوق ہیں، وظیفہ دینے سے انکار کر دیا، علمار واحبار اس کے یہاں سے لوٹے تو ان کو اپنے اظہار حق پر بڑا رنج ہوا، دوبارہ واپس آئے اور کعب سے عرض کیا کہ ہم نے عجلت میں جواب دے دیا تھا بعد میں جب ہم نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ ہم نے جواب میں غلطی کی یہ (محمد صلعم) وہ منتظر نبی نہیں ہیں، اس کے بعد کعب نے ان کے وظائف جاری کر دیے اور یہ اعلان کر دیا کہ ؎

لكل من تابعهم من الاحبار شيئا من جاله۔	جو علمائے یہود (آپ کی نبوت کی تکذیب میں) ان احبار کی اتباع کریں ان کو بھی کچھ نہ کچھ وظیفہ ملے گا۔

ان کے دینی اور اخلاقی انحطاط کا یہ بہت مجمل خاکہ ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس قوم میں اتنا زیادہ دینی انحطاط اور اتنے زمائم اخلاق ہوں اس کی موجودگی میں کوئی صالح معاشرہ اور پر سکون ماحول کیسے پیدا ہو سکتا ہے چنانچہ جب تک یہودیوں کا معاشی اقتصادی اور سیاسی غلبہ اور ان کا زور باقی رہا، پورے حجاز اور خصوصیت سے مدینہ میں سکون واطمینان کی فضا پیدا نہ ہو سکی مگر جوں جوں ان کا زور ختم ہوتا گیا امن وسلامتی کی فضا پیدا ہوتی گئی تا آنکہ پورا حجاز ان کی ریشہ دوانیوں اور فتنہ انگیزیوں سے پاک وصاف ہو گیا۔

(بقیہ مضمون سوڈان)

طرح طرح کی دلیلیں گڑھ لی ہیں، مثلاً یہ کہ اہل جنوب اب تک اپنی فطری سادگی پر قائم اور تمدن کی برائیوں سے ناآشنا ہیں اس لئے ان لوگوں کو اہل شمال (جو فطری اوصاف سے عاری ہو چکے ہیں) سے ملنے کا موقع دینا عقلمندی اور انصاف کے بالکل منافی ہے۔

لیکن جنوبی سوڈان کے باشندے حکومت کے ان خیالات سے بالکل متفق نہیں ہیں۔ اب ان کے اندر حکومت کے اس طرز عمل کے خلاف ناپسندیدگی کی ایک عام لہر دوڑ گئی ہے اور شمالی سوڈانیوں کی طرح ان لوگوں نے بھی غلامی کی زنجیروں کو پاش پاش کرنے کی کوشش علانیہ شروع کر دی ہے، کچھ عرصہ سے انھوں نے خرطوم کی الجمعية التشريعية میں شرکت کر لی ہے اس میں وہ نہایت دلیری اور بے باکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہیں اپنے حقوق کی مدافعت کرتے ہیں اور کسی سلطنت یا طاقت سے مرعوب ہو کر منافقت یا مداہنت کی پالیسی اختیار نہیں کرتے۔

(ترجمہ)

★ مولانا جمال الدین استاذ عربی اسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

چراغ دہلی

آپ کا اسم گرامی نصیر الدین محمود تھا، والد کا نام یحییٰ اور دادا کا نام عبداللطیف۔ عوام میں چراغ دہلی کے نام سے مشہور رہے، آپ کی ولادت (صوبہ یوپی) کے کسی گاؤں میں ہوئی، ۹ برس کی عمر میں والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا، والدہ کی زیر تربیت تحصیل علم میں مشغول ہوئے، کتب درسیہ کا بیشتر ابتدائی حصہ ہدایہ اور اصول بزدوی تک مولانا عبدالکریم شیروانی سے پڑھا جو اس وقت کے بڑے مشہور عالم تھے۔ مولانا شیروانی کی وفات کے بعد علامہ افتخار الدین گیلانی اور بعض دوسرے علما سے بقیہ علوم کی تکمیل فرمائی، بعض کتابیں شیخ شمس الدین اددی سے بھی پڑھیں جو دہلی کے علما میں سب سے اونچے درجہ کے عالم شمار کئے جاتے تھے۔

۲۵ برس کی عمر میں تمام علوم کی تکمیل کر کے وطن لوٹے اور دنیا سے کنارہ کش ہو کر درویشانہ زندگی شروع کی، تمام وقت عبادت اور تعلیم و تدریس میں صرف کرتے تھے، ۴۰ برس کی عمر میں وطن سے شیخ نظام الدین اولیا کی خدمت میں تصوف اور درویشی حاصل کرنے کے لئے دوبارہ دہلی آئے، شیخ سے مرید ہو کر مجاہدہ اور ریاضت میں ہمہ تن مصروف ہو گئے، ایک مدت تک شیخ کی خدمت میں بڑی جفاکشی اور محنت سے کمال باطنی اور تزکیۂ نفس کے مدارج طے فرمائے، ایک موقع پر خود فرماتے ہیں کہ تزکیۂ نفس کے سلسلے میں کبھی کبھی دس دس روز بھوکا رہتا تھا، ۷۲۴ھ میں شیخ نظام الدین نے خرقۂ خلافت، عصا اور چند دوسرے تبرکات دے کر آپ کو اپنا جانشین مقرر فرمایا، شیخ کی ایک سال بعد ہی وفات ہو گئی اور چراغ دہلی نے آپ کے بعد ولایت دہلی اور جانشینی کا پورا پورا حق ادا فرمایا۔

چراغ دہلی بڑے شکیل، وجیہ، ہنس مکھ، نرم مزاج خوش اخلاق، رقیق القلب بزرگ تھے، زہد و تقوے اور علم و فضل میں بے نظیر ہونے کے باوجود بڑے متواضع اور منکسر المزاج تھے، اکثر فرمایا کرتے تھے "من چہ لائقم کہ شیخی کنم، امروز خود ایں کار بازی بچگاں شد" (میں کس لائق ہوں کہ شیخی کروں، آج کل تو یہ کام لڑکوں کا کھیل بن گیا ہے کہ جسے دیکھو شیخ وقت بنا بیٹھا ہے) پھر حکیم سنائی کا یہ شعر پڑھتے تھے ؎

مسلماناں، مسلماناں، مسلمانی مسلمانی
ازیں آئین بے دیناں پشیمانی، پشیمانی[1]

تصوف اور درویشی میں امام وقت ہونے کے باوجود کتاب و سنت پر بڑے ثابت قدم تھے، عام صوفیہ کی طرح کسی ولی اور بزرگ کے قول و عمل کا سہارا نہ لیتے تھے، جو کچھ قرآن و حدیث سے ثابت ہوتا اسی کو دین اور شریعت سمجھتے تھے، اگر کوئی بات ان دونوں سے ثابت نہ ہوتی خواہ کسی نے کیا اور کہا ہو اسے دینی کام تصور نہ فرماتے تھے، یہ معمولی بات نہیں ہے بڑے ہمت اور حوصلہ کی بات ہے ؎

بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق
ہر ہوسناکے نداند جام و سنداں باختن

اپنے شیخ حضرت نظام الدین اولیا کے اس درجہ معتقد تھے جس کا اندازہ مشکل ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ شیخ دف کے ساتھ سماع سنتے، اور اسے جائز سمجھتے تھے، مگر حضرت چراغ دہلی چونکہ دف کے ساتھ سماع کو خلاف سنت سمجھتے تھے اس لئے نہ خود ایسے سماع میں شریک ہوتے نہ کسی کو

---

[1] اے مسلمانو! مسلمانی کو اختیار کرو مسلمانی کو اختیار کرو (یعنی واقعی خدا کے فرمانبردار بن جاؤ) بے دینوں کے طریقے سے (جو تم نے اختیار کر رکھا ہے) شرماؤ شرماؤ۔

اجازت دیتے تھے، اگر اتفاق سے کسی مجلس میں موجود ہوتے اور سماع شروع ہوتا تو فوراً اُٹھ کر چلے جاتے تھے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس سلسلہ میں نقل کیا ہے[1] کہ ایک بار شیخ نظام الدین اولیا کے معتقدین کی مجلس جمی ہوئی تھی، اس میں چراغ دلی بھی تشریف رکھتے تھے، کچھ دیر بعد وقت کے ساتھ سماع شروع ہوا، چراغ دلی فوراً اُٹھ کر جانے لگے، ساتھیوں نے جب بیٹھنے پر اصرار کیا تو آپ نے فرمایا چونکہ خلاف سنت ہے اس لیے بیٹھنے سے معذور ہوں کسی نے طنزاً کہا سماع سے انکار کرتے ہیں جو آپ کے پیر کا دستور ہے، آپ نے فرمایا پیر کا عمل شریعت میں حجت نہیں ہوسکتا، اس کے لیے قرآن و حدیث ہی حجت ہوسکتے ہیں، یہ کہہ کر چل دیے، بعض لوگوں نے شیخ نظام الدین اولیاء سے اس مجلس کا حال اور چراغ دلی کا قول نقل کیا، شیخ نے جو چراغ دلی کے خلوص اور اتباع سنت کے غیر معمولی جذبہ سے واقف تھے، فرمایا" محمود راست می گوید، حق آن ست کہ او گوید"، (اخبار الاخیار صنہ) (محمود ٹھیک کہتے ہیں حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں)

طبعاً آپ تنہائی پسند تھے، اپنے مرشد کی طرح لوگوں کے اژدہام سے بہت گھبراتے تھے ـــ ایک بار امیر خسرو کے ذریعہ شیخ نظام الدین سے درخواست کی کہ جب میں اپنے وطن پہنچتا ہوں تو لوگ کثرت سے ملنے کے لیے آتے ہیں، اس لیے پورے سکون اور اطمینان سے خدا کی یاد نہیں کرسکتا، لہذا اگر حضور والا اجازت دیں تو کسی جنگل یا پہاڑ کے دامن میں جاکر خدا کی یاد میں مصروف ہوجاؤں، شیخ نے فرمایا کہ محمود سے کہو کہ لوگوں میں رہ کر اُن کی ایذا اور تکلیف برداشت کرکے دین کی خدمت کریں اور لوگوں کی کج خلقی اور ایذا رسانی کا جواب خوش اخلاقی اور فیاضی سے دیں، آپ نے اس کے بعد خلوت نشینی کا خیال ترک کردیا، اور لوگوں میں رہ کر ان کی اصلاح و تربیت میں پوری زندگی صرف کرڈالی، اس سلسلہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اور صبر آزما باتیں پیش آئیں، مگر سب کچھ خندہ پیشانی سے جھیلتے رہے، سلطان محمد تغلق کی تلون مزاجی اور اہل اللہ کے ساتھ جبر و تشدد کا حال اظہر من الشمس ہے، اس نے بلا وجہ مختلف حیلوں سے کتنے اہل علم کو محض اس جرم میں ایذائیں پہونچائیں اور قتل کرایا کہ وہ سلطان کے خوشامدی اور اس کے ظالمانہ رویہ کے مداح کیوں نہیں ہیں چراغ دلی بھی سلطان کے ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنے، اس کمال اور عزت کے باوجود جو موصوف کو علما اور صوفیہ دونوں طبقوں میں حاصل تھیں، سلطان نے ایک عرصہ تک محض ایذا رسانی کے لیے آپ کو اپنے ساتھ سفر میں رکھا، اور نہایت مبتذل اور حقیر خدمات سونپیں، حد یہ کہ بعض اوقات جامہ برداری کی خدمت آپ کے سپرد کی، مگر یہ سب کچھ محض اپنے شیخ کی وصیت کی بنا پر خوشی سے کرتے رہے۔

ایک بار سلطان محمد تغلق نے سونے اور چاندی کی پلیٹوں میں مختلف قسم کے عمدہ کھانے بھیجے، مقصد یہ تھا کہ اگر کھانا قبول کرنے سے انکار کریں تو اہانت سلطان کا الزام لگاکر، اور اگر ان پلیٹوں میں کھائیں تو ارتکاب حرام کا جرم عائد کرکے تکلیف پہونچاؤں (جس طرح وہ دوسرے بزرگوں کے ساتھ کیا کرتا تھا) آپ نے بڑی دانائی سے اپنے کو اس حیلہ سے بچایا، چمچے کر ایک چمچہ یخنی پلیٹ سے ہاتھ پر رکھی اور ہاتھ سے کھالی، بقیہ کھانا غربا کو تقسیم کردیا۔

آپ اگرچہ بہت بڑے صاحب کشف و کرامت تھے، اگر ان کرامتوں کو نقل کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب ہوسکتی ہے مگر کشف و کرامت کو کوئی اہمیت نہ دیتے تھے، اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ایمان کی فکر کرنی چاہیے، کشف و کرامت کے پیچھے دوڑنا نہیں چاہیے، آپ کی ولایت اور بزرگی کا جب شہرہ پھیلا تو لوگ کثرت سے آنے لگے، کچھ تو آپ سے تحصیل علم اور افادہ کے لیے اور کچھ لوگ محض

[1] اخبار الاخیار، تذکرہ شیخ نصیر الدین اودھی۔

[2] نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحی ناظم دارالعلوم ندوہ سابق، عربی

ملاقات اور قدم بوسی کے لئے، اس کی وجہ سے ان کو زیادہ تر عبادت کے لئے فرصت نہ ملتی تھی مگر اس کمی کو رات میں پوری کرتے تھے مگر اس پر افسوس کیا کرتے تھے، ایک دفعہ اپنے ساتھیوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا "میں اب خلوت میں بیٹھ کر خدا کی یاد کا بہت کم موقع پاتا ہوں، دن بھر ملنے والوں کی آمد رفت سے فرصت نہیں ملتی، دوپہر کو بھی ذرا آرام کرنے کا موقع نہیں ملتا، اگر کبھی اتفاقاً لیٹ جاتا ہوں تو لوگ یہ کہہ کر اُٹھا دیتے ہیں کہ اٹھو فلاں ملنے آیا ہے، لکھنے پڑھنے کا کام بھی اب رات ہی کو کرنا پڑتا ہے، مگر آپ لوگوں کو ابھی فرصت ہے، اسے غنیمت سمجھئے اور جہاں تک ہو سکے اپنے وقت کو خدا کی یاد میں صرف کیجئے"۔

آپ نے اگرچہ کسی فن میں کوئی مستقل کتاب تصنیف نہیں فرمائی، مگر آپ کے ملفوظات سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو حدیث اور قرآن فہمی میں بڑی مہارت اور کمال حاصل تھا، بہت سی مشکل آیتوں اور پیچیدہ احادیث کی توضیح اور تشریح اس خوبی سے کرتے ہیں کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، متقدمین علماء اور مشائخ کی تصانیف اور حالات زندگی پر بھی بڑی گہری اور صائب نظر رکھتے تھے، آپ کی مجلس میں کسی نے عرض کیا کہ خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات میں منقول ہے کہ ایک بار خواجہ نے فرمایا کہ جو شخص دو گائیں ذبح کرتا ہے اُسے ایک خون کا گناہ ہوتا ہے اور جو چار گائیں مارتا ہے اسے دو خون کا، اسی طرح دس بکریاں ذبح کرنے پر ایک خون کا گناہ عائد ہوتا ہے، آپ نے فرمایا ہارونی نہیں ہرونی ہے۔ ہرون ایک گاؤں کا نام ہے جہاں خواجہ عثمان پیدا ہوئے تھے، پھر آپ نے اصل مسئلہ کی بابت فرمایا کہ جو بات نقل کی گئی ہے وہ عثمان ہرونی کا قول نہیں ہے بلکہ کسی نے آپ کے ملفوظات میں غلط اضافہ کر دیا ہے، اس قسم کا نسخہ میرے پاس بھی آیا تھا، اس میں بہت ایسے الفاظ منقول تھے جو کسی طرح خواجہ ہرونی

نہیں کہہ سکتے، پھر آپ نے فرمایا کہ ہمارے شیخ نظام الدین اولیا کہا کرتے تھے کہ میں نے کوئی کتاب نہیں تصنیف کی، کیونکہ شیخ الاسلام فرید الدین اجودھنی، اور اسی طرح شیخ الاسلام قطب الدین بختیار کاکی اور ان سے اوپر کے خواجگان چشت نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی۔

آپ اپنے لوگوں سے عموماً فرمایا کرتے تھے کہ آدمی کو ہمیشہ اپنے دل کی دیکھ بھال اور نگرانی کرنی چاہئے، اسے ہر چیز سے ہٹا کر ہمیشہ خدا کی طرف لگائے رکھنا چاہئے، ایک بار کسی نے مراقبہ کی حقیقت پوچھی، آپ نے فرمایا کہ مراقبہ دل کا فعل ہے اور اس کی حقیقت محض اتنی ہے کہ دل میں یہ خیال جما لیا جائے کہ خدا دیکھ رہا ہے، ایک بار پوچھا گیا کہ فقراء آستین کو کوتاہ کیوں رکھتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ فقیر جب درویشی کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنے دونوں ہاتھوں کو قلم کر دے تاکہ یہ ہاتھ اللہ کے علاوہ کسی جانب نہ اٹھیں، مگر ہاتھ کاٹنے سے انسان بہت سی عبادتوں سے محروم ہو جاتا ہے، کسی گرتے ہوئے کو نہ سہارا دے سکتا ہے، اور نہ کسی مجبور کا ہاتھ بٹا سکتا ہے، نہ وضو، غسل کر سکتا ہے، نہ ہی اپنے بھائیوں سے مصافحہ کر سکتا ہے، اس لئے ہاتھ کاٹنے کے بجائے آستین کاٹ دیتا ہے تاکہ ہاتھ کٹنے کی یاد دہانی ہوتی رہے، کسی نے پھر پوچھا سر کے بال تراشنے میں کیا حکمت ہے، فرمایا آدمی جب خدا کی عشق و محبت کا دم بھرتا ہے تو اس کے لئے اپنا سر قلم کرنا ضروری ہو جاتا ہے، کیونکہ عشق و محبت کے راستے کی سب سے پہلی منزل سر کی بازی ہے مگر سر کاٹنا شریعت میں جرم قرار دے دیا گیا تاکہ انسان انسانیت کی ذمہ داریاں پوری کر سکے، ایسی شکل میں مجبوراً سر کے بال تراش کر یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ گویا سر قلم کر دیا گیا، لہٰذا جس طرح سر قلم ہو جانے کے بعد کوئی خدا کی خلاف ورزی نہیں کر سکتا، اسی طرح فقیر کو

بھی کوئی خلاف ورزی نہیں کرنی چاہیئے۔

آپ کے بے شمار خلیفہ ہوئے ہیں، جنھیں آپ نے مختلف خطوں میں مخلوق کی ہدایت کے لیئے بھیجا، ان لوگوں کی کرامت، خدمت خلق اور حسن خلق کی بدولت بے انتہا لوگ کفر اور فسق سے تائب ہوکر سچے اور اچھے خداپرست انسان بن گئے، ان خلفا میں چند بہت مشہور ہیں مثلاً شیخ احمد ابن محمد تھانیسری، شیخ محمد بن یوسف حسینی (معروف بہ سید گیسو دراز) دفین گلبرگہ (دکن)، شیخ احمد ابن شہاب دہلوی، شیخ عبدالمقتدر شریحی، علامہ کمال الدین، شیخ محمد ابن جعفر حسینی مکی، مولانا خواجگی، قاضی مظہر الدین الحنفی وغیرہ۔

آخر الذکر بڑے پایہ کے علامہ اور شاعر تھے، کلام میں بڑی بلندی، ندرت اور آبداری پائی جاتی تھی، یہ پہلے سلطان فیروز شاہ کے ندیموں میں تھے، سلطان اپنے مصاحبوں میں سب سے زیادہ ان کی عزت اور احترام کرتا تھا، سلطان کی مصاحبت چھوڑ کر چراغ دلی کی خدمت میں پہونچے اور درویشی کی زندگی اختیار کی، شیخ کو مولانا مظہر سے بہت زیادہ محبت تھی اور مولانا کو شیخ سے، مولانا نے شیخ کی شان میں بڑے معرکۃ الآرا مدحیہ قصائد کہے ہیں۔

آپ کی وفات ۱۸ رمضان ۷۵۷ھ میں ہوئی آپ کا مزار قطب صاحب سے تقریباً ۳ میل دور ایک آبادی میں ہے جو چراغ دلی کے نام سے مشہور ہے۔

آپ کی وفات پر بھی آپ کے خلیفہ مولانا مظہر نے بڑا پرزور مرثیہ کہا ہے۔

آپ کے ملفوظات میں سب سے زیادہ مشہور خیر المجالس ہے، جو ۷۵۶ھ میں حمید شاعر قلندر نے جمع کیئے تھے جو شیخ نظام الدین اولیا کے مرید اور شیخ نصیر الدین چراغ دلی کی مجلس میں بھی اکثر شریک رہا کرتے تھے۔

★ ساغر نظامی

غزل

دشت میں قیس نہیں کوہ پہ فرہاد نہیں
ہے وہی عشق کی دنیا مگر آباد نہیں

رسم الفت میں روا شکوۂ بیداد نہیں
یہ تو کم ظرفیٔ جذبات ہے فریاد نہیں

ایک زنجیر طریقت میں بندھے ہیں دونوں
عشق پابند سہی حسن بھی آزاد نہیں

روحِ بلبل نے خزاں بن کے اجاڑا گلشن
پھول کہتے رہے ہم پھول ہیں صیاد نہیں

حسن سے چوک ہوئی اسکی ہے تاریخ گواہ
عشق سے بھول ہوئی ہو یہ مجھے یاد نہیں

بربطِ ماہ پہ مضراب فغاں رکھ دی تھی
میں نے اک نغمہ سنایا تھا تمھیں یاد نہیں

قفس و بلبل و گل سب ہیں یہ فانوس خیال
تیری ہستی سے زیادہ کوئی صیاد نہیں

لاؤ اک سجدہ کروں عالم بدمستی میں
لوگ کہتے ہیں کہ ساغر کو خدا یاد نہیں

★ بزمی بنارسی

تمنا

بہت مضطرب ہیں مساجد کی روحیں
خلوصِ بلالیؓ اذانوں میں بھر دے

میں پھر دیکھ لوں جلوۂ عزمِ خالدؓ
سرورِ توکل ارادوں میں بھر دے

جو ہو لائق بارگاہِ مشیت
وہی جوش میرے تقاضوں میں بھر دے

پریشاں نگاہی میں دنیا پھنسی ہے
فسونِ محبت نگاہوں میں بھر دے

مرے عہدِ پُر نور ماضی کا صدقہ
حقیقت کے جلوے فسانوں میں بھر دے

جو سوئے ہوئے کارواں کو جگا دے
وہ تاثیر میری صداؤں میں بھر دے

حقیقت کو جو دل نشیں تر بنا دے
وہ توضیح میرے اشاروں میں بھر دے

جسے بزم میں رات بزمی نے چھیڑا
وہی راگ دنیا کے سازوں میں بھر دے

★ ابوالمجاہد زاہد

غزل

خبر کیا تھی مری قسمت بانیوں کا یہ صلا ہوگا
کہ ہر غنچہ چمن کا میرے اوپر ہنس رہا ہوگا

ہوا لئے وقت کا رخ کب تک آخر دیکھنا ہوگا
یہی ہیں نا خدا اپنے تو بیڑا پار کیا ہوگا

سلام اس دور پر جب آدمی حق آشنا ہوگا
یہی شام و سحر ہوں گے مگر عالم نیا ہوگا

تصور ہی سے جسکے بجلیاں سی کوند جاتی ہیں
خدا جانے جب اسکا سامنا ہوگا تو کیا ہوگا

کچھ اسکی تشنگی تیری نظر ہی جان سکتی ہے
جو میخانے سے جام و مے کو ٹھکرا کر اٹھا ہوگا

تری خاطر ہر اک بت کی نگاہوں میں کھٹکتا ہوں
ٹھکانا پھر کہاں اے دوست گر تو بھی خفا ہوگا

فسون نسل و وطن کا ٹوٹنے والا ہے اے زاہد
مرا اسلام پھر سارے جہاں کا رہنما ہوگا

★ وارث القادری

غ

گیت میں آنسو تو ناہیں نباب
ہی بہر صورت محبت کا منا

ہی یہ باطن ایک کا شا بھی گلاب
ذرہ بنجاتا ہی اکثر آفتاب

ہائے وہ انکی جفاؤں کا شباب
جب سکوں ملیگا تو بخشا اضطراب

حسن اے رطالم محبت اے عتاب
کون دے میرے سوالوں کا جواب

اکثر الساتے میں تیری یاد پر
بھیگی بھیگی رات تارے ساہتاب

آپ نے کیا مجھ کو پہچانا نہیں
میں ہوں وارث آپ کا خانہ خراب

★ صباح ہاشمی

غ

نہیں ملتا کسی صورت مزاج آسماں ابتک
وہی ہے بدگمانی اور نہ بدلا بدگماں ابتک

خدا کے واسطے اب بھی تو اٹھو خواب غفلت سے
مسلسل جل رہی ہیں شاخہائے آشیاں ابتک

ہزاروں بار آئی ہے صبا بیدار کرنے کو
اسیران قفس تم سے نہ ٹوٹیں تیلیاں ابتک

وطن کا خواب بھی میں دیکھتا ہوں قید میں رہکر
قفس میں بھی صباؔ کو ہے خیال آشیاں ابتک

★ مولانا عبدالماجد دریابادی

اولیاء اللہ

ولی اللہ، اولیاء اللہ، یہ الفاظ جب ہم آپ سنتے یا بولتے ہیں تو ذہن میں تخیل کیا پیدا ہوتا ہے، بس ایسے شخص کا نام، جو بستی سے دور اور آبادی سے الگ کسی حجرہ یا کٹی میں رہتے ہوں، ان تک رسائی دشوار ہو، وہ لوگوں سے بہت کم ملتے ہوں اور بولتے اس سے بھی کم ہوں، زیادہ تر چشم و ابرو کے اشارے سے کام لیتے ہوں ہنسی اور مسکراہٹ تو ان کے قریب بھی نہ آئے، ایک طرح کا ملال ہر وقت چہرے سے برستا ہو، کوئی انھیں کبھی کھاتے پیتے نہ دیکھے، نہ بیوی ہو نہ بچے، اور بازار میں چلنا پھرنا، عام لوگوں سے گھل مل کر رہنا، خرید و فروخت کرنا، کسی قومی جلسہ یا ملی مجلس میں شریک ہونا یہ چیزیں تو آس پاس بھی نہ ہوں، زبان سے ان کے جو کچھ نکل جائے پورا ہو کر رہے، وہ جس بیمار کو چاہیں اچھا کر دیں، جب چاہیں پانی برسا دیں، جس کے حق میں دعا کر دیں بس بیڑا اس کا پار ہو جائے، قدم قدم پر کرامتوں کا ظہور ہو رہا ہو، بے کہے دل کی باتیں سمجھ جایا کریں۔

کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ عموماً یہی تخیل ایک ولی اللہ (یا بہ زبان عوام اولیاء اللہ) کا ذہنوں میں سمایا ہوا، اور دلوں میں بیٹھا ہوا ہے۔

لیکن اس کی سند آخر کہاں سے ہے، یہ طریقہ کسی نبی کا بھی رہا ہے؟ اور خصوصاً ہمارے نبی الانبیاء صلعم کا؟ اولیائے کاملین میں صدیق و فاروق، عثمان و علی، حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر اور کون ہوا ہے، کیا یہ طریقے ان کی زندگی کے تھے؟ کلام پاک میں ایک مقام اولیاء اللہ کے مقام کی بلندی ان الفاظ کی صراحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیہم ولا ھم یحزنون (یقیناً اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوفناک واقعہ طاری ہوگا اور نہ انھیں غم ہوگا) تخصیص آخرت کی نہیں، اس عالم ناسوت میں بھی ان کے قلب کو سکون ہی حاصل رہتا ہے، مگر یہ لوگ ہوتے کون ہیں؟ ولی کے لغوی معنی قرب رکھنے والے اور دوست کے ہیں، اولیاء اللہ کے معنی ہوئے اللہ سے قرب رکھنے والے، یہ مرتبہ حاصل جس طرح ہوتا ہے اس کا ذکر بھی عین اسی مقام پر کلام مجید میں موجود ہے۔

الذین آمنوا و کانوا یتقون (وہ لوگ جو ایمان لائے اور جنھوں نے تقوے اختیار کیا) سبحان اللہ ولی اللہ کی کیسی جامع و مانع تعریف بیان فرما دی ہے، ضروری صرف دو چیزیں ہیں، پہلی چیز ایمان یعنی عقائد درست ہوں، اللہ پر ایمان کامل ہو، قوائے نظری کے لحاظ سے تکمیل ہو چکی ہو، دوسری چیز تقوے یعنی اعمال درست ہوں، معاملات خلق کے ساتھ اور خالق کے ساتھ درست ہوں، قوائے عملی کے لحاظ سے تزکیہ ہو چکا ہو، بس یہی لوگ ولی اللہ ہیں، نہ غیب دانی، پیشین گوئیاں، نہ خرق عادت، نہ بیوی بچوں سے نفرت۔

لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الآخرۃ (ایسے لوگوں کو خوشخبری ہے اس دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی)

تجارت کرنا، گلہ بانی کرنا، لوگوں سے ملنا جلنا، دشمنان دین سے جنگ کرنا، شرائط صلح طے کرنا، مال غنیمت تقسیم کرنا، جزیہ کا حساب کتاب رکھنا، بیوی بچے رکھنا، ایک ایک وقت میں کئی کئی بیویاں رکھنا، اپنا سارا کام کاج اپنے ہاتھ سے کرنا، یہ سب چیزیں جب نبوت و صدیقیت کے منافی نہ ہو سکیں تو ولایت کا درجہ نبوت سے تو بہرحال کمتر ہے، کافروں کا تخیل حضرات انبیاء کے متعلق بھی ایسا ہی مسخ شدہ تھا، حیرت اور اعتراض کے ساتھ کہا کرتے تھے کہ ما لھذا

الرسول یاکل الطعام ویمشی فی الاسواق (یہ کیسے رسول ہیں کہ کھاتے پیتے بھی رہتے اور ہم ہی لوگوں کی طرح بازاروں میں چلتے پھرتے رہتے ہیں) بس ایسے ہی کچھ وہم اولیاء اللہ کے متعلق ہم نے گڑھ لیے ہیں حالانکہ ولی ہونے کے لیے جو شئے ضروری ہے وہ صرف اللہ سے تعلق اور رضائے الٰہی کی طلب ہے۔

(سچی باتیں)

(بقیہ مضمون صفحہ ۲)

ان میں کسی قدر دینی تعلیم کا نظام تھا، کورس میں چند مذہبی کتابیں داخل تھیں اور دو ایک استاد مذہبی تعلیم دینے کے لیے ہوتے تھے گو اس قسم کی مذہبی تعلیم و تربیت سے خاطر خواہ فائدہ نہ پہونچتا تھا، لیکن پھر بھی کچھ دینی معلومات طلبہ کو حاصل ہوجاتی تھیں اور چند مذہبی مسائل ان کے علم میں آجاتے تھے، اب تا مذہبی ریاست میں تعلیم کا جو اصول زیر عمل آتا جارہا ہے، اس کے پیش نظر ان اسکولوں اور کالجوں میں کسی مخصوص مذہبی تعلیم کا انتظام باقی نہ رہ سکے گا، اس لیے اب یہ مسئلہ اور بھی زیادہ فکر کے لائق ہوگیا ہے۔

ان حالات میں دینی تعلیم و تربیت کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ اسکولوں اور کالجوں کے اوقات کے علاوہ تھوڑا سا وقت نکال کر اس جانب توجہ کی جائے، بچوں کے سرپرستوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے لڑکوں کی دینی تعلیم کا از خود انتظام کریں، اس کی عملی شکل یہ ہونی چاہیے کہ مختلف محلوں میں دینی تعلیم کے ایسے مرکز قائم ہونے چاہئیں جہاں فرصت کے اوقات میں طلبہ جاکر ضروری مذہبی واقفیت حاصل کرسکیں، اسلامی مدارس کے منتظمین اسکولوں کے باہر کسی ایسی مناسب جگہ پر دینی تعلیم کے مرکز قائم کریں جہاں آسانی کے ساتھ طلبہ پہونچ سکیں، تعلیم کا ایسا مختصر اور آسان کورس مرتب کیا جائے جس کے مطابق تھوڑا سا وقت صرف کرکے تھوڑی مدت میں ضروری مذہبی واقفیت حاصل ہوجائے، اسلامی مدارس کے منتظمین اور طلبہ کے سرپرستوں کے باہمی تعاون سے ایسا بہترین تعلیمی نظام قائم ہوسکتا ہے جس سے نہ صرف وہ کمی پوری ہوجائے گی جو اسکولوں میں مذہبی تعلیم کے باقی نہ رہنے سے ہوگئی ہے بلکہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی مذہبی تعلیم و تربیت کا بندوبست ہوجائے گا، ان مذہبی تعلیمی مرکزوں کے مصارف کا مسئلہ بھی سرپرستوں کی توجہ سے آسانی کے ساتھ حل ہوجائے گا، اگر ہر طالب علم کی جانب سے ایک روپیہ ماہوار فیس بھی ادا کی جائے تو آسانی سے مرکز کا کرایہ اور مدرسین کی تنخواہ ادا ہوسکتی ہے ضرورت صرف توجہ اور تنظیم کی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مسلمان طلبہ کی تعداد شمار کرلی جائے، سارے شہر یا قصبہ کے مسلم طلبہ کو شمار کرنے کے بعد ان کی آبادی کے پیش نظر کسی مرکزی مقام پر مذہبی تعلیم کا مرکز قائم کیا جائے، اگر کوئی عمارت فی الحال نہ مل سکے تو محلہ کی مسجدوں سے یہ کام لیا جائے پہلے طلبہ کے سرپرستوں کا محلہ وار اجتماع کیا جائے اور ان کی محلہ وار کمیٹیاں بنادی جائیں پھر ہر محلہ کی کمیٹی کا ایک نمائندہ منتخب کرکے اس سے شہر یا قصبہ کی مرکزی کمیٹی بنائی جائے یہ کمیٹی تعلیم و تربیت کا پورا انتظام کرے، ہمیں پورا یقین ہے کہ اگر کوئی مستعد جفاکش اور باہمت شخص اس کام کو شروع کرنے کے لیے کھڑا ہوجائے تو انشاء اللہ تعالیٰ ایسے تعلیمی مرکز قائم ہوجائیں گے جہاں مسلمان طلبہ کی مذہبی تعلیم و تربیت کا انتظام ہوگا، اگر سردست بڑے پیمانے پر اس کام کو شروع کرنے میں دشواری محسوس ہو تو فی الحال کسی محلہ ہی سے کام کا آغاز کیا جائے جب ایک محلہ میں کام چل نکلے گا تو اس تجربہ کی روشنی میں اسے آگے بڑھانے اور پھیلانے میں آسانی ہوگی۔ سب سے پہلا مرحلہ طلباء کا شمار اور ان کے سرپرستوں سے ملاقات ہے پھر ان کے سرپرستوں کا اجتماع اور ان کی ایک مجلس کی تشکیل ہے یہ ابتدائی مراحل اگر طے پاگئے تو پھر آگے کی منزلیں بہت آسان ہیں، ہمیں امید ہے کہ ہماری اس تجویز پر مسلمان غور کریں گے اور

★ سید محمود الحسن ندوی

سوڈان

•

قبل اس کے کہ ہم سوڈان کے متعلق کچھ لکھیں یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مصر و سوڈان کے درمیانی روابط کو ظاہر کرنے کے لئے مشہور برطانوی سیاست داں مسٹر ونسٹن چرچل کے اس بیان کو ناظرین کے سامنے پیش کر دیں جو انھوں نے مصر و سوڈان کے تعلقات کی نوعیت کو واضح کرتے ہوئے اپنی کتاب حرب النہر میں ایک مثال کی صورت میں پیش کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"وادی نیل کا نقشہ دیکھنے والے کو بڑی حیرت ہوتی ہے جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ وادی نیل کے اس کاغذی نقشہ کو کھجور کے ہرے بھرے درخت سے بڑی مشابہت ہے — ڈلٹا کی سرسبز اور شاداب زمین وادی کے قریب بالکل کھجور کی شاخوں کی طرح فطری حسن و ترتیب کے ساتھ پھیلی ہوتی ہے، اسی طرح جب دریائے نیل سوڈان میں داخل ہوتے ہوئے مڑنے لگتا ہے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کھجور کا تنا کسی وجہ سے جڑ کے قریب کچھ خمدار ہو گیا ہے، کچھ اور آگے بڑھ کر خرطوم کے قریب تو یہ مشابہت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے، خرطوم سے گزر کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ درخت کی جڑیں اب گہرائی میں اترتی جا رہی ہیں۔

کھجور کے اس خیالی درخت سے زیادہ اور کوئی چیز ان گہرے تعلقات کو جو مصر اور دوسرے جنوبی علاقوں کے درمیان ہیں اچھی طرح نہیں واضح کر سکتی — پانی جس پر ڈلٹا کی زندگی کا دار و مدار ہے، تیزی کے ساتھ نیل میں گرتا ہے جیسے درخت کے تنے میں اوپر سے رس ٹپکتا ہے جس کے ذریعہ پھلوں میں تر و تازگی آتی ہے — مصر و سوڈان [illegible] ایک درخت سے جڑے ہوتے ہیں، آپس میں دونوں کی ضرورتیں ایک دوسرے سے اتنی وابستہ ہیں کہ اگر ایک کو دوسرے سے علیحدہ کر دیا جائے تو دونوں کی زندگی خطرہ میں پڑ جائے — سوڈان قدرتی اور جغرافیائی حیثیت سے مصر کا ایک حصہ ہے جو اپنی ترقی اور نشو و نما میں مصر کا اسی طرح محتاج ہے جس طرح کسی درخت کی جڑیں اپنی نشو و نما کے لئے تنے کی محتاج ہوتی ہیں اور وہ تنے سے الگ رہ کر کبھی پھل پھول نہیں سکتیں۔"

سوڈان کا رقبہ تقریباً دس لاکھ مربع میل ہے جو عرض البلد ۵ اور ۲۲ کے درمیان واقع ہے، آبادی ایک کروڑ سے کچھ زیادہ ہے چونکہ اس علاقہ میں اب تک حکومت کی طرف سے کوئی مردم شماری نہیں ہوئی اس لئے باشندوں کی صحیح تعداد کا اندازہ مشکل ہے، اس مسئلہ میں حکومت کی بے توجہی بڑی حیرت انگیز ہے، حالانکہ دوسرے علاقوں میں کئی کئی مرتبہ حکومت کی طرف سے مردم شماری ہو چکی ہے۔

قدرت کی توجہ اس خطہ کی طرف ہمیشہ سے مرکوز رہی جس کی وجہ سے اس سرزمین میں ایسے عوامل و اسباب پیدا ہوتے رہے جو دوسرے ملکوں میں بہت کم نظر آتے ہیں — اس کی شادابی اپنی نوعیت میں بے نظیر ہے، دریائے نیل اس کی آغوش میں بہتا ہے اس کے ساتھ ساتھ بارش مختلف مقامات پر سال کی مختلف فصلوں میں بکثرت ہوتی ہے، اسی بنا پر ملک کی دولت کا انحصار زیادہ تر زراعت پر ہے۔

اس علاقہ کا سب سے زیادہ اہم حصہ ایک شاداب جزیرہ ہے جو مثلث کی شکل میں نیل ازرق اور نیل ابیض کے درمیان خرطوم تک پھیلا ہوا ہے، اس میں کوستی اور سنار کا درمیانی حصہ بہت اہم ہے، اس کی پیمائش تقریباً پچاس لاکھ ایکڑ زمین ہے جس میں سے آٹھ لاکھ ایکڑ میں کاشت ہوتی ہے اس میں تین لاکھ ایکڑ میں روئی کی کاشت ہوتی ہے، کاشت کی زمین نیل ازرق کے [illegible] ایک عرصہ سے اس [illegible]

ذمہ داری سوڈان کے محکمۂ زراعت (
) نے بذات خود اپنے سر لے لی ہے، اس جزیرہ سے انگریزوں کو جو دلچسپی ہے اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہو سکتا ہے کہ سنہ ١٩٢١ء میں اس محکمہ کو کسی بنا پر بہت بڑا مالی نقصان اٹھانا پڑا جس سے پورے محکمے کا وجود خطرہ میں پڑ گیا تھا لیکن فوراً ہی کچھ انگریز اس کے تحفظ و بقا کی فکر میں لگ گئے اور بڑی جد و جہد کے بعد ان لوگوں نے اتنا مال فراہم کر لیا جس سے اس کمپنی کی سرگرمیاں از سر نو شروع ہو گئیں۔
کمپنی کی نشاۃ ثانیہ خالص انگریزی سرمایہ سے ہوئی تھی، جس کا لازمی نتیجہ تھا کہ سوڈان میں اقتصادی بدحالی پھیل جائے اور انگریزی اقتدار کی جڑیں مضبوط سے مضبوط تر ہو جائیں چنانچہ ایسا ہی ہوا، سوڈان کے باشندے اپنی سادہ لوحی کی بنا پر کمپنی کے اصل سرمایہ میں کسی قسم کی شرکت نہ کر سکے نتیجہ یہ ہوا کہ ترقی اور معاشی خوشحالی کے تمام وسائل کے باوجود اب تک یہاں کے باشندے غربت و افلاس اور معاشی بدحالی کا شکار ہیں اس کے برعکس صاحب اقتدار اجنبی قوم ملکی دولت سے پوری طرح بہرہ اندوز ہو رہی ہے لیکن اس طرز عمل سے بہت جلد یہاں کے باشندوں میں عام ناراضگی پھیل گئی، آخرکار سب نے مل کر انگریزوں کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کیا جس کا مقصد سوڈان کے محکمۂ زراعت کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا اور عوام میں حکومت کے خلاف ناراضگی پھیلانا تھا، انگریزی حکومت نے صورت حال کی نزاکت دیکھتے ہوئے سنہ ١٩٤٤ء میں سوڈانیوں سے اس بات پر صلح کر لی کہ موجودہ محکمہ زراعت سنہ ١٩٥٠ء تک اپنا کام ختم کر کے سوڈانیوں کے حق میں دست بردار ہو جائے گا۔

جزیرہ (جس کا ذکر مختصراً اوپر کیا جا چکا ہے) کی اہمیت کے خیال سے ہم اس کے متعلق کچھ تفصیل کے ساتھ لکھنا چاہتے ہیں — یہ خیال غلط ہے کہ سوڈان میں جزیرہ کی طرح دوسری کوئی اور سرسبز و شاداب جگہ نہیں ہے بلکہ اس قسم کے اور بھی بہت سے زرخیز مقامات ہیں مثلاً نیل ازرق اور نہر عطبرہ کا درمیانی ٹکڑا، اس کے علاوہ اور بھی متعدد مقامات ہیں۔

یہاں پر قابل ذکر بات یہ ہے کہ نہر عطبرہ اور نیل ازرق کے درمیانی علاقے میں سوڈان کے محکمۂ زراعت نے اب تک کاشت کا کام منظم طریقہ پر نہیں شروع کیا ہے اس کا ایک بڑا سبب محکمۂ زراعت کا یہ غلط جذبہ ہے کہ اس زرخیز ٹکڑے کو اپنی حالت ہی پر چھوڑ دیا جائے، تاکہ سوڈانیوں کو یہاں کی زرعی صلاحیت و اہمیت کا اندازہ نہ ہو سکے اور لوگوں کی توجہ ادھر سے ہٹی رہے یہاں تک کہ سوڈان کی سیاسی حیثیت متعین ہو جائے۔

اوپر جن چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہاں کی دولت کا سرچشمہ زراعت ہے، سب سے زیادہ پیداوار روئی کی ہوتی ہے جو جزیرہ کے علاوہ تمام دوسرے علاقوں میں پیدا ہوتی ہے مثلاً خور السجاش، خور برکۃ طوکر وغیرہ کے علاقے — روئی کے علاوہ گوند، تل، آذرہ، فاصولیا، لوبیا وغیرہ بھی کافی مقدار میں پیدا ہوتی ہیں — سوڈان روئی کا کافی ذخیرہ انگلینڈ کو برآمد کرتا ہے، روئی کے علاوہ دوسری چیزیں مصر اور دوسرے عربی ممالک کو برآمد ہوتی ہیں اور جانوروں کی کثیر تعداد خاص طور پر مصر کو برآمد ہوتی ہے، سوڈان میں بہت سی ابتدائی صنعتیں بھی ہیں مثلاً کھال، سوکھے ہوئے گوشت، ہاتھی دانت اور شتر مرغ کے پر وغیرہ کی صنعتیں۔

اجتماعی حیثیت کے بیان کرنے کے لئے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ انگریزوں کی حکومت سوڈان میں تقریباً پچاس برس سے قائم ہے لیکن اس کے باوجود یہاں کے اکثر حصوں میں زندگی ابھی ابتدائی مراحل طے کر رہی ہے، اسی بنا پر یہ علاقے تہذیب و تمدن کے لحاظ سے ابھی کافی پیچھے ہیں۔

انگریزی حکومت نے سوڈان کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کر دیا ہے، سوڈان جنوبی و سوڈان شمالی، اسی پر بس نہیں بلکہ شمالی سوڈانیوں کا داخلہ بھی جنوبی سوڈان میں ممنوع قرار دے دیا ہے اور اس حکم امتناعی کے جواز کیلئے (باقی پر

★عبدالغفار ندوی

انمول موتی

ناکامی عمل :

اپنے بندوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ جیسی شفقت و محبت اور عنایت و مہربانی کا تعلق رکھتا ہے الفاظ کے ذریعہ پورے طور پر اس کا اظہار ناممکن ہے ، انسان کے باہمی تعلق اور خونی رشتوں میں سے کوئی ایسا رشتہ بھی نہیں ہے جس کی تشبیہ و تمثیل پیش کرکے بندوں کے ساتھ اللہ تعالےٰ کے تعلق کو ٹھیک ٹھیک بیان کیا جاسکے ، زیادہ سے زیادہ جس رشتہ کے ذکر سے تشبیہ دی جاسکتی ہے وہ اپنی اولاد کے ساتھ الفت و محبت ، ہمدردی و مہربانی کا رشتہ ہے حالانکہ والدین کو اپنی اولاد سے جیسی محبت ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالےٰ کو اپنے بندوں کے ساتھ محبت ہے اسی رحمت و محبت کا تقاضا اور اللہ تعالےٰ کا صراحۃً وعدہ ہے کہ وہ اپنے مومن بندہ کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کی بھی قدر کرتا ہے اور اسے اکارت و ضائع نہیں کرتا مگر اپنے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی شفقت و محبت کا یہ تعلق جس طرح حد کمال تک پہونچا ہوا ہے اسی اعتبار سے بندوں کی ناحق شناسی اور ناسپاسی کی وجہ سے اس کی ناپسندیدگی اور ناگواری بھی بہت بڑھی ہوئی ہے اس لئے جب وہ دیکھتا ہے کہ میرا اپنا بندہ میرے نام پر یا میری اطاعت و فرمانبرداری اور بندگی و عبادت پر اور میری راہ میں جد وجہد کے نام پر کسی عمل کرتا ہے لیکن اس کا دل حقیقت میں کسی اور کا مرہون ہے اس کے پوشیدہ اغراض و مقاصد میری مرضی کے سوا کچھ اور ہیں تو پروردگار عالم ایسے بندوں کے بڑے سے بڑے عمل اور بڑی سے بڑی قربانی کو بھی ٹھکرا دیتا ہے یہاں تک کہ اگر بندہ اپنی عزیز ترین متاع جان بھی قربان کردے تو اس کے یہاں اس کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہوتی ۔

اس لئے ہم جیسے چھوٹے چھوٹے معمولی اور وہ بھی بے روح عمل کرنے والوں کو اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ جو کچھ ہم اس کی عبادت و بندگی اطاعت و فرمانبرداری یا اس کے دین کی جد وجہد اور اس کی رضا جوئی کے نام سے کیا کرتے ہیں کہیں وہ سب بے نتیجہ اور لاحاصل یا باعث ضرر تو نہیں ہو رہے ہیں اگر ہم واقعی اپنے دلوں کے آئینے میں بصیرت کی نگاہ سے دیکھنے لگیں تو یقیناً ہماری بہت سی بے نتیجہ ناکام اور ضائع ہو جانے والی کوششیں مقبولیت اور کامیابی سے ہم کنار ہو سکتی ہیں ۔

عَنْ اَبِیْ مُوْسَےٰ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّےٰ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحَدٌ اَصْبَرَ عَلٰی اَذًی سَمِعَہٗ مِنَ اللّٰہِ یَدَّعُوْنَ لَہٗ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْہِمْ وَ یَرْزُقُہُمْ ۔

حضرت ابو موسےٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے منقول ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نامناسب اور ناگوار باتیں سن کر اللہ تعالےٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے (خود تو کر و اس سے بڑھ کر ناگوار اور غضبناک کر دینے والی بات اور کیا ہو سکتی ہے کہ) لوگ اس کے لئے بیٹا ثابت کرتے ہیں پھر بھی وہ ان لوگوں سے دنیا میں درگزر کرتا

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ، وَاَنَا مَعَهٗ اِذَا ذَکَرَنِیْ فَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ نَفْسِهٖ ذَکَرْتُهٗ فِیْ نَفْسِیْ، وَاِنْ ذَکَرَنِیْ فِیْ مَلَاءٍ ذَکَرْتُهٗ فِیْ مَلَاءٍ خَیْرٍ مِّنْهُمْ وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعًا وَاِنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعًا وَاِنْ اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً۔

رہتا ہے اور انھیں رزق بھی فراہم کرتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خدائے بزرگ و برتر فرماتا ہے میرا بندہ میرے ساتھ جیسا کچھ گمان رکھتا ہے میں اسکے قریب ہی ہوتا ہوں — اور جب وہ میری یاد کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ میری یاد محض اپنے جی میں کرتا ہے تو میں بھی اُسے اپنے جی میں یاد کرتا ہوں اور جب وہ کسی جماعت میں علانیہ میری یاد کرتا ہے تو میں ان سے بہتر لوگوں کی جماعت میں اس کی یاد کرتا ہوں، اور اگر میرا بندہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں، اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں اس کی طرف ایک گز بڑھتا ہوں، اگر وہ صرف چل کر آتا ہے تو میں دوڑ کر آتا ہوں۔

اس حدیث میں ذکر سے مراد صرف زبانی ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں وہ تمام اعمال داخل ہیں جو ایک شخص محض عام میں خالص اللہ تعالےٰ کے احکام کی اطاعت و پیروی کے تحت بجالائے اور وہ سارے اقوال داخل ہیں جو علانیہ حق کی شہادت و حمایت میں بلند ہوں۔

وَعَنْهُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ یَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا اَرَادَ عَبْدِیْ اَنْ یَعْمَلَ سَیِّئَةً فَلَا تَکْتُبُوْهَا عَلَیْهِ حَتّٰی یَعْمَلَهَا فَاِنْ عَمِلَهَا فَاکْتُبُوْهَا بِمِثْلِهَا وَاِنْ تَرَکَهَا مِنْ اَجْلِیْ فَاکْتُبُوْهَا حَسَنَةً فَاِنْ عَمِلَهَا فَاکْتُبُوْهَا لَهٗ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰی سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ۔

آپ ہی سے یہ حدیث قدسی بھی مروی ہے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عزت و جلال کا مالک اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ عزت و جلال کا مالک اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جب میرا بندہ کسی بُرائی کا ارادہ کرتا ہے (تو میں نے اعمال نویس فرشتوں سے کہہ رکھا ہے) کہ میرے بندے کے ذمہ وہ بُرائی اس وقت تک نہ لکھو جب تک وہ اس پر عمل نہ کرے (اگر اپنی کوتاہ بینی اور غفلت و ناعاقبت اندیشی کی وجہ سے اس پر عمل بھی کر گزرے تو بس اسی کے مثل لکھ لو (اور اگر کسی مجبوری و معذوری کے بغیر اسے چھوڑ دے) اور صرف میری وجہ سے اس برائی کو ترک کرے تو اس کے عوض ایک بھلائی لکھ دو، اور اگر میرا بندہ کسی بھلائی کا ارادہ کرے تو ارادہ کرتے ہی ایک بھلائی لکھ دو

۲ اور جب کوئی بھلائی کرے تو اس کا دس گنا (اور اس کی نیت و سعی میں خلوص و ایثار کے اعتبار سے) سات سو گنا تک لکھو۔

TAMEER

Lucknow.

عربی بہت آسان ہے

❋

ہر روز کچھ تھوڑی سی مہلت اور ان کتابوں کے مطالعہ سے آپ اتنی عربی سیکھ لینگے کہ قرآن و حدیث کو آسانی سے سمجھ سکیں اور نماز کا پورا لطف اٹھا سکیں—

❋ عربی زبان کے دس سبق	چار آنے
❋ تفہیم الدروس حصہ اول	چار آنے
❋ تمرین الدروس تین حصے	ڈیڑھ روپئے
❋ قرآن مجید کی پہلی کتاب	سوا روپئے
❋ قرآن مجید کی دوسری کتاب	ڈیڑھ روپئے
❋ قرآن مجید کی تیسری کتاب	سوا دو روپئے
❋ القصص لصالحین	ایک روپیہ ڈیڑھ آنہ

—•❋•—

دنیا میں اسلام کیسے پھیلا ؟

❋

یہ غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا حقیقت یہ ہے کہ اسلام صحابہ کی انتھک کوششوں اور بے پناہ مصائب کے برداشت کرنے سے پھیلا ہے—تفصیل کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا—

❋ حضرت ابوبکر —۱۰—	❋ حضرت ابن عمر —۵—
❋ ,, عمر —۱۰—	❋ ,, ابن مسعود —۲—
❋ ,, بلال —۴—	❋ ,, ابن عباد —۴—
❋ ,, ابن عباس —۴—	❋ ,, اسامہ ۲—۴—
❋ ,, ابوذر —۴—	❋ ,, ابن وقاص —۴—
❋ ,, ابوہریرہ —۵—	❋ ,, ابوایوب —۳—
❋ ,, حمزہ —۴—	❋ ,, انس —۴—
❋ ,, زید —۴—	❋ نیک بیبیاں —۲—
❋ ,, جعفر —۳—	❋ ,, خواجہ فرید —۳—
❋ ,, ابن الجراح —۴—	❋ خواجہ نظام —۵—
❋ ,, مصعب —۴—	❋ شاہ ولی اللہ —۲—۴—
❋ ,, زبیر —۵—	❋ مولانا روم —۲—۳—
❋ ,, خالد —۱۰—	❋ امام ربانی —۴—
❋ ,, سلمان —۵—	❋ بی بی رابعہ —۳—
❋ ,, طلحہ —۴—	❋ جمال الدین —۲—

❋ اسلام کیا ہے	—۸—۲
❋ تلقین حق	—۱۰—
❋ احکام القرآن	—۰—۲
❋ سیرت مولانا الیاس	—۸—۲
❋ ملفوظات مولانا الیاس	—۰—۲
❋ زاد سفر [مجموعہ احادیث]	—۱۴—۳

❋ اللہ کے رسول [چھوٹے بچوں کے لئے]	—۲—
❋ خلفاے راشدین ,, ,,	۱—۸—
❋ اچھی باتیں—چار حصے ,,	۱—۱۰—
❋ حسن معاشرت—عورتوں کے لئے	—۱۲—
❋ دعائیں—سب کے لئے	—۲—

ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان

تعمیر

(پندرہ روزہ) لکھنؤ

۳۸- امین آباد پارک

ادارہ تحریر

• سید ابو الحسن علی ندوی
• عبد السلام قدوائی ندوی
• مشیر الحق بجری آبادی

یکم مارچ ۱۹۵۲ء
۴ جمادی الثانیہ ۱۳۷۱ھ

اس شمارہ میں

شرائط ایجنسی

(۱) کم از کم پانچ پرچوں پر ایجنسی دی جائے گی۔
(۲) قیمت پیشگی جمع کرانی ہوگی۔
(۳) پرچے واپس نہ لئے جائیں گے۔
(۴) ۲۰ پرچوں تک کمیشن ۲۵ فیصدی۔ ۴۰ تک ۳۰ فیصدی ۸۰ تک ۳۳⅓ فیصدی۔ ۸۰ سے زیادہ پر ۴۰ فیصدی دیا جاتا ہے۔
(۵) سول ایجنٹ کو سو پرچے لینا ضروری ہیں۔
(۶) جہاں سول ایجنٹ نہونگے وہاں ایک سے زائد لوگوں کو ایجنسی دیجا سکتی ہے۔
(۷) پرچے بلا رجسٹری بھیجے جاتے ہیں رجسٹرڈ منگانا ہو تو فیس رجسٹری ایجنٹ صاحبان کے ذمہ ہوگی۔

تعمیر کی قیمت

چندہ سالانہ :- چھ روپے • ششماہی :- تین روپے
ایک پرچہ کے لئے :- چار آنے
(ممالک غیر سے علاوہ پاکستان)
چندہ سالانہ :- آٹھ روپے • ششماہی :- چار روپے
فی پرچہ :- چھ آنے
نوٹ :- پاکستانی حضرات اپنا چندہ حسب ذیل پتہ پر بھیجیں اور منی آرڈر کی رسید ہمیں بھیجدیں۔
پتہ :- چراغ راہ ۹۵ لوٹیا بلڈنگ، آرام باغ روڈ - کراچی۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علےٰ رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

وقت کا مسئلہ

•

اس سے بیشتر تعمیر کی دو اشاعتوں میں بچوں کی دینی تعلیم کی ضرورت واہمیت پر توجہ دلائی گئی تھی اور اس کا ایک سرسری خاکہ بھی پیش کیا گیا تھا بحمد اللہ دردمند مسلمانوں کے دلوں میں اس کا احساس پیدا ہوا لیکن عزم وہمت کرکے اسی کام کے لئے قدم اٹھانے سے پہلے ہی اکثر حضرات یہ سوچنے لگے اور آگے بڑھنے سے باز رہتے ہیں کہ اس کے لئے وقت کہاں سے لایا جائے اس معاشی بحران کے دور میں ہر شخص چاہے وہ کوئی ذریعہ معاش رکھتا ہو انتھک کوشش کرتا ہے زیادہ سے زیادہ قوت اور وقت صرف کرتا ہے تب کہیں اس کی ناگزیر ضروریات کے لئے بنی تلی آمدنی حاصل ہوتی ہے جس سے بمشکل تمام اپنی اور اپنے اہل وعیال کی پرورش کا انتظام کرتا ہے ایسی صورت میں اس تعلیمی پروگرام کو بروئے کار لانے کے لئے مزید وقت کہاں سے نکل سکتا ہے؟

یہ ایک واقعی سوال ہے جو سامنے آتا ہے لیکن یہ سوال اتنا اہم نہیں ہے جتنا کہ اسے سمجھ لیا جاتا ہے —— ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان اپنی زندگی کے ہر دور میں جن معاملات اور جن کاموں کو اپنے لئے نفع بخش اور ضروری سمجھتا ہے خواہ شعور کے ساتھ ضروری سمجھتا ہو یا لاشعوری میں اور بغیر سوچے سمجھے۔ مگر بہرحال ان کاموں کے لئے وقت نکال لیتا ہے بلکہ نہایت آسانی کے ساتھ وقت نکلتا چلا آتا ہے کیونکہ یہ انسان کی فطرت اور طبیعت کا تقاضا ہے۔ دنیا کے تمام چھوٹے بڑے امیر وفقیر عالم وجاہل سب کا یہی حال ہے اور آپ اپنی زندگی کے معاملات اور حالات پر غور کریں تو اپنے آپ کو بھی اس کے خلاف نہیں پائیں گے۔

اگر دیکھا جاتا ہے کہ دو آدمی ایک طرح کے مشاغل رکھتے ہیں اور دونوں کی آمدنی بھی یکساں ہوتی ہے مگر ایک شخص اپنے اوقات میں سے پنج وقتہ نمازوں کے لئے اور دعوت وتبلیغ کے لیے بھی وقت نکال لیتا ہے مگر اس کے دوسرے ساتھی کو توفیق نہیں ہوتی اور وہ تنگیٔ وقت وکثرت مشاغل و ذمہ داریوں کی زیادتی کا رونا ہوتا ہے کبھی کبھی نماز کا پابند اور خیر کا داعی اپنے ساتھی سے زیادہ خانگی ذمہ داریاں بھی پوری کرتا ہے یہ فرق صرف اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ ایک شخص اقامت صلوٰۃ اور دعوت الی الخیر کو اپنی زندگی کا مقصد بنالیتا ہے۔

اس سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ حقیقی سوال وقت کا نہیں ہے بلکہ مقصد اور ضرورت کا ہے اگر کسی شخص کے دل میں اپنے جگر پاروں کو دینی تعلیم وتربیت کے ذریعہ آئندہ کی دہریت ولامذہبیت کی تباہی سے محفوظ رکھنے کا خیال پیدا ہوگیا ہے، مشرکانہ رسوم آداب اور فاسقانہ تہذیب و معاشرت کے آنے والے طوفان میں اپنی اولاد کو مسلمان باقی رہنے کا احساس پیدا ہوگیا ہے اور اس کی ضرورت اور اہمیت اس کے ذہن میں بیٹھ گئی ہے تو اس کے لیے وقت نہ ہونے کا سوال کوئی اہم مسئلہ نہیں ہوگا وہ بہرصورت عزم وہمت کرے گا پختہ ارادہ کے ساتھ قدم اٹھائے گا، اپنے اوقات کا جائزہ لے اور کاموں کو منظم کرے گا پھر بآسانی وقت نکل آئے گا جس طرح سے ان تمام کاموں کے لیے وقت نکل آتا ہے جو ذہن ودماغ کا مرکز اور مقصد حیات بنے ہوئے آتے ہیں۔

★عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

(۷۸)

اس سلسلہ میں ایک خاص بات یہ فرمائی کہ انبیاء علیہم السلام کی امتیں بھی بعد کو خراب ہو جاتی ہیں حالانکہ توقع یہ ہوتی ہے کہ نبی کی تشریف آوری اور کتاب الٰہی کے نزول کے بعد پھر اس نبی کے ماننے والے اور اس کتاب پر ایمان لانے والے گمراہ نہ ہوں لیکن مشاہدہ یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد نبی کی تعلیم سے انحراف کرنے والے اور کتاب الٰہی سے روگردانی کرنے والے یہی لوگ ہوتے ہیں اس کی وجہ باہمی رشک و حسد ہے، پہلے ایک دوسرے کے مقابلہ میں رشک و حسد کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، دنیا طلبی اور عزت و جاہ کی خواہش، آپس میں کشیدگی کا باعث ہوتی ہے، باہمی کشمکش سے اختلافات پیدا ہوتے ہیں، اختلافات کی شدت صراط مستقیم سے ہٹا دیتی ہے، دینی احکام میں قطع و برید کی جاتی ہے، اللہ و رسول کے مقاصد پس پشت ڈال دیے جاتے ہیں، آیتوں کے مطالب بدلے جاتے ہیں اور صریح احکام کو توڑ مروڑ کر کچھ سے کچھ کر دیا جاتا ہے۔

اس آیت میں ایک طرف یہود و نصاریٰ کے اس اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے کہ توریت و انجیل کے بعد نزول قرآن کی کیا ضرورت ہے، فرمایا چونکہ اہل کتاب نے ہر قسم کے دلائل و براہین کے باوجود کتاب الٰہی میں ہزارہا اختلافات پیدا کر دیے تھے اس لئے راہ راست دکھانے کے لئے ایک نئی امت پیدا کی جا رہی ہے — اس کے ساتھ امت محمدی کو بھی متنبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ باہمی رشک و حسد سے پرہیز کریں، تاکہ ان کے اندر اختلافات رونما نہ ہوں، اور وہ اس راہ ہدایت پر قائم رہیں جو اللہ تعالےٰ نے انھیں دکھائی ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰی یَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰی نَصْرُ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ۝

ترجمہ

کیا تم نے خیال کیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر اس وقت کے واقعات نہیں گزرے جو ان لوگوں پر گزرے تھے جو تم سے پہلے تھے، انھیں فقر و فاقہ اور نقصان و تکلیف کے ایسے شدید حوادث سے دوچار ہونا پڑا کہ رسول اور ان کے ساتھ ایمان لانے والے سب کہہ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔

تشریح

اس سے پہلے کی آیت میں انبیاء علیہم السلام کی آمد اور ان کی تبلیغی جد و جہد کا ذکر ہو چکا ہے، اس موقع پر مسلمانوں کو راہ حق کے شدائد و مشکلات سے باخبر کیا جا رہا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے پیرووں کو دین کی تبلیغ میں غیر معمولی تکلیفیں برداشت کرنی پڑی ہیں یہاں تک کہ کبھی کبھی بے اختیار ہو کر ان کی زبان پر آ گیا کہ اللہ کی مدد کب آئے گی — چونکہ مسلمان اور خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خدا کا آخری پیغام نوع انسانی کے سامنے پیش کر رہے تھے اس لئے اس موقع پر انھیں یہ حالات سنا کر ہر قسم کے مشکلات و مصائب کو انگیز کرنے پر آمادہ کیا جا رہا ہے اور ان سے کہا جا رہا ہے کہ جنت میں داخلہ کے لئے محض زبانی ایمان کا

دعوے کافی نہیں ہے، بلکہ گزشتہ داعیان حق کی طرح اس دعوے کا عملی ثبوت دینا ہے، اور دعوت حق کی راہ میں ہر قسم کے ایثار و سرفروشی سے کام لینا ہے۔
بقول شاعر ؎

دہر میں مسلم ہے حق کی آزمائش کے لئے
تمغۂ ایماں نہیں ملتا نمائش کے لئے

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۝ قُلْ مَا أَنفَقْتُم فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ وَابْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ۝

ترجمہ:
آپ سے لوگ دریافت کرتے ہیں کہ کس طرح خرچ کریں کہہ دیجئے کہ جو کچھ تم خرچ کرو والدین، عزیزوں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں کے لئے خرچ کرو اور جو کچھ تم بھلائی کروگے اللہ اس سے یقیناً واقف ہے۔

تشریح:
لوگ آپ سے دریافت کرتے تھے کہ اپنے مال میں سے کیا راہ الٰہی میں خرچ کریں اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ جو کچھ بھی تم سے ہوسکے والدین کی خدمت میں صرف کرو، عزیزوں کے ساتھ سلوک کرو، یتیموں کی ضروریات پوری کرو، مسکینوں کی حاجت روائی کرو، مسافروں کی خدمت کرو، جو کچھ تم بھلائی کروگے اللہ کے علم میں رہے گا۔ اس آخری جملے کے کہنے کی غرض یہ ہے کہ اگر مقصود رضائے الٰہی ہے تو اس کے لئے کسی نمائش کی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ حقیقت حال سے باخبر ہے خواہ تم کتنی ہی خاموشی سے کسی کی خدمت کروگے اللہ تعالیٰ اس سے واقف ہوجائے گا، وہ تمہارے دل کا حال جانتا ہے اس لئے نمود و نمائش کے بجائے خلوص کے ساتھ لوگوں کی خدمت کرو اللہ تمہیں جزائے خیر دے گا۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَن تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ع

ترجمہ:
تم پر جنگ فرض کی گئی حالانکہ وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرتے ہو اور (درحقیقت) وہ تمہارے لئے بہتر ہو، اور ہوسکتا ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرتے ہو اور درحقیقت وہ تمہارے لئے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔

تشریح:
کفار عرصہ تک مسلمانوں کو ستاتے رہے لیکن ان کی شرارتوں اور ایذارسانیوں کے باوجود مسلمانوں کو ان سے لڑنے کی اجازت نہیں دی گئی بلکہ برابر یہی تاکید کی گئی کہ صبر و ضبط سے کام لو اور جنگ و جدل کے بجائے دین حق کی تبلیغ و اشاعت میں مصروف رہو لیکن جب مکہ معظمہ میں کفار قریش نے زندگی دوبھر کردی تو مسلمانوں کو حکم ہوا کہ وہ مکہ معظمہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو اپنا مرکز بنائیں اس حکم کے مطابق مسلمان اپنی ساری جائداد اپنا تجارتی ساز و سامان، اپنا مال و متاع اور دولت و ثروت چھوڑ کر مکہ معظمہ سے خالی ہاتھ مدینہ منورہ چلے آئے، مدینہ منورہ مکہ معظمہ سے تین سو میل کے فاصلہ پر تھا۔

(باقی آئندہ ملاحظہ ہو)

★عبدالغفار ندوی

مسلمان اور ایمان و عمل

مصر کے ایک مشہور عالم اور مفکر محمد الغزالی کی ایک کتاب مسلمانوں کے عقائد سے متعلق ہے یہ مضمون اسی کتاب کے ایک حصہ کا ترجمہ ہے کہیں کہیں مترجم نے مضمون کی وضاحت کے لئے بعض آیات کا اضافہ کر دیا ہے۔

لغوی معنی کے اعتبار سے ایمان کہتے ہیں یقین و اذعان کو اور اسلام کہتے ہیں مطیع و فرمانبردار ہو جانے کو مگر شرعی اصطلاح میں یہ دونوں الفاظ ایک دوسرے کے مترادف یا لازم و ملزوم ہیں ایسے ہی جیسے کہ رات کے بعد دن کا آنا ضروری ہے اور آفتاب کے لئے روشنی کا ہونا لازم ہے۔ جب کوئی شخص آمنت باللہ کہتا ہے تو وہ اعتراف کرتا ہے کہ مجھے ذات باری کی اتنی معرفت حاصل ہو گئی جو حد یقین پہونچ جاتی ہے اور جب اسلمت للہ کہتا ہے تو اعلان کرتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے قوانین و احکام کی تعمیل و اجراء کے لئے پوری اطاعت اور وفاداری کے ساتھ تیار ہوں ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت حاصل ہو اور اس معرفت کے حقوق بھی ادا کئے جائیں اسلام کی حقیقت یہ ہے کہ ذات باری کی تصدیق کے ساتھ تمام عبادات مطلوبہ اور قوانین شرعیہ کو بجالایا جائے۔ یعنی شرعاً یقین و اذعان کے معنی اسلام میں داخل ہیں اور اطاعت و فرمانبرداری کا لحاظ ایمان میں بھی کیا جاتا ہے۔ بغیر یقین و تصدیق کے اسلام غیر قبول ہے اور اطاعت و فرمانبرداری کے بغیر ایمان غیر مقبول ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان منافق بدوں کی اطاعت و فرمانبرداری کو ٹھکرا دیا جن میں یقین و اذعان نہیں پایا جاتا تھا اور فرمایا کہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِهِمْ منافق بدوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں اے نبی کہہ دو کہ تم ایمان نہیں لاتے ہو البتہ تم اسلمنا کہہ سکتے ہو تمہارے دلوں میں تو ایمان اترا ہی نہیں ہے۔ ان لوگوں کا بغیر ایمان کے اسلام لانا وہ دین حق نہیں تھا جس کا اللہ تعالیٰ نے دوسری آیت میں مطالبہ کیا ہے کہ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ بلکہ ان کی اطاعت مجبوری نفاق کی اطاعت تھی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی اطاعت کی اس وقت تک کوئی قیمت نہیں ہے جب تک دلوں میں ایمان راسخ نہ ہو۔

ایمان تو وہی معتبر ہے جس کے ساتھ اطاعت و فرمانبرداری پائی جائے اور جو قوانین الٰہی سے ان کا استکبار سے پاک و صاف ہو — وَیَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰى فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وہ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں اور ہم فرمانبردار ہو گئے ہیں اس کے باوجود پھر انہیں میں سے ایک گروہ انحراف کرتا ہے درحقیقت یہ لوگ تو مومن ہی نہیں ہیں —

یہ کوئی پوشیدہ حقیقت نہیں ہے کہ اسلام اس دین کا علم اور نام ہو گیا ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے ذریعہ دنیا میں آیا ہے۔ یعنی یہ اس نظام حیات کا ایک معروف عنوان ہے جو قرآن کریم اور سنت رسول کی پیروی قائم ہوا اور جس کو توفیق ہو اس کے صدر دروازہ کلمہ توحید سے اس میں شامل ہو جائے اور تمام ذمہ داریاں پوری کرے مگر مسلمانوں کی غفلت و جہالت کے باعث یہ کلمہ ایمان جس کو صرف دینی اسلام کے ساتھ جمع ہونا چاہئے تھا اب اتنا وسیع ہو گیا ہے کہ یہودیت و مسیحیت، صنمیت و مادیت اور وطنیت و اشتراکیت سب کے ساتھ جمع ہو جاتا ہے — حالانکہ شریعت مطہرہ میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے اور مذکورہ بالا نصوص قرآنیہ شاہد گواہ ہیں — ایمان کا یہ تصور تو اسلام کو الگ کر دیتا ہے اور مومن کو بالکل آزاد کر دیتا ہے کہ وہ زندگی کے معاملات میں جو راہ چاہے اختیار کرے خواہ اس کے اعمال سے شارع علیہ السلام اور

شریعت حقہ کی د بے حرمتی ہی کیوں نہ ہو۔
اسی لئے ہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری سے بے نیاز ہو جانے کو اسلام کی بغاوت دین سے انحراف اور ایمان کی تخریب سمجھتے ہیں اگرچہ ایسا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس پر یقین رکھنے کا بلند بانگ دعوی کرتا ہے۔ ابلیس کو بھی علم الیقین تھا کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اور وہ جانتا تھا کہ قیامت کے دن اسی کے حضور میں حاضر ہونا ہے۔ مگر جب اللہ تعالیٰ نے سجدہ کا حکم دیا اور اس نے تکبر و انکار کے ساتھ اس حکم کی نافرمانی کی تو کافر شمار کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کے وحدانیت کی معرفت اس کی کوئی سفارش نہیں کر سکی اس لئے کہ رب العالمین کی اطاعت کے بغیر محض اس کی معرفت کا اقرار بالکل بیکار ہے۔ ایسی معصیت جس میں تمرد سرکشی پوشیدہ ہو ایمان سے خارج کر دیتی ہے ——— حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اسی حقیقت کے پیش نظر۔ زکوۃ نہ ادا کرنے والوں اور مرتدین کو ایک ہی صف میں کھڑا کیا ——— کیونکہ جب ان کی طرف سے ادائیگی زکوۃ کا حکم صادر ہوا تو ان لوگوں نے اس حکم کی نافرمانی کی، مال کی زکوۃ دینے پر ہتھیار اٹھانے اور جنگ کرنے کو ترجیح دی چنانچہ خلیفہ اول نے لشکر اسلام کے ذریعہ انھیں اسکے اعمال خمیازہ بھگتنے کے لئے تہ تیغ کرا دیا۔

خلیفہ اول کا یہ اسو ایسے تمام حالات میں واجب العمل ہے کیونکہ اللہ کے قانون سے انکار اور دین کے فرائض کے ساتھ استہزا و مذاق اور محرمات شرعیہ کے ارتکاب پر فخر ایسا رویہ ہے جس کو کسی صورت سے خضوع و فرمانبرداری اور اسلام و اطاعت کا لقب نہیں دیا جا سکتا البتہ اگر دین سے جاہلوں کی حالت کو علم اور جھوٹوں کے قول کو سچ کہا جانے لگے تو اسے بھی اسلام کہا جا سکتا ہے۔

ایمان و اسلام کے ربط و تعلق اور تلازم و اشتراک کی وضاحت کرنے کے بعد یہ حقیقت خود بخود سامنے آجاتی ہے کہ ایمان کیلئے عمل بھی ناگزیر ہے ——— مگر چونکہ دنیا میں مسلمانوں کا ایک اس خیال خام میں مبتلا ہے کہ محض ایمان نجات کے لئے کافی ہے اس لئے ایمان کے ساتھ عمل کی ضرورت اور اسکے تعلق کو بھی اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ ایمان کے ساتھ عمل کا تعلق ایسا ہی ہے جیسے خلق و مروت کے ساتھ سلوک و برتاؤ کا تعلق ہے کیونکہ جب کوئی شخص خدائے واحد اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہے اور انبیا کے لائے ہوئے دین کی تصدیق کرتا ہے تو یہ عقیدہ خود بخود اس کو آمادہ کرتا ہے کہ اپنے رب کی مرضیات کا طالب ہو اسکے حضور میں حاضری کی تیاری کرے اور اسکے بتاتے ہوئے صحیح راستہ پر قائم رہے جیسے وہ شخص جس کے اندر شجاعت پائی جاتی ہے خطرات کے میدانوں میں قدم بڑھاتا ہے اور جو کریم النفس ہوتا ہے خرچ کے مواقع پر اپنے خزانے کھول دیتا ہے اور جس میں سچائی کا جوہر ہوتا ہے وہ ہر بات میں حق کا تجسس کرتا ہے۔

دین اسلام کے بارے میں مذکورہ بالا تصور کے رکھتے ہوئے یہ مشکل بلکہ محال ہے کہ کوئی شخص صراط مستقیم سے ہٹ جائے یا اللہ کی کتاب اور اسکے رسول کی سنت سے اسکے مخالف کوئی چیز سمجھ بیٹھے دشمنان اسلام اگرچہ مسلمانوں کو میدان جنگ میں شکست دینے عاجز ہو گئے تھے لیکن دین میں ایسے حیلوں اور تاویلات کے پیدا کرنے سے عاجز نہیں ہوئے تھے جو اسلام کو مردہ اور بے جان بنا دیں چنانچہ انھوں نے مسلمانوں ہی جماعت میں کچھ نام نہاد مسلمانوں کو خفیہ طور سے ابھارا ان لوگوں نے اسلام کی ایسی تصویر کشی کی جس کی بنیاد محض خوش خیالیوں پر تھی نہ اس میں کوئی ذمہ داری تھی اور نہ اسکے ساتھ کوئی عمل تھا اسی کج فہمی اور غلط نظریہ کے طفیل عاطفت میں آپ دیکھتے ہیں کہ ایک مسلمان یہودی اور عیسائی بت پرست اور کمیونسٹ کے ساتھ مدتوں زندگی کے تمام معاملات میں شامل اور ہر کام میں شانہ بشانہ شریک نظر آتا ہے ——— اور یہ نا ممکن ہوتا ہے آپ کسی طرح ان میں کوئی فرق اور تمیز کر سکیں ان میں سے کسی کا قدم بھی مسجد میں نہیں جاتا کوئی بھی کسی فرض کی ادائیگی نہیں کرتا نہ ذرہ بھی ابر حدود اللہ کا احترام کرتا ہے۔ ہر ایک شراب پیتا ہے۔ سود کھاتا ہے، لوگوں کی عزت و آبرو اور جان و مال پہ ڈاکے ڈالتا ہے ان میں اگر کوئی فرق نمایاں ہوتا ہے اور کوئی تمیز پائی جاتی ہے تو زیادہ سے زیادہ یہ کہ آپ مسلمان کو کبھی

مسجد کی طرف اور دوسروں کو ان کی عبادت گاہوں کی طرف جاتے ہوئے یا اور کوئی مذہبی رسمی ادا کرتے یا تیوہار مناتے دیکھ لیں گے مگر بہت سے مسلمان ایسے بھی ہیں جن کا اسلام سے اس کے سوا اور کچھ تعلق نہیں ہوتا کہ پیدائش اور مردم شماری کے رجسٹر میں ان کا نام مسلمان درج ہو گیا ہے۔

انتہائی افسوس کا مقام یہ ہے کہ دینی علوم کے رہنماؤں میں بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اس غلط نظریہ کے تباہ کن نتائج کی پرواہ نہیں کرتے۔

چنانچہ یہ تصور پیدا کیا جاتا ہے کہ جب کوئی شخص زبان سے کلمہ توحید ادا کر لیتا ہے تو کلمہ کی یہ ادائگی اس کے تحفظ کی ضامن ہو جاتی ہے وہ کوئی فرض بھی پورا نہ کرے اور کسی معصیت سے بھی احتراز نہ کرے یہ غفلت شعار اہل علم سمجھتے ہیں کہ انکے اس خیال پر دین کے نصوص شاہد ہیں کیا ہی برا ہے جو یہ لوگ کر رہے ہیں؟

ہم سوال کرتے ہیں کہ اگر دنیا کی کوئی پارٹی یا جماعت لوگوں کے سامنے بہت اعلی درجہ کے اصول اور نظریات بیش بہا افکار و خیالات اور زندگی کے مسائل حل کرنے کے طریقے پیش کرے اور ان کی طرف عام لوگوں کو دعوت بھی دے مگر ساتھ ہی ساتھ وہ جماعت یہ تشریح بھی کر دے کہ ہماری جماعت کے ممبروں اور اس سے وابستہ لوگوں کے لئے جماعت کے اصول و مقاصد اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنا ضروری اور لازم نہیں ہے، ـــــ تو ایسی جماعت اور اس کے مقاصد کو لوگ کیا کہیں گے؟

ہم تو اسلام کو اس کمزوری سے نہیں متہم کر سکتے کہ اسکے دامن میں کچھ ایسے ہتھیار بھی پوشیدہ ہیں جو اس کا گلا گھونٹ دیتے ہیں اور نہ ہم ایسے نصوص کی کھود کرید کر سکتے ہیں جن کے ذریعہ اس کے قوانین توڑے جائیں اور اسے کھیل تماشا بنا لیا جائے نہ ہم یہ دعوی کر سکتے ہیں اعمال صرف کمال حاصل کرنے کیلئے ہیں، عملی کوتاہیوں سے اسلام کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا ہے۔ اس طرح کی باتیں ایسے سادہ لوح حضرات کر سکتے ہیں جنھوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا ہو اور دنیاوی زندگی نے انھیں مدہوش کر دیا ہو۔ کیا ان کی آنکھیں یہ نہیں دیکھ رہی ہیں کہ قوانین الٰہی کا نفاذ اور فرائض کی ادائیگی سے اسلامی دنیا کتنی بے اعتنائی برت رہی ہے ـــــ

میں تو پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مسلمان ذلت و رسوائی کے غار میں اسی وقت سے گرے ہیں جب سے ان کے اندر اسلام کا یہ ناقص اور دم بریدہ تصور پروان چڑھا کہ جس جماعت میں عمل کا ایسا ہلکا تصور ہو گا اس کے لئے نہ کوئی نظام زندگی ہو سکتا ہے اور نہ اس کے ذریعہ کسی دین کا قیام عمل میں آسکتا ہے۔

پروردگار عالم کے نزدیک عمل کی اتنی اہمیت ہے کہ اس نے زندگی کا مقصد، وجود کا منشا اور تخلیق کائنات کا راز یوم حساب کا سبب صرف عمل اور حسن عمل کو قرار دیا اور نہایت تصریح کے ساتھ فرمایا ہے هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ اور کتاب اللہ میں تو کوئی آیت ایسی نہیں ہے جس میں صرف ایمان کا تذکرہ ہو اور اس کے ساتھ عمل صالح تقوی اور اسلام و اطاعت کو نہ شامل کیا گیا ہو ـــــ سینکڑوں مقامات ایسے ہیں جہاں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کی جزا و سزا بیان کرنے کے موقع پر یہ مفہوم سمجھایا ہے کہ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ تمھیں صرف تمھارے اعمال کا بدلہ دیا جا رہا ہے ـــــ جہاں کہیں ہدایت و ضلالت کو ایک دوسرے کے مقابل میں پیش کیا ہے وہاں ایمان و عمل کو ایک ذہن میں رکھا ہے اور دوسری جانب کفر کو رکھا ہے مَا یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَالْبَصِیْرُ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَلَا الْمُسِیْٓءُ اور کتنے ایسے مقامات ہیں جن میں اسلام کی جانب صرف اسکے عملی مظاہر سے اشارہ کیا گیا فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ اَوْ اِطْعَامٌ فِیْ یَوْمٍ ذِیْ مَسْغَبَةٍ یَّتِیْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ اَوْ مِسْكِیْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ○ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ یُكَذِّبُ بِالدِّیْنِ فَذٰلِكَ الَّذِیْ یَدُعُّ الْیَتِیْمَ وَلَا یَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِیْنِ ○

(باقی صفحہ ۴۶ پر)

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

ایک تحقیقی نکتہ

علامہ ابن تیمیہ نے سورۂ اعلیٰ کی تفسیر کے آخر میں ایک بہت ہی اہم حقیقت کی جانب توجہ دلائی ہے انھوں نے چند سطروں میں ایک ایسی بات کہی ہے جس کا صدیوں سے تجربہ ہو رہا ہے اور بے شمار واقعات سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ قارئین تعمیر کے سامنے بھی علامہ موصوف کے یہ بیان پیش کیا جائے اسی مقصد یہ چند سطور لکھی جا رہی ہیں۔

علامہ فرماتے ہیں۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان کو ایمان تو نصیب ہوتا ہے لیکن اس کے علم میں کمی ہوتی ہے۔ ایسا ایمان مستحکم نہیں ہوتا کبھی وہ دل سے نکل بھی جاتا ہے جیسے بنی اسرائیل کے ایمان کا حال ہوا کہ جب انھوں نے سامری کا بنایا ہوا گئوسالہ دیکھا تو اسے پوجنے لگے۔

لیکن جیسے ایمان کے ساتھ علم بھی حاصل ہوتا ہے تو وہ ایمان دل سے کبھی نہیں نکلتا اور ایسا شخص کبھی اسلام سے مرتد نہیں ہوتا ہے۔ بخلاف محض ایمان اور محض علم کے اس صورت میں کبھی کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ایمان دل سے نکل جائے اور آدمی اسلام سے پھر جائے۔

اسکے بعد علامہ نے فرمایا۔

واقعہ یہی ہے۔ ارتداد کے واقعات زیادہ ہم ایسے ہی لوگوں میں پاتے ہیں جن کے اندر علم و ایمان کی جامعیت نہیں ہے جو لوگ قرآن تو پڑھتے ہیں لیکن انھیں نہ اس کا علم ہے اور نہ ان کے اندر ایمان موجود ہے وہ بسا اوقات مرتد ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ مومن تو ہیں لیکن انھیں نہ قرآن سے ربط ہے۔ علم رکھتے ہیں وہ بھی اکثر مرتد ہو جاتے ہیں لیکن جن لوگوں کے دلوں میں ایمان بھی ہے قرآن سے بھی تعلق رکھتے ہیں اور انھیں علم بھی حاصل ہے ان کا ایمان مستحکم ہے اور کبھی دل سے نہیں نکل سکتا ہے۔

علامہ ابن تیمیہ کا یہ خیال حرف بحرف صحیح ہے جو حضرات مسلمانوں کی گزشتہ تاریخ اور موجودہ حالات پر نظر رکھتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ علامہ موصوف نے کتنے تجربہ کی بات کہی ہے درحقیقت اگر آپ مسلمانوں کی گمراہی یا بے دینی علل و اسباب کا پتہ لگائیں تو آپ اس کی تہ میں یہی وجہ پائیں گے۔ قرآن سے بے تعلقی اور علم کی کمی ہمیشہ گمراہی اور بے دینی کا باعث ہوئی ہے پہلے بھی یہی تھا اور آج بھی یہی ہے۔ روایتی اعتقاد اور تقلیدی ایمان اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک اس سے ایجاد بے دینی کی ٹکر نہیں ہوتی ہے جہاں یہ مقابلہ ہوا قرآن مجید کی ناواقفیت اور علم کی کمی دل میں ایمان کے بجائے شک اور یقین کی جگہ تذبذب پیدا ہو جائے گی۔ اور آہستہ آہستہ ارتداد کی طرف قدم اٹھنے لگیں گے۔ لیکن اگر ایمان تقلیدی نہیں بلکہ تحقیقی ہے اور اعتقاد روایتی نہیں بلکہ واقعی سمجھا بوجھا ہوا ہے، قرآن مجید پر نظر ہے اور دین کا صحیح علم حاصل ہے تو انسان شبہات کا جواب دیتا ہے، الحاد کے خیالات کی تردید کرتا ہے اور کفر و ارتداد کی رو روکنے کی کوشش کرتا ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ نہ علم سرسری ہو نہ ایمان سطحی بلکہ دل کی گہرائیوں میں اترا ہوا اور دماغ کے ریشہ ریشہ میں بسا ہوا۔ کیا خوب فرمایا ہے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے علم وہ نہیں ہے جو محض زبان پر ہو ایسا علم تو نفع بخش ہونے کا کیا ذکر ہے اور الٹے خدا کے یہاں گرفت کا باعث ہوگا۔ اصل علم وہ ہے جو دل کے اندر پہونچ چکا ہو اور اس سے نفع بخشی کی توقع ہو۔

ایک گزارش

براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیا کیجئے۔

منیجر

تعمیر ۳۸ امین آباد پارک لکھنؤ

★ ساغر نظامی

غزل

پتہ منزل کا اب سے ڈھونڈھنا ہے آسماں ہو کر
میں پھر انگڑائی لیتا ہوں غبارِ کارواں ہو کر

ابھی سے تنگدل ہے کیوں زمانہ بدگماں ہو کر
مجھے تو پھیلنا ہے زندگی کی داستاں ہو کر

غمِ امروز پر کیوں نذر کر دوں عشرتِ فردا
بہاروں کا مٹا دوں کیف مغمومِ خزاں ہو کر

اسی شیرازۂ برہم سے پھر تعمیرِ نو ہوگی
یہی ذرّے کبھی سورج بنیں گے رائگاں ہو کر

وہ معراجِ ترقی کیا جو رفعت سے میسر ہو
ابھرنا تو اسی کا ہے جو ابھرے بے نشاں ہو کر

بسیرے کے لئے کیا نخلِ طوبیٰ مل نہیں سکتا
نظر کیوں رہ گئی محدود شاخِ آشیاں ہو کر

زمانے میں رہے کچھ یادگار اے فطرتِ فانی
اگر مٹنا مقدر ہے تو مٹ جا آسماں ہو کر

★ ابوالمجاہد زاہد

رباعیات

آغازِ جنوں ہی ہر کمالِ دل تک
تمہیدِ خزاں بہارِ رنگیں پہ تک
بجتے ہیں خوشی کے شادیانے دل میں
رو لیتی ہے خوب جب نگاہِ غمناک

ہنسنا بس میں نہ آہ کرنا بس میں
چلنا بس میں نہ ہی ٹھہرنا بس میں
انگلی کے اشاروں پہ نچاتا ہے کوئی
جینا بس میں ہے اور نہ مرنا بس میں

ہر چیز کو اپنا ہی فسانا پایا
ہر شے کو جہاں میں اپنا سایا پایا
محسوس ہوئی جو دل میں الفت کی خلش
ہر ذرۂ خاک کو تڑپتا پایا

آنکھیں بھی ہیں اشکبار توبہ توبہ
اور دل بھی ہے بیقرار توبہ توبہ
جیسے کہ گزر گئیں ہزاروں صدیاں
اک لمحۂ انتظار توبہ توبہ

موجیں ہیں نفس نفس میں سیلابی ہوں
مخمورِ بغیرِ مئے عنابی ہوں
سینے سے لگائے ہوں دلِ مضطر کو
زاہد ہی نہیں زاہدِ سیمابی ہوں

★ اثر

غزل

آداب حسن و عشق کو رسوا نہ کیجیے
اس کعبۂ خیال کا شکوا نہ کیجیے

موقوف آرزو پہ ہے ہنگامۂ حیات
مرجائیے پہ ترک تمنا نہ کیجیے

آب حیات میکدۂ دل میں ڈھونڈھیے
ناحق تلاش خضر و مسیحا نہ کیجیے

بیچارگی میں بھی ہے طوفان آرزو
کچھ اختیار میں ہو تو کیا کیا نہ کیجیے

آگاہ اپنی عظمت ہستی سے ہو اثر
پرواے تخت قیصر و کسریٰ نہ کیجیے

★ حماد یل

صبح نو وقت کے پردوں میں ہے روپوش
شب کے پُرہول اندھیرے میں ضیا آج بھی ہے

بزم دیرینہ کے نغموں کا تلاطم نہ سہی
ساز خاموش ہیں مطرب کی نوا آج بھی ہے

کچھ غم عشق کے ہوتے پہ نہیں ہے موقوف
محفل زیست میں ہنگامہ بپا آج بھی ہے

حسن کو جس نے سکھایا رم آہو برسوں
سینۂ عشق میں وہ جوش وفا آج بھی ہے

ہم سفر دوری ساحل کی خلش ہے ورنہ
حلقۂ موج میں رہنے کا مزا آج بھی ہے

بیکسی روتی ہے نمناک نگاہوں کو لیے
کپکپاتے ہوئے ہونٹوں پہ دعا آج بھی ہے

★ غلام ربانی تاباں

آج بھی نرغۂ اعدا میں وطن ہے کہ نہیں
صرصر و برق کی زد میں یہ چمن ہے کہ نہیں

بات بے سود ولیکن ننگ سخن ہے کہ نہیں
لاشۂ فکر پہ لفظوں کا کفن ہے کہ نہیں

مے نئی، شیشۂ و پیمانہ نئے ہیں لیکن
میکشی تابع آداب کہن ہے کہ نہیں

آج بھی دہر میں دیوانوں کے دم سے ہے درست
گرمی انجمن دار و رسن ہے کہ نہیں

خاک سے جس کی جنم میں نے لیا ہے تاباں
کوئی بتلاؤ کہ وہ میرا وطن ہے کہ نہیں

★ مولانا جمال الدین استاذ عربی واسلامیات جامعہ ملیہ اسلامیہ

آفتابِ نبوّت کی ایک رات اور ایک دن

●

رات کی تاریکی میں قصی کے بنائے ہوئے گھر "دار الندوہ" میں مکہ کے نامی سن رسیدہ اور تجربہ کار لوگ جمع ہیں، ہر طرف سناٹا طاری ہے، کچھ لوگ عمارت کے آس پاس بڑی ہوشیاری سے پہرہ دے رہے ہیں، تاکہ کوئی شخص اندر کی کارروائی سُن نہ سکے۔

یہ کون لوگ ہیں اور کس غرض سے اس اہتمام اور رازداری سے اکھٹے ہوئے ہیں؟ کیا کسی خطرناک دشمن کا حملہ ہونے والا ہے، جس کی مدافعت کی ترکیبیں سوچ رہے ہیں یا کسی زبردست طاقت کے خلاف زور آزمائی مقصود ہے جس کی تیاریوں میں مشغول ہیں؟

اوہ! یہ تو قریش کے ممتاز اور چیدہ رؤسا ہیں جن کی عقل وفراست، شجاعت اور دلیری کا سکہ تمام ملک پر چھایا ہوا ہے، ان میں شیبہ، عتبہ، ابوسفیان، ابوالبختری، منبہ، منبہ، ولید ابن مغیرہ، عاص بن وائل اور ابوجہل بن ہشام جیسے قریش کے چوٹی کے سردار موجود ہیں۔ ابوجہل کو مجلس شوریٰ کے قواعد کے خلاف چالیس برس سے کم عمر ہونے کے باوجود، آج خاص طور سے مدعو کیا گیا ہے۔

صدارت کے فرائض عتبہ بن ربیعہ کے سپرد ہیں، جو اپنی دوراندیشی، پختہ کاری اور سنجیدگی میں سب سے ممتاز ہے۔[1] کارروائی کا آغاز ہونے ہی والا تھا کہ کسی نے دروازے پر دستک دی، جو احتیاطاً بند کر دیا گیا تھا، صدر کی اجازت سے دروازہ کھولا گیا، سامنے ایک وجیہ انسان، عمدہ پوشاک پہنے کھڑا تھا، اس نے ان الفاظ میں اپنا تعارف کراتے ہوئے اندر آنے کی اجازت چاہی کہ میں نجد کا سردار ہوں، آپ لوگوں کی مشکلات اور اس جلسے کی اہمیت کے پیش نظر محض ہمدردی کی بنا پر حاضر ہوا ہوں، تاکہ آپ لوگوں کا کچھ ہاتھ بٹا سکوں، ہر طرف سے مرحبا بالشیخ النجدی کی آواز بلند ہوئی، اور صدر کے قریب اس نو وارد کو جگہ دی گئی۔

جلسے کا افتتاح اور اس کی غرض وغایت پر روشنی ڈالتے ہوئے صدر نے کہا:—

حضرات! بنی ہاشم کے نوجوان محمد ابن عبداللہ نے ہمارے لئے جو فتنہ کھڑا کیا ہے وہ کسی تعارف کا محتاج نہیں، کس کو نہیں معلوم کہ اُس نے اپنے نئے مذہب اور دوراز عقل خیالات سے جسے وہ خدا کا پسندیدہ دین کہتا ہے، ہمارے نوجوانوں کو گمراہ، غلاموں کو باغی، خدمتگاروں کو سرکش اور عورتوں کو ہم سے برگشتہ کر دیا ہے، ہمارے باپ داداؤں کو بیوقوف ہمارے دیوی دیوتاؤں کو بے بس اور ہم لوگوں کو باطل پرست کہتا ہے، ہم نے اس کو روکنے کی ہر طرح کوشش کی، مال و دولت کا لالچ دیا گیا، مگر کچھ کام نہ نکلا، ڈرانے دھمکانے کے تمام حربے بھی بیکار ثابت ہوئے، اس کی بات جادو سے زیادہ اثر اور مقناطیس سے بڑھ کر کشش رکھتی ہے، جو شخص بھی اس کے قریب جاتا ہے، اور اس کی باتیں سنتا ہے، وہ ہمیشہ کے لئے

---

[1] اس موقع پر اگر علامہ اقبال کی مشہور کتاب جاوید نامہ میں قریش کی مجلس مشورہ اور ابوجہل کی تقریر بھی پڑھی جائے تو اس مضمون کا لطف دونا ہو جائے، علامہ مرحوم نے بڑے پُرزور طنزیاتی انداز میں اس مجلس کا نقشہ اور ابوجہل کی تقریر نظم کی ہے۔ (ادارہ)

ابھی کا ہو رہتا ہے، اس کے ساتھیوں کی تعداد برابر بڑھتی اور ہماری تعداد اسی تناسب سے گھٹتی جاتی ہے، اس کے ساتھی بھی ایسے کہ اس کے حکم پر موت سے پنجہ ملانے کے لئے تیار، اور اس پر جان دینے کو اپنی سب سے بڑی خوش قسمتی سمجھتے ہیں۔ ان پر جس قدر سختی کی جاتی ہے، اتنا ہی اپنے دین پر اور زیادہ مضبوط ہوتے جاتے ہیں، صہیب، بلال، عمار، اور خبیب وغیرہ کے ساتھ کیا کچھ نہیں ہوا، کتوں کی طرح رسیوں سے باندھ کر گلیوں میں گھسیٹے گئے، انگاروں پر لٹائے گئے، گرم لوہے سے داغے گئے، اور نیزوں کی انیوں سے ان کے جسموں کو برمایا گیا، مگر محمدؐ کا دم بھرنے سے باز نہ آئے۔

عثمان، طلحہ، زبیر، مصعب ابن عمیر کو جو قریش کے رؤسا کے نورِ نظر ہیں، کس قدر مارا گیا، سر نگوں لٹکایا گیا، مرچوں کی مسلسل دھونی دی گئی، مگر محمد کی محبت کا نشہ نہ اُتر سکا۔ ہمارے ہر دلعزیز رئیس ولید ابن مغیرہ اپنے بیٹے ولید کو کب سے قید و بند کی ناقابل برداشت تکلیفیں دے رہے ہیں، خالد اور دوسرے بھائی سمجھا بجھا کر راہِ راست پر لانے کی کوشش کر رہے ہیں، مگر محمدؐ کا سودا دماغ سے نہ نکلا اور نہ نکلنے کی کوئی امید ہے۔

اگرچہ یہ سب باتیں ہمارے لئے انتہائی تکلیف دہ تھیں مگر پھر بھی اطمینان تھا کہ کبھی نہ کبھی ہم اس غلط دین کو مٹا کر رہیں گے، اور محمد کو ان کے ساتھیوں کی معیت کچل ڈالیں گے، مگر اب حالات مایوس کن ہو چکے ہیں، ہماری بدقسمتی ہے کہ یثرب کے لوگ بھی محمدؐ کا کلمہ پڑھنے لگے، جن کی بہادری اور شجاعت کا لوہا سارا عرب مانتا ہے، وہ لوگ اب اس کوشش میں ہیں کہ محمد کو کسی طرح ہمارے پنجے سے نکال لے جائیں۔ اگر وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہو گئے تو یاد رکھئے کہ لات و عزیٰ کا نام دنیا سے مٹا ڈالا جائے گا، اور ہمیں بھی تباہی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

آج آپ سب کو محض اس لئے اکٹھا کیا گیا ہے کہ مل کر کوئی ترکیب سوچیں جس سے ہم اس خطرناک دشمن سے نجات پا سکیں، یہ وقت کا سب سے اہم تقاضہ ہے، اور وقت کے تقاضوں کو نظرانداز کرنا تباہی اور بربادی کو دعوت دیتی ہے۔

صدر کی تقریر در پردہ تمام مجمع کے دل کی ترجمان اور ان کے جذبات آئینہ دار تھی۔

جلسے میں مختلف تجویزیں پیش کی گئیں، کسی نے کہا محمدؐ کو زنجیروں میں جکڑ کر کسی تنگ و تاریک قید خانے میں ڈال دو، کسی نے شہر بدر کرنے اور وطن سے نکال دینے کا مشورہ دیا، کسی نے کہا کہ قتل کر کے ہمیشہ کے لئے اس فتنے کی آگ کو بجھا دیا جائے۔ مگر ان میں سے کوئی تجویز بھی شرکاء جلسہ کی تائید حاصل نہ کر سکی۔

آخر میں ابوجہل ابن ہشام نے جو سب میں کم سن مگر غضب کا طباع اور ذہین تھا، یہ تجویز پیش کی کہ محمد کو اس طرح قتل کیا جائے کہ تمام قبائل کے ایک ایک بہادر نمائندے رات کی تاریکی میں بیک وقت مل کر تلوار چلائیں، تاکہ پتہ نہ چل سکے کہ وہ ان میں سے کس کی تلوار کا شکار ہوا ہے، اور بنو ہاشم کے لوگ اس کا بدلہ لینے کی جرأت نہ کر سکیں، سب قبیلوں سے چونکہ جنگ کر نہیں سکتے، لہٰذا دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے جو تمام لوگ مل کر ادا کر دیں گے ـــ اس تجویز کو سن کر سارا مجمع خوشی سے بے قابو ہو گیا اصبت ابا الحکم کی آواز سے سارا ہال گونج اٹھا، بعضوں نے ابوجہل کو سینے سے لگا لیا، شیخ نجدی بھی بے اختیارانہ بول اٹھا ھذا ھوالرای ھذا ھوالرای۔

قرآن کریم ان واقعات کی جانب اشارہ کر کے کہتا ہے اِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ (جب ناپاک لوگ آپ کے قتل یا قید کرنے کی خفیہ تدبیریں کر رہے تھے)۔

آپ نے سمجھا! اس مجمع کا اتنا اہم اور سنگین فیصلہ، یہ وحشیانہ ہی نہیں بلکہ حد سے زیادہ بزدلانہ قتل کی سازش، کس کے لئے کی گئی ہے، کیا کسی ڈاکو اور لٹیرے کے لئے جس نے آبادیوں کی آبادیاں لوٹ لی ہیں، اور انھیں آگ کی نذر کر ڈالا ہے۔

کیا کسی ظالم اور سرکش انسان کے حق میں جس کی دست درازیوں نے کتنے انسانوں کی خوشیوں کا چمن تاراج کر دیا ہے، اس افسوسناک فیصلے کا نشانہ، کوئی خونی اور سفاک قاتل ہے جس کے ہاتھ آدم کی معصوم اور بے گناہ اولاد کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔

نہیں، ایسا ہرگز نہیں، یہ سب مکہ کے اس یتیم اور صالح نوجوان کے حق میں کیا گیا ہے، جس سے بڑھ کر نیک، سچا، عفیف، پاک دامن، انصاف پسند، اور رحم دل، آسمان کے آفتاب و ماہتاب اور اس کے بڑے بڑے سیاروں نے بھی نہ تو اب تک دیکھا ہے اور نہ دیکھ سکیں گے۔

آہ! یہ فیصلہ اس فرشتہ صفت انسان کے لئے ہوا ہے جس کا دامن شفقت ہر یتیم، ہر بیوہ، ہر مجبور، ہر قیدی اور ہر غلام کی پناہ گاہ ہے، جس کا گھر ہر اس بیمار کے لئے جس کا کوئی تیماردار نہ ہو دارالشفا ہے، جس کی ذات ہر حاجت مند کی امیدگاہ اور حاجت برداری کا ذریعہ ہے جو کسی کے کام اور کسی کے مطالبے پر نہ تو پیشانی پر شکن لاتا ہے اور نہ زبان پر "نہیں" کا لفظ، جو دوسروں کو آسودہ کرنے کے لئے خود بھوکا رہتا ہے دوسروں کو آرام دینے کے لئے خود مصیبت جھیلتا ہے، جو ملکوں اور آبادیوں کے ظلم و ستم کو ختم کرنے اور اس کی بے چینی اور بدامنی کو مٹانے کی خاطر خود اپنے کو ظلم و ستم کا نشانہ بناتا، جو بچوں کے قتل اور لڑکیوں کے زندہ دفنا دینے کی رسم کو ہمیشہ کے لئے زمین میں دفن کر دیتا، جو عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دلاکر اُن کے شانہ بشانہ کھڑا کرتا ہے لھن علیکم مثل ما لکم علیھن جو عرب جیسی خون آشام سرزمین پر انسانی حقوق کی حفاظت اور انسانی جان کی اہمیت کا ان لفظوں سے اعلان کرتا ہے کہ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا (جو شخص کسی جان کو بغیر اس کے کہ اس نے کسی کی جان لی ہو قتل کرتا ہے تو اسے تمام دنیا کے انسانوں کو قتل کرنے کا گناہ ہوگا اور جو شخص کسی جان کو قتل سے بچائے گا اس نے گویا تمام انسانوں کو زندہ کر دیا)۔

جو نسل و رنگ کے امتیاز اور حسب و نسب کے فرق کو مٹا کر تمام انسانوں کو ایک سطح پر لا کھڑا کرتا ہے اور علی الاعلان لاکھوں انسانوں کے سامنے لیس لعربی علی عجمی فضل کلکم ابن آدم و آدم من تراب کا اعلان کرکے غلامی کی لعنت اور غلاموں کے ساتھ اخلاق سوز برتاؤ کو ہمیشہ کے لئے انسانوں کے دماغ سے یہ کہہ کر نکال دیتا ہے: — من اعتق رقبۃ فلہ الجنۃ — اخوانکم خولکم جعلھم اللہ تحت ایدیکم فاطعموھم مما تاکلون والبسوھم مما تلبسون (تمہارے بھائی بھی تمہارے غلام ہیں انھیں اللہ نے تمہاری سرپرستی میں دے دیا ہے، لہٰذا ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو اور وہی پہناؤ جو خود پہنتے ہو، ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالو، اور اگر ڈالو تو پھر ان کا ہاتھ بٹاؤ)۔

جو اپنی اس تعلیم پر سب سے پہلے خود عمل کرتے ہوئے اپنے غلام زید ابن حارثہ کو اپنا بیٹا بناتا ہے، اور قریش کی سب سے اعلیٰ نسب خاتون زینب بنت جحش سے نکاح کرتا ہے جو خود ان کی پھوپھی زاد بہن ہیں۔

ستم ظریفی یہ کہ یہ فیصلہ ان لوگوں نے کیا ہے جو

ظلم وستم اور فسق وفجور کے مجسمہ ہیں، جن کے دلوں میں نیکی کے بجائے بدی اور خیر کے بجائے شر کے جذبات ابھرتے ہیں، جن کی روحیں دل، عمل، اخلاق اور کردار نہایت گھناؤنے ہیں ؎

پری نہفتہ رخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی است

اتنا سنگین فیصلہ اور باہر کے لوگوں کو کانوں کان خبر نہ ہوسکی، دیکھتے ہی دیکھتے اس رحم مجسم اور پیکر صداقت کا گھر مسلح نوجوانوں نے چاروں طرف گھیر لیا، ہر شخص نہایت ہوشیاری اور خاموشی سے آپ کی تاک میں بیٹھ گیا۔

آپ اپنے بستر پر محو خواب ہیں، خدا کے مقدس فرشتے جبرئیل آکر بیدار کرتے ہیں، اور باہر کی تیاریو اور دشمنوں کے ارادے سے مطلع کرتے ہیں، آپ بستر سے اٹھتے ہیں حضرت علی کو جگاکر کچھ امانتیں سپرد کرتے ہیں جو انھیں بدبخت انسانوں کی تھیں، جو باہر ننگی تلوار سونتے ہوئے آپ کے انتظار میں تھے، پھر حضرت علی کو حکم دیتے ہیں کہ آپ کی چارپائی پر آپ کی چادر اوڑھ کر سوجائیں، تاکہ لوگ کچھ دیر تک غلط فہمی میں پڑے رہیں اور آپ کو کچھ دور نکل جانے کا موقع مل سکے، خدا حافظ کہہ کر روانہ ہوگئے، ادھر حضرت علی کی آواز گلوگیر تھی ادھر آپ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔

اُف! کتنا عبرتناک اور حسرت انگیز منظر تھا — مگر اس کو کیا کیا جائے کہ اس کٹھن اور مشکل راستے سے ہر نبی اور ہر اچھے انسان کو ہمیشہ گزرنا پڑا ہے، مصائب اور آلام کی یہی بھٹیاں ہیں جو انسان کو کندن بناتی ہیں —

رات ڈھل چکی ہے تاریکی نے دنیا پر اپنی سیاہ چادر پوری طرح ڈال دی ہے، عین اس وقت آپ حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچتے ہیں، معلوم نہیں کیوں آج اُس پیکر صداقت کی نیند بھی اُڑی ہوئی ہے، آہٹ پاتے ہی جیسے پہلے سے منتظر بیٹھے تھے، دروازہ کھول دیا اور نہایت بیتابی سے اس وقت تشریف لانے کی وجہ دریافت کی، آپ نے حالت کی نزاکت مختصر طور پر بیان فرمائی اور ساتھ چلنے کا حکم دیا، حضرت ابوبکرؓ جلدی میں کھجوروں کا ایک تھیلا ساتھ لے کر آپ کے ہمراہ روانہ ہوگئے، اور دونوں یارِ غار ایک سمت چل دیے، رفاقت کی یہ ادا کچھ اس طرح مقبول ہوئی کہ یارِ غار ایک ضرب المثل بن گیا۔

مکہ کی آبادی سے انسانیت وایثار کے دونوں علمبردار بادلِ ناخواستہ ہمیشہ کے لئے رخصت ہو رہے ہیں، سنگلاخ زمین ناہموار راستہ، رات کی تاریکی، دشمنوں کا ڈر، بال بچوں کی جدائی اور پیارے وطن کی ہجرت، دونوں کے دل پر کیا اثرات ڈال رہے ہوں گے، کسے معلوم؟ اور اگر کچھ معلوم بھی ہو تو کوئی اس کا خاکہ کس طرح پیش کرے اور کوئی کس طرح سمجھے۔

شب تاریک و بیم موج و گردابے چنیں حائل
کجا دانند حال ما سبکساران ساحلہا

صاحب مواہب لدنیہ کا بیان ہے کہ آنحضرت کعبہ کی طرف مڑ مڑ کر بار بار نگاہ اُٹھاتے تھے اور رو رو کر فرماتے جاتے تھے کہ اگر تیرے باشندے مجھے نہ نکالتے تو میں تیری جدائی جو موت سے زیادہ ناپسند ہے ہرگز اختیار نہ کرتا — چپل چلنے میں حارج تھے دونوں نے پیروں سے نکال ڈالے اور پیادہ پا چلنے لگے، جس کی وجہ سے پیروں میں آبلے پڑ کر پھوٹ گئے، آخر نیاض تھے، راستے کے کانٹوں کا بھی تو کچھ حق تھا، اُن کی پیاس اسی طرح بجھائی گئی، کچھ ہی دور پہونچے ہوں گے کہ سپیدۂ صبح نمودار ہونے لگا، دشمن کے تعاقب کے ڈر سے آگے قدم بڑھانا خلاف مصلحت سمجھ کر ایک پہاڑ کی کھوہ میں آسمان ہدایت کے یہ دونوں شمس وقمر چھپ گئے۔ دشمنوں نے صبح کو چھاپا، غار کے منہ تک آکر ناکام لوٹے اور پھر آپ کے قتل پر سو اونٹ کے انعام کا اعلان کردیا گیا۔

آپ تین روز اس غار میں پوشیدہ رہے، چوتھے روز دوشنبہ کے دن نامعروف راستہ سے اپنے کو لوگوں کی نگاہوں سے بچاتے ہوئے مدینہ روانہ ہو گئے، قرآن کریم آپ کی اس بے کسی اور بے بسی سے نکالے جانے کا خاکہ ان الفاظ میں کھینچتا ہے :۔

فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا۔

(ترجمہ) اللہ نے آپ کی اس وقت مدد کی ہے جب آپ کے دشمنوں نے آپ کو گھر سے اس حالت میں نکال دیا تھا کہ آپ کے ساتھ آپ کا محض ایک ساتھی تھا، اور دونوں دشمنوں کے خوف سے پہاڑ کی کھوہ میں چھپ گئے تھے، اور جب آپ اپنے ساتھی کی ڈھارس بندھانے کے لیے کہہ رہے تھے کہ غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے، اللہ نے فوراً اپنی طرف سے آپ پر سکون نازل فرمایا اور بروقت ایسے لشکر سے مدد کی جسے انسانوں کی نگاہیں دیکھ نہیں سکتیں، اور اللہ نے کافروں کی بلند آہنگیوں کو پست کر دیا اور اللہ کی بات ہی ہمیشہ سربلند رہتی ہے۔

نمود صبح

صبح کا وقت ہے، آپ کے جلو میں دس ہزار جاں نثاروں کا لشکر ہے جو سرتاپا لوہے میں ڈوبا ہوا ہے ـــ لشکر مختلف دستوں میں تقسیم کر کے مختلف سپہ سالاروں کی ماتحتی میں دے دیا گیا ہے، ہر دستے کا جھنڈا الگ الگ ہے، فوج کی کمان اعلیٰ خود آپ کے ہاتھوں میں ہے آپ کی داہنی جانب آپ کا وہی رفیق غار اور مشیر خاص ابوبکر ابن قحافہ موجود ہے، جو راستے کی بے کسی میں گھر سے نکلتے ہوئے آپ کا شریک غم تھا، مکہ کے بالائی راستے سے آپ داخل ہو رہے ہیں اور نشیبی راستے سے مشہور سپہ سالار خالد ابن ولید سواروں کا دستہ لے کر داخل ہو رہے ہیں، جو ابھی چند روز ہوئے مسلمان ہوئے ہیں ـــ اس پرشکوہ فوج اور مہیب نظارہ کو دیکھ کر مکہ کا ذرہ ذرہ کانپ رہا ہے، سب کے ہوش و حواس گم ہیں، کسی کو کہیں نہ سر چھپانے کی جگہ ہے اور نہ بھاگنے کی ـــ اسی اثنا میں مظہر لطف و کرم کے منادی نے آپ کے اشارہ سے اعلان کیا کہ :۔

مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِيْ سُفْيَانَ فَهُوَ اٰمِنٌ مَنْ اَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ اٰمِنٌ مَنْ اَغْلَقَ بَابَهٗ فَهُوَ اٰمِنٌ وَمَنْ دَخَلَ الْكَعْبَةَ فَهُوَ اٰمِنٌ۔

(ترجمہ) جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے محفوظ ہے جو اپنے ہتھیار ڈال دے محفوظ ہے جو اپنا دروازہ بند کر لے محفوظ ہے جو کعبہ میں داخل ہو جائے محفوظ ہے۔

یہ اعلان سن کر لوگوں کی جان میں جان آئی، دیکھتے ہی دیکھتے گھروں کے دروازے بند ہونے لگے، ہتھیار زمین پر ڈالے جانے لگے اور کعبہ و ابوسفیان کے گھر میں تل رکھنے کو بھی جگہ نہ تھی۔

آپ کے لیے شہر سے باہر خیمہ لگا دیا گیا، آپ نے کسی ساتھی کو روانہ کیا کہ کعبہ کے تین سو ساٹھ مجسموں اور تصویروں کو توڑ کر پھینک دے، پھر خود کعبہ میں تشریف لے گئے، دیوار کے ادھر کچھ تصویریں رہ گئی تھیں، جنھیں خود مٹایا، کعبہ کی کنجی منگا کر اندر داخل ہوئے، اندر بھی مجسمے اور تصویریں تھیں، جن میں حضرت عیسیٰ، ابراہیم اور اسمٰعیل کی تصویریں بھی تھیں، آپ نے ان سب کو برباد کر دیا، پھر دو رکعت نماز ادا فرما کر باہر تشریف لائے کعبہ کی کنجی کے لیے آپ کے چچا عباس اور آپ کے بھائی علی کے ہاتھ بڑھے، مگر آپ نے فرمایا اگر میں ہی خیانت کروں گا تو پھر انصاف کی توقع کس سے کی جا سکتی ہے یہ بنی شیبہ کا حق اور ان کی امانت ہے لہٰذا اُن ہی کو دی جائے گی اور ہمیشہ اُن ہی کے ہاتھ میں رہے گی ـــ پھر آپ حرم کے صحن میں پہونچے، کس صحن میں؟ جس میں آپ کو گالیاں دی گئی تھیں، آپ پر نجاستیں اچھالی گئی تھیں،

آپ کے قتل کی تجویزیں پاس کی گئی تھیں، اور سامنے قریش کے تمام سردار اور مکہ کے لوگ ہزاروں کی تعداد میں ندامت سے سر جھکائے کھڑے تھے، ان میں وہ بھی تھے جو اسلام کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے وہ بھی تھے جنھوں نے آپ کی ہجو کی تھی اور آپ کا مذاق اڑایا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو گالیاں دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جو اس پیکر قدسی کے ساتھ بارہا گستاخی کر چکے تھے، وہ بھی تھے جنھوں نے آپ کے راستے میں کانٹے اور دروازے پر نجاستیں ڈالی تھیں، وہ بھی تھے جنھوں نے آپ سے مقاطعہ اور ترک موالات کے دستاویز پر دستخط کئے تھے اور آپ کو تین سال نظر بند رکھا تھا، وہ بھی تھے جنھوں نے آپ کے پیارے چچا حضرت حمزہ کا خون بہایا تھا، اور ان کے سینے کو چاک کر کے ان کا جگر چبایا تھا — وہ بھی تھے جو غریب اور بیکس مسلمانوں پر مصائب کے پہاڑ توڑا کرتے تھے جنھوں نے ان کے سینوں پر اپنی جفا کاری کی آتشی مہریں لگائی تھیں، دہکتے ہوئے کوئلوں پر انھیں لٹایا تھا اور گرم سلاخوں سے ان کے جسموں کو داغا تھا، اور وہ بھی تھے جنھوں نے آپ کو اچانک قتل کرنے کے لئے آپ کے گھر کا گھیرا ڈالا تھا اور انعام کا اشتہار دیا تھا۔

آج یہ سب مجرم سرنگوں سامنے کھڑے تھے، جن کے ایک ایک کرتوت ان کی گردن زدنی کے داعی تھے ان کے پیچھے دس ہزار خون آشام تلواریں محمد عربی صلعم کی ایک جنبش کی منتظر تھیں۔ زمانے کی یہ بھی عجیب ستم ظریفی تھی کہ کل کے کرسی عدالت کے مالک آج مجرموں کی صف میں کھڑے تھے۔

دفعۃً زبان مبارک کھلتی ہے، محبت بھرے لہجے میں سوال ہوتا ہے بتاؤ میں آج تمہارے ساتھ کیا سلوک کروں؟ لڑکھڑائی ہوئی زبانوں سے جواب دیا جاتا ہے آپ شریف ہیں اور شریف باپ کی اولاد — ارشاد ہوتا ہے اچھا میں تم سے وہی کہتا ہوں جو اللہ کے رسول یوسف نے اپنے ظالم بھائیوں کو کہا تھا۔

لا تثریب علیکم الیوم تم پر آج کوئی الزام نہیں ہے، اذھبوا فانتم الطلقاء، جاؤ تم سب ہر طرح آزاد ہو۔

یہ ہے نبوت اپنے اصلی رنگ میں اور پیغمبر اپنے اصلی لباس میں — پیغمبر صرف خوش بیانیوں اور شیریں زبانیوں تک محدود نہیں رہتا بلکہ حقیقت اور عمل بن کر سامنے آتا ہے، یہ آفتاب نبوت کے ایک دن اور ایک رات کا معمولی خاکہ ہے۔ ع قیاس کن ز گلستان من بہار مرا۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

(ترجمہ) اے جریر! ہمارے بزرگوں کے یہ کارنامے جب لوگوں کے کارناموں کا مقابلہ کیا جا رہا ہو تو ان جیسا کوئی پیش تو کر دے۔

ہماری نظر میں

• نوائے ادب (سہ ماہی)

چندہ سالانہ تین روپئے ششماہی دو روپئے
فی پرچہ ایک روپیہ۔
ترسیل زر کا پتہ :— رائٹرس امپوریم لمیٹڈ، سرفیروزشاہ، مہتا روڈ، پوسٹ بکس ۱۰۲۳۲ بمبئی ۱
یہ رسالہ انجمن اسلام اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بمبئی کا آرگن ہے، رسالہ کو جاری ہوئے دو سال ہوئے ہیں، لیکن اتنی ہی کم مدت میں اردو ادب میں اپنے لئے ایک جگہ بنالی ہے، اکثر بیشتر اردو ادب سے متعلق تحقیقاتی مضامین اس میں شائع ہوتے ہیں، جو لوگ اردو لٹریچر کا ذوق رکھتے ہیں یا اس موضوع پر کام کرنا چاہتے ہیں ان کے لئے یہ رسالہ ایک اچھا رفیق ثابت ہوگا، زیر نظر شمارہ (جولائی اکتوبر ۱۹۶۶ء) میں ”اردو تھیٹریکل کمپنیوں کے ابتدائی سفر“ خاصا دلچسپ اور معلوماتی مضمون ہے۔

رسالہ کا ایک خاص باب ”مقالہ نما“ اس کی افادیت کا ضامن ہے، تین ماہ میں ہندوستان و پاکستان کے اردو رسائل کے معیاری مضامین کا خلاصہ اس میں شائع ہوتا ہے — مقالہ نما مختلف ذیلی عنادین، تنقید، جغرافیہ مذہبیات اور تذکرہ و سیرت نگاری وغیرہ پر مشتمل ہوتا ہے، ہر عنوان کے نیچے اس سے متعلق اچھے شائع شدہ مضامین کا نچوڑ، مضمون نگار کے نام، مضمون کے نام، پرچہ کے نام اور مہینہ کے حوالہ سے درج ہوتا ہے —

اگر پرچہ میں کچھ نہ ہوتا اور صرف یہی باب ہوتا جب بھی یہ پرچہ مطالعہ کے لائق ہوتا، اگر کوئی شخص غور سے اس باب کا مطالعہ کیا کرے تو وہ اردو لٹریچر کے ہر حصہ پر سرسری نظر رکھ سکتا ہے — اس باب میں صرف دو باتوں کی کمی محسوس ہوتی ہے اول تو تین مہینہ کے عرصہ میں شائع شدہ افسانے، ڈرامے اور نظموں وغزلوں سے متعلق کوئی باب اس میں نہیں ہے، دوسرے جن پرچوں کا حوالہ دیا جاتا ہے ان کا مقام اشاعت نہیں درج ہوتا، اس سے بہت سے لوگوں کو الجھن ہو سکتی ہے، کیونکہ بہت سے پرچے ایسے ہیں جن کو سب لوگ نہیں جانتے، اس لئے اگر بجائے معارف کے معارف اعظم گڈھ اور بجائے چراغ راہ کے چراغ راہ کراچی لکھ دیا جایا کرے تو افادیت اور بڑھ جائے۔

مقالہ نما کے مرتب پروفیسر محمد ابراہیم صاحب ڈار اور نائب مرتبین عالی جعفری، عصمت جاوید اور احمد ملک ہیں۔

•• رابطہ قرآن (ماہنامہ)

ارکان ادارہ :— مولوی خدا بخش صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی اسسٹنٹ کنٹرولر ملٹری اکاؤنٹس۔
عبدالقدیر صاحب اور دوسرے کئی حضرات۔
ہدیہ فی پرچہ :— ۲۵ر سالانہ درج نہیں۔
پتہ :— ادارہ رابطۃ القرآن۔ جامع مسجد، دفتر محاسب اعلیٰ دفاع۔ راولپنڈی۔

یہ پرچہ اس حیثیت سے ایک نیک شگون کی حیثیت رکھتا کہ پاکستان کے ایک بہت بڑے گورنمنٹ آفس (دفاع) سے، اس محکمہ کے اعلیٰ افسروں کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے، اس میں مغرب کی نقالی کے بجائے خالص اسلام کی طرف دعوت ہوتی ہے اور اول سے آخر تک پورا پرچہ پڑھنے کے بعد بھی اس میں ان چور دروازوں کا پتہ نہیں ملتا جو آج کل اکثر بیشتر ان پاکستانی رسائل و جرائد میں نظر پڑتے ہیں جو اسلام کا علم لے کر اٹھتے ہیں لیکن یورپ کے اشاروں پر چلتے ہیں۔

ادارہ رابطہ قرآن بہت دنوں سے پاکستان کی سول آبادی ملٹری ملازمین میں اسلامی روح اور دینی شعور پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے، اس ادارہ کے زیر اہتمام

پاکستان کے اہم شہروں کراچی، لاہور، ڈھاکہ، راولپنڈی وغیرہ میں ہفتہ وار اور روزانہ درس قرآن دیا جاتا ہے۔

زیر نظر شمارہ (جنوری ۱۹۶۲ء) میں علامہ سید سلیمان ندوی کا خطبہ "اسلامی حکومت کے عاملین" پڑھنے کے لائق ہے، — عزیز ملک صاحب کا مضمون "اسلام کا اقتصادی نظام" بھی اچھا ہے، خورشید علی بٹ صاحب نے ایک عجیب فلسفیانہ اور تخیلی انداز میں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ میں اپنی حاضری کا نقشہ کھینچا ہے، اس مضمون میں کہیں کہیں "بھرتی کے مزاح" نے مزا کرکرا کر دیا ہے۔

مرتبین کو پیام کی ترتیب اور تہذیب پر زیادہ توجہ کرنی چاہیئے اور قارئین کو اس پیغام کے دور دراز تک پہونچانے میں ان کا ہاتھ بٹانا چاہیئے۔

⁂ سیرت نمبر (الحسنات)

مرتبہ:- ابو سلیم محمد عبدالحی۔

صفحات ۱۳۶ قیمت ۱۲؍ سرورق دیدہ زیب۔

پتہ:- دفتر الحسنات، رام پور، یو۔پی

لڑکوں، لڑکیوں اور عورتوں کے لئے یہ پندرہ روزہ رسالہ رام پور سے کئی برس سے شائع ہو رہا ہے، اس سے پہلے بھی اس رسالہ کے تین خاص نمبر نکل چکے ہیں یہ چوتھا نمبر ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ پر روشنی ڈالتا ہے، آخر کے ۲۲ صفحات چھوٹے بچوں کے لئے ہیں جس میں آسان مضامین اور نظمیں ہیں، بڑوں کے لئے بھی اچھی نظمیں اور عمدہ مقالات ہیں، اڈیٹر کا مقالہ بعثت محمدی سے قبل دنیا کی حالت اور حضور کا پیش کردہ علاج آج کے حالات کے تقابل کے ساتھ" پڑھنے کے لائق ہے، مولانا صدرالدین اصلاحی کا مضمون "قریش اور یہود مدینہ" تاریخی رنگ کا عمدہ مضمون ہے "سیرت نبوی کی جھلک قرآن پاک کے آئینے" اچھی کوشش ہے۔

رسالہ اگرچہ لڑکوں اور عورتوں کے نقطۂ نظر سے مرتب کیا گیا ہے لیکن بڑی عمر کے لوگوں کو ان سے زیادہ مفید ہوگا۔

(م۔ح۔ب)

★ عبد الغفار ندوی

انمول موتی

خیر امت:

قرآن پاک میں کئی آیتیں ایسی ہیں جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مسلمہ کو تمام بنی نوع انسان سے بہترین جماعت کہا گیا ہے اور اسی امت کو سارے عالم کے لئے حق کی شہادت دینے والی خدا کے دین کی نمائندگی کرنے والی اور دنیا کے لئے نمونہ عمل قرار دیا گیا ہے۔ یہ آیات امت کیلئے محض فخر ومباہات قائم رکھنے والی نہیں ہیں بلکہ ان سے اس امت کی ذمہ داریاں اور اس کی جواب دہی بھی دوچند ہو جاتی ہے چنانچہ احادیث نبوی میں اس امت کی تعریف وستائش کے سلسلہ میں جہاں اور بہت سی باتیں بیان کی گئی ہیں وہاں اس بات کی وضاحت بھی کی گئی ہے کہ یہ امت دربار الٰہی میں جواب دہی کے لئے سب سے پہلے پیش کی جائے گی اس کا منشا یقیناً یہ بھی ہے کہ اس امت سے اس کی ذمہ داریوں کے بارے میں سب سے پہلے جواب طلب کیا جائے گا۔ کیونکہ اس کے بگاڑ سے دنیا کا بگاڑ اور اس کی صلاح سے دنیا کی صلاح متعلق ہے اس سلسلہ کی احادیث درج ذیل ہیں۔

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ ذُكِرَ لَنَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مُسْنِدٌ ظَهْرَهُ اِلَى الْكَعْبَةِ نَحْنُ نُكْمِلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعِيْنَ اُمَّةً نَحْنُ اٰخِرُهَا وَخَيْرُهَا۔

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم سے بیان کیا گیا کہ ایک دن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کعبہ سے کمر لگائے بیٹھے تھے اس وقت آپ نے فرمایا ہم قیامت کے دن ستر امتوں میں سترھویں امت ہوں گے جن میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَزْمٍ تُكْمَلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُوْنَ اُمَّةً نَحْنُ اٰخِرُهَا وَاَخْيَرُهَا۔

محمد بن حزم فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی جن میں ہم سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔

عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ يَا يَهُوْدِيُّ اَنْتُمُ الْاَوَّلُوْنَ وَنَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں فرمایا اے یہودی تم لوگ ہم سے پہلے ہو اور گو ہم تم سے آخر میں ہیں مگر قیامت کے دن حساب میں تم سے پہلے ہوں گے۔

عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ مَرْفُوْعًا تُكْمَلُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ سَبْعُوْنَ اُمَّةً نَحْنُ اٰخِرُهَا وَخَيْرُهَا۔

بہز بن حکیم اپنے باپ حکیم اور وہ ان کے دادا سے روایت کرتے ہیں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ستر امتیں پوری ہو جائیں گی۔ ہم ان سب سے آخر اور سب سے بہتر ہوں گے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ اٰخِرُ الْاُمَمِ وَاَوَّلُ مَنْ يُحَاسَبُ، اَيْنَ الْاُمَّةُ الْاُمِّيَّةُ وَنَبِيُّهَا فَنَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم سب سے آخری امت ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہمارا حساب ہوگا پکارا جائے گا امت امیہ اور اس کا نبی کہاں ہیں؟ اس لئے گو ہم سب سے آخر میں ہیں مگر (قیامت کے دن) سب سے پہلے ہو جائیں گے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ السَّابِقُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بَيْدَ اَنَّهُمْ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِنَا وَاُوْتِيْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہم سب سے آخر ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہو جائیں گے صرف اتنی بات ہے کہ پہلی امتوں کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی ہے اور ہمیں ان کے بعد ملی ہے۔

عَنْ حُذَيْفَةَ مِثْلَهٗ وَلَفْظُهٗ نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ مِنْ اَهْلِ الدُّنْيَا وَالْاَوَّلُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

حذیفہ رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مضمون مروی ہے اس کے لفظ یہ ہیں کہ ہم دنیا میں سب سے آخری امت ہیں اور قیامت میں سب سے پہلے ہوں گے۔

(بقیہ مضمون صفحہ (۷))

ان دونوں آیتوں میں اعمال صالحہ کی بجاآوری جیسے یتیموں اور مسکینوں کو کھلانے، ان کی خبرگیری کرنے اور مظلوموں کی رہائی کرادینے کو اسلام وایمان سے تعبیر کیا گیا ہے اور ایسا نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے آخرت پر ایمان نہ ہونے کا نشان قرار اور کہیں کہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے عمل کا اسکے بعد ایمان کا ذکر کیا ہے کیونکہ ایمان کے بغیر اس کے نزدیک عمل کا بھی کوئی وزن نہیں ہے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ کیا چیز ہے جسے قیامت میں وزن کیا جائے گا اور جنت و جہنم کا فیصلہ کیا جائے گا کیا وہ صرف دعوے اور خیالات ہوں گے وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ٍالْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ خَفَّتْ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ سورہ زلزال میں قیامت کی ہولناکیوں کا ذکر کرکے یہی فرمایا ہے کہ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ۔

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ اے نبی کہہ دو کیا میں تم کو ان لوگوں کے بارے میں نہ مطلع کردوں جو عمل کے اعتبار سے سب گھاٹے میں ہیں یہ لوگ ہوں گے جن کی تگ و دو دنیاوی زندگی میں گم ہو گئی اور وہ سمجھتے رہے کہ بہت اچھے کام کر رہے ہیں ——— یہی لوگ تو ہیں جنہوں نے اللہ کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا ———

شاہد ہے کہ صرف بداعمالیوں کے باعث قومیں برباد ہوئیں قرآن پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کی قوم کو ان کے فواحش کی وجہ سے تباہ کیا شعیب علیہ السلام کی قوم کم ناپنے اور کم تولنے کی وجہ سے ہلاک ہوئی یوم سبت کے بارے میں قانون الٰہی کی خلاف ورزی اور اس میں حیلہ جوئی کرنے کی بنا پر بنی اسرائیل مسخ کردئے گئے تو کیا صرف ہماری امت اللہ کی ایسی پیاری چہیتی امت ہے جو بے خوف ہوکر ہر آیتوں کا ارتکاب کرتی رہے اور اس کے سزا کی مستحق نہ ہو۔ (باقی آئندہ)

Regd. No. A-674

TAMEER

تعمیر

Lucknow.

دنیا میں اسلام کیسے پھیلا؟

عربی بہت آسان ہے

- اسلام کیا ہے
- تلقین
- احکام
- ملفوظات مولانا الیاس

مکتبہ تعلیمات اسلام، لکھنؤ

ادارۂ تعلیمات اسلامی [illegible] کا ترجمان

ماہوار تعمیر لکھنؤ

۳۸- امین آباد پارک

:۔ ادارۂ تحریر :۔

عبدالسلام قدوائی ندوی • مشیر الحق بحری آبادی

جولائی ۱۹۵۲ء مطابق شوال ۱۳۷۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین محمد و آلہ واصحابہ اجمعین

بیان حال

تعمیر کو جاری ہوئے چوتھا سال ہو رہا ہے، ۱۵ ستمبر ۱۹۴۸ء کو اس کا پہلا نمبر بڑی امیدوں اور حوصلوں کے ساتھ شائع ہوا تھا، ہندستان کی تاریخ میں یہ بڑا نازک وقت تھا، انگریزی حکومت کے ہاتھ سے زمام اقتدار منتقل ہو کر خود ابنائے وطن کے ہاتھوں میں آگئی تھی، یہ صدیوں کی تمناؤں کے برآنے کا موقع تھا، ڈیڑھ دو سو برس کی غلامی کے اندھیرے کے بعد آزادی کا سورج چمکا تھا یہ بڑی مسرت و شادمانی کا وقت تھا، تمام باشندگان ملک کا فرض تھا کہ مل جل کر اپنی آزادی کی بنیادوں کو مستحکم کرتے اور ملک کو ترقی دینے کی جد و جہد میں مصروف ہوتے لیکن فرنگی شاطروں نے افتراق و عداوت کا جو تخم بویا تھا وہ برگ و بار لائے بغیر نہ رہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اتفاق و اتحاد اور یکجہتی و ہم آہنگی کیساتھ ملک کو ترقی دینے اور باشندگان ملک کی فلاح و بہبود کے لئے جد و جہد کرنے کے بجائے لوگ آپس ہی میں دست بگریبان ہو گئے، ۱۹۴۷ء اور ۱۹۴۸ء کے حالات ابھی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ ہر جگہ فتنہ و فساد کی گرم بازاری تھی، اخبارات کے صفحات کشت و خون کی خبروں سے بھرے ہوتے تھے۔

ان ہنگاموں کا اثر خاص طور سے مسلمانوں پر بہت زیادہ ہوا پچھلے چند برسوں سے ملک میں جو حالات درپیش تھے ان کو پیش نظر رکھ کر اگر حالات پر غور کیا جاتا تو ان واقعات کا ظہور، کچھ مستبعد نہ نظر آتا لیکن جوش و خروش کی شدت میں اس پہلو کی جانب توجہ نہیں کی گئی، تقسیم در تقسیم نے حالات کو اور بدتر کر دیا، قوت کے عدم توازن نے پچھلی سیاست کی ساری بنیادیں ڈھا دیں اور انتقال آبادی کی تحریک نے ساری اسکیموں کا خاتمہ کر دیا، یہ حالات گو مستبعد نہ تھے لیکن جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے جوش کے عالم میں اس جانب توجہ نہیں کی گئی، اگر کسی نے خیال بھی دلایا تو بھی ذہن کی بلند پروازی نے اس پستی پر نگاہ ڈالنی پسند نہ کی، اس صورت حال کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۴۷ء میں جو حوادث پیش آئے وہ مسلمانوں کے لئے خلاف توقع تھے، وہ عالم خیال میں جو کچھ سوچ رہے تھے واقعات بالکل اس کے خلاف پیش آئے امیدوں اور تمناؤں کے بڑے بڑے قلعے چشم زدن میں مسمار ہو گئے، یہ انقلاب اتنی تیزی سے رونما ہوا کہ وہ بدحواس ہو گئے، ان کی عقل دنگ تھی اور وہ حیرانی و پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کا منہ تک رہے تھے، نہ کوئی منصوبہ ذہن میں آتا تھا نہ عقل کام کرتی تھی نہ عمل کی راہ کھلتی نظر آتی تھی، ان کے اندر نہ جوش عمل باقی تھا نہ ولولۂ کار، دل سرد تھے اور طبیعتیں بجھی ہوئی۔

قارئین تعمیر

★

عید مبارک

زر تعاون :- ہندستان و پاکستان سے

سالانہ ۱۲ روپئے ششماہی ۶ء فی پرچہ ۱۲

پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ

رسالہ چراغ راہ [illegible] بلڈنگ، آرام باغ روڈ، کراچی

یاس وہراس کا ہر طرف دور دورہ تھا، نہ یارائے سخن تھا نہ حوصلہ کام ہوپاتی، نہ منزل پیش نظر تھی نہ رہروی کی ہمت تھی، دل پژمردہ تھے اور جرس کا رواں خاموش۔ ایک عجیب بیچارگی اور سراسیمگی کا عالم تھا۔

یہ حالات تھے جب "تعمیر" کا اجراعمل میں آیا، اسکے کارکنوں کی آرزو تھی کہ یہ صورت حال تبدیل ہو، مسلمانوں کی افسردگی دور ہو۔ اضمحلال کے بجائے ان میں نشاط کار اور ولولۂ عمل پیدا ہو۔ مگر حوادث وآفات کے سامنے سپر افگندہ ہونے کے بجائے ان سے عہدہ برا ہونے کا حوصلہ ہو، موجہائے بلا کے مقابلہ میں پیشتہ بندی کا سامان کریں، طوفان کے تھپیڑوں سے لرزہ براندام ہونیکے بجائے کشتیِ ملت کی ناخدائی کی فکر کریں اور گرداب مصائب سے ہراساں ہونیکے بجائے موجوں کے گھیرے سے نکلنے کی ہمت کریں

"تعمیر" اسی مقصد کے ماتحت جاری کیا گیا تھا، اس کے نزدیک جو کچھ ہوا یا ہورہا ہے وہ صرف وقتی سیاست ہی کی غلطی کا نتیجہ نہیں، بلکہ اس سے کہیں زائد گہرے علل واسباب کی بنا پر ان حالات سے دوچار ہونا پڑا ہے، مسلمانوں کی فلاح وبہبود کا مدار اس طریق حیات پر ہے جو قانون ربانی نے ان کے لئے متعین کیا ہے جب تک وہ اس دستورالعمل کے مطابق زندگی بسر کرتے رہے عزت ان کے قدم چومتی رہی اور اقبال ان کے ہمرکاب رہا لیکن جب سے اس سے منحرف ہوئے ذلت وخواری میں مبتلا ہوئے اور بام عروج پر چڑھنے کے بجائے پستی کے گڑھے میں گرتے گئے، تاریخ اسلام کے اوراق اس حقیقت کے گواہ ہیں، ان کی زبوں حالی کی وجہ نہ تعداد کی قلت ہے نہ دولت کی کمی، بلکہ اس کا سبب ایمان کا ضعف اور عمل کی کوتاہی ہے "تعمیر" کے کارکن مسلمانوں کو اس حقیقت کی جانب خاص طور سے متوجہ کرنا چاہتے ہیں اس لئے شروع ہی سے اس میں کتاب اللہ اور احادیث نبوی کی تعلیمات پیش کی جارہی ہیں اور تاریخ اسلام سے دونوں قسم کی مثالیں نکال کر سامنے لائی جارہی ہیں ان کی بھی جو کچھ نہ تھے لیکن اسلام کے پر توفیض سے سب کچھ ہوگئے اور ان کی بھی جو سب کچھ تھے لیکن کتاب وسنت کی رہنمائی سے اعراض کرکے کچھ بھی نہ رہے، اس میں عہد اقبال کی پرشکوہ داستانیں بھی بیان کی جاتی ہیں اور دورِ زوال کے عبرت انگیز مناظر بھی دکھائے جاتے ہیں اور اس صورت حال کی تبدیلی کی راہیں بھی بتائی جاتی ہیں "تعمیر" نوع انسانی کو اسلام کا حیات آفریں پیغام سناتا ہے اور اس مصیبت کی ماری ہوئی دنیا کے سامنے امن وسکون اور راحت وآرام کا لازوال پروگرام پیش کرتا ہے۔ وہ ذہنی پراگندگی اور دماغی انتشار سے محفوظ رکھنے کی کوشش کرتا ہے، وہ دلوں سے خوف وہراس دور کرتا ہے، وہ یاس کی جگہ آس اور ناامیدی کے بجائے امید پیدا کرتا ہے، وہ صبر وضبط، استقلال وپامردی، تندہی وجفاکشی، ہمت وجرارت اور سعی وکوشش کی دعوت دیتا ہے وہ جوش کے ساتھ ہوش کا مشورہ دیتا ہے اور جذبات کے دھارے میں بہنے کے بجائے عقل کا سہارا لینے کی صلاح دیتا ہے۔

"تعمیر" اپنی اشاعت کے پہلے دن سے اس مسلک پر چل رہا ہے، پہلے پرچہ میں نشان راہ کے عنوان سے وضاحت کے ساتھ وہ مقاصد بیان کردئیے گئے ہیں جن کی خاطر تعمیر عالم وجود میں آیا تھا، پھر اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً مقاصد اور طریق کار کا اظہار کیا جاتا رہا ہے۔ تعمیر کے کارکنوں نے بڑی امیدوں اور آرزوؤں کے ساتھ تعمیر کو نکالا تھا ان کے سامنے ایک مرتب خاکہ تھا، تعمیر کی ترقی کا ایک بلند منصوبہ ان کے پیش نظر تھا لیکن ان کے آرزوؤں کی تکمیل اور اس منصوبہ کو بروئے کار لانے کے لئے جن عظیم الشان وسائل کی ضرورت تھی وہ غریب کارکنان تعمیر کے بس میں نہیں تھے لیکن اس بے سروسامانی کے باوجود حالات کا تقاضا تھا تعمیر کی اشاعت شروع کردی جائے، چنانچہ خدا کا نام لے کر کام شروع کردیا گیا، خیال تھا کہ جب کام آگے بڑھے گا تو قوم کو خود ہی توجہ ہوگی اور قدردان ان وسائل کی فراہمی میں ہماری مدد کریں گے جو تعمیر کو آگے بڑھانے اور اسکے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے ضروری ہوں گے، اس میں شبہ نہیں کہ جہاں تک الفاظ کا تعلق ہے تعمیر کا استقبال بہت اچھا

ہوا، قوم کے تمام طبقوں نے خوش آمدید کہی لیکن افسوس ہے کہ لفظی تعریف و توصیف کے علاوہ عملی امداد بہت کم لوگوں نے کی، الفاظ میں گرم جوشی اور عمل میں سرد مہری کا ایسا امتزاج کم دیکھنے میں آیا ہوگا، اس زمانہ میں اخبارات و رسائل کی ترقی کی ایک راہ یہ ہے کہ وہ کسی پارٹی سے وابستہ ہوں اور آنکھ بند کرکے اپنی جماعت کی تائید کریں، بہت سے اخبارات و رسائل کا یہی مسلک ہے، اس طرح انھیں اس جماعت کی امداد حاصل ہو جاتی ہے لیکن تعمیر کے کارکنوں نے یہ روش پسند نہیں کی اور اسے کسی پارٹی کا آرگن یا کسی جماعت کا نقیب بنانا گوارا نہیں کیا بلکہ ہر قسم کی پارٹی بازی [illegible] اور جماعت پرستی

محدود حلقہ سے آگے نہیں بڑھ سکی۔

قارئین کرام کے سامنے ہم برابر صورت حال پیش کرتے رہے ہیں، چنانچہ چوتھے سال میں قدم رکھنے سے پہلے ۱۵۔اگست ۱۹۵۱ء کے پرچہ میں کافی وضاحت کے ساتھ اس کے متعلق لکھ چکے ہیں۔ تعمیر کو جاری ہوئے چوتھا سال ہے اس چار سال کی مدت میں اس کے کسی کارکن کو کبھی ایک پیسہ بھی تنخواہ نہیں دی جا سکی، لیکن کارکنوں کے اس غیر معمولی ایثار کے باوجود تعمیر کی مالی حالت اس قابل نہ ہو سکی کہ اپنی طباعت کے مصارف بھی اطمینان سے ادا کر سکے، اس تین چار سال کی مدت میں شاید ہی کوئی دن فکر فردا سے خالی رہا ہو

انتظار

آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہی تری زلف کے سر ہونے تک

دام ہر موج میں ہے حلقۂ صد کامِ نہنگ
دیکھیں کیا گزرے ہے قطرے پہ گہر ہونے تک

عاشقی صبر طلب اور تمنا بے تاب
دل کا کیا رنگ کروں خونِ جگر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

یک نظر بیش نہیں فرصتِ ہستی غافل
گرمیِ بزم ہے اک رقصِ شرر ہونے تک

غمِ ہستی کا اسد کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

غالب

سے الگ رہ کر کتاب و سنت کی ترجمانی اور حق و صداقت کی علم برداری پر اکتفا کی اور اپنے افکار کو اسلام کا نام دینے کے بجائے ہمیشہ یہ کوشش کی کہ لوگ براہ راست اسلام کو سمجھیں اور ان کے اندر تعصب کے بجائے رواداری اور تنگ نظری کے بجائے وسعت نظر پیدا ہو، بے غرض اہل نظر نے اس مسلک کو بہت پسند کیا، لیکن ان کی تعداد کتنی ہے نتیجہ یہ [illegible] اشاعت ایک

جن اصحاب کو علمی مسائل کے حل میں مصروف رہنا چاہئے تھا ان کی قوتیں اکثر مالی گتھیوں کو سلجھانے میں صرف ہوتی تھیں پچھلے سال سے تو حالت۔ ہو گئی تھی کہ پرچہ کی ترتیب اور مضامین کی تیاری سے زیادہ بل کی ادائگی کی فکر دامنگیر رہتی تھی لیکن اس خیال سے کہ آج نہیں تو کل شاید قوم کو توجہ ہو مگر افسوس ہے کہ ایسا نہ ہوا۔ آخرکار اس بے توجہی کا نتیجہ [illegible] کسادی میں حالات اس حد تک پہنچ گئے کہ پرچہ [illegible]

ناممکن ہو گئی اور اس فیصلے کے سوا اور کوئی صورت باقی نہ رہی کہ اسے بند کر دیا جائے جو ہمدردوں آڑے وقتوں میں کام آتے تھے انکی ہمت نے جواب دیدیا لیکن اس نازک لمحہ میں بھی تعمیر کے کارکنوں کی یہ آرزو تھی کہ یہ چراغ جو بڑی امیدوں کے ساتھ جلایا گیا تھا بجھنے نہ پائے اس سلسلہ میں پہلی کوشش یہ تھی کہ کسی طرح تیل کی مقدار میں اضافہ ہو جائے لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی تو اب اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں ہے کہ بتی پتلی کر دی جائے، یہ سچ ہے کہ اس طرح اس کی آب و تاب میں کمی آجاتی ہے لیکن اندھیرے میں ٹمٹماتا ہوا دیا بھی غنیمت سمجھا جاتا ہے۔ راہرو مدھم روشنی میں کم از کم ٹھوکروں سے محفوظ رہتے ہیں۔ اس خیال کے ماتحت اب ہم تعمیر پہلے سے مختصر صورت میں شائع کر رہے ہیں۔ فی الحال پندرہ روزہ کے بجائے صرف مہینہ میں ایک بار شائع ہوا کرے گا۔ اس طرح مصارف میں بہت کمی ہو جائے گی اور انشاء اللہ تعالیٰ اسے جاری رکھنے میں زیادہ زحمت نہ ہوگی۔ یہ سطور لکھتے ہوئے ہمیں بہت صدمہ ہے اس سے کہیں زیادہ جتنا ناظرین کو اسے اس مختصر صورت میں دیکھ کر ہو رہا ہوگا لیکن موجودہ حالات میں اس کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں، نہ تعمیر کو بند کرنے پر دل آمادہ ہے نہ پوری شاندار صورت میں اسے نکالنے کا سامان ہے اسلئے دل پر جبر کر کے یہ صورت اختیار کر رہے ہیں اسے پچھلی حالت پر پہنچانا یا اس سے بھی بہتر صورت میں نکالنا ناظرین کے ہاتھ میں ہے، وہ جب اس کا سامان مہیا کر دیں ہم خدمت کیلئے تیار ہیں لیکن سردست ہمارے بس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے آگے اللہ مالک ہے۔ موجودہ صورت میں قیمت میں بھی کمی کی جا رہی ہے اور چھ روپے کے بجائے صرف دو روپیہ سالانہ اس کا چندہ مقرر کیا جاتا ہے۔ پرانے خریداروں میں جن اصحاب کی مدت خریداری باقی ہے اس نئی شرح کے مطابق انکی مدت خریداری میں توسیع کر دی جائے گی۔ اس صوری کمی کے باوجود انشاء اللہ تعالیٰ تعمیر کی معنوی خصوصیات میں کوئی کمی نہیں ہوگی وہ بدستور اپنی روش پر قائم رہے گا اللھم ثبت اقدامنا علی صراط المستقیم واجعلنا من عبادک المسلمین۔

★ سید ابو الحسن علی ندوی

"قارئین تعمیر" سے

●

"تعمیر" ۱۹۴۹ء میں جاری ہوا۔ اُس وقت ملک کے حالات اِس وقت کے حالات سے بہت مختلف تھے ملک کی تقسیم اور ۱۹۴۷ء کے حالات سے مسلمانوں پر ہراس و یاس اور ان کی پوری زندگی پر افسردگی اور عام بیدلی طاری تھی، تمام اصلاحی ادارے اور مسلمانوں کی پوری قومی زندگی اس انقلاب اور اس کے اثرات سے متاثر تھی، ترکِ وطن اور انخلاء کا سلسلہ بڑی قوت سے جاری تھا اور جو لوگ مسلمانوں کی رہنمائی کر سکتے تھے یا ان میں اعتماد و اطمینان پیدا کر سکتے تھے وہ بڑی تعداد میں اس ملک کو چھوڑتے چلے جا رہے تھے، حالات کے تغیر اور مسلمانوں کے احساس کمتری سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے ملک میں جا بجا ایسے عناصر اُبھر آئے تھے جنھوں نے مسلمانوں کی جداگانہ تہذیب، ان کے قومی امتیازات یہاں تک کہ ان کے دینی مقدسات و روایات کو اپنے طنز و تعریض کا موضوع بنا لیا تھا اور نہایت تنگ ظرفی اور تنگ دماغی کے ساتھ مسلمانوں کے زخموں پر نمک پاشی ان کا دلچسپ مشغلہ بن گیا تھا، خود مسلمانوں کی زبان و قلم پر بے اختیار آ رہا تھا کہ اس ملک میں اب مسلمانوں کا کوئی مستقبل اور باعزت زندگی کا کوئی امکان نہیں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلمان اس ملک کے لئے کوئی دینی، اصلاحی، اخلاقی، روحانی پیغام نہیں رکھتے، ملک کے بدلے ہوئے حالات میں ان کی موجودگی کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں۔

ان مایوس کن حالات اور افسردگی و مردہ دلی کی اس عام فضا میں، ایک رسالہ کا جاری ہونا جو بالکل اسکے خلاف عقیدہ رکھتا ہو اور اپنے محدود حلقہ میں پورے یقین و جوش کے ساتھ اس کی تبلیغ کرتا ہو ایک چھوٹا سا واقعہ ہے جس کو کوئی مورخ یاد

نہیں کریگا اور اس کے اثرات شاید کسی معنوی خوردبین کے بغیر دیکھے بھی نہ جاسکیں۔ لیکن اگر اس واقعہ کی اہمیت کو اس کے ماحول میں جانچا جائے اور اس کا لحاظ رکھا جائے کہ حالات کسی نئے رسالہ کے اجراء کی ہمت افزائی نہیں کرتے تھے بلکہ مسلمانوں کے پُرانے اخبارات و رسائل کا جاری رہنا بھی مشکل نظر آرہا تھا، اس وقت اس واقعہ کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

تعمیر نے شروع سے مدافعانہ یا معذرت آمیز طرز عمل اختیار نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کو یقین دلانے اور اس ملک کی آبادی کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ مسلمان اپنے وجود کے لئے اس ملک میں کسی رعایت اور چشم پوشی کے طالب نہیں بلکہ وہ اس ملک کی اولین اور اہم ترین ضرورت ہیں، وہ اس ملک کیلئے ایک پیغام اور دعوت رکھتے ہیں، یہ پیغام اور دعوت ملک کی ہر تمدنی ضرورت اور ہر سیاسی ترقی و تنظیم سے زیادہ ضروری اور مقدم ہے جس کے بغیر اس ملک کی تہذیب اور آزادی سخت خطرہ میں ہے، دوسری طرف اس نے مسلمانوں کو بتلایا کہ اس پیغام و دعوت کی موجودگی میں ان کے لئے کہیں کوئی خطرہ نہیں، اس لئے کہ اس پر انسانیت کے مستقبل کا انحصار ہے۔

مٹ نہیں سکتا مردِ مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سرِ کلیم و خلیل

تعمیر نے اسوقت جب کہ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جارہا تھا کہ مسلمان اس ملک میں باقی رہ جائیں گے اور دنیا سے ختم نہیں ہونگے اس تاریک ماحول میں صاف صاف کہا کہ دنیا میں اب مستقبل صرف انھیں کا ہے اور یہ دور انھیں کی امامت و قیادت کا ہے تعمیر کے پہلے ہی پرچہ میں بہت نمایاں طریقہ پر یہ شعر چھپا تھا جو اس وقت کی شکست خوردہ ذہنیت کے لئے ایک چیلنج تھا۔

اُٹھ کہ اب بزمِ جہاں کا اور ہی انداز ہے
مشرق و مغرب میں تیرے دَور کا آغاز ہے

تعمیر نے اس وقت ایسے سنجیدہ مضامین شائع کئے جس میں ملک کے اخلاقی انحطاط پر دیانتداری کے ساتھ تنقید کی گئی تھی اور ملک کی آزادی کے بعد سیاسی جماعتوں اور انتظامی اداروں میں جو خرابیاں اور اخلاقی کمزوریاں گھس آئی تھیں

اور اندر سے زندگی کے درخت کو دیمک کی طرح چاٹ رہی تھیں اور گھن کی طرح کھا رہی تھیں ان کی جرات کے ساتھ نشاندہی کی گئی تھی، اس سے ایک طرف ہندستان کے ذہن کی صحیح رہنمائی ہوتی تھی دوسری طرف مسلمانوں میں دینی اعتماد اور اخلاقی جرات پیدا ہوتی تھی کہ وہ اب بھی اس ملک کو اپنا سمجھ کر یہاں کی تعمیر میں حصہ لے سکتے ہیں، نیز ان کے پاس ان بیماریوں کے لئے دارو ئے شفا ہے ان مضامین کا پڑھنے والوں کے ذہن پر جو ردِ عمل ہوتا تھا آج اسکا اندازہ کرنا مشکل ہے۔

دوسری طرف اس نے سیرت نبوی اور اسلامی تاریخ کے ان ایمان آفریں، جرات آموز اور روح پرور حصوں کو اپنے صفحات پر پیش کیا جن کو پڑھ کر ایک نئی زندگی اور تازہ روح محسوس ہوتی تھی اور یہ ثابت ہوتا تھا کہ ایمان و مستحکم اخلاقی تربیت کے ساتھ دولت و قوت اور حکومت و سلطنت دنیا کے لئے کتنی مبارک ثابت ہوسکتی ہے۔

اس کے علاوہ تفسیر کا سلسلہ، احادیث کا انتخاب اور دوسرے علمی و دینی مضامین قارئین کو ذہنی و روحانی غذا پہنچاتے رہے اور ملک کے موقر اخبارات و رسائل نے تعمیر کے مقالات و شذرات کو نقل کرکے اس کی خدمت و ضرورت کا اعتراف کیا اور قارئین تعمیر بھی جن کا حلقہ ہمیشہ محدود و مختصر رہا لیکن ان کی خاصی تعداد باذاق اور سنجیدہ اصحاب کی تھی ہمیشہ اپنے خطوط سے ہماری حوصلہ افزائی کرتے رہے۔

ان حالات و ضروریات کا تقاضا تھا کہ تعمیر جاری رہے چنانچہ مالی مشکلات کے باوجود جو شروع سے تعمیر کی ہمدم رہی ہیں اس کو جاری رکھا گیا اور یہ عزم رہا کہ حالات سے آخر تک کشمکش جاری رہے گی اور مالی مشکلات کا حتی الامکان مقابلہ کیا جائیگا مسلمانوں کے بدلتے ہوئے حالات میں اگر ہر مشکل کے سامنے سپر ڈال دی جائیگی اور قدم پیچھے ہٹا لیا جائے گا تو یہ سلسلہ کہیں رکے گی نہیں اور رفتہ رفتہ ہر عزیز متاع سے دست بردار ہونا پڑیگا، گزشتہ سال جب اس خاکسار کو دمشق میں محترم مولانا عبدالسلام صاحب کے گرامی نامہ سے اطلاع ملی

★ مولانا مناظر احسن گیلانی

ایک اپاہج کی بوالہوسیاں

●

صرف انسان ہی ہونے کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے حیوانی اور نباتی اور جمادی تقاضوں کی تکمیل کے لئے یوں تو ہمیں بہت کچھ سوچنا ہوتا تھا جس کے اندر یہ سارے تقاضے پائے جاتے ہوں وہ ان تمام پہلوؤں کے سوچنے پر مجبور ہے۔ اسی لئے سوچنے والے سوچ ہی رہے ہیں اور اپنی اپنی سوچ اپنی اپنی فکر کے مطابق جس سے جتنا ہو رہا ہے کر بھی رہے ہیں، کرتے چلے آرہے ہیں، کرتے چلے جائیں گے، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طریقوں سے بھی کاروبار کے یہ سارے سلسلے جاری ہیں، ان کو جاری ہی رہنا چاہیئے۔

لیکن انسانوں کی عام برادری میں مسلمان ہونے کی وجہ سے ہم پر کچھ اور فرائض بھی عائد ہوتے ہیں، یہ ذمہ داریاں ایسی ہیں جن کے لئے ان قوموں سے نہ ہمیں مدد مل سکتی ہے اور مدد لینے کا خیال بھی نہ رکھنا چاہیئے جو اسلام اور خالق کائنات کے اس آخری پیغام کی تعلیم کی سعادت سے ابھی محروم ہیں، جس کے بعد رسالات و نبوات کا سلسلہ ختم کر دیا گیا۔ بہر حال یہ ہمارا اپنا کام ہے۔ اپنے کام کو کام والے ہی صحیح معنوں میں انجام دے سکتے ہیں، دوسروں کے متعلق یہی سمجھنا چاہیئے کہ ہماری کد و کاوش کی راہوں میں وہ رکاوٹ نہ پیدا کریں، یہی انتہائی تقاضا ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنی ذمہ داریوں کو سوچتا رہے۔ پھر خود عمل کی توفیق ہو تو عمل کرے، ورنہ اپنی سوچی ہوئی باتوں کو دوسروں تک پہنچا ہی دے، دوسری بات ہے تو بڑی بے غیرتی اور حد سے زیادہ بے حمیتی کی بات، لیکن ہم جیسے اپاہجوں کے لئے چارہ کار ہی اس کے سوا کیا ہے کہ خود ان سے جب کچھ ہو نہیں سکتا تو دوسروں ہی کے آگے چلائیں، بھیک کا ہاتھ پھیلائیں، اسی قسم کا ایک ناکارہ، از کار رفتہ آدمی آپ کے سامنے حاضر ہو رہا ہے۔ ہو سکے تو اس کے ان اوہام و وساوس کو پڑھ جائیے، اٹھنے کی قوت ہو تو خود بھی تیار ہو جائیے اور دوسروں کو بھی آمادہ کیجئے۔

میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ عملی کاروبار کی صلاحیت مسلمانوں میں باقی نہیں رہی ہے یہ خدا کی ناشکری ہوگی، بحمد اللہ ان میں اب بھی ایسے ایسے تاجر اور بیوپاری کی کافی تعداد پائی جاتی ہے جو سیکڑوں اور ہزاروں ہی کا نہیں لاکھوں، بلکہ بعض تو کروڑوں کا لین دین اس وقت تک کر رہے ہیں، ان میں بڑے بڑے کاشتکار، بڑے بڑے سرمایہ دار اب بھی پائے جاتے ہیں، معمولی معمولی آدمی ان میں اب بھی بڑی بڑی بلڈنگوں کی تعمیر شہروں اور قصبوں میں کرکے دکھا رہے ہیں، بڑی بڑی پارٹیوں، مجمعوں کے نظم کرنے والے، ایک ایک وقت میں ہزاروں ہزار کھانے والوں کے لئے طرح طرح کے کھانے تیار کرنے اور تقسیم کرنے کا سلسلہ رکھنے والے اب بھی ان میں موجود ہیں، بڑی بڑی ذمہ داریوں کے عہدوں پر اب بھی مسلمان سرفراز ہیں اور نیک نامی کے ساتھ اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل میں مشغول نظر آتے ہیں، ان میں وکلا بیرسٹروں کی بھی کافی تعداد ہے جو مقدمات کو غیر معمولی قابلیت اور محنت کے ساتھ حکام کے آگے پیش کرکے بڑی بڑی فیسیں حاصل کر رہے ہیں۔ الغرض کاروباری شعبوں میں مسلمانوں کی عملی مہارتوں کا تجربہ جب ہو رہا ہو تو ہم یہ کیوں سمجھ لیں کہ میری طرح سب ہی اپاہج اور ناکارہ ہیں، اللہ کے ان ہی مخلص اور نیک بندوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے راست باز وفاداروں کے نام میرا یہ پیغام ہے، جو کرنا چاہتے ہیں لیکن ان کی سمجھ میں یہ نہیں آرہا ہے کہ اس وقت انھیں کیا کرنا چاہیئے۔ اس سلسلہ میں کلی طور پر دو ہی باتیں سوچنے کی ہو سکتی ہیں

(۱) اس ملک میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی مستقل آبادیاں قائم ہو چکی ہیں، ان آبادیوں میں اسلامی تعلیمات کے تسلسل اور ایک نسل سے دوسری نسلوں تک ان کے منتقل ہونے کی دوامی شکل کیا ہو سکتی ہے؟ میں اسی مسئلہ کو مسلمانوں کی اندرونی ذمہ داریوں کے ذیل میں شمار کرتا ہوں اور موجودہ حالات میں خود مسلمانوں کے متعلق جہاں تک میرا خیال ہے یہی سوال سب سے بڑا اہم سوال ہے۔ حکومت نے ایک ایسے مسلک کا اعلان کیا ہے جس کی پابندی ملک کے باشندوں سے کسی مذہب اور دین کی طرف سے [illegible]

ذمہ داری اپنے اوپر نہیں لے سکتی اور جہاں تک میں جانتا ہوں مسلمانوں نے اس مسئلہ میں حکومت کی دستگیری پر کسی زمانہ میں صحیح معنوں میں بھروسہ کیا بھی نہیں ہے

اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ "تعلیم" یا نوشت و خواند کے سوا کوئی دوسرا ذریعہ نہیں ہے جس سے تسلسل اور دوام کے ہم مقصد میں ہم فائدہ حاصل کر سکتے ہوں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی وحی نازل ہوئی اور اسمیں قراءۃ (خواندگی) کا مطالبہ تعلیم بالقلم (نوشت و کتابت) کے ساتھ کیا گیا، خود یہی واقعہ بتلاتا ہے کہ اسلام کی بنیاد ہی "تعلیم" یا نوشت و خواند پر رکھی گئی ہے

ہمارے عربی مدارس کی تعلیم کا دائرہ محدود ہے، عام طور پر اپنی معاشی ضرورتوں کے لئے مسلمان اپنے بچوں کو ان ہی مدارس میں داخل کرتے ہیں جن کی تعلیم سے معاشی مشکلات کے حل میں مدد ملتی ہے اور یوں بھی تعلیم کا مسئلہ لزومی منزلوں کو طے کرتے ہوئے تقریباً اس نقطہ تک پہنچ چکا ہے کہ چاہا جائے یا نہ چاہا جائے لیکن ملک کے ہر آباد کار کیلئے لازم اور ضروری ہوگا کہ حکومت کے قائم کردہ ان تعلیم گاہوں میں اپنے بچوں کو داخل کرے جن میں کسی مذہب کے دین کی تعلیم کا نظم نہ ہوگا۔

یہی سوال ہے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ پہلے اس سوال کی اہمیت خود بھی محسوس کرے اور دوسروں کو بھی محسوس کرائے، سوال کی اہمیت کے بعد جواب کا مسئلہ دشوار نہیں ہوتا، قدرت بہرحال راہ کھولے گی؟ اور میں دیکھ رہا ہوں کہ مختلف تجویزیں ارباب فکر و نظر کی طرف سے وقتاً فوقتاً سامنے لائی جا رہی ہیں مثلاً محلہ کی مسجدوں میں محلہ کے بچوں کو جمع کر کے "اسلامی تعلیمات" سے روشناس کرانے کی صورتیں پیش کی جا رہی ہیں لیکن تجربہ ہی بتائے گا کہ جتنا آسان اس مسئلہ کو سمجھا جا رہا ہے یہ اتنا آسان نہیں ہے، اس کی کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے کہ باضابطہ کلی نظام قائم کیا جائے۔ سرمایہ فراہم ہو اور سارے ہندستان کی مسجدوں کو اسی نظام کے تحت داخل کر کے مسجدوں میں تنخواہ دار معلموں کا تقرر کیا جائے لیکن اس کے بعد بھی یہ مسئلہ بجائے خود رہ جاتا ہے

کہ ہر مسلمان اپنے بچے کو مسجدوں کے ان مکاتب میں وقت پر بھیجے گا بھی یا نہیں اور والدین بھیجیں بھی تو بچے حاضر بھی ہوں گے یا نہیں بالواسطہ یا بلاواسطہ جبری قوت کے بغیر محض باہمی رضامندی سے اس قسم کے اجتماعی کاموں کا بار آور ہونا آسان نہیں ہے خصوصاً ایسی امت میں جو کروروں کے ساتھ گنی جاتی ہو اور اسی کے ساتھ دوسری چیز وہ ہے جسے مختلف طریقوں سے بعض مسلمانوں کے آگے پیش کرنا ہے اور آج بھی اسی کی طرف چاہتا ہوں کہ جن کے دل میں اسلامی تعلیمات کے تسلسل و دوام کے سوال کی اہمیت ہے، وہ خاکسار کی اس تجویز پر غور کریں

میرا مطلب یہ ہے کہ سرکاری یا نیم سرکاری اسکولوں اور کالجوں کے ساتھ ساتھ جہاں تک ممکن ہو مسلمان بچوں کے لئے بورڈنگ ہوسٹس (اقامت خانوں) کے قائم کرنے کی کوشش کی جائے اور ان ہی اقامت خانوں میں مسلمان بچوں کو زیادہ تر عملاً اسلامی تربیت کی نگرانی میں رکھا جائے اور اسی کے ساتھ باضابطہ قرآن پاک کی چند آیتوں کا ترجمہ روزانہ اس طریقے سے پڑھایا جائے جیسے انگریزی زبان کی ابتدائی ریڈریں بچوں کو پڑھائی جاتی ہیں یعنی صرف و نحو کے قواعد کے بغیر قرآن کے ہر ہر لفظ کے معنی بتا کر فقرے کا ترجمہ سکھایا جائے کم از کم میٹرک تک پہنچنے والے بچوں کو اس طریقے سے دو تین پارے بھی اگر پڑھا دیئے جائیں گے تو امید کی جاتی ہے کہ بعد کو اردو ترجموں کی مدد سے انشاء اللہ اتنی قابلیت پیدا ہو جائے گی کہ براہ راست قرآن کا مطلب سمجھ میں آنے لگے گا دینیات وغیرہ کے نام سے جو کتابیں پڑھائی جاتی ہیں قرآن کا پڑھانا ان سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ کم وقت اور محنت میں غیر معمولی فوائد کے حاصل کرنے کی یہی واحد شکل ہے۔ یہی تجویز جس کا تعلق مسلمانوں کی اپنی اندرونی ضرورت سے ہے، اسکے مختلف پہلوؤں پر مختصر مقالوں کی شکل میں بحث کرنا چاہتا ہوں دو باتیں یعنی ان امکانات کو بتایا جائے جو اس تجویز کو عملی حالت میں لانے کیلئے ہمارے سامنے موجود ہیں ایک پہلو تو یہ ہوگا اور دوسری بات یہ ہوگی کہ اس بعد ہری [illegible] سمجھکر آئندہ نسلوں کو اسلامی [illegible]

آج کی بزم میں ساغر بھی ہے شمشیر بھی ہے
حق پرستی کا صلہ زر بھی ہے زنجیر بھی ہے
کیا کہوں پردۂ تنظیم و عمل میں اے دوست
شغل تخریب بھی ہے کوشش تعمیر بھی ہے

اخگر مشتاق رحیم آبادی

کے ساتھ وابستہ رکھنے کی کارگر تدبیر بھی معلوم ہو سکتی ہے اور یہی ان احساسات خالص سے کن منافع کو ہم حاصل کر سکتے ہیں

(۲) دوسرا مسئلہ جسے میں چھیڑنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایمان کی قطعی روشنی میں بنی آدم کے جن طبقات کو ہم دیکھ رہے ہیں کہ مرنے کے ساتھ ابدی عذاب کے خندقوں میں مسلسل گرتی چلی جا رہی ہیں وہ خود بھی گر رہے ہیں اور اپنے ساتھ اپنی آئندہ نسلوں کو بھی گھسیٹ گھسیٹ کر گرا رہے ہیں، آخر اپنے ان بھائیوں اور بہنوں کی مصیبتوں کا یہ نظارہ ہم میں حرکت کیوں نہیں پیدا کرتا۔ آدمی کی فطرت تو یہ ہے کہ دوسرے آدمی کی مصیبت اس سے دیکھی نہیں جاتی، پھر جس چیز کے دیکھنے کا دعویٰ ہم جو کر رہے ہیں کیا ہمارا یہ دعویٰ غلط ہے یا مرنے کے بعد پیش آنے والے مصائب کی واقعیت کا خیال ہمارے اندر سے نکل گیا ہے۔

اس راہ میں کسی قوم سے ہمیں نہ تخت ہی کا مطالبہ کرنا ہے نہ تاج کا، نہ ملک کا نہ مال کا، کچھ نہیں بلکہ صرف ایک فکری انقلاب، ذہنی تغیر اور وہ بھی ایک، فقط ایک ہی بات، اسکے سوا اور کچھ نہیں، قطعاً کچھ نہیں ....

زندگی کے جن سوالوں کے حل کا کوئی صحیح ذریعہ جن قوموں کے پاس باقی نہیں رہا ہے ان سے ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ حل کے صحیح ذریعہ کو وہ بھی جان لیں پہچان لیں، یا یوں سمجھئے کہ سچائی کے سوا جس کے اندر کچھ نہ تھا، اس کی سچائی اور صداقت سے وہ بھی آگاہ ہو جائیں، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے انکار کے احساس کو نکال کر اسی ذات مبارک کے متعلق اقرار کے احساس کو پیدا کر دینا۔ اس فکری تغیر کے سوا بتایا جائے کہ اس راہ میں کرنے والوں کو اور بھی کچھ کرنا ہے؟ پھر بھی سب سے زیادہ آسان کام ہمارے لئے کیوں دشوار بنا ہوا ہے، دشواری نہیں بلکہ ہم تو یہ بھی سوچنا نہیں چاہتے کہ یہ کام دشوار ہے یا آسان اور سچ پوچھئے تو کرنے کا یہ کام ہے بھی یا نہیں، ہماری اکثریت کے واسطے بجائے خود یہ سوال ہی نکل گیا ہے، میں چاہتا ہوں کہ پہلے سلسلہ میں اس سوال کے ابھارنے کے ذرائع اور وسائل پر غور کیا جائے اور جب ان کے دلوں میں یہ سوال ابھر جائے تو جواب سے پہلے ضرورت ہے کہ دوسروں کو بھی اس پر متوجہ کیا جائے کہ قطعی فیصلہ سے محروم زندگی پر آخر وہ کب تک صبر کئے بیٹھے رہیں گے۔ ابہام اور تذبذب میں بہتے اور بہے چلے جانے کی جگہ چند افراد ہی کے رک جانے اور ٹھٹک کر سوچنے پر متوجہ کرنے میں بھی ہم جس دن کامیاب ہو جائیں گے، یقین مانئے کہ اسی کے بعد وہ دروازہ کھل پڑیگا جو صدیوں سے بند پڑا ہے اور کوئی نہیں سوچتا کہ یہ کیوں بند ہوا، آخر یہ کب تک بند رہے گا۔ آدم کی اولاد بے بسی اور بیکسی حال میں کب تک مرتی چلی جائے گی؟ اس مسئلے کے بھی مختلف پہلوؤں کو میں مسلمانوں کے سامنے لانا چاہتا ہوں وباللہ التوفیق

قارئین "تعمیر" سے

(بقیہ ــــ مضمون ــــ صـ۵)

اسلام اور "تعمیر" کی نئی مالی مشکلات اور نازک صورت حال کا علم ہوا تو راقم سطور نے اس کے جواب میں یہی لکھا تھا کہ ہم کو مرحوم بنی اسرائیل کی طرح (جو ایک دینی سرزمین کی طرف ہجرت کر رہا تھا اور راستہ میں اس کی قضا آگئی تھی، اور وہ نزع کے عالم میں بھی اپنے ناتواں جسم کو منزل مقصود کی طرف گھسیٹ رہا تھا) آخر وقت تک اپنی کوشش اور کشمکش جاری رکھنی چاہیئے، یہاں تک کہ ہم خدا اور خلق خدا کے سامنے بری الذمہ قرار پائیں ــــ قارئین "تعمیر" گواہ ہیں کہ ہم جو کچھ کر سکتے تھے اس سے ہم نے کبھی دریغ نہیں کیا، تعمیر کو موجودہ شکل میں پیش کرتے ہوئے ہمیں بہت دکھ ہو رہا ہے لیکن سردست اس سے زیادہ ہمارے بس میں نہیں، اگرچہ تعمیر کی ظاہری شکل وصورت میں آپ کو نمایاں فرق محسوس ہوگا، لیکن معنوی حیثیت سے "تعمیر" اب بھی وہی ہے جو آج سے پہلے تھا۔

(طابع وناشر :- احتشام علی رحیم آبادی ـ ـ ـ نائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ)

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

●

(۷۹)

اتنی دور چلے آنے کے بعد چاہئے تھا کہ قریش ان کے خلاف جدوجہد کرنے سے باز آجاتے لیکن انھوں نے اپنی ریشہ دوانیوں کا سلسلہ یہاں بھی جاری رکھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ماننے والوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے لئے کوشش کرتے رہے۔ بالآخر انھوں نے بڑے ساز و سامان کے ساتھ مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تیاری شروع کردی اب مسلمانوں کے لئے دو ہی راستے تھے یا وہ اپنے آپ کو قریش کی تلواروں اور نیزوں کے سامنے ڈال دیں اور موت کے گھاٹ اتر جائیں اور تیرہ چودہ برس کی شبانہ روز محنتوں اور جانکاہیوں کے بعد اصلاح و ہدایت کی جو تخم ریزی کی تھی اس کو برگ و بار لانے سے پہلے ہی تہس نہس ہوجانے دیں دوسری صورت یہ تھی کہ وہ مخالفین کے جارحانہ حملہ کے مقابلہ میں اپنی مدافعت کرتے چنانچہ انھوں نے یہی راہ اختیار کی اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے انھیں مقابلہ کی اجازت دی۔ لیکن قریش سے لڑنا آسان نہ تھا سارا عرب ان کا لوہا مانتا تھا جنگی صلاحیت اور سامان حرب کے اعتبار سے ان کے مقابلہ میں مسلمانوں کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ بڑے بڑے سن رسیدہ اور تجربہ کار سردار ان کے ساتھ تھے مسلمان جب ان کی قوت و طاقت اور ساز و سامان پر نظر ڈالتے تھے اور اپنی حالت سے موازنہ کرتے تھے تو دلوں میں گھبراہٹ پیدا ہوتی تھی اور جی چاہنے لگتا تھا کہ ابھی کچھ عرصہ اور لڑائی کی نوبت نہ آتی تو اچھا ہوتا۔

آیت بالا میں ان کی اسی ذہنی کیفیت کا اظہار کیا گیا ہے ایک اور جگہ پر قرآن مجید نے اس صورت حال کا نقشہ کھینچا ہے اور فرمایا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ اوت کے منہ میں جھونکے جا رہے ہیں۔ (کانما یساقون الی الموت وھم ینظرون) لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں تسکین دی اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں تمھیں خبر نہیں کہ کیا ہونے والا ہے میں جانتا ہوں کہ اس ٹکر کا کیا انجام ہوگا اس جنگ سے تمھیں کوئی نقصان نہیں پہونچے گا بلکہ یہ تمھارے لئے خیر و برکت کا باعث ہوگی تھوڑے ہی عرصہ کے اندر حقیقت بے نقاب ہوکر سامنے آگئی۔ بدر کے میدان میں قریش کی آہن پوش فوج کو چند بے سروسامان انسانوں کے ہاتھوں شکست فاش ہوئی، ان کے بڑے بڑے سردار زمین پر ڈھیر ہوگئے سارے عرب میں ان کی عزت و سطوت کا خاتمہ ہوگیا، ان کا اثر و اقتدار دلوں سے جاتا رہا اور دنیا کو نظر آگیا کہ باطل خواہ بظاہر کتنا ہی طاقتور نظر آتا ہو اور اس کے پاس کیسا ہی ساز و سامان کیوں نہ ہو لیکن انجام کار حق کے مقابلے میں اسے سرافگندہ ہونا پڑتا ہے حق اور باطل کی جب ٹکر ہوتی تو باطل یقیناً چکنا چور ہوجاتا ہے باطل کا طمطراق اسی وقت تک ہے جب تک کہ وہ حق سے دوچار نہیں ہوتا جہاں حق سے مڈبھیڑ ہوئی اس کا سارا بھرم کھل جاتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۖ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۖ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ

(باقی [illegible] پر)

ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان

ماہوار تعمیر لکھنؤ

نمبر ۳۸ - امین آباد پارک

ادارہ تحریر

سید ابو الحسن علی ندوی

عبد السلام قدوائی ندوی • مشیر الحق مچھلی شہری آبادی

اگست ۱۹۵۲ء مطابق ذیقعدہ ۱۳۷۱ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

علم + ایمان = مسلمان

اس عنوان کو دیکھ کر ناظرین حیران ہوں گے کہ الجبرا کا سا فارمولا تعمیر میں کہاں سے آ گیا لیکن آج مسلمان یہ فارمولا بھول گئے ہیں ضرورت ہے کہ انھیں پھر یہ فارمولا یاد دلایا جائے اسی کے اوپر ان کی بنیاد تھی اس کو چھوڑ کر انھوں نے کتنا نقصان اٹھایا اب اگر وہ پھر آگے بڑھنا چاہتے ہیں تو اسے اختیار کئے بغیر کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

تعمیر کی پچھلی اشاعت میں ایک تحقیقی نکتہ کے عنوان سے علامہ ابن تیمیہ کے ایک مضمون کا ترجمہ شائع ہو چکا ہے جس میں یہی فارمولا بیان کیا گیا ہے، علامہ موصوف نے چند سطروں میں جو بات کہی ہے وہ صدیوں کے تجربہ کا نچوڑ اور کروڑوں انسانوں کے

عمیق تاریخی مطالعہ کا نتیجہ ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایمان کے بغیر علم اور علم کے بغیر ایمان بہت بڑا نقص ہے، تاریخ کا آپ بغور مطالعہ کیجئے آپ اس حقیقت کا مشاہدہ ایک ایک ورق میں کریں گے، ایمان کا نور علم کی رہبری میں آگے بڑھتا ہے اور دشت و در کو منور کر دیتا ہے اور علم کا شہسوار ایمان کی باگ ہاتھ میں لئے زندگی کے دشوار گزار مراحل بے خوف و خطر طے کرتا ہے۔ ہندستان کے ایک مشہور اہل دل اور صاحب کمال بزرگ اس حقیقت کو اپنے الفاظ میں یوں کہا کرتے تھے کہ علم بغیر ذکر ظلمت ہے اور ذکر بغیر علم گمراہی۔ فرمایا کرتے تھے کہ معصیت سے قلب پر جو حجاب پڑ جاتے ہیں وہ تاریک ہوتے ہیں اس لئے ان کی خرابی آسانی سے محسوس ہو جاتی ہے لیکن علم و ذکر کی کوتاہی سے جو حجاب قلب پر پڑ جاتے ہیں وہ نورانی ہوتے ہیں، اس لئے ان کی خرابی مشکل سے محسوس ہوتی ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کا یہ قول حرف بحرف صحیح ہے انھیں خطرات کی بنا پر اسلام میں اہل ایمان کو حصول علم کی بڑی تاکید ہے۔ قرآن مجید اور احادیث پاک میں علم کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، شروع ہی میں جہاں حضرت آدم کی پیدائش اور ان کی خلافت کا ذکر ہے اور فرشتوں کا شبہ نقل کیا گیا ہے وہیں علم کی اہمیت کا اظہار کیا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت آدم کی خلافت ان کے اس علم کی وجہ سے عطا کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ نے انھیں تعلیم فرمایا تھا، ایک اور موقع پر قرآن مجید میں

زر تعاون ہندستان و پاکستان سے

سالانہ ۵ دو روپے، ششماہی ۳، فی پرچہ ۳

پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ

رسالہ چراغ راہ ۹۔ لوٹیا بلڈنگ۔ آرام باغ روڈ کراچی

اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ علم کے بغیر خشیت الٰہی پیدا نہیں ہو سکتی ہے فرمایا کہ :—

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ	اللہ سے اس کے اہل علم بندہ ہی ڈرتے ہیں

ایک اور موقع پر ارشاد ہوا :—

هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ ۝	جو علم رکھتے ہیں اور جو لاعلم ہیں کیا وہ برابر ہو سکتے ہیں۔

اسی طرح احادیث پاک میں بھی علم کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے اور تحصیل علم کی ترغیب دی گئی ہے اس سے بڑھ کر اہل علم کی فضیلت اور کیا ہو سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صاحب علم کی فضیلت بے علم کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسی تم میں کم سے کم درجے کے آدمی کے مقابلہ میں میری فضیلت ہے' اس شخص کو قابل رشک قرار دیا ہے جس نے علم حاصل کیا اور پھر دوسروں کو اس کی تعلیم دی، اس سے بڑھ کر ترغیب اور کیا دی جا سکتی تھی کہ ایک مرتبہ آپ تشریف لائے، صحابہ کے دو حلقے تھے، ایک حلقہ ذکر میں مشغول تھا اور دوسرا علم میں۔ آپ حلقۂ علم میں یہ کہہ کر بیٹھ گئے کہ میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، ایک موقع پر آپ نے علم کی فضیلت اور اسکے فائدہ کو یوں بیان فرمایا کہ انا اعرفکم باللہ و انا اتقکم میں تم میں سے سب سے زیادہ اللہ کو جانتا ہوں اور تم میں سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں — اس ارشاد مبارک میں آپ نے اس حقیقت کا اعلان کر دیا ہے کہ تقویٰ ہی علم و عرفان کا نتیجہ ہے۔

جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ قرآن مجید اور احادیث پاک علم کی فضیلت اور تحصیل علم کی ترغیب سے پُر ہیں، اوپر کی سطروں میں صرف چند آیتیں اور حدیثیں اشارہ کے طور پر پیش کر دی گئی ہیں "تعمیر" کی دوسری جلد میں "علم کی اہمیت اسلام کی نظر میں" کے عنوان سے ایک مفصل مضمون اس موضوع پر لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے اب یہاں مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

مشہور یورپین مسلمان اور نامور محقق محمد مارماڈیوک پکتھال نے اپنے لکچروں کے سلسلہ میں جو انھوں نے ۱۹۲۷ء میں مدراس میں دئے تھے ایک بڑے مزے کی بات کہی ہے جو ان کے وسیع مطالعہ اور گہری نظر کا نتیجہ ہے وہ فرماتے ہیں "اسلام اور جہالت دونوں باتیں ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتی ہیں" حقیقت یہ ہے کہ ان کا یہ قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے جو اسلام کو ذرا بھی سمجھتا ہے وہ اس فقرہ کی دل کھول کر داد دیگا، اسلام کی بنیاد اوہام و خرافات اور بے معنی رسوم و رواج پر نہیں ہے بلکہ خالص علم اور تجربہ پر ہے، وہ حقائق کو جاننے اور سمجھنے کی دعوت دیتا ہے' پھر سمجھ بوجھ کر ان پر عمل کی تلقین کرتا ہے۔

قرون اولیٰ کے مسلمانوں نے اس حقیقت کو خوب سمجھا تھا اور اسی کا نتیجہ تھا کہ انھوں نے گنتی کے چند برسوں میں اس عالم میں ایک عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا تھا لیکن اب کچھ عرصہ سے انھوں نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے اب علم و ایمان کو ایک ساتھ جمع کرنے کی بہت کم فکر ہے اگر دماغ میں علم ہے تو سینہ ایمان کی روشنی سے خالی ہے اور اگر دل کے گوشہ میں ایمان کا جوہر ہے تو دماغ علم کے خزانہ سے تہی مایہ ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ نہ ایمان کے نور سے دنیا منور ہوتی ہے نہ علم کے شہسوار کے لئے راہ عمل کھلتی ہے نہ اسے نشان منزل نظر آتا ہے، ایمانی چراغ تہہ داماں ہے اور علم اشہب بے عناں نہ اسکی روشنی پھیلتی ہے نہ اس کے قدم جادۂ مستقیم پر پڑتے ہیں، ایک اندر ہی اندر جھلملا رہا ہے اور دوسرا صحیح صاف اور ہموار سڑک کو چھوڑ کر صحراؤں اور بیابانوں کی خاک چھانتا پھرتا ہے اور خندقوں اور غاروں میں جست لگاتا پھرتا ہے' اے کاش مسلمان اس حقیقت کو سمجھتے اور پھر علم کے ساتھ ایمان اور ایمان کے ساتھ علم کو اپنے اندر جمع کرتے اور اس سے انھیں بھی عزت و سربلندی نصیب ہوتی اور یہ عالم بے نور بھی ان کے فیض سے پھر منور ہو جاتا اور انسانیت اپنی منزل مقصود تک پہنچ سکتی۔

★ مولانا مناظر احسن گیلانی

زمین؟

اقامت خانوں کی تاسیس کا پہلا سوال

یہ ناکارہ اگرچہ زندگی کی آخری منزل ایک گمنام گاؤں میں گزارنے کے لئے بھیج دیا گیا ہے، ناگزیر وقت کے انتظار میں صبح کو شام شام کو صبح کر رہا ہے لیکن زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب شمالی اور جنوبی ہند کے شہروں اور قصبوں بلکہ دیہاتوں میں بھی گھومتا، گاتا بجاتا پھرا ہے۔ شمالی ہند میں بہار، یو۔پی۔ راجپوتانے جیسے دور دراز علاقوں کا بھی تجربہ رکھتا ہے اور حیدرآباد کے قیام کے زمانے میں جنوبی ہند کی اسلامی آبادیوں کا بھی پھیرا لگاتا رہا ہے جو کچھ عرض کریگا اپنے مشاہدات کے تحقیقی نتیجوں پر اسکی بنیاد قائم ہوگی۔

میرا یہ خیال ہے کہ جہاں کہیں سرکاری، یا نیم سرکاری اسکول اور کالج شمالی یا جنوبی ہند کے ان علاقوں میں پائے جاتے ہیں، جہاں مسلمانوں کی آبادیاں ہیں، شاید ہی ان میں کوئی ایسا علاقہ ہوگا جس میں تعلیم گاہ کے قرب وجوار میں ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ایسی مسجدیں یا امام باڑے یا عاشور خانے یا بنی خانے نہ ہوں گے، جن کے ساتھ کافی خالی زمین نہ ہو۔ مسلمانوں کی مذکورہ بالا معابد میں بڑی تعداد ایسی بھی ہے جن کے حدود میں بسا اوقات ایکڑوں ایکڑ زمین خالی پڑی ہوئی ہے، الغرض انہی معابد کے حدود کے ان غیر مشغول خالی حصوں پر بغیر کسی قیمت کے قبضہ کرنے کا کافی موقع ہے یہ اقامت خانہ کی تعمیر کے لئے کھلا میدان ہے، میں مبالغہ نہیں کروں گا اگر یہ کہوں کہ موجودہ حالات میں قیمت ادا کر کے مجموعی حیثیت سے زمین کی اتنی مقدار کا حصول کروڑوں نہیں تو لاکھوں روپے کے بغیر ممکن نہ تھا لیکن یہ مفت کی نعمت ہے یہ سہولت تمام ہر علاقہ میں میسر آسکتی ہے اور آئندہ نسلوں کی دینی تربیت و تعلیم کے لئے ان زمینوں سے استفادہ پر کوئی معترض نہیں ہوسکتا، ان اقامت خانوں کا قیام کلیۃً دین کا خالص کام ہوگا، اس سے زیادہ مفید تصرف ان خالی زمینوں کا اور کیا ہوسکتا ہے کہ مسجدوں کے اور دیگر مسلمان بچوں کی تعلیمی اقامت کے لئے ان کو استعمال کیا جائے۔

اسی کے ساتھ میں مسلمانوں کو اس طرف بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ زمانہ کے اقتضاء کے مطابق دیہاتوں اور قصبوں کو

انمول موتی

پڑوسی :-

★ عن ابن عمر وعائشۃؓ قال قال رسول اللہ صلعم مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ سیورثہ (بخاری۔مسلم)

حضرت ابن عمرؓ اور عائشہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ جبرئیل مجھے پڑوسی کے بارے میں اس طرح وصیت کرتے رہے کہ میں نے سمجھا وہ اسے وارث بنا دیں گے

★ عن ابی ذر قال قال رسول اللہؐ صلعم یا اباذر اذا طبخت مرقۃ فاکثر ماءھا وتعاھد جیرانک (مسلم)

حضرت ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اے ابوذر جب شوربہ پکاؤ تو اس میں پانی زیادہ کرو اور اپنے پڑوسی کا خیال رکھو

★ عن عائشۃؓ قالت قلت یارسول اللہؐ ان لی جارین فالی ایھما اھدی قال الی اقربھما منک بابا (بخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے کہا یارسول اللہؐ میرے دو پڑوسی ہیں میں کس کو تحفہ بھیجوں آپ نے فرمایا جو تمہارے دروازے سے زیادہ قریب ہو۔

★ عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلعم قال لایمنع جار جارہ ان یغرز خشبۃ فی جدارہ (بخاری۔مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ صلعم نے فرمایا ہے کہ کوئی پڑوسی اپنے پڑوسی کو اپنی دیوار میں کھونٹی گاڑنے سے منع نہ کرے۔

چھوڑ چھوڑ کر شہروں میں آباد ہونے کا رجحان جب سے ترقی پذیر ہے اس وقت سے یہ دیکھا جا رہا ہے کہ پرانے قصبات اور گاؤں میں مسلمانوں کی بڑی بڑی ڈیوڑھیاں اور حویلیاں خالی پڑی ہوئی ہیں، بہت سی تو خیر منہدم ہو کر دوسروں کے قبضے میں جا چکی ہیں ان میں ابھی کافی تعداد باقی ہے کہ ہم ان کو بھی اقامت خانوں کی تعمیر کے لئے ان لوگوں سے مانگ سکتے ہیں جو یوں ہی بغیر کسی قیمت کے ان سے دستبردار ہونے پر راضی ہو چکے ہیں۔ میرا یہ خیال بھی ہے کہ قصبات اور دیہات کے ان ہی ٹوٹے ہوئے مکانوں کے اندر سے تعمیری سامان کا کافی حصہ اب بھی حاصل کیا جا سکتا ہے۔ شاید ہی مسلمانوں کا کوئی گاؤں اور قصبہ ایسا ہوگا جس کے ویران مکانوں سے اینٹیں یا دوسرے عناصر حاصل نہ ہو سکتے ہوں۔ بہرحال زمینوں کے بعد تعمیری مصارف کا سوال ضرور سامنے آئے گا، ظاہر ہے کہ مسجدوں کے مکاتب و مدارس کے لئے بھی چندوں کی وصولی جب ناگزیر ہے تو اقامت خانوں کی تعمیر کے لئے بھی یہی دروازہ کھلا ہوا ہے بحمد اللہ مسلمانوں کو دیکھا جاتا ہے کہ اپنے موجودہ حالات میں بھی بیشمار مساجد کا اضافہ ہر سال اپنی آبادیوں میں کرتے رہتے ہیں۔ پس جیسے مسجدوں کی تعمیر عام امدادی چندوں سے ہو رہی ہے اسی طریقہ کو اقامت خانوں کی تعمیر میں بھی اختیار کرنا چاہیئے، مکان و مدارس کے لئے تو ہر سال اور سال کے ہر ماہ میں زرِ چندہ کی ضرورت ہو گی، لیکن اقامت خانوں کی تعمیر کی نوعیت تو وہی ہو گی جو مسجدوں کی تعمیر کی ہے، ایک دفعہ کوشش کر کے سرمایہ فراہم کر کے مکان بنا لیا جائے اقامت خانے کی عمارت جب بن جائیگی تو خود بخود اسکولوں اور مدرسوں میں پڑھنے والے مسلمان بچے اس میں شریک ہوں گے اور ان کی فیس سے آئندہ اقامت خانے خود انشاء اللہ تعالیٰ چالو رہیں گے۔

ارزاں، بالانشین عمارت کا ایک نقشہ کسی اچھے مخلص مسلمان

(باقی صفحہ ۳ کالم ۲ پر)

★ عبدالحفیظ قدوائی ندوی بی۔ اے جامعہ

ٹیونس

چند ماہ سے ٹیونس کی سرزمین کشت و خون کی آماجگاہ بنی ہوئی ہے جو فرانسیسی اقتدار سے اپنے آپ کو آزاد کرانا چاہتی ہے، فرانسیسی فوجیں ٹیونس کی تحریک آزادی کو مکمل طور سے ختم کرنے کی خاطر جبر و تشدد کا بازار گرم کئے ہوئی ہیں تاکہ ان کا اقتدار شمالی افریقہ سے نیست و نابود نہ ہو سکے۔

ٹیونس کی اس تحریک آزادی کو سمجھنے کی خاطر ہمیں اس ملک کی سیاسی و معاشی حالات کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ ٹیونس شمالی افریقہ کا ایک نہایت اہم حصہ ہے جو کہ سسلی اور بحر روم دونوں کے لئے قلعہ کا کام دے سکتا ہے سب سے پہلے رومیوں نے اس سرزمین پر قبضہ کیا، ان کے آثار اب بھی ٹیونس میں پائے جاتے ہیں، رومیوں کے غلبہ حاصل کر لینے کے بعد رفتہ رفتہ ان کی قوت ختم ہوتی گئی اور موقع سے فائدہ اٹھا کر بازنطینیوں نے اس سرزمین پر اپنی سیادت و قیادت کا جھنڈا لہرا دیا، ان کا جھنڈا جلد ہی سرنگوں ہو گیا اور آخرکار ترکوں نے اس سرزمین کو فتح کر کے سلطنت عثمانیہ کا ایک حصہ بنا لیا۔

۱۸۸۱ء میں ٹیونس پر فرانس نے قبضہ کر لیا، فرانس نے ٹیونس کے "بے" کو بالکل اپنے قابو میں کر لیا اور ساری حکومت و اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اپنا ایک نمائندہ ٹیونس میں رکھا جس کا کام وہاں کے جملہ نظم و نسق کی نگرانی کرنا تھا اس کو ریزیڈنٹ جنرل کے نام سے موسوم کیا گیا اور اس کو بڑے اختیارات سونپے گئے۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران میں یہ ملک جرمنی و اٹلی کے زیر نگیں آ گیا مگر اختتام جنگ [illegible] جب کہ ان دونوں [illegible]

شکست ہوئی، یہ ملک دوبارہ فرانسیسیوں کے اثر میں آ گیا۔

ستّر سال سے زیادہ ٹیونس کی سرزمین فرانسیسیوں کے زیر اقتدار رہی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل ٹیونس روز بروز معاشی اعتبار سے بد سے بدتر ہوتے گئے اور مفلسی اور بے کاری عام ہو گئی۔ ٹیونس کی عمدہ اور قابل کاشت زمینوں پر فرانس کے زمینداروں نے قبضہ کر لیا اور اس طرح اہل ٹیونس کو ان کی اطاعت پر مجبور کر دیا، مفلسی کے عام ہونے کی وجہ سے اہل ٹیونس کو بھیانک قحط سے دوچار ہونا پڑا اور اس قحط نے ٹیونس کی کمر توڑ دی۔

ٹیونس کی اصل دولت تیل پر برطانیہ اور امریکہ کی نظریں جمی ہوئی تھیں۔ جنگ عظیم کے خاتمہ پر اس ملک کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا گیا اور بالترتیب فرانس، امریکہ اور برطانیہ کا اقتدار تسلیم کر لیا گیا اور ان تینوں ملکوں نے ٹیونس کی قومی دولت پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا۔

ان حالات سے مجبور ہو کر اہل ٹیونس نے اپنی آزادی حاصل کرنے کی جد و جہد شروع کی، آہستہ آہستہ اس قومی تحریک آزادی کی جانب اہل ٹیونس زیادہ توجہ صرف کرنے لگے اور اس کی طاقت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا، تین لاکھ افراد نے یہ حلف لیا کہ وہ بیرونی اقتدار سے آزاد ہو کر رہیں گے، فرانس اور امریکہ میں اس قومی تحریک کے بارے میں تشویش کا اظہار کیا جانے لگا اور ان دونوں ممالک کی خواہش اور کوشش یہ رہی کہ اپنے آدمی بار کو نیشنلسٹ پارٹی اور نو دستور پارٹی میں پہنچا دیں تاکہ وہ لوگ ان دونوں پارٹیوں کو ایک دوسرے کا مخالف بنا دیں لیکن ان کی یہ چال کامیاب نہ ہو سکی اس لئے کہ وہاں کے عام باشندے آزاد ہونا چاہتے تھے، ان کو ان ممالک میں سے کسی پر اعتماد نہ تھا۔

۱۷، اگست ۱۹۵۵ء میں فرانس نے اہل ملک کو یقین دلایا کہ جلد ہی ان کو سیاسی اصلاحات مل جائیں گی۔

★ اخگر مشتاق رحیم آبادی

فکر و فن

تہذیب و ادب کے پردے میں بربادیٔ آدم آج بھی ہے
جو حشر کا عالم پہلے تھا وہ حشر کا عالم آج بھی ہے

ابتک ہیں وہی افکار گراں ابتک ہیں وہی غم کے نشاں
یہ دل کہ جسے سب کہتے ہیں دل اک دردِ مجسم آج بھی ہے

یہ ظلم و ہوس یہ کار زبوں، یہ گمراہی، یہ جبر و جنوں
آفات کی ماری نوعِ بشر با دیدۂ پرنم آج بھی ہے

ہر سوز جدا، ہر ساز جدا، ہر فکر جدا، آواز جدا
دنیائے عمل کا شیرازہ، افسوس کہ برہم آج بھی ہے

ہر چند نئے آئین بنے ہر چند نئے دستور بنے
انسان کی دنیا میں لیکن "انسان" کا ماتم آج بھی ہے

فرانس کی اس پیشکش سے فائدہ اٹھاکر نو دستور پارٹی نے عام جلسہ کرکے اپنے جنرل سکریٹری بین یوسف کو حکومت کا ایک فرد مقرر کیا، لیکن ٹیونس کی دوسری پارٹیوں نے یقین دلایا کہ فرانس کا یہ وعدہ قائم نہ رہے گا اور جلد ہی موقع پاکر فرانسیسی مظالم کا شکار پھر ملک بنے گا۔ بعد کے واقعات نے اس یقین کی شہادت دی، یوسف اور ان کے ساتھی پیرس گئے لیکن پیرس کی حکومت نے اہل ٹیونس کے مطالبات سختی سے نامنظور کر دئیے اور ١٥۔ دسمبر ١٩٥١ء کو یہ اعلان کیا کہ ٹیونس کو جو اصلاحات ملی ہیں وہ کافی ہیں۔ اس سے زیادہ فرانس کی حکومت دینے کو تیار نہیں۔ ٢١۔ دسمبر سے ٢٣ دسمبر تک ٹیونس میں عام ہڑتال ہوئی اور جگہ جگہ فرانس کے خلاف غم و غصہ کا اظہار کیا گیا، اس مکمل ہڑتال نے فرانس کو بوکھلا دیا۔ نو دستور پارٹی کے لیڈروں نے یہ طے کیا کہ اس مسئلہ کو یو۔ این۔ او۔ میں پیش کیا جائے، ٹیونس کے عوام نے اس فیصلہ کو بہت پسند کیا اور بورغیبہ کو جملہ اختیارات سونپ دئیے، اگرچہ وہاں کے عام لوگوں کو یہ یقین نہ تھا کہ یو۔ این۔ او۔ میں ان کے ساتھ انصاف کیا جائے گا۔ ان کا یہ یقین غلط نہیں ثابت ہوا۔ نئے فرانسیسی رزیڈنٹ جنرل نے اہل ٹیونس کو ڈرانا شروع کیا اور آگ و تلوار سے اہل ٹیونس پر ظلم و تشدد کا پہاڑ توڑا گیا، یہ ڈرامہ ١٠ جنوری ١٩٥٢ء کو شروع ہوا، جگہ جگہ لوگوں کی گرفتاریاں شروع ہوگئیں، لیڈروں کو ملک بدر کر دیا گیا، اس حرکت نے ٹیونس کی قومی تحریک آزادی میں اور جان ڈال دی اور ملک بھر میں احتجاجی جلسے و جلوس نکالے گئے اور ان لیڈروں کی رہائی اور ملک میں داخلے کی اجازت طلب کی گئی فرانسیسی فوج اور پولیس نے جی کھول کر انسانی خون سے اپنے ہاتھ رنگے، اہل ٹیونس نے اینٹ کا جواب پتھر سے دینا شروع کیا، فرانس سے مزید فوجی کمک آگئی، مسلح ٹینک اور ہوائی جہاز ملک کو ویران کرنے پر تل گئے، اس انتہائی ظلم و تشدد کے خلاف خود فرانس کے عوام نے آواز اٹھائی اور ان کی طرف سے ٹیونس کو آزاد کرنے کا مطالبہ کیا جانے لگا۔

دوسری طرف عرب ممالک اور ایشیائی ممالک کے ممبروں نے جنرل اسمبلی کے صدر سے مداخلت کی اپیل کی، ان ممالک کے نمائندوں کی خواہش صدر اسمبلی نے پوری کی اور فرانس کو اس سے آگاہ کیا کہ ٹیونس کو آزادی دی جائے۔

آج کل ٹیونس کا مسئلہ سیکورٹی کونسل میں پیش کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ فرانس ٹیونس کے "بے" پر زور ڈال رہا ہے کہ وہ اس تحریک کو ختم کر دیں۔

آزادی کی جو آگ روشن ہو وہ اور زیادہ روشن ہوتی جارہی ہے، اب اس کا دبانا اور بجھانا آسان نہیں ہے۔

(بقیہ مضمون ص ٦ کالم دوم)

انجینیر سے بنوالیا جائے۔ کم از کم خرچ میں زیادہ سے زیادہ آرام بخش، صحت بخش عمارت موجودہ حالات میں جتنے خرچ سے بن سکتی ہے اسی کو نصب العین بنالیا جائے اور سچ پوچھئے تو "طالب العلمی" کی زندگی مسلمانوں کے یہاں جن موروثی روایات کو اپنے ساتھ رکھتی ہے ان کو پیش نظر رکھتے ہوئے زیادہ طمطراق تزک و احتشام کی ضرورت بھی نہیں، مائیکن سردی اور گرمی، بارش سے حفاظت ہوجائے، بس یہی کافی ہے، البتہ سمنٹ کی ایجاد نے بالاخانوں کی تعمیر کو اس زمانے میں آسان کر دیا ہے۔ زمین کی جہاں تنگی ہو وہاں فضا میں ہم اقامت خانوں کو بلند کر سکتے ہیں۔ دو دو تین تین منزلوں کی عمارت اس زمانہ میں بسہولت تمام بن سکتی ہے جہاں موقع ہو اس سے بھی فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

★ انعام اللہ خان

عالم اسلام کا نفسیاتی جائزہ

عرب کے ریگ زاروں پر ایک ایسے آفتاب جلال اور مہتاب جمال کی شعاعیں پڑیں کہ ہر ذرہ اپنی جگہ پر سورج بن کر چمکا اور چاند بن کر جگمگایا، دنیا کے تاریک ترین گوشوں میں نور ہی نور تھا۔ حیات انسانی پر چھائی ہوئی گھٹائیں چھٹ گئیں اور روشن و منور دن نکل آیا۔

ایک مخصوص انداز پر آدمی کی تربیت کی گئی اور ایک خاص نوعیت سے زندگی کی تنظیم عمل میں لائی گئی۔

آدمی کی جبلتوں، جذبات اور اذہان کی پرورش اس طرح ہوئی کہ وہ اپنے لئے بھی مفید ہو اور دوسروں کے لئے بھی ــــ یہ تھا اسلام!

ارباب نفسیات جو چاہیں کہیں، لیکن مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ اسلام انسانوں کو مکمل انسانیت تک پہنچاتا ہے، راستوں میں گم نہیں کر دیتا۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمان عرب کے بیابانوں سے آندھی کی طرح اٹھا اور کو زمین پر چھا گیا، پانی کی طرح برسا اور انسانیت کو سیراب کر گیا، لیکن ایک وقت آیا کہ وہ اسلام سے دور ہوتا گیا اور راہوں میں گم ہو گیا/ الفاظ رٹتا رہا اور معنی فراموش کر گیا اور فہم و بصیرت میں وہ نقص پیدا ہو گیا جو اسلام نے مٹا دیا تھا۔

فطرت انسانی کے دو رخ ہیں۔ پہلا (۱) ۔ خیر۔ دوسرا (ب) شر۔

مسلمانوں کو یہ حقیقت واضح طور پر سکھا دی گئی تھی یہ سکھائی نہیں بلکہ جزو ایمان بنا دی گئی تھی۔

"و القدر خیرہ وشرہ"

لیکن مسلمان فراموش کاری کا شکار ہوا اور غفلت نے دل و دماغ پر مہر لگا دی ـــ "خیر" دب گیا۔ "شر" اب ابھر آیا وسائل کو مقصد اور راہوں کو منزل سمجھا گیا ـــ مسلمان "نا مسلمان" بن کر رہ گیا۔

یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ "مشترک نقصان" کی مدافعت میں لڑتے ہوئے افراد آپس میں مل جاتے ہیں اور "مشترک نفع" کی تقسیم میں ملے ہوئے افراد لڑ جاتے ہیں، افراد کے اس اجتماع و افتراق کی بنا جذبات، خود غرضی، غرض مندی پر ہے۔

نفسیات اجتماع کے اس معمولی سے اصول کو سامنے رکھ کر اگر آپ موجودہ عالم اسلامی کا نفسیاتی جائزہ لیں اور گزشتہ پچاس سال کے اندر اسلامی مملکتوں کی مختلف حرکات اور ان کے افعال پر نظر دوڑائیں تو آپ کو ہر جگہ یہی حقیقت روشن و نمایاں نظر آئے گی۔

حروب ہائے صلیبیہ میں تھک ہار کر اہل مغرب نے مسلمانوں پر ایک دوسرے رخ سے حملہ کیا، انھوں نے فطرت کے دوسرے رخ شر کے اس جذبہ کو زیادہ سے زیادہ ابھارنا شروع کیا جس کا نام "خود غرضی" ہے

اذہان "مغرب" کا یہ فساد اندر ہی اندر کب سے مسلمانوں کے قلوب میں یہ فتنہ پیدا کر رہا تھا۔ یہ ایک تاریخی بحث ہے (اور اس موقع پر غیر ضروری بھی) لیکن ان میں ایک نمایاں شدت بیسویں صدی کی ابتدا میں پیدا ہو گئی۔ جب خداوندان یورپ عموماً اور برہمان انگلیز خصوصاً مسلمانوں کو یہ باور کراتے رہے کہ وہ انھیں بڑے سے بڑا نفع پہنچا سکتے ہیں۔

نتیجۃً اسلامی ممالک اور مسلمان دونوں اپنے حدود میں "جنگ آزادی" سے کوئی جی۔ سی۔ ایس۔ آئی اور "سر" بننے کے لئے کوئی اپنے چھوٹے سے خطے میں آزاد فرمانروا بننے کے لئے۔

افریقہ کے شمالی ممالک الجزائر اور مراکش کو سبز باغ

دکھائے گئے، پھر یہی سبق لیبیا، سوڈان اور مصر کو دیا گیا۔ شام، عراق اور فلسطین و حجاز بھی اس درس خاص سے محروم نہ رہے۔ ترکی نظام مملکت سے توڑ کر انھیں بنایا گیا۔ اور جب یہ اس طرح متفرق و منتشر ہو کر کمزور و ناتواں ہو گئے تو حریف ان پر مسلط ہو گیا۔

حروب صلیبیہ کی شکست خوردہ ذہنیت مسرور ہوئی کہ آج اس نے اپنا انتقام مسلمانوں سے لے لیا۔ اور کیا اس جذبہ انتقام کی شہادت یہ واقعہ پیش نہیں کر رہا ہے۔

"لارڈ ایلن فلسطین کے مسلمانوں سے چھن جانے کے بعد جب دمشق پہنچا تو غازی صلاح الدینؒ کی قبر پر گیا اس وقت اس کی آنکھیں خون ہو رہی تھیں اور غازیؒ کی قبر پر ٹھوکر مارتے ہوئے کہا "اٹھو اور اب ہمیں نکالو تو جانیں"۔

مسلمان اور عالم اسلامی طرح طرح کی مصیبتوں میں مبتلا ہو گیا۔ ہر خطہ اور ہر فرد اپنی جگہ پر مجبور ہو کر رہ گیا غلامی اور نامرادی مسلمانوں کی قسمت بن گئی۔ مسلمان اسے محسوس کر رہا تھا لیکن ع نہ تڑپنے کی اجازت تھی نہ فریاد کی تھی۔

احساس بڑھنے لگا اور ایک ہلکا سا اضطراب پیدا ہوا "شعور جاگے"، دلوں میں لرزش آئی اور گھٹا ہوا تنفس نالہ بن کر ابھرا۔ فلسطین میں یہودی مملکت کا قیام ممالک عرب کے لئے خصوصاً (عموماً تمام اسلامی ممالک کے لئے) ایک دائمی خطرہ بن گیا۔ ایران میں نفرت کا دباؤ، مصر میں سوئز کی جراحتیں، شمالی افریقہ کے اسلامی ممالک میں ظلم و جبر کا طاغوتی نظام ——

نفع مشترک تھا نقصان بھی مشترک ہوا۔ اور مسلمانوں کی آنکھیں کھلیں، انھیں اپنی حالت کا احساس ہوا اور ملکے سے اتحاد کی لہر قلوب میں پیدا ہوئی، فکری طور پر مسلمان پھر ایک ہو گئے اب وہ دن دور نہیں کہ فکروں کا اتحاد قلوب و اعمال کا اتحاد بھی کر نمایاں ہو۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

(سائیکلو پی سالگرہ نمبر)

(بقیہ — تفسیر — صفحہ ۱۱ سے)

آپ نے صرف حالات معلوم کرنے کی ہدایت کی تھی اس لئے لوگوں کو تامل تھا لیکن دوسری طرف یہ بھی واقعہ تھا کہ اس قافلہ کا مکہ معظمہ پہنچ جانا جنگی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کیلئے کسی طرح مناسب نہ تھا قریش کے ارادے صاف ظاہر تھے، وہ مدینہ منورہ پر حملہ کیلئے تیاری کر رہے تھے، ان حالات میں یہ سامان انکی مزید تقویت کا باعث ہوتا اس سے ان کی مالی حالت مستحکم ہوتی اور وہ مسلمانوں کے خلاف اور بھی قوت حاصل کرتے، اس لئے اس قافلہ کو ان کے پاس پہنچنے دینا ہی مناسب تھا، اس پہلو پر غور کر کے حضرت عبداللہ ابن جحش اور ان کے ساتھیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حملہ کر کے اس قافلہ پر قبضہ کر لیا جائے تاکہ یہ سامان قریش کے پاس پہنچکر مسلمانوں کے خلاف استعمال نہ ہو سکے، یہ سوچکر ان حضرات نے قریشی قافلہ پر حملہ کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ قافلہ کا سرگروہ عمرو ابن حضرمی مارا گیا اور دو قریشی عثمان ابن عبداللہ اور حکم ابن کیسان گرفتار ہو کر آئے، ان کے حساب سے جمادی الاخریٰ کی آخری تاریخ تھی لیکن درحقیقت چاند نکل چکا تھا اور رجب کی پہلی تاریخ تھی، رجب کا مہینہ بھی اشہر حرم میں شامل ہے اسلئے جب قریش کو اس حادثہ کی اطلاع ملی تو انھوں نے برہمی کا اظہار کیا، ان کے لئے یہ حادثہ خود ہی ناگواری کا باعث تھا لیکن چونکہ مسلمانوں پر وہ ہزاروں ظلم کر چکے تھے، تاخت و تاراج اور قتل و غارت کے واقعات بھی ان سے صادر ہو چکے تھے، اس لئے اس حملہ پر وہ یوں تو کچھ نہیں کہہ سکتے تھے، البتہ چونکہ اتفاق سے یہ واقعہ رجب میں پیش آیا تھا اور اس مہینہ میں لڑائی ممنوع تھی، اس لئے انھوں نے اسی پہلو کو نمایاں کر کے مسلمانوں کے خلاف سخت پروپیگنڈا کیا وہ کہتے تھے کہ اب ان لوگوں کا یہ حال ہو گیا ہے کہ حلال و حرام کی بھی پروا نہیں کرتے ہیں، مقدس مہینہ کی بےحرمتی کرتے ہیں خود مسلمان بھی اس صورت حال کو پسند نہیں کرتے تھے، جب حضرت عبداللہ بن جحش مال غنیمت اور قیدیوں کے ساتھ مدینہ منورہ واپس آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسے پسند نہیں کیا اور فرمایا کہ میں نے تمہیں محترم مہینے میں جنگ کا حکم نہیں دیا تھا اور آپ نے مال غنیمت قبول نہیں

عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

ترجمہ:

آپ سے لوگ حرمت والے مہینے کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ اس میں جنگ کرنا کیسا ہے فرما دیجئے اس میں جنگ کرنا [illegible]ت نامناسب ہے لیکن اللہ کی راہ سے روکنا، اللہ کا انکار کرنا مسجد حرام سے روکنا۔ اس کے (مکہ معظمہ) رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا (یہ سب باتیں) اللہ کے نزدیک اس (حرمت والے میں جنگ) سے (بھی) بڑھ کر (ناپسندیدہ) ہیں۔ اور فتنہ قتل سے زیادہ برا ہے اور یہ لوگ برابر تم سے جنگ کرتے رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان سے ہو سکے تو وہ تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں اور تم سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے گا پھر وہ کفر کی حالت میں مرجائے گا تو ایسے لوگ دوزخی ہوں گے اور اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔

تشریح:

جیسا کہ اوپر بیان ہو چکا ہے مدینہ منورہ آجانے کے بعد بھی قریش کی آتش غضب سرد نہیں ہوئی بلکہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے متبعین کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے [illegible] جد وجہد میں برابر مصروف تھے ان کا ارادہ تھا کہ پوری تیاری کے بعد مدینہ منورہ پر ایسا سخت حملہ کیا جائے کہ مسلمانوں کا نام و نشان مٹ جائے اس صورت حال کی بنا پر مسلمان بھی قریش کے حالات سے باخبر رہنے کی کوشش کرتے تھے تا کہ اپنی حفاظت کی فکر کرتے رہیں اور اچانک ان کے حملہ کا شکار نہ ہو جائیں اسی سلسلہ میں یہ واقعہ پیش آیا کہ جمادی الاخریٰ ۲ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ ابن جحش چند اصحاب کے ساتھ مکہ معظمہ کی جانب روانہ فرمایا تاکہ وہ قریش نقل وحرکت کا پتہ چلائیں اور صورت حال کو لکھ کر رسول اللہ [illegible] اللہ علیہ وسلم کو اس سے مطلع کریں آپ نے عبداللہ کو ایک [illegible] فرمایا کہ دو دن کے بعد اسے کھولنا پھر جو اس میں لکھا ہو اس پر عمل کرنا آنحضرت کی اس ہدایت کے مطابق حضرت عبداللہ ابن جحش اپنے ساتھیوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہو گئے دو دن کے بعد خط کھولا تو اس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ طائف اور مکہ معظمہ کے درمیان بطن نخلہ تک چلے جاؤ اور وہاں ٹھہر کر قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ۔

اس تحریر کے مطابق حضرت عبداللہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ بطن نخلہ پہنچے وہاں قریش کا ایک قافلہ نظر آیا جو بہت سا سامان لئے ہوئے مکہ معظمہ جا رہا تھا۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ قریش کے جارحانہ ارادے واضح ہو چکے تھے، ان کے گشتی دستے وقتاً فوقتاً مدینہ منورہ کے آس پاس چھاپے مار رہے تھے وہ جہاں موقع پاتے مسلمانوں کو قتل کر دیتے ان کی جائداد کو نقصان پہونچاتے، درختوں کو کاٹ ڈالتے کھیتوں کو جلا دیتے مویشیوں کو مار ڈالتے اور ان کے مال کو لوٹ لیتے۔ ان کی یہ کارروائیاں بہت دنوں سے جاری تھیں اور اب خاص مدینہ منورہ پر چڑھائی کی تیاری کر رہے تھے حضرت عبداللہ بن جحش اور ان کے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ قریش کے اس قافلہ کے ساتھ کیا کارروائی کی جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط میں اس کے متعلق کوئی حکم نہیں تھا۔ آپ نے صرف حالات معلوم کرنے کی ہدایت کی تھی اس سے لوگوں کو تامل تھا لیکن دوسری طرف یہ بھی واقعہ تھا کہ اس قافلہ کا مکہ معظمہ پہنچ جاتا جنگی نقطۂ نظر سے مسلمانوں کے لئے کسی طرح مناسب نہ تھا، قریش کے ارادے صاف ظاہر تھے وہ مدینہ منورہ پر حملہ کے لئے تیاری کر رہے تھے، ان حالات میں یہ سامان ان کی مزید تقویت کا باعث ہوتا اس سے ان کی مالی حالت مستحکم ہوتی اور وہ مسلمانوں کے خلاف اور بھی قوت حاصل کرتے، اس لئے اس قافلہ کو ان کے پاس نہ پہنچنے دینا ہی مناسب تھا۔ اس پہلو پر غور کر کے حضرت عبداللہ ابن جحش اور ان کے ساتھیوں نے یہ فیصلہ کیا کہ حملہ کر کے اس قافلہ پر قبضہ کر لیا جائے تا کہ یہ سامان قریش کے پاس پہنچ کر مسلمانوں کے خلاف استعمال نہ ہو سکے، یہ سوچ کر ان حضرات نے قریشی قافلہ پر حملہ کر دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ قافلہ کا سرگروہ عمرو ابن حضرمی مارا گیا اور قریشی عثمان ابن عبداللہ اور حکم ابن کیسان گرفتار ہوئے۔ ان کے

(باقی صفحہ [illegible])

Regd. No. A-614 Lucknow.

عربی بہت آسان ہے

بہت تھوڑی مدت میں

ہر روز کی تھوڑی سی محنت اور ان کتابوں کے مطالعہ سے آپ اتنی عربی سیکھ لینگے کہ قرآن و حدیث کو آسانی سے سمجھ سکیں اور نماز کا پورا لطف اٹھا سکیں—

- ❀ عربی زبان کے دس سبق — چار آنے
- ❀ تفہیم الدروس حصہ اول — چار آنے
- ❀ تمرین الدروس تین حصے — ڈیڑھ روپئے
- ❀ قرآن مجید کی پہلی کتاب — سوا روپئے
- ❀ قرآن مجید کی دوسری کتاب — ڈیڑھ روپئے
- ❀ قرآن مجید کی تیسری کتاب — سوا دو روپئے
- ❀ القصص لصالحین — ایک روپیہ ڈیڑھ آنہ

—○❀○—

دنیا میں اسلام کیسے پھیلا ؟

❀

یہ غلط ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا' حقیقت یہ ہے کہ اسلام صحابہ کی انتھک کوششوں اور بے پناہ مصائب کے برداشت کرنے سے پھیلا ہے— تذہل کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ مفید ہوگا—

- ❀ حضرت ابوبکر —۱۰—
- ❀ ,, عمر —۱۰—
- ❀ ,, بلال —۴—
- ❀ ,, ابن عباس—۴—
- ❀ ,, ابوذر —۴—
- ❀ ,, ابوھریرہ —۵—
- ❀ ,, حمزہ —۴—
- ❀ ,, زید —۴—
- ❀ ,, جعفر —۳—
- ❀ ,, ابن الجراح—۴—
- ❀ ,, مصعب —۴—
- ❀ ,, زبیر —۵—
- ❀ ,, خالد —۱۰—
- ❀ ,, سلمان —۵—
- ❀ ,, طلحہ —۴—
- ❀ حضرت ابن عمر—۵—
- ❀ ,, ابن مسعود—۶—
- ❀ ,, ابن عبادہ—۴—
- ❀ ,, اسامہ ۶—۴—
- ❀ ,, ابن وقاص—۴—
- ❀ ,, ابوایوب —۳—
- ❀ ,, انس —۴—
- ❀ ترک برتوں —۶—
- ❀ ,, خواجہ فرید —۳—
- ❀ خواجہ نظام —۵—
- ❀ شاہ ولی اللہ —۶—۴—
- ❀ مولانا روم —۶—۳—
- ❀ امام ربانی —۴—
- ❀ بی بی رابعہ —۳—
- ❀ جمال الدین —۲—

- ❀ اسلام کیا ہے — ۲—۸—
- ❀ تلقین حق —۱۰—
- ❀ احکام القرآن — ۲—۰—
- ❀ سیرت مولانا الیاس — ۲—۸—
- ❀ ملفوظات مولانا الیاس — ۲—۰—
- ❀ زاد سفر [مجموعہ احادیث] — ۳—۰—

- ❀ اللہ کے رسول [چھوٹے بچوں کے لئے] —۴—
- ❀ خلفاء راشدین' ,, ,, —۸—
- ❀ اچھی باتیں—چار حصے ,, —۱—
- ❀ حسن معاشرت—عورتوں کے لئے —۱۲—
- ❀ دعائیں—سب کے لئے —۱—

★ عبد السلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

(۸۰)

جب حالات یہاں تک پہنچ گئے تو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیتیں نازل فرمائیں، ان آیات نے اس مسئلہ کو بالکل صاف کر دیا اور وضاحت کے ساتھ یہ اعلان کر دیا کہ مقدس مہینوں کی عزت مسلّم ہے، ان میں جنگ جدل اور قتل وغارت یقیناً برا ہے لیکن قریش کے لوگ ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔ کیا اللہ کا انکار کرنا، راہ الٰہی سے لوگوں کو روکنا، دین حق کی تبلیغ میں حارج ہونا، مسجد حرام میں اللہ کے بندوں کو نہ داخل ہونے دینا، لوگوں کو ان کے گھروں سے نکالنا، کیا یہ کوئی کم درجہ کا گناہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو یہ حرکتیں ماہ مقدس کے احترام سے کہیں زیادہ سنگین ہیں اور کفر و شرک کا ایسا اقتدار کہ لوگوں کے دین و ایمان کے لئے فتنہ بن سکے قتل سے بدرجہا بدتر ہے جیسا کہ آیت کے ترجمے سے ظاہر ہے، کفار کی خواہش یہ تھی اور اسی کے لئے وہ کوشاں تھے کہ مسلمانوں کو ان کے دین سے پھیر دیں اور ایمان پر قائم رہنے کے بجائے پھر پہلے کی طرح کافر بنالیں، اللہ تعالیٰ اس جانب اہل ایمان کو توجہ دلاتا ہے تاکہ وہ ہوشیار رہیں اور ان کی جنگجوئی سے حیران نہ ہوں بلکہ سمجھ لیں کہ یہ تو ایمان کا مقتضی ہے جب تک شمع ایمان ان کے دل میں فروزاں ہے اس وقت تک کفر کی پھونکوں سے مفر نہیں، ان کی مخالفانہ سرگرمیاں اس وقت تک برابر جاری رہیں گی جب تک کہ نور ایمان ظلمت کفر سے مغلوب نہیں ہو جاتا ہے لیکن کفار کی اس تمنا کا پورا ہونا بہت مشکل ہے۔

صحابہ کرام کی ایمانی حالت جسقدر مضبوط تھی اور اللہ کی ذات پر انھیں جسقدر یقین اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر جتنا اعتماد تھا، اس کو دیکھتے ہوئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ حلاوت ایمان سے لذت آشنا ہونے کے بعد کفر کی تلخی گوارا کرتے۔ ان کی ایمانی کیفیت کو ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اِنِ اسْتَطَاعُوْا (اگر وہ کر پائیں گے) اضافہ کر دیا ہے، مطلب یہ ہے کہ کفار کرنا تو سب چاہتے ہیں لیکن جب ان کے بس میں کچھ ہو اگر وہ کر سکیں تو ضرور اہل ایمان کو کافر بنا دیں لیکن ایسا کہاں ہو سکتا ہے۔ دین حق کی صداقت ان کے دل میں اتنی مستحکم ہو چکی ہے کہ اب اس کا نکلنا ناممکن ہے، اس کے ساتھ یہ اعلان بھی کر دیا کہ ارتداد (دین سے پھر جانے) سے اللہ یا اس کے رسول کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا ہے بلکہ اس میں اس شخص کا نقصان ہے جو دین سے پھرے گا، انھوں نے اب تک جو کام کئے ہیں ان پر پانی پھر جائے گا، دنیا میں ذلت و رسوائی نصیب ہوگی اور آخرت میں بھی عذاب میں مبتلا ہونا پڑے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

ترجمہ:۔ بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا، وہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں اور اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

تشریح:۔ اوپر ارتداد کا ذکر آیا ہے، اس لئے اسکے

(باقی ص۱۱ پر)

لہ یہ آیت اس سے پہلے آٹھویں رکوع میں آچکی ہے، پوری تشریح وہاں بیان ہو چکی ہے، اس لئے یہاں مزید تفصیل نہیں کی جا رہی ہے۔

ادارۂ تعلیمات اسلام کا ترجمان

ماہوار تعمیر لکھنؤ

۳۸۔ امین آباد پارک

ادارۂ تحریر

سید ابو الحسن علی ندوی

عبد السلام قدوائی ندوی • مشیر الحق بحری آبادی

ستمبر ۱۹۵۲ء مطابق ذی الحجہ ۱۳۷۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قربانی کیا ہے؟

یہ عید الاضحیٰ کا مہینہ ہے۔ اسے عید قرباں بھی کہتے ہیں، آپ نے کبھی سوچا کہ عید قرباں کا مطلب کیا ہے۔ عید کے معنی خوشی کے ہیں اور قرباں کا مطلب نثار کرنا ہوتے ہیں۔ کبھی آپ نے غور کیا کہ خوشی اور قربانی کا میل کیا ہے، بادی النظر میں قربانی کا تصور کچھ بہت زیادہ خوشگوار تو ہوتا نہیں ہے مال و دولت، جان و عزت کو قربان کرنے کے بعد خوشی کیسے حاصل ہو سکتی ہے عید کون منا سکتا ہے؟

آج یہ بات ہمیں حیرت انگیز معلوم ہوتی ہو کہ سب کچھ قربان کرنے کے بعد عید کس طرح منائی جا سکتی ہو لیکن اس بات میں حیرت زیادہ نہیں ہے حیرت ہمارے اس طرز فکر میں ہو۔ وہ کوئی دوسرے نہیں، ہم ہی تھے جو جان و مال کو اللہ و رسول کی راہ میں قربان کرکے خوشیاں مناتے تھے، وہ ہم ہی تھے جو اللہ رسول کے نام پر اور اسلام کی راہ میں عزیز و اقربا، بھائی بہن، ماں باپ سب کو نچھاور کر دیتے تھے اور آخر دم تک چہرے پر مسکراہٹ رہتی تھی۔

غزوۂ احد کا واقعہ ابھی دنیا کے دماغ سے نکلا نہ ہوگا جب مجاہدین مدینہ واپس آئے ہیں اور اُن میں سے کسی صحابیؓ سے ایک صحابیہ نے آنحضرتؐ کی خیریت کے بارے میں پوچھا۔ انھوں نے کہا تمھارے شوہر شہید ہو گئے، انھوں نے فوراً سوال کیا لیکن آنحضرتؐ؟ صحابی نے پھر کہا تمھارے لڑکے بھی اللہ کی راہ میں کام آئے۔ صحابیہ نے اور زیادہ بے چینی سے کہا مگر ہمارے حضورؐ؟ صحابی نے پھر کہا تمھارے دوسرے اعزہ بھی جنت الفردوس کو سدھارے انھوں نے حد درجہ گھبراہٹ سے پوچھا اور رسول اللہ صلعم؟ انھوں نے کہا وہ حیات ہیں، تب صحابیہ کے چہرے پر مسکراہٹ آ گئی اور انھوں نے اطمینان سے کہا آنحضرت زندہ ہیں تو کسی جانے والے کا غم نہیں، تمام دنیا آپ پر قربان!

آخر یہ کون سا جذبہ تھا جس کے ماتحت وہ اپنے شوہر، بیٹوں کی طرف سے بے نیاز ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت بار بار پوچھتی تھیں؟ وہ جذبہ اب کہاں سو گیا؟

مسلمانوں کی سب سے بڑی خوشی یہ ہوتی کہ آنحضرتؐ کے حکم پر اپنی جان نثار کر دیں، غزوۂ احد میں ایک "بدو" آپ کے پاس آئے اور آپ سے پوچھا یا رسول اللہ اگر میں

تفسیر

زر تعاون: ہندستان و پاکستان سے
سالانہ ۲ روپے، ششماہی ۱؍ فی پرچہ ۳؍

پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
رسالہ چراغ راہ نمبر ۹ نیا بلڈنگ آرام باغ روڈ کراچی

اس لڑائی میں شہید ہوگیا تو کیا مجھے جنت ملے گی؟ آپ نے کہا ضرور ملے گی، وہ کھجوریں کھا رہے تھے بولے، اچھا یہ کھجوریں ختم کر لوں تو جاکر شہید ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ کھجوریں کھانے لگے لیکن دل میں شہادت کی تمنا بیدار ہو چکی تھی، ایک آدھ کھجوریں کھاکر باقی زمین پر پھینک دیں اور جاکر اس بے جگری سے لڑے کر شہید ہو گئے۔

دراصل آج ہم میں جو سب سے بڑی خرابی پیدا ہو چکی ہے وہ ہے "زندگی کی تمنا" حالانکہ مسلمان کا اصل موقف "موت کی تمنا" ہونی چاہیئے۔ جبتک انسان کی نظر میں اس زندگی کی بے وقعتی نہ پیدا ہوگی اور اس آنے والی زندگی کی محبت نہ پیدا ہوگی اس وقت تک وہ دنیا کا کوئی کام کر ہی نہ سکے گا۔ ہر موقع پر "زندگی کی تمنا" بزدلی کی شکل میں اسکے پیروں میں بیڑی ڈال دیگی۔

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ جب تک ہم میں زندہ رہنے سے زیادہ مرنے کی تمنا نہ پیدا ہوگی اسوقت تک ہم دنیا میں کسی بھی عید یا خوشی کا صحیح مطلب نہ سمجھ سکیں گے۔ ہم میں جو کمزوریاں پیدا ہو چکی ہیں وہ بھی اسی وقت دور ہوں گی جب ہم میں یہ اعتقاد نئے سرے سے پیدا ہو جائے کہ ہم مرکر ایک نہ ایک دن اللہ کے سامنے ضرور حاضر ہوں گے اور وہاں ہمارے ہر فعل کا محاسبہ ہوگا۔

ہر سال ہمیں عید قرباں سے یہی سبق ملتا ہے کہ ہم ہر وقت اپنے کو اللہ اور اسکے رسول کیلئے وقف جانیں۔ عید قرباں سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یادیں وابستہ ہیں۔ ہم انھیں کی یاد میں ہر سال جانور قربان کرتے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ ہم یہ سب کام ایک خاندانی رسم و رواج کی طرح نباہتے چلے جاتے ہیں، ایک سنت کیلئے بھی ہم قربانی کا مقصد جاننے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ ہم کسی وقت بھی یہ نہیں سوچتے کہ قربانی صرف جانوروں کو قربان کر دینے کا نام نہیں ہے بلکہ دراصل قربانی کے جانوروں کی شکل میں ہمیں اپنے نفس امارہ اور زندگی کی تمنا کو قربان کر دینا چاہیئے ــــــ کاش ہم میں سے ہر شخص کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح جم جائے کہ قربانی کا مطلب جانوروں کو ذبح کرنا نہیں ہے بلکہ قربانی اسلام کے راستے اور اللہ و رسول کی

★ سید ابوالحسن علی ندوی

ترجمہ:۔ طیب عثمانی ندوی

انسان کامل

{ استاذ مکرم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے فواد یونیورسٹی قاہرہ میں "یوم اقبال" کے موقع پر ایک مقالہ پڑھا تھا، پیش نظر مضمون اس کا اردو ترجمہ ہے۔ جہاں اشعار کے عربی تراجم تھے وہاں اقبال کے اصل اشعار نقل کر دئے گئے ہیں۔ مترجم }

اقبال کی نگاہ متجسس کو اس عالم رنگ و بو میں جو اپنے اندر گوناگوں دلفریبیاں اور دلچسپیاں رکھتی ہے، صرف درندوں کا بھٹ اور چوپایوں کا جنگل نظر آیا اور اس کی متجسس نگاہیں درندوں اور چوپایوں کی اس دنیا میں کسی "انسان" کی جویا رہیں۔ سوال یہ ہے کہ علامہ اقبال نے اس "گمشدہ" انسان کو اس وسیع کائنات میں پایا یا حیران و سرگرداں بھٹکتے پھرے۔ اقبال کے کلام کا مطالعہ اس حقیقت کی طرف اچھی طرح نشاندہی کرتا ہے کہ ہاں اقبال نے اس کھوئے ہوئے انسان کو پالیا اور نہ صرف پایا بلکہ اچھی طرح پہچانا اور زندگی کے طویل ایام اس کے ساتھ گزارے۔ اقبال کا یہ انکشاف کولمبس کی نئی دنیا کے انکشاف سے زیادہ وسیع اور بڑا انکشاف ہے اور بلاشبہ ایک فتح عظیم ہے، اس لئے کہ کھوئے ہوئے انسان کی تلاش و جستجو اور پھر اس میں کامیابی اس عالم کی سب سے بڑی خوش بختی اور سب سے بڑی یافت ہے، خصوصاً اس دور میں جب انسان کھو چکا ہو اور انسانیت افسانہ بن چکی ہو۔

اقبال کا گمشدہ انسان جسے وہ "انسان کامل" سے تعبیر کرتے کہاں ہے؟ اور کون ہے؟ مجھے یہ ڈر ہے کہ ہم میں سے اکثر اس سوال کا جواب سن کر چونک پڑیں گے جب کہ ان کے سامنے یہ حقیقت آئیگی کہ اقبال کا "انسان کامل" ایک سچا مسلم ہے اور ان کا یہ چونکنا بڑی حد تک بجا ہے کیونکہ وہ لوگ جن نگاہوں کے سامنے لفظ "مسلم" کے بعد ایک خشک، جامد اور

جبھی زندگی گزارنیوالے انسان کی تصویر پھر جاتی ہو وہ کبھی بھی اقبال کے "انسان کامل" کا تصور کسی "مسلم" سے نہیں کرسکتے، لیکن اقبال کا مرد مومن دراصل قرآنی نظریہ کا "انسان کامل" ہی ہے

اقبال کے اس مرد مومن اور مسلم مثالی کو اسکے ایمان کی قوت اور یقین کی ناقابل تسخیر طاقت دنیا کے اُن سارے انسانوں سے جو شک و ریب میں مبتلا ہیں ممتاز کردیتی ہو اور اسی طرح وہ بزدل انسانوں کے مقابلہ میں اپنی شجاعت و مردانگی اور روحانی قوت سے ممتاز ہو۔ ایک مسلم کی توحید خالص اُسے بندۂ انسان اور بندۂ مال و زر سے علیحدہ کر دیتی ہو۔ اسکی آفاقیت [illegible] انسانیت، وطن پرستی، قوم پرستی اور رنگ و نسل کے امتیاز کی جڑ کاٹ دیتی ہو۔ وہ مسلم مثالی زندگی کا ایک پیام رکھتا ہو جس کے ماتحت وہ زندگی گزارتا ہے، زندگی کی قدریں خواہ بدل جائیں اور انسانی زندگی میں کتنا ہی بڑا انقلاب کیوں نہ آجائے لیکن اس کے اندر نہ کوئی تبدیلی ہوتی ہے اور نہ وہ خود اپنے آپ کو بدلتا ہے، اس مسلم کی مثال قرآن نے اپنے سادہ اور بلیغ لفظوں میں اس طرح بیان کی ہے کشجرۃ طیبۃ اصلها ثابت و فرعها فی السماء اس کی مثال ایسے پاک درخت کی ہے جس کی جڑیں جمی ہوں اور شاخیں دور تک پھیلی ہوئی ہوں۔ اقبال کہتے ہیں ؎

نقطۂ پرکار حق مرد خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

"انسان کامل" کے اس تصور سے ہمارے ذہنوں میں مسلم کی دو تقسیمیں آتی ہیں ایک اس کا وجود انسانی ہو دوسرا اس کا وجود ایمانی! اپنے وجود انسانی میں اسمیں اور دوسرے انسانوں میں اشتراک ہے عام انسانوں کی طرح پیدا ہوتا ہو اور ویسے ہی پروان چڑھتا اور بڑا ہوتا ہے۔ ہر انسان کی طرح اسے بھوک بھی لگتی ہے اور پیاس بھی، اسے گرمی کا احساس ہوتا ہو اور سردی کا بھی، بیمار بھی پڑتا ہے اور صحتمند بھی ہوتا ہے۔ فقر و غنا میں بھی وہ عام انسانوں کے مثل ہے، زراعت و تجارت اور دوسرے انسانی شعبوں سے بھی اُسے دلچسپی ہے اولاد سے محبت کرتا ہو اور اپنے پہلو میں دل بھی رکھتا ہے۔ غرضکہ وہ اپنے وجود انسانی میں قانون طبعی کا ویسا ہی تابع ہے جیسے اسکے مثل اور دوسرے انسان۔ انقلاب زمانہ اور حوادث روزگار اسکے ساتھ کوئی رعایت نہیں برت سکتے۔ محض اس لئے کہ اس کا کوئی خاص نام ہے اور اس کا تعلق کسی خاص نسل سے ہے یا وہ کوئی خاص قسم کا لباس پہنتا ہے بلکہ اس کا وجود اس وسیع کائنات میں صرف ایک ذرہ کی حیثیت رکھتا ہے اور عالم کے اس بحر زخار میں اس کی مثال ایک موج کی ہو۔ اگر ایک مسلم بھی

انمول موتی

دین یہ ہے!

★ عن ابن مسعودؓ ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال هلك المتنطعون قالها ثلاثا — (مسلم)

حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلعم نے فرمایا ہے کہ (دین میں) خواہ مخواہ کی تنگی پیدا کرنیوالے ہلاک ہوگئے۔ آپ نے اسے تین بار فرمایا۔

★ عن عائشۃ ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اذا نعس احدکم وھو یصلی فلیرقد حتی یذھب عنہ النوم فان احدکم اذا صلی وھو ناعس لا یدری لعلہ یذھب یستغفر فیسب نفسہ۔ (بخاری۔ مسلم)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہو کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں اونگھنے لگے تو اسے سو جانا چاہیئے تاکہ نیند دور ہو جائے کیونکہ نماز میں جب کوئی اونگھے گا تو اسے کچھ خبر نہ ہوگی اور ہو سکتا ہو کہ بجائے استغفار کے اپنے ہی کو کوسنے لگے۔

★ عن ابی عبد اللّٰہ جابر بن سمرۃؓ قال کنت اصلی مع النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم الصلوٰۃ فکانت صلوٰتہ قصداً وخطبتہ قصداً (مسلم)

حضرت ابو عبد اللہ جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں پڑھتا تھا تو آپ کی نماز اور خطبہ دونوں متوسط ہوتے تھے۔

عام انسانوں کی طرح زندگی گزارنے پر اکتفا کرلے تو پھر اسکی
اس کائنات میں کوئی قدر وقیمت باقی نہیں رہتی اور اس کی
موت پر نہ زمین روئے گی اور نہ آسمان ماتم کناں ہوگا اور نہ
اس دنیا کی نیرنگیوں میں کچھ بھی کمی واقع ہوگی لیکن اسکا وجود
ایمانی اپنے اندر ایک پیام رکھتا ہے جو انبیاء کا پیام ہے۔
زندگی کے بارے میں اس کے کچھ مبادی اور اعتقادات ہیں
جن پر وہ ایمان رکھتا ہے اور اس کی زندگی ایک مقصد کیلئے
گزرتی ہو اس حیثیت سے اگر غور کیا جائے تو وہ حیات انسانی
کے اسرار سربستہ کا ایک راز ہے۔ عالم کے بقا کے لئے اس کا
وجود ایک لازمہ کی حیثیت رکھتا ہے، انسانی زندگی اس کے
بغیر ادھوری ہے لہٰذا وہ مرد مومن اور مسلم مثالی اس بات کا مستحق
ہے کہ وہ اس کائنات میں زندگی گزارنے، پھلے پھولے اور
پروان چڑھے بلکہ سچ تو یہ ہے کہ کائنات کی بقا کیلئے اس کا
وجود اور اس کا پھلنا پھولنا اور پروان چڑھنا ضروری ہے
جس طرح اس کائنات کو پانی ہوا اور روشنی کی ضرورت ہے
اسی طرح اسے ایک مرد مومن کی بھی ضرورت ہے۔ اگر حیات انسانی
پانی، ہوا، روشنی اور حرارت و برودت کے وجود پر منحصر ہے تو
اسی طرح ایک ایسے مقصد زندگی، روح ایمانی اور اخلاق کا
وجود بھی ناگزیر ہے جس کی روشنی انبیاء علیہم السلام کی دعوت
پیام سے حاصل کی گئی ہو اور جس کا بوجھ ایک مرد مومن کا دوش
ناتواں اٹھائے ہوئے ہو اور اسکے قیام و بقا کے لئے اس نے
اپنی زندگی کی ساری قوتوں اور توانائیوں کو لگا رکھا ہو اسلئے
کہ اگر مومن نہ ہوا تو یہ پیام زندگی اور مقاصد بلند ضائع ہوجائینگے
اور ان کا وجود عالم میں ایک راز سربستہ بن کر رہ جائے گا۔
اس مرد مومن کا وجود و بقا اس عالم و ... وہی حیثیت رکھتا ہے
جو حیثیت آفتاب جہانتاب کی ہے اور ان روشن ستاروں
کی نسلیں اور امتیں پیدا ہوں گی اور فنا ہوں گی آبادیاں ویران
ہوں گی اور ویرانے آباد، حکومتیں بنیں گی اور مٹیں گی ایک
تقدیر جہاں تمدن کی جگہ دوسری تہذیب لے گی اور یہ سلسلہ
برابر جاری رہے گا، لیکن اس مسلم مثالی کا وجود ہمیشہ
باقی رہے گا۔

اقبال کا مرد مومن "زندۂ جاوید" ہے اس لئے
کہ وہ ایک زندۂ جاوید پیام رکھتا ہے۔ اس کے سینے میں
ایک زندۂ جاوید امانت ہو اور اسکی زندگی ایک زندۂ جاوید
مقصد کے لئے گزرتی ہے۔

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ملت اسلامیہ کا ہر فرد
ہمیشہ زندہ رہے گا اور موت کبھی اُسے اپنی آغوش
میں نہ لے گی بلکہ اس کی مثال اس بحر ذخار کی ہے جس کی
گود میں موجیں اٹھتی رہتی ہیں اور ختم ہوتی رہتی ہیں حیات
انسانی کے اس سمندر میں بھی موجیں اٹھتی رہیں گی اور
ختم ہوتی رہیں گی لیکن اس کی حقیقت ہمیشہ باقی
رہے گی۔

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

ایک سبق آموز واقعہ

تاریخ اسلام کے طالب علم موسیٰ ابن نصیر سے خوب واقف ہیں جنھوں نے عہد اموی کی تاریخ پر ایک سرسری نظر ڈالی ہو وہ بھی اس مشہور سپہ سالار، عظیم المرتبت مدبر اور یگانۂ روزگار حکمران کو اچھی طرح جانتے ہیں، بھلا جس کی ملک گیری اور کشورکشائی کی داستانوں سے تاریخ کے اوراق بھرے ہوئے ہوں اور نیل کے ساحل سے بحر ظلمات کے کنارے تک جس کے عزم و حوصلہ کے نقوش ثبت ہوں جو سارے یورپ کو اپنے سمند ہمت کی جولاں گاہ بنانا چاہتا ہو جو اسپین کو فتح کرکے تمام یورپین ممالک کو زیر و زبر کرتا ہوا قسطنطنیہ تک پہنچنا چاہتا ہو اور قسطنطنیہ کو فتح کرکے آبنائے کو عبور کرتا ہوا ایشیائے کوچک کی راہ سے شام تک پہنچنے کا حوصلہ رکھتا ہو (۱)۔ بھلا اس عزم و ہمت کے انسانوں کو کوئی کس طرح بھلا سکتا ہے

اس مضمون میں موسیٰ ابن نصیر کے سوانح حیات بیان کرنے مقصود نہیں ہیں نہ ان کی عظیم الشان فتوحات کا تذکرہ کرنا ہے بلکہ ان کی سیرت کا ایک اہم واقعہ قارئین تعمیر کو بتانا ہے جسے ابن العذاری المراکشی نے اپنی مشہور تاریخی کتاب "البیان المغرب فی اخبار ملوک الاندلس والمغرب" میں درج کیا ہے۔

یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب سلیمان ابن عبدالملک کے حکم سے وہ اندلس سے دمشق واپس آگئے تھے۔ سلیمان ان سے ناراض تھا، اپنی اس ناراضی میں اس نے ان سے بہت برا سلوک کیا ان سے بہت بڑی رقم کا مطالبہ کیا اور اس سلسلہ میں غیر معمولی سختی کی۔ یہاں تک کہ مؤرخین کا بیان ہے کہ اس نے انھیں دھوپ میں کھڑا کیا جس کی شدت کی تاب نہ لاکر وہ بیہوش ہوکر گر پڑے۔ الغرض تذلیل اور ایذارسانی کا کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ بالآخر اس مصیبت سے چھٹکارہ حاصل کرنے کے لئے انھوں نے اس زمانہ کے مشہور امیر یزید ابن المہلب سے مدد مانگی۔ یزید کا سلیمان کے یہاں بڑا رتبہ تھا، اس نے ان کی سفارش اور ضمانت پر اس نے موسیٰ کو چھوڑ دیا۔

اس واقعہ کے بعد ایک رات یزید ابن المہلب نے موسیٰ کے ساتھ گزاری۔ مختلف قسم کی باتیں ہوتی رہیں دوران گفتگو میں یزید نے اسپین اور شمالی افریقہ میں موسیٰ کی قوت اور ان کے اثرات کا حال دریافت کیا، جب موسیٰ نے اپنے اس نفوذ و اقتدار کا ذکر کیا جو انھیں اپنے علاقہ میں حاصل تھا اور یہ بتایا کہ وہ کتنی زبردست طاقت کے مالک تھے تو یزید ابن المہلب نے کہا پھر اس عظمت و شوکت اور اس قوت و اقتدار کے بعد تعجب کیا ہوگا تھا کہ تم سلیمان کے حکم پر دمشق چلے آئے اور خواہ مخواہ اپنے

---

(۱) مذکورہ بالا سطور کو ناظرین محض عبارت آرائی اور زور بیان نہ سمجھیں اس میں ذرہ برابر مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے بلکہ واقعی موسیٰ بن نصیر کا یہی ارادہ ہے اور انھوں نے اسپین کی فتح کے بعد اپنی پیش قدمی کا یہی نقشہ مرتب کیا تھا۔ فرانس کے حدود تک وہ پہونچ چکا تھا، آگے وہ جرمنی سے گزرتا ہوا قسطنطنیہ اور قسطنطنیہ سے ایشیائے کوچک اور وہاں سے شام پہونچنا چاہتا تھا، وہ اس مجوزہ نقشہ کے مطابق تیزی سے فتوحات میں مصروف تھا کہ خلیفہ ولید بن عبدالملک کا انتقال ہوگیا اور اسکے بجائے سلیمان تخت پر بیٹھا وہ بعض خاندانی اسباب* کی بنا پر ولید کے سپہ سالاروں اور عاملوں کا اقتدار پسند نہ کرتا تھا، اس لئے اس نے موسیٰ ابن نصیر کو واپس آنے کا حکم دیا، موسیٰ نے بہت کوشش کی کہ اسے اپنی فتوحات کی اسکیم کو مکمل کرنے کا موقع دے مگر سلیمان نے اجازت نہ دی۔ ورنہ یورپ کا آج نقشہ ہی کچھ اور

(بقیہ حاشیہ کالم (۱)) ہوتا۔ فرانسیسی مستشرق موسیو رینو نے اپنی کتاب "غارات العرب" میں ان واقعات کو تفصیل سے لکھا ہے امیر شکیب ارسلان نے تاریخ غزوات العرب میں اس کا ترجمہ بھی کردیا ہے موسیٰ ابن نصیر کی جنگی تجویز کا ذکر قدیم عرب مؤرخین نے بھی کیا ہے، ملاحظہ ہو نفح الطیب۔ تاریخ ابن خلدون۔

* ان اسباب کی تفصیل کا اس مختصر حاشیہ میں موقع نہیں، انشاء اللہ کسی مستقل مضمون میں

(بقیہ کالم ۲ کے نیچے)

ہاتھوں اس مصیبت و پریشانی میں مبتلا ہو انھیں چاہیئے تھا کہ اپنے علاقہ میں جمے رہتے جو قوت و طاقت وہاں تھیں حاصل تھی اس کے بعد تم پر قابو پانا دشوار تھا۔

یزید ابن المہلب کی یہ گفتگو سن کر موسیٰ نے کہا یہ سچ ہے کہ مجھے اپنے علاقہ میں غیر معمولی اثر و اقتدار حاصل تھا اسپین دمشق سے ہزار دو میل کے فاصلے پر تھا، میرے پاس سامان جنگ بہت تھا اور اعلیٰ درجہ کی فوجیں میری ماتحتی میں تھیں، مجھے سیاسی داؤں پیچ بھی آتے ہیں اور فن جنگ کا بھی میں ماہر ہوں اور نبرد آزمائی کا مجھے غیر معمولی تجربہ ہے اسلئے اگر میں سلیمان ابن عبدالملک کی حکم عدولی کرنا چاہتا تو مجھے اس کا پورا موقع حاصل تھا، خدا کی قسم اگر میں اس کا ارادہ کر لیتا تو یہ لوگ مجھ پر قابو نہیں پا سکتے تھے لیکن میں نے رضائے الٰہی کو ترجیح دی، اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی کی اور دائرۂ اطاعت سے قدم باہر نکالنا پسند نہیں کیا۔(۱)

موسیٰ ابن نصیر کے مذکورہ بالا الفاظ ایک بار پھر پڑھئے اور سوچئے کہ ان کا کردار کتنا عظیم الشان تھا، درحقیقت ابتدائی صدیوں کے مسلمانوں کی یہی صفات تھیں جن کی بنا پر وہ ساری دنیا پر چھا گئے تھے، اپنی ذلت و خواری گوارا تھی اپنی مصیبت و پریشانی گوارا تھی، اپنی جان کو خطرہ میں ڈالنا منظور تھا بلکہ موت کے منھ میں جانا منظور تھا لیکن یہ منظور نہ تھا کہ مسلمانوں کی متحدہ طاقت میں کوئی رخنہ پیدا کیا جائے اور سلطنت کی قوت کو بغاوت و سرکشی سے نقصان پہنچایا جائے اسمیں شبہ نہیں کہ سلیمان کی اس حرکت سے مسلمانوں کی پیش قدمی رک گئی اور انکی فتوحات کا دائرہ آگے نہ بڑھ سکا لیکن اگر موسیٰ بن نصیر جیسے اولوالعزم قائدین خلیفہ کا حکم نہ مانتے اور اس کے خلاف بغاوت کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تو صرف یہی نہ ہوتا کہ مسلمانوں کی پیشقدمی رک جاتی بلکہ ان کی سلطنت بہت جلد پارہ پارہ ہو جاتی اور ہزار برس سے زیادہ فرمانروائی کے بجائے چند ہی برس میں ان کا خاتمہ ہو جاتا۔

موسیٰ بن نصیر کا یہ واقعہ ہمارے لئے ایک بڑا سبق ہے کاش اسے ہم یاد رکھیں۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ کے حکم اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (اللہ کی اطاعت کرو رسول کی اطاعت کرو اور اپنے فرمانرواکی فرمانبرداری کرو) کی طرف اشارہ تھا

امامت

اقبال

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحبِ اسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے
موت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رخِ دوست
زندگی تیرے لئے اور بھی دشوار کرے
دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے
فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے
فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

★ مناظر احسن گیلانی

اقامت خانے

اور

مولویوں کے لئے جدید روزگار

عربی مدارس میں تعلیم پاکر نکلنے والے مولویوں کے متعلق معاشی مشکلات کا سوال ابتدا ہی سے پریشان کن رہا ہو انگریزی حکومت نے قضا و افتار کے محکموں کو عہد شکنی کرکے جب سے ختم دیا مولویوں کی حالت زبون ہونے لگی، اس وقت تک امامت، خطابت، درس اور کچھ پیری مریدی ان ہی چند ذرائع سے ان غریبوں کا کام چلتا رہا، الا ماشاء اللہ جنھوں نے ذاتی صلاحیتوں سے کام لیکر کوئی معاشی پیشہ اختیار کرلیا ہو، مگر ظاہر ہے کہ مذکورہ بالا مشاغل بھی نئے فارغ ہونیوالوں کے لیئے کافی نہیں ہو رہے ہیں۔

لیکن سرکاری، نیم سرکاری اسکولوں اور کالجوں کا سلسلہ ملک کے طول و عرض میں جو پھیلا ہوا ہے اگر یہ طے کرلیا جائے کہ ہر ایک کے ساتھ مسلمان بچوں کیلئے اقامت خانوں کو مسلمان قائم کرتے چلے جائیں گے اور ان اقامت خانوں میں شریک ہونے والے بچوں کی اخلاقی و دینی تربیت کیلئے مولویوں کا تقرر کیا جائے گا، اور مولویوں کی جو طلب اسکے بعد پیدا ہوگی اس طلب کے مطابق ہمارے موجودہ عربی مدارس رسد مہیا نہیں کر سکتے۔

چھوٹے سے چھوٹا اقامت خانہ (بورڈنگ ہاؤس) جس میں پچاس لڑکوں کے لئے گنجائش ہو۔ تو قیام و طعام کی فیس کے ساتھ اگر فی بورڈر حق اہتمام کی مد میں دو دو پئے بھی وصول کئے جائیں گے تو سو روپیہ ماہوار کی آمدنی اس مولوی کی ہوجائیگی جس کے ذمہ مدرسہ کا اہتمام سپرد کیا جائے گا اور یہ ایسی آمدنی ہوگی جس پر مولوی صاحب کے طعام و قیام کا بار بھی عمومی حالات میں اگر نہ پڑے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ پچاس لڑکوں کے لئے جہاں کھانا ایک جگہ پکتا ہو وہاں ایک غریب مولوی کے لئے قدرتاً گنجائش نکل آئے گی اور اقامت خانے ہی کا کوئی حصہ یا گوشہ مولوی صاحب کے قیام کے لئے کافی ہوسکتا ہے۔

اقامت خانہ میں شریک ہونے والے طلبار کی تعداد جیسے جیسے بڑھتی چلی جائے گی، نگراں کار مہتمموں کی تعداد بھی اسی نسبت سے بڑھائی جائے گی، پچاس بچوں کے لئے ایک مہتمم کافی ہوسکتا ہے تو سو کیلئے دو علیٰ ہذا القیاس کاش! ہمارے مولویوں ہی کی سمجھ میں اپنے معاشی حل ہی کیلئے سہی مسئلہ کی اہمیت آجائے تو یقین مانئے کہ مدارس، مساجد، خانقاہوں کے ساتھ ساتھ وہ یہ پائیں گے، مذکورہ بالا نوعیت کے اقامت خانوں کا قیام بھی نسبتاً ان کو آسان محسوس ہوگا اور ہر سال، ہر ماہ چندہ کی کھٹ کھٹ ان کے دماغوں کو جو بوکھلائے رکھتی ہے، اس ذہنی کوفت سے بھی ان کو نجات مل جائے گی۔ میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی یہ اقامتی خدمت مولویوں کی خدمات کی دوسری قسموں سے انشاء اللہ زیادہ قیمتی ہوگی۔ دین کے ساتھ آئندہ نسلوں کے تعلقات باقی رکھنے کا یہ سوال ہو۔ ایسا سوال جس کا جواب موجودہ حالات میں اقامت خانوں کے سوا جہاں تک سوچئے گا آپ کو مشکل ہی سے مل سکتا ہے۔ مرمت کر معمولی سی معمولی عمارت کھڑی کرنے میں کامیاب ہونے کے ساتھ ہی خود بخود آمدنی کا دروازہ کھل جائیگا۔ لوگ اپنے بچوں کو داخل کرنے کے لئے خوشامدیں کریں گے اور گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے آپ کو انکار کرنا پڑے گا، آج جو حالات ہیں ان کو سامنے رکھ کر اسی نتیجہ تک ہر سوچنے والا پہنچ سکتا ہے۔

★ عبد الغفار ندوی

زندگی کی قیمت

انسان دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھانے کیلئے اور عیش عشرت کی زندگی بسر کرنے کیلئے اپنی جانی اور مالی قوتیں استعمال میں لاتا ہے، وہ اپنے ہاتھ پاؤں کی طاقت اپنے ذہن و دماغ کی صلاحیت اپنی عقل و دانائی کی تدبیر ایسے ہی وسائل و ذرائع میں لگاتا ہے اور اپنی دولت و ثروت ایسے ہی کاموں میں اور ایسے ہی لوگوں پر صرف کرتا ہے جن سے اسکی یہ دنیاوی زندگی خوشگوار ہو اور فوری طور پر کوئی نفع حاصل ہو، کوئی راحت و سرور نصیب ہو کسی طرح کی عزت و سربلندی حاصل ہو اسکی شان و شوکت میں کوئی اضافہ ہو جائے۔ یہ صورت حال عام انسانوں کی ہوتی ہے مگر یہ ایک مسلمان کی شان زندگی [illegible] اسکی صورت حال اس سے بہت کچھ مختلف ہوتی ہے، مسلمان کی جان اور اسکے مال کا مصرف محض یہی نہیں ہوتا کہ وہ اس کے ذریعہ فوری طور پر صرف دنیا میں کوئی فائدہ حاصل کرے اور بس۔ کیونکہ مسلمان اپنی جان اور اپنے مال کا بالکلیہ مالک و مختار نہیں ہوتا کہ جہاں چاہے اور جس طرح چاہے صرف کرے بلکہ جسم و جان اور دولت و ثروت مسلمان کے قبضہ میں خدا کی عطا کی ہوئی امانت اور ودیعت ہیں اور ان کا حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے، چنانچہ ایک مسلمان کی شان یہ نہیں ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی جانی و مالی قوتیں اور صلاحیتیں صرف کرتے وقت صرف دنیاوی زندگی کی راحتیں اور آسانیاں اور فوری طور پر حاصل ہونیوالے فائدے اور اغراض مدنظر رکھے، بلکہ مسلمان کی نگاہ اس سے بلند ہوتی ہے، وہ اپنی صلاحیتیں کسی کام میں لانے کیلئے اپنی عقل و دانش اور تدبیر بھی استعمال کرنے کے لئے اور اپنا مال و سرمایہ کسی معاملے میں لگانے کیلئے سب سے پہلے یہ دیکھتا ہے کہ موت کے بعد آنے والی زندگی میں اس سے کیا نفع حاصل ہوگا اور اگر اس زندگی میں کوئی نتیجہ برآمد ہونے کی امید ہوتی ہے تو ایسے موقع پر وہ صرف کرنے میں کوئی دریغ نہیں کرتا خواہ اس سے دنیا میں کوئی فائدہ حاصل ہو یا نہ ہو بلکہ بظاہر دنیا میں خسارہ اور نقصان ہی کیوں نہ ہوتا ہو لیکن وہ بہرحال صرف کرتا ہے اسلئے کہ اس کے سامنے مالک حقیقی کا یہ فرمان ہوتا ہے اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی جانوں اور مالوں کو جنت کے عوض خرید لیا ہے۔

قرون اولیٰ کے مسلمان، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے تھے کہ ہر وقت اور دنیا کے ہر معاملہ میں یہی حقیقت ان کے سامنے رہتی تھی اور ان کی فلاح و کامرانی کا بہت بڑا راز اسی میں مضمر تھا آج بھی شعوری طور پر اسلام کو ماننے اور اسکی پیروی کرنے والے مسلمان اگر زندگی کے کسی مرحلہ میں یہ حقیقت اپنی نگاہ سے اوجھل نہ کریں اور اپنے ہاتھ پاؤں کی طاقتیں، اپنے علم و فن کی قوتیں، ادب اور آرٹ کی استعدادیں اور تصنیف و تالیف کی صلاحیتیں استعمال کرتے وقت صرف آخرت کے نتائج کا خیال رکھیں اور مال و دولت کے مصارف میں بھی یہ چیز ملحوظ رکھیں تو اسلامی زندگی کی کایا پلٹ جائے۔

مطبوعہ ... پریس لکھنؤ

... احتشام ... عالم ... آباد

مقابلہ میں اللہ کی راہ میں تکلیفیں اُٹھانے والے، گھر بار چھوڑنے والے اور اللہ کے کلمہ کو بلند کرنے کی جدوجہد کرنے والوں کا ذکر بھی کر دیا گیا تاکہ دین حق پر ثابت قدم رہنے والوں اور اس کے فروغ کی جدوجہد کرنے والوں کو تقویت ہو اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کو ترغیب ہو اور ان کی ہمت افزائی ہو۔ فرمایا کہ یہی لوگ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں ان معمولی خطاؤں اور لغزشوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیگا اور انھیں اپنی رحمت سے نوازے گا۔

یہ آیت ۲ھ میں نازل ہوئی ہے، ابھی بدر کا معرکہ نہیں پیش آیا تھا، مسلمان کمزور سمجھے جاتے تھے، قریش کی دھاک سارے عرب پر بیٹھی ہوئی تھی، ظاہر بیں نگاہیں آئندہ کامیابی کی کوئی جھلک بھی نہیں دیکھتی تھیں اور عام طور سے یہی سمجھا جاتا تھا کہ کوئی دن میں مدینہ منورہ کی یہ چھوٹی سی مسلم آبادی فنا ہو جائے گی، کفر کا پلہ بھاری نظر آتا تھا اور کفار کا ساتھ دینے میں فلاح و بہبود معلوم ہوتی تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں برملا اعلان کر دیا کہ رحمت کی امید اہل ایمان ہی کر سکتے ہیں، راہ حق سے منھ موڑ کر کے کفار کی روش اختیار کرنے والوں کی قسمت میں دین و دنیا کی بربادی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ بڑا عجیب اعلان تھا لیکن چند ہی دن میں اسکی صداقت نمایاں ہو گئی، رجب میں یہ آیت نازل ہوئی اسکے دو مہینہ کے بعد بدر کے میدان میں انھیں مٹھی بھر تہیدست اور بے سروسامان مسلمانوں نے قریش کی مسلح اور آہن پوش فوج کو ذلت بخش شکست دی اور چھ برس میں ان کی طاقت اس طرح چور چور کر دی کہ ۸ھ میں بے لڑے بھڑے ان کا مرکز (مکہ معظمہ) بھی فتح ہو گیا اور لوگ اللہ کے دین میں گروہ در گروہ داخل ہونے لگے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

ترجمہ:—

آپ سے شراب اور جوے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دیجئے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے منافع بھی ہیں اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑھ کر ہے —— اور لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دیجئے جو بچ رہے اللہ اس طرح تمہارے لئے آیتیں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے (معاملات) بارہ میں غور کر سکو —— اور آپ سے لوگ یتیموں کے بارہ میں دریافت کرتے ہیں کہہ دیجئے ان کے لئے اصلاح بہتر ہے اور اگر تم ان کو ملا جلا کر رکھو تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ مصلح اور مفسد کو جانتا ہے، اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں مبتلا کر دیتا، بلاشبہ اللہ غالب اور صاحب حکمت ہے۔

ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان

ماہوار

لکھنؤ

۳۲- امین آباد پارک - لکھنؤ

زیر ادارہ تحریر

سید ابو الحسن علی ندوی

محمد منیر الحق بحری آبادی

سامنے پیشانی پر گزر رہا تھا، جہالت و ناداری کا ہر طرف دور دورہ ہے ظلم و استبداد کا ہر سمت زور ہے، ان حالات میں حضرت ابراہیم اس عالم میں قدم رکھتے ہیں اور نوع انسانی کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کرتے ہیں اور باطل پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی کی راہ پر چلنے کی دعوت دیتے ہیں شیطان کے پھندوں سے ان لوگوں کو نکال کر خدا کے آستانہ تک پہنچانا چاہتے ہیں اور ظلم و استبداد کو مٹا کر عدل و مساوات، امن و عافیت ہمدردی و غمگساری اور خیر و برکت کی فضا قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن انسان پستی و زبوں حالی کے اس درجہ تک پہنچ گئے تھے کہ ان کے اندر نہ طلب پیدا ہوتی ... حق ...

IAMEER

Regd. No. A-614

Lucknow.

عربی بہت آسان ھے

*

ہر روز کی تھوڑی سی محنت اور ان کتابوں کے مطالعہ سے آپ اپنی عربی ... کہ قرآن ... سے سمجھ سکیں اور ...

دنیا میں اسلام کیسے پھیلا ؟

*

یہ غلط ھے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، یہ ھے کہ اسلام صحابہ کی انتھک کوششوں اور مصائب کے برداشت کرنے سے پھیلا ھے۔ ... ان کتابوں کا مطالعہ مفید ھوگا۔

تشریح :

اسلام سے پہلے عرب میں شراب اور جوے کا بڑا زور تھا اور گھر گھر جوے کے اڈے تھے اور شراب کے دور چلا کرتے تھے لیکن ان دونوں چیزوں سے انفرادی اور اجتماعی بے شمار نقصان پہنچتے تھے، شراب کی بدولت صحت برباد ہوجاتی تھی، عقل میں فتور آجاتا تھا، طرح طرح کی نزاعیں اور ہنگامے اٹھ کھڑے ہوتے تھے، بیحیائی اور بدکاری کے دروازے کھل جاتے تھے، اسی طرح جوے کی بھی ایک طرف افراد قوم کے قوائے عمل شل ہوتے تھے اور دوسری طرف آئے دن اختلافات پیدا ہوتے تھے اور جنگ وجدل کی نوبت آتی تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو حرام قرار دیا، لیکن چونکہ پورے عرب میں ان کا عام رواج تھا، شراب ان کی گھٹی میں پڑی تھی اور جوا دن رات کا مشغلہ تھا، اسلئے یکبارگی ان کا بند ہونا دشوار تھا، اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فطرت انسانی کی رعایت کرتے ہوئے ان چیزوں کو بتدریج ختم کیا پہلے مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی اور شراب وجوے کی برائی ذہن نشین کی گئی، اس آیت کے نزول کے بعد بہت سے لوگ شراب نوشی اور قمار بازی سے باز آگئے، اسکے کچھ عرصہ کے بعد دوسری آیت نازل ہوئی کہ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُکَارٰی (اے

پا ... ے قریب ... سے لوگوں کی شراب ... ۃ لوگ شراب نو ... حکم آگیا کہ یٰاَیُّهَا الَّذِ ... ... وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَا ...

رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ (اے ایمان والو شراب، جوا، بت پانسے کے تیر سب گندی چیزیں اور شیطان کے کام ہیں ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ) اس آیت کے نازل ہو کے بعد شراب قطعاً حرام ہوگئی، لوگوں نے اس کے برتن تک توڑ کر پھینک دئے اور ایک ایک قطرہ بہادیا

یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ....

مسلمانوں کو تاکید کی جاتی تھی کہ وہ اپنی آمدنی اللہ کی راہ میں خرچ کریں، لوگ دریافت کرتے تھے کہ کیا چیز کی راہ میں خرچ کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی قانون سا کی بات نہیں تھی بلکہ ہر شخص اپنی انفرادی صلاحیت ا حالات کے مطابق جس حد تک کار خیر میں صرف کرسکتا کرے، کیا خرچ کرے، کتنا خرچ کرے اور کس مد خرچ کرے ان تمام معاملات کا تعلق علیحدہ علیحدہ شخص کے حالات سے ہے، اس لئے اس بارہ میں اللہ تعالیٰ نے صرف اصولی بات کہہ دی اور فرمایا کہ اپنی اپنے اہل وعیال کی ضروریات کی تکمیل کے بعد جو زا رقم بچ رہے وہ کار خیر میں صرف کی جاسکتی ہے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں تصریح کردی ہے کہ ما یفضل عن اھلک[1] جو چیز تمہارے اہل وعیال کی ضرورت سے بچ

---

[1] تفسیر ابن کثیر جلد اول۔

ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان

ماہوار تعمیر لکھنؤ

۳۸- امین آباد پارک - لکھنؤ

مدیر ادارہ تحریر

سید ابوالحسن علی ندوی

عبدالسلام قدوائی ندوی • مشیر الحق بجری آبادی

اکتوبر سنہ ۱۹۵۲ء مطابق محرم سنہ ۱۳۷۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

ذی الحجہ سے محرم تک

یہ محرم کا مہینہ ہے عجیب اتفاق ہے کہ ہمارے سال کا پہلا اور آخری مہینہ جان بازی سرفروشی، ہمت وجرات اور ایثار و قربانی کے عدیم المثال واقعات کی یادگار ہے۔ ذی الحجہ کا مہینہ شروع ہوتا ہے تو حضرت ابراہیم کی قوت ایمانی کی یاد ذہن میں تازہ ہو جاتی ہے ساری دنیا حق سے ناآشنا ہے، قدم باطل پرستی کی راہوں پر پڑ رہے ہیں اور سر باطل کی چوکھٹوں پر جھکے ہوئے ہیں خدا کا خیال دلوں سے نکل گیا ہے، ساری خلقت شیطان کے چنگل میں گرفتار ہے، انسان اپنا شرف کھو چکا ہے وہ اشرف المخلوقات جس کے سامنے کبھی فرشتے سربسجود ہوئے تھے اب ایحجر کے سامنے پیشانی رگڑ رہا تھا، جہالت و ناداری کا ہر طرف دور دورہ ہے ظلم و استبداد کا ہر سمت زور ہے، ان حالات میں حضرت ابراہیم اس عالم میں قدم رکھتے ہیں اور نوع انسانی کو اس کا بھولا ہوا سبق یاد دلانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ باطل پرستی کو چھوڑ کر خدا پرستی کی راہ پہ چلنے کی دعوت دیتے ہیں شیطان کے پھندوں سے ان لوگوں کو نکال کر خدا کے آستانہ تک پہنچانا چاہتے ہیں اور ظلم و استبداد کو مٹا کر عدل و مساوات، امن و عافیت، ہمدردی و غمگساری اور خیر و برکت کی فضا قائم کرنا چاہتے ہیں، لیکن انسان پستی و زبوں حالی کے اس درجہ تک پہنچ گئے تھے کہ ان کے اندر نہ طلب باقی تھی نہ [illegible] نہ عقل سلیم تھی نہ فکر بلند۔ ظلم و استبداد کی فضا میں مدتوں رہنے کی وجہ سے ان کی امنگیں پست ہو گئی تھیں اور ان کی عقل پر پردے پڑ گئے تھے۔ اس صورت حال کا انجام یہ ہوا کہ کسی نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ نہ اہل وطن نے ان کی دعوت اصلاح پر توجہ کی، نہ خاندان والوں نے اس جانب کچھ دھیان دیا، باپ نے سخت مخالفت کی، عزیزوں نے عداوت پر کمر باندھ لی۔ یہ وقت بہت نازک تھا، معمولی دل گردہ کا آدمی جرأت نہیں کر سکتا تھا کہ اس مخالفت کی فضا میں اصلاح کا لفظ بھی زبان پر لائے لیکن حضرت ابراہیم نے خدا کے بھروسہ پر جد و جہد شروع کر دی ان کو سخت مشکلات سے دوچار ہونا پڑا، قدم قدم پر جان، مال اور عزت و ناموس کو خطرہ پیش آیا، لیکن کوئی خطرہ ان کے پائے ثبات کو جنبش نہ دے سکا اور وہ پوری جرأت اور یکسوئی کے ساتھ اصلاح حال کی جد و جہد میں مصروف تھے

تفسیر

زر تعاون: ہندستان و پاکستان سے سالانہ پانچ روپے۔ ششماہی ۳ فی پرچہ ۸

پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
رسالہ چراغ راہ ۹ لوٹیا بلڈنگ آرام باغ روڈ کراچی

اللہ تعالیٰ نے ان کی سعی قبول فرمائی، ظلم و استبداد کے قلعے مسمار ہوگئے، باطل پرستی کے اڈے اجڑ گئے اور چہار دانگ عالم میں حق کا بول بالا ہو گیا۔

سال کا آخری مہینہ ان واقعات کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ طبیعتوں کا ضعف و اضمحلال دور ہو جاتا ہے اور افسردگی و پست ہمتی کے بجائے دلوں میں جوش و ولولہ، ہمت و جرات اور عزم و حوصلے کے غیر معمولی جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور باطل کو مٹا کر حق کو قائم کرنے کا ارادہ پوری قوت کے ساتھ دل میں ٹھاٹھیں مارنے لگتا ہے اور بے اختیار زبان پر آجاتا ہے ؎

پروا نہیں گر ساری خدائی ہو مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لئے ہو

سال ختم ہوتا ہے اور سال نو کا پہلا مہینہ شروع ہوتا ہے تو ایک اور انداز میں حق و باطل کا معرکہ نگاہوں کے سامنے آتا ہے اور ایثار، قربانی اور جاں بازی و سرفروشی کی ایسی مثال نظر آتی ہے جس کی مثال سے دنیا کی تاریخ خالی ہے، حق پھر مغلوب ہوتا ہے اور باطل کو فروغ ہے، ظلم و استبداد کا پھر سے دور دورہ ہے، حالات اس درجہ ناسازگار ہیں کہ کسی کی ہمت نہیں پڑتی ہے کہ کلمۂ حق زبان پر لاسکے۔ اسلام نے توحید خالص کی روشنی میں عدل و انصاف اور مساوات و جمہوریت کا جو نظام قائم کیا تھا وہ یزید کی بادشاہت سے ختم ہو رہا تھا، اسلام کے قائم کردہ شورائی نظام کی جگہ ملوکیت جڑ پکڑ رہی تھی، صلاحیت و اہلیت کے بجائے وراثت کی بنیاد پر حکمرانی رائج ہو رہی تھی اور قیصر و کسریٰ کے طریقے پر نسلاً بعد نسلٍ حکومت کا دستور قائم ہو رہا تھا۔ ایک طرف یہ خطرناک اقدام کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف صورت حال یہ تھی کہ قوت و اقتدار کے سامنے کسی کو مجال دم زدن نہ تھی، یزید کی بادشاہت کو تسلیم نہ کرنا جان سے ہاتھ دھونے کے مرادف تھا، کون تھا جو اس خطرہ کو مول لیتا، بڑے بڑے باہمت دم بخود تھے بالآخر اسی مہیب فضا میں خاندان نبوت کا چشم و چراغ نعرۂ حق بلند کرتا ہے وہ ملوکیت کے نظام کو توحید صحیح کے منافی سمجھتا ہے، اسلام میں ملک درحقیقت اللہ ہے۔ انسان کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ عبد الملک بنجائے۔ ملوکیت اور مالکیت کا تصور اسلام کے قائم کردہ نظام میں سمویا نہیں جاسکتا ہے۔ لیکن اس کے کہنے کی ہمت کون کرے، یزید کو نہ ماننا اپنی جان و مال، عزت و ناموس خطرہ میں ڈالنا ہے لیکن یہ خاموشی آگے چل کر اجماع امت قرار پاتی اور نسلی بادشاہت کو سند جواز حاصل ہو جاتی، اس لئے اسکے خلاف آواز بلند کرنا ضروری تھا، حضرت حسینؓ اس فرض کو ادا کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ دوستوں نے سمجھایا، ہمدردوں نے باز رکھنے کی کوشش کی، لیکن نانا کے لائے ہوئے دین کو بچانے کیلئے نواسے نے اپنا سر تلوار کے نیچے رکھ دیا اور اپنے دل کے ٹکڑوں کو نیزوں کی نوک کے سامنے ڈال دیا۔ ایک ایک بچہ اس راہ میں قربان کر دیا۔ عزت و ناموس کو خطرہ میں ڈال دیا اور آخر میں اپنا سر دیکر اللہ اور اس کے رسول کے سامنے سرخروئی حاصل کی۔ حضرت اسمٰعیلؑ نے چھری کے نیچے سر رکھ دیا تھا، وہ امتثال حکم کا اظہار تھا لیکن یہاں حکم کو واقعی عمل میں لانا تھا، وہاں قربانی پر آمادگی کا اظہار تھا اور یہاں سچ مچ قربان ہو جانا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے دنیا کے بتکدہ میں توحید کا جو مرکز بنایا تھا حضرت اسمٰعیلؑ کا واقعہ اسی کے اصول و آئین کی حفاظت کے لئے قربان ہو جانے کے لئے تیار ہونے کی ہمت دلاتا ہے اور حضرت حسینؓ کا واقعہ اس راہ میں نثار ہو جانے کی جرات دلاتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی عدیم المثال قربانی نے مسلمانوں کے یہاں شخصی بادشاہت کو سند جواز نہیں حاصل ہونے دیا۔ مسلمانوں نے بعد کو مسلسل غلطیاں کیں، صدیوں ان کے یہاں شخصی بادشاہت کا سلسلہ جاری رہا لیکن حضرت حسینؓ کے نعرۂ حق نے کبھی اس نسلی بادشاہت کو جائز نہیں سمجھنے دیا بلکہ اہل حق کے

(بقیہ مضمون صفحہ ۱۰ کالم ۲ میں)

★ سید ابوالحسن علی ندوی
مترجمہ: طیب عثمانی ندوی

مرد مومن

[ستمبر ۱۹۵۲ء کے "تعمیر" میں اس مضمون کا ایک حصہ "انسان کامل" کے نام سے چھپ چکا ہے جس میں بتایا جا چکا ہے کہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک دنیا کے تمام مصائب کو ایک "انسان کامل" ہی ختم کر سکتا ہے، وہ انسان کامل کوئی فوق الفطرت ہستی نہیں ہے بلکہ ہم ہی آپ میں کا ایک جیتا جاگتا مسلمان بندہ ہے جسے اقبال مرد مومن کہتا ہے]

اقبال کے نزدیک ایک مرد مومن پر یہ حقیقت اچھی طرح واضح ہے کہ کائنات اور اس کے سارے امانات صرف ایک سچے مسلمان کے لئے وجود میں آئے ہیں، وہ اللہ کا اس سرزمین پر نائب و خلیفہ ہے اس کائنات کے تمام خزانوں اور ساری چیزوں کا وہ وارث ہے ؎

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث
مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے

اور اس عقیدہ و فکر کو عملاً بروئے کار لانے کے لئے اس پر مسلسل جد و جہد اور کوشش واجب ہے یہی وجہ ہے کہ علامہ اقبال کا یہ عقیدہ و ایمان تھا ایک "مسلمان" ہوا کے رخ پر نہیں چلتا بلکہ وہ اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ بہتے ہوئے دھارے کا رخ پھیر دے عالم کو اپنی راہ پر چلائے، تہذیب تمدن اور سوسائٹی و سماج کا رخ موڑ دے اور ساری انسانیت اس کے عمل و ارادہ کے تابع ہو جائے اس لئے کہ وہ اپنے پاس اس دکھی انسانیت کے لئے ایک نیا پیام رکھتا ہے جو اس کے تمام دکھوں کا مداوا ہے اس کے پاس ایمان و یقین کی جیتی جاگتی طاقت ہے، اس عالم کی رہنمائی کا وہی ذمہ دار ہے۔ دنیا کی امامت و قیادت اسی کو زیب دیتی ہے اس عالم میں وہ صاحب امر و نہی کی حیثیت رکھتا ہے، اگر زمانہ اسے قبول نہ کرے سماج اس کا مخالف ہو اور سیدھی راہوں سے ہٹا ہوا ہو تو پھر اس کے لئے یہ کسی طرح زیبا نہیں ہے کہ وہ زمانے کے آگے ہتھیار ڈال دے اور اپنے آپ کو غلط سماج کے سپرد کر دے بلکہ اس پر ضروری ہے کہ زمانے کے خلاف علم بغاوت بلند کرے اور سوسائٹی و سماج سے جنگ کرے یہاں تک کہ کامیابی و کامرانی اس کے قدموں پر آ گرے، اقبال کے نزدیک "چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی" کا نظریۂ زندگی ایک مرد مومن کے لئے کسی طرح صحیح نہیں، وہ کہتا ہے ؎

حدیث کم نظراں ہے تو بازمانہ بساز
زمانہ با تو نہ سازد تو بزمانہ ستیز

اقبال کا خیال ہے کہ ایک مرد مومن زندگی کے غلط قدروں کے ساتھ مصالحت نہیں کرتا بلکہ وہ زندگی کے فاسد قدروں سے نبرد آزمائی کرتا ہے۔ اس کا کام حیات انسانی کی بگڑی ہوئی قدروں کی اصلاح ہے اور اس سلسلے میں اگر تخریب سے بھی کام لینا پڑے تو صحیح ہے اور یہ برنائے تعمیر و اصلاح ہوگا چنانچہ کہتا ہے ؎

ہے صداقت کے لئے جس دل میں مرنے کی تڑپ
پہلے اپنے پیکر خاکی میں جاں پیدا کرے
پھونک ڈالے یہ زمین و آسمان مستعار
اور خاکستر سے آپ اپنا جہاں پیدا کرے

اقبال کے نزدیک حالات و مصائب اور حوادث کے سامنے سر جھکا دینا اور قضا و قدر کا عذر پیش کرنا ایک مرد مومن کا کام نہیں، اس قسم کا عذر تو وہ لوگ پیش کرتے ہیں جو ضعیف الایمان اور کمزور عزم و ارادہ کے ہیں، مرد مومن خود تقدیر الٰہی ہے ؎

کافر ہے تو ہے تابع تقدیر مسلماں
مومن ہے تو وہ آپ ہے تقدیر الٰہی

دلوں میں بٹھانا چاہتے تھے ان کی شہادت نے آواز حق بلند سے بلند تر

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

علامہ اقبال نے جب تاریخ عالم پر ایک نگاہ ڈالی تو انھیں نظر آیا کہ صالح انقلاب ہمیشہ مرد مومن کا مرہون منت رہا ہے اور وہی اس کا سرچشمہ ہے، اسکی مثال اس عالم کے مطلع پر ایک صبح سعادت کی سی ہے، وہ انقلاب کا قائد اور زندگی کا پیغامبر ہے، زندگی کی تاریک راتوں کے لئے گویا وہ صبح صادق کا مؤذن ہے اور اس کی اذان کی آواز عالم کے اس سکوت کو توڑتی ہے جو اپنے اندر رات کی سی خوفناک خاموشی اور موت کا سا بھیانک سکون رکھتا ہے اور پھر وہ اذان اس تھکی ہاری نیند کی ماری دنیا کو ایک نشاط اور زندگی بخشتی ہے وہی اذان اور بلند پکار ہے جو آج سے تیرہ سو برس پہلے فاران کی چوٹیوں سے بلند ہوئی جس نے اس وسیع کائنات کو ایک گہری نیند سے بیدار کیا جو کہ صدیوں سے مدہوش پڑی تھی اور یہ اذان بنی نوع انسان اور پریشان حال دنیا کے لئے ایک صور قیامت ثابت ہوئی اور آج بھی اس اذان میں انسانیت کو جگانے اور ضمیر انسانی کو زندہ کرنے کی پوری قوت و طاقت موجود ہے ضرورت صرف اس مرد مومن کی ہے جو اسی روح بلالی سے پکار دے۔

دنیا کی عشا ہو جس سے اشراق
مومن کی اذاں ندائے آفاق

اور ایک مرد مومن کی اذان ہی اس سحر کو نمودار کرے گی جس سے ایک عالم انگڑائی لیتا ہوا اٹھ کھڑا ہوگا ؎

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

علامہ اقبال اس بات پر بھی یقین رکھتے تھے کہ ایک مرد مومن کی طاقت وقوت خرق عادت کی حیثیت رکھتی ہے اس کی طاقت کے سامنے عقل انسانی حیران ہے بلکہ وہ انسان کے لئے ایک معجزہ سے کم نہیں۔ وہ اپنے پیغام اور اپنے ایمان ویقین سے اپنے اندر ایک نئی قوت و توانائی حاصل کرتا ہے، اللہ کی مشیت وقدرت اور قوت قاہرہ ہمیشہ اس کے ساتھ رہتی ہے اس کے بڑھتے ہوئے قدموں کو نہ تو پہاڑ روک سکتا ہے اور نہ سمندر اس کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے، اقبال ایسے ہی مرد مومن کے متعلق لکھتا ہے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز
خاکی و نوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

اسلامی مجاہد فاتح اندلس طارق ابن زیاد اندلس کے میدان جنگ میں اپنے پروردگار حقیقی کے حضور میں اسلامی فوج کیلئے دعا کرتے ہیں یہ مجاہد اسلام اقبال کے مرد مومن کی زندہ مثال ہیں ؎

یہ غازی یہ تیرے پر اسرار بندے
جنھیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

★ مشیر الحق بحری آبادی

ختم کرو یہ تضاد!

بہت دن گزرے اسی سرزمین پر ایک عجیب و غریب حادثہ پیش آیا تھا، وہ واقعہ اپنی نوعیت میں ایسا منفرد ہے کہ دنیا اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ آج سے تقریباً سیکڑوں برس پہلے اس دنیا پر کفر و ظلمت کی ایسی تاریکی چھائی ہوئی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ہر شخص بے چرواہے کے گلہ کی طرح ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا تھا، نہ کسی کے سامنے کوئی مقصد تھا نہ منزل، نہ کوئی رہرو تھا نہ رہبر۔ جدھر جس کا منہ اٹھتا تھا جا رہا تھا جس کا جو جی چاہتا تھا کر رہا تھا۔ ایسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے۔ آپ کسی خاص ملک یا خطہ کے لئے نہیں آئے، جیسے روم، ایران، چین، ہندستان سب ہی جگہ یکساں تاریکی اور مادی گمراہی پھیلی ہوئی تھی۔ سب کو ایک رہبر کی ضرورت تھی اس ضرورت کو آنحضرتؐ نے پورا کیا اور دیکھتے دیکھتے چند برسوں میں دنیا کی کایا پلٹ کر دی۔ جہاں کونے کونے ظلم کا راج تھا وہاں ایک اللہ کی پرستش ہونے لگی جہاں کل تک وہاں اور شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو محفوظ نہ تھی وہاں تن و تنہا لاچار و غریب بڑھیا ہاتھوں میں سونا اچھالتی بیابان جنگلوں سے گزرنے لگی، آنحضرتؐ نے اپنی زندگی میں اسلام کی تعلیم کو مکمل کر کے دکھایا اور دنیا نے اطمینان کی سانس لی کہ اب سب دنوں شر و فساد سے چھٹی مل گئی۔ لیکن افسوس تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ مسلمانوں میں آپس میں اختلافات شروع ہو گئے

انمول موتی

● عن ابی موسیٰؓ قال قال رسول اللہ صلعم المؤمن للمؤمن کالبنیان یشد بعضہ بعضاً۔

ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مومن دوسرے مومن کے لئے مثل عمارت کے ہے کہ جس کا ہر حصہ دوسرے حصہ کو مضبوط بناتا اور جوڑے رکھتا ہے۔

● عن النعمان بن بشیرؓ قال قال رسول اللہ صلعم مثل المؤمنین فی توادھم وتراحمھم وتعاطفھم مثل الجسد اذا اشتکی منہ عضو تداعیٰ لہ سائر الجسد بالسھر والحمی

نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی باہمی محبت، شفقت اور مروت کی مثال انسانی جسم کی طرح ہے کہ جب اس کے کسی عضو میں کوئی تکلیف ہوتی ہو تو اس کی وجہ سے پورا جسم جاگتا اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

● عن جریر بن عبد اللہؓ قال قال رسول اللہ صلعم من لا یرحم الناس لا یرحمہ اللہ

جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نے فرمایا کہ جو شخص دوسروں پر رحم نہیں کرتا تو اللہ اس پر رحم نہیں کرے گا۔

★ عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلعم قال اذا صلی احدکم بالناس فلیخفف فان فیھم الضعیف والسقیم والکبیر واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ما شاء

حضرت ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی امام نماز پڑھائے تو اس کو ہلکی اور مختصر نماز پڑھانی چاہئے اس لئے کہ جماعت میں کمزور، بیمار اور بڈھے ہر قسم کے لوگ ہوتے ہیں البتہ جب تنہا نماز پڑھتا ہو تو جتنی لمبی نماز پڑھنا چاہے پڑھے۔

● عن انسؓ عن النبی صلعم قال لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے بھائی کیلئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب نواسے حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے یزید نے بیعت کا مطالبہ کیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے خیال میں یزید خلافت کا مستحق نہ تھا اس لئے آپ نے بیعت نہ کی اور نہ اسے خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا۔

معاملہ بات چیت اور پیغام رسانی سے بڑھکر تلواروں تک پہنچا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اپنی، اپنے اہل و عیال کی اور اپنے احباب کی جانیں دیکر ہمیں ہمیشہ کے لئے یہ سبق پڑھا دیا کہ حق کے لئے دنیا کی ہر چیز قربان کی جا سکتی ہے جب بات اصول کی بڑھ جاتی ہے تو پھر کوئی طاقت ایک سچے مسلمان کو اصول سے ہٹا نہیں سکتی۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ ایک حق بات پر شہید ہو گئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے زندگی پا گئے کیونکہ قرآن کہتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ	جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل کئے گئے ہوں
فِي سَبِيلِ اللّٰهِ أَمْوَاتٌ بَلْ	انھیں مردہ نہ کہو، وہ زندہ ہیں لیکن تم احساس
أَحْيَاءٌ وَلٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ۝	نہیں کرتے۔

اس آیت پر تمام لوگوں کا اعتقاد ہے اور وہ حضرت حسین رضی کو زندہ سمجھتے ہیں۔ پھر خدارا کوئی بتائے! یہ جو آج گھر گھر حضرت حسین کا ماتم کیا جا رہا ہے یہ کیوں؟ ـــــ ان ماتم کرنے والوں، گریہ وزاری کرنے والوں اور سینہ کوبی کرنے والوں سے کوئی پوچھے کہ کیا وہ اپنے کسی زندہ کا ماتم کرتے ہیں؟ پھر یہ کون سی محبت اور عقیدت ہے کہ حضرت حسینؓ کی یاد رو کر منائی جائے۔ سیاہ کپڑے پہنے جائیں، سروں اور سینوں پر چھریاں ماری جائیں۔

مسلمانوں کے اسی تضاد ذہنی نے آج یہ دن دکھایا ہے وہ ایک ایسی طاقت کو اپنا مالک مانتے ہیں جو دنیا کی پیدا کرنے والی ہے جس سے کوئی بڑا نہیں، ہر قسم کے خیر و شر کو اس کا ایک ہلکا سا عکس مانتے ہیں لیکن اسکے باوجود ذرا سی مصیبت میں اس طرح گھبراتے ہیں گویا ان کو دیکھنے والا کوئی نہیں ہے، زبان سے جس خدا کی طاقت اور قدرت کا صبح و شام اقرار کرتے ہیں وقت پڑنے پر اس خدا کے اظہار قدرت کا انتظار کبھی نہیں کرتے اس وقت تک ایسا معلوم ہوتا ہے گویا اب ان کا نہ کوئی والی ہے نہ وارث! نہ انھیں کوئی دیکھتا ہے نہ ان کی کوئی سنتا ہے ـــ اس ذہنی اور عملی تضاد نے آج دنیا سے مسلمانوں کی ہوا اکھاڑ دی ہے۔ آج نہ ہماری کہیں وقعت ہے نہ عزت! نہ ہمارے پاس دولت ہے نہ قسمت!

آج مسلمانوں کے سامنے محرم کا مہینہ ایک علامت بن کر سامنے آیا ہے وہ اپنے اعمال کو اس آئینے میں دیکھ کر فیصلہ کریں اگر وہ آج بھی اپنی زندگی سے اس تضاد کو دور کرنے پر تیار ہیں تو وہ بہت خوشی سے ایک زندۂ جاوید کا ماتم کریں، اسکی یاد میں سوگ ماتم برپا کریں لیکن اگر ان کا ذہن صاف ہو چکا ہے، ماضی کے مصائب نے ان کی آنکھیں کھول دی ہیں تو پھر ہر ہستی کو اسکے مرتبہ پر رکھیں، زندوں کی یاد زندوں کی طرح منائیں، حضرت حسین کی یاد منانے کے لئے مرثیہ و ماتم سے بڑھ کر ان کا پیغام ہے، انکی جاں بازی ہے جس پر عمل کیا جائے۔ ان کے حق کے لئے خلوص ہے جو ہمارے لئے نمونہ کا کام دے سکتا ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۴ کالم ۲)

دلوں میں ہمیشہ اسلام کے جمہوری نظام کو قائم کرنے کا ولولہ جوش زن رہا۔ حضرت حسینؓ کی زندگی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ خواہ حالات ہمیشہ ہی ناموافق اور ہمت شکن کیوں نہ ہوں مگر انسان کو ہر حال میں اپنا فرض ادا کرنا چاہیئے، راہ حق میں انسان مٹ کر فنا نہیں ہوتا بلکہ بقائے دوام حاصل کرتا ہے۔ یزید اور اسکا جاہ و جلال چند ہی مہینوں کے بعد ختم ہو گیا لیکن حسین رضی اللہ عنہ کا نام آج بھی عزت و احترام کے ساتھ لیا جاتا ہے اور کروروں انسانوں کے دلوں پر ان کی حکومت قائم ہے۔ یزید نے حضرت حسینؓ کو شہید کر دیا لیکن اس خیال کو نہ مٹا سکا جو وہ لوگوں کے

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

سیرت عثمانی کا ایک ورق

●

کچھ عرصہ ہوا تاریخ اسلام کا مطالعہ کر رہا تھا، حضرت عثمانؓ کے حالات میں ایک ایسا واقعہ نظر سے گزرا جس سے دل بہت متاثر ہوا اسلام نے حکومت فرمانروائی کا جو معیار قائم کیا تھا اسکے مطابق جن صحابہ نے حکومت کے فرائض انجام دئے ہیں انھوں نے رعایا پروری اور عدل گستری کی غیر معمولی مثال دنیا کی تاریخ میں قائم کر دی ہے۔ رعایا کے مال سے اجتناب اور سلطنت کی آمدنی سے پرہیز جس طرح ان بزرگوں نے کیا ہے اسکی نظیر کہیں اور نہیں نظر آسکتی ہے لیکن ان واقعات میں بھی حضرت عثمانؓ کا مذکورہ ذیل واقعہ بے نظیر ہے۔ اس واقعہ کا جب خیال آتا ہے تو دل میں ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے اور زبان پر بیساختہ یہ الفاظ آجاتے ہیں "خدایا یہ کیسے بے نفس انسان تھے، ان کی پاک زندگیاں ہمیشہ ہمارے سامنے رہتیں تو آج ہم اس قعر مذلت میں مبتلا نہ ہوتے بلکہ ساری نوع انسانی ہمارے قدم چومتی اور ہمیں اپنا محسن اعظم سمجھتی۔

جی چاہا کہ ناظرین تعمیر کے سامنے بھی یہ واقعہ پیش کیا جائے اور اس تاثر میں انھیں بھی شریک کیا جائے

یہ اس زمانہ کا واقعہ ہے جب ابن سبا کی سازش سے حضرت عثمانؓ کے خلاف باغیانہ خیالات بہت سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہو چکے تھے، باہر سے ایسے خطوط آتے رہتے تھے جن سے معلوم ہوتا کہ ایک گروہ حضرت عثمان کے خلاف مصروف کار ہے اور انکی جان لینا چاہتا ہے

ان کے خلاف جو پروپگنڈا کیا جا رہا تھا اسکی کوئی بنیاد نہ تھی عمال حکومت پر جو الزامات عائد کئے جاتے تھے تحقیق و تفتیش کے بعد وہ غلط ثابت ہو چکے تھے، حضرت عثمان کی ذات خاص پر جو اتہام لگائے جاتے تھے وہ بھی بالکل غلط اور بے بنیاد تھے انھوں نے اپنے بیان میں تمام الزامات کی ایسی واضح تردید کر دی تھی کہ اس کے بعد پھر کسی کے دل میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ سکتا تھا لیکن مفسدوں کا منشا تو کچھ اور ہی تھا وہ تو اسلامی حکومت کو درہم برہم کر کے اسلامی نظام کو نقصان پہنچانا چاہتے تھے، اس لئے اس صفائی کے باوجود ان کا پروپگنڈا جاری رہا بالآخر حضرت عثمانؓ نے امرا، والیان ملک اور اہل الرائے اصحاب کو بلایا اور ان سے دریافت کیا کہ اس صورت حال کو دفع کرنے کیلئے کیا تدبیر کی جائے۔ ان لوگوں نے کہا کہ ہماری رائے میں آپ اپنی حفاظت کی فکر کیجئے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ "آپ اس غرض سے ایک فوج مقرر کیجئے جو آپ کی حفاظت کرے"— حالات بہت خطرناک تھے، ہر وقت دشمنوں کے حملہ کا خوف تھا اور ان کے ہاتھوں قتل ہو جانے کا امکان تھا۔ اس موقع پر اگر آپ چاہتے تو حفاظت کے خیال سے فوج مقرر کر سکتے تھے اور اس میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں تھی، بادشاہوں کے یہاں پہلے بھی یہ معمول تھا اور اب بھی یہ دستور ہو کہ ان کی حفاظت کے لئے خاص طور سے سپاہ مقرر ہوتی ہے لیکن حضرت عثمان کے سامنے حکمرانی کا جو تخیل تھا اسمیں سلطنت کی آمدنی رعایا کی آمدنی تھی جسے صرف انکی ضروریات پر خرچ ہونا چاہیئے، ہر چند کہ وہ رعایا کے محافظ تھے اس لئے انکی حفاظت در اصل رعایا کی حفاظت تھی لیکن حضرت عثمانؓ کو یہ تاویل پسند نہ آئی سلطنت کی آمدنی کو اپنی جان کی حفاظت کیلئے صرف کرنا کسی طرح مناسب نہ معلوم ہوا، ان کی نظر میں ان کی جان کی

حفاظت سے کہیں زیادہ رعایا کی پرورش ضروری تھی اس لئے انھوں نے پسند نہیں کیا کہ سلطنت کی آمدنی باڈی گارڈ یا حفاظتی دستہ پر صرف کی جائے اور مشورہ دینے والوں کو مخاطب کرکے فرمایا۔

"مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں محض اپنی حفاظت کیلئے مسلمانوں کے بیت المال سے چار ہزار سواروں کی تنخواہ دوں، یہ میں ہرگز نہیں اکر سکتا۔

اس قطعی جواب سے لوگ خاموش ہوگئے بعض لوگوں نے حالات کے خطرناک ہونے کو نمایاں کرکے پیش کیا اور انکی نظر میں آئندہ جان کی جان کو جو خطرہ درپیش تھا اسکی طرف توجہ دلائی لیکن آپ نے ان سب خطرات کو محسوس کرنے کے باوجود کسی طرح اس پر آمادگی ظاہر نہیں کی کہ اپنی حفاظت کے لئے ایک فوجی دستہ متعین کریں اس طرح جان دے دینے کو گوارا کرلیا مگر یہ گوارا نہ کیا کہ سلطنت کی آمدنی کا ایک پیسہ بھی اپنی ذات پر صرف کریں۔

آپ نے پوری مدت خلافت میں کبھی تنخواہ بھی نہیں لی بلکہ اپنی ذاتی جائداد کی آمدنی سے جس طرح ہوسکا زندگی بسر کرتے رہے پھر جب باغیوں نے ہجوم کرکے قتل کرنے کا ارادہ کیا تو جوابی کارروائی بھی نہ کی۔ تلواریں پڑی رہیں مگر آپ نے مدافعت کیلئے بھی ہاتھ نہ اٹھایا۔ یہ مسلمانوں کے درمیان قتل و خونریزی کا آغاز تھا، حضرت عثمان نہیں چاہتے تھے کہ قتل و خونریزی کے اس دور کے آغاز میں ان کا کوئی ہاتھ ہو اور مسلمانوں کے خون کا کوئی دھبہ ان کے دامن پر پڑے بھلا اس احتیاط کو کیا نسبت ہے بعد کے امراء و سلاطین کے اس طرز عمل سے کہ ادنیٰ تر شبہ پر بڑے سے بڑے وفادار کا سر قلم کردیا جاتا تھا اور وہی خلافت کر...

نوحہ

محمد علی جوہر مرحوم

نوحۂ غم سے گھٹاتے نہیں ہم شان حسینؓ | حق ہو شاہ کہ شہادت ہی تھی شایان حسینؓ
آج ہو امت احمدؐ کے لئے فخر کا دن | آج کے روز ہوئی فتح نمایان حسینؓ
حشر تک چھوڑ گئے ایک درخشندہ مثال | حق پرستوں کو نہ بھولے گا یہ احسان حسینؓ
شکر حق ہے کہ ابھی حق کی حمایت کے لئے | جان دینے کو ہیں موجود غلامان حسینؓ
حق و باطل کی ہے پیکار ہمیشہ جاری | جو دبے باطل سے وہ نہیں ہیں شیعان حسینؓ
نہیں میدان عمل تنگ مسلماں کے لئے | ہے یہی گوئے حسینؓ اور یہی میدان حسینؓ
ان کی تقلید کے دعوی کی کسے جرأت ہے | کہہ سکے کون کہ ہیں ہم بھی مریدان حسینؓ
نام میں اُن کے ابجد سے ہے نسبت تو ضرور | اور دل سے بھی ہو ہر وقت ثنا خوان حسینؓ

گر شہادت کہیں جوہر تجھے مل جائے تو پھر
رہے کوثر پہ بھی وابستہ دامان حسینؓ

ہماری نظر میں

تجلیات مدینہ — مرتبہ الحاج مولانا محمد احتشام الحسن صاحب کاندھلوی

ہر مسلمان کی دلی تمنا ہے کہ وہ مدینہ منورہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھے، فاضل مرتب نے زیارت اور آداب زیارت کا ذکر کیا ہے کتاب معنوی حیثیت کے علاوہ ظاہری حیثیت سے بھی اچھی ہے۔

مجلد مع گرد پوش، قیمت دو روپے آٹھ آنے

تجلیات کعبہ اس کتاب میں کعبہ محترم اور مکہ مکرمہ کی بیاں حج و زیارت کے فضائل، وہاں کے برکات اور انکا ذکر ہے زائرین حرم و مدینہ کے لئے یہ دونوں کتابیں مفید ہیں قیمت مجلد مع گرد پوش ...

مضمون نگاری جلد اول:- مؤلفہ علامہ اخلاق دہلوی۔

اگرچہ مضمون نگاری کوئی ایسی چیز نہیں ہے جو کتابوں سے سیکھی جائے لیکن یہ کتاب ان کو ضرور مفید ہوگی جنھیں امتحان میں مضمون ضرور لکھنا پڑتا ہے خواہ انکا ذہن اسکے لئے ہموار نہ ہو۔ ان کیلئے تو مفید ہی ہے جن کا ذہن مضمون نگاری کی طرف مائل ہے لیکن جنھیں کوئی ابھار رہنا نہیں ملتا۔ یہ تینوں کتابیں بک ڈپو انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی سے ملیں گی۔

طابع وناشر:- احتشام علی رحیم آبادی مطبوعہ:- یونائیٹڈ انڈیا پریس لکھنؤ

وہ کار خیر میں صرف کرو۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر[1] رضی اللہ عنہ نے بھی یہی بیان کیا ہے۔ حضرت حسن بصریؒ نے اس کی مصلحت بھی بیان کر دی ہے، فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس لئے دیا ہے تاکہ تمہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارا مال سب ختم ہو جائے پھر تم لوگوں سے بھیک مانگتے پھرو[2] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہی منقول ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک شخص خدمت نبوی میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے، آپ نے فرمایا تم اسے اپنی ذات پر صرف کرو اس نے عرض کیا میرے پاس ایک دینار اور ہے آپ نے فرمایا اسے اپنے اہل وعیال پر صرف کرو، اس نے عرض کیا میرے پاس ایک دینار اور ہے، فرمایا اسے اپنے بچہ پر صرف کرو، اس نے عرض کیا میرے پاس ایک دینار اور ہے۔ فرمایا تم زیادہ بصیر[3] ہو جہاں ضرورت دیکھو صرف کرو، اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ بہترین صدقہ وہ ہے کہ اس کے بعد آدمی محتاج نہ ہو جائے، اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے اور اپنے صدقہ کا آغاز ان اشخاص سے کرو جن کی ضروریات کے تم کفیل ہو۔[4]

ان احادیث نے اس مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا، آدمی کو کار خیر میں صرف کرتے وقت دو باتوں کا خیال رکھنا چاہئے ایک تو یہ کہ اتنا نہ صرف کر دے کہ خود محتاج ہو جائے اور اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا پھرے، دوسرے یہ کہ جن لوگوں کی کفالت اس کے ذمہ ہے پہلے ان کی فکر کرے، جب انکی ضروریات پوری کرلے تو پھر دوسروں کی طرف توجہ کرے، کیونکہ یہ اس کی براہ راست ذمہ داری ہے جس کا پورا کرنا اس کا فرض ہے، فرض کو نظر انداز کر کے نفل کی فکر کرنا دانشمندی کی بات نہیں ہے، البتہ اپنی اور اپنے متعلقین کی تمام ضروریات کی فراہمی کے بعد بھی کار خیر میں صرف کرنے سے گریز سخت ناپسندیدہ ہے، بخل شارع کو قطعاً گوارا نہیں ہے۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى .... اسلام سے پہلے عہد جاہلیت میں یتیموں کے ساتھ بڑی زیادتی کی جاتی تھی اور ان کے حقوق بری طرح تلف کئے جاتے تھے، لیکن اسلام نے آکر لوگوں کو اس سے باز رہنے کی سخت تاکید کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ (بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال ظلم سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں کے اندر صرف آگ بھرتے ہیں، عنقریب یہ لوگ دوزخ میں داخل ہوں گے۔)

یہ اور اسی قسم کی دوسری آیتوں کا اثر یہ ہوا کہ لوگ یتیموں کے مال سے بیحد اجتناب کرنے لگے اور ان کی ایک ایک چیز الگ رکھنے لگے، لیکن عملاً اس میں سخت دشواری ہوتی تھی، ایک ساتھ رہ کر ایک یتیم بچے کے کھانے پینے اور پہننے اوڑھنے کا اس طرح علیحدہ انتظام کرنا بہت مشکل تھا کہ اسکی کوئی چیز گھر کے دوسرے لوگوں کی چیزوں سے ملنے نہ پاوے، اس لئے لوگ اپنی پریشانی کا اظہار کرتے تھے اور دریافت کرتے تھے کہ یتیموں کے متعلق کیا روش اختیار کی جائے، اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یتیموں کی فلاح وصلاح مطلوب ہے ان کو نقصان سے بچایا جائے اور زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچایا جائے، اگر یہ بات کسی شخص کے پیش نظر ہے اور وہ اس کا خیال رکھتا ہے تو پھر جس طرح اسے سہولت

---

[1] و [2] تفسیر ابن کثیر جلد اول۔ [3] ابن جریر۔ صحیح مسلم میں بھی اس مفہوم کی روایت موجود ہے [4] ابن کثیر بحوالہ صحیح مسلم۔

★ عبد السلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

(سلسلہ نمبر ۸۴) ۔۔۔۔ ۶ فروری ۱۹۵۳ء

تشریح:۔

اس سے پہلے طلاق کا ذکر ہوچکا ہے اور یہ بیان کیا جاچکا ہے کہ طلاق کے بعد عورت کو کتنے عرصہ تک عدت گزارنی چاہیئے اس سلسلہ میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ عدت کی مدت میں شوہر کو اختیار ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنی بیوی سے رشتۂ ازدواج منقطع نہ ہونے دے اس صورت میں دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہے بلکہ صرف شوہر کی مرضی کافی ہے البتہ عدت گزرجانے کے بعد پھر رشتۂ ازدواج قائم نہیں رہتا اور صرف شوہر کی مرضی عورت کو بیوی نہیں بناسکتی بلکہ اس کے لئے عورت کی رضامندی بھی ضروری ہے اور کم از کم دو گواہوں کے سامنے ایجاب قبول کے ساتھ ازسرنو نکاح کی ضرورت ہے۔

اب اس آیت میں یہ بیان کیا جارہا ہے کہ طلاق کے بعد شوہر کو نکاح کے بغیر رشتۂ ازدواج قائم رکھنے کا حق کب تک ہے۔ فرمایا کہ اس طرح طلاق کا اختیار دو ہی مرتبہ ہے اس کے بعد دو ہی صورتیں باقی رہ جاتی ہیں، اگر عورت کو بیوی کے طور پر رکھنا ہے تو معقول طریقہ سے اسے رکھنے کا فیصلہ کرلے اور اگر چھوڑنے کا ارادہ ہے تو پھر خوش اسلوبی کے ساتھ اسے رخصت کردے[1]

اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دے کر عورتوں کو بڑی مصیبت سے نجات دیدی، اسلام کے پہلے طلاق و رجعت کی کوئی حد نہ تھی شوہر جب چاہتے طلاق دیتے اور جب چاہتے رجعت کرلیتے، بعض اوقات کوئی شوہر اپنی بیوی سے ناراض ہوتا تو طلاق دے دیتا اور عدت گزرنے نہ پاتی کہ رجوع کرلیتا، اس طرز عمل سے وہ عورتوں کو پریشان کیا کرتے تھے، نہ خود ان سے تعلق قائم رکھتے تھے نہ رشتۂ نکاح کو منقطع کرکے کسی دوسرے شخص سے نکاح کا موقع دیتے تھے[1]، بہتیری عورتیں ظالم شوہروں کے ہاتھوں زندہ درگور رہتی تھیں۔ اسلام نے زندگی کے دوسرے گوشوں کی طرح اس جانب بھی توجہ کی اور ایسے عادلانہ قوانین نافذ کئے جن سے مظلوموں کو مشکلات و مصائب سے چھٹکارا ملا اور راحت و آرام سے زندگی گزارنے کا موقع نصیب ہوا۔ اسلام خیالی فلسفہ کے بجائے ایک عملی مذہب ہو اسلئے

[1] ملاحظہ ہو تفسیر ابن جریر جلد دوم

[1] صاف الفاظ میں دو طلاقوں تک شوہر کو عدت کے اندر بیوی کی طرف رجوع ہونے کا حق ہے اس کے لئے دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں ہے صرف شوہر کی زبان یا عمل سے اسکی مرضی کا ظاہر ہونا کافی ہے، اسی لئے اس طلاق کو رجعی کہتے ہیں لیکن اگر صاف الفاظ میں طلاق نہ دی گئی ہو بلکہ گول مول الفاظ میں طلاق دی (بقیہ حاشیہ کالم ۲ پر)

(بقیہ حاشیہ کالم (۱))

جس سے طلاق بھی مراد لی جاسکتی ہے اور دوسرا مفہوم بھی ہوسکتا ہے تو اس صورت میں شوہر سے دریافت کیا جائے کہ اسکی مرضی کیا ہے اگر وہ کہے کہ ان الفاظ سے میرا ارادہ طلاق دینے کا تھا تو طلاق بائن پڑجائیگی اس صورت میں شوہر کو بغیر نکاح رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہے، البتہ اگر عورت راضی ہو تو دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے لیکن اگر صاف الفاظ میں تین طلاقیں دے دی گئیں تو پھر اسوقت تک دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا جب تک کہ عورت کا نکاح کسی اور شخص سے نہ ہو اور وہ اس شخص کے ساتھ بیوی کی حیثیت سے نہ رہے، اس کے بعد اگر یہ نیا شوہر اس عورت کو طلاق دے تو عدت گزارنے کے بعد اگر پہلے شوہر سے نکاح کرنے پر رضامند ہو تو پھر نکاح ہوسکتا ہے شریعت کی اصطلاح میں اسے حلالہ کہتے ہیں لیکن یہ خیال رہے کہ محض حلالہ کے لئے دوسرے شوہر سے نکاح کرنا سخت ممنوع ہے۔ نکاح مستقل زندگی بسر کرنے کے خیال سے ہو، اتفاق سے اگر نباہ نہ ہوسکے اور طلاق کی نوبت آئے تو پہلے شوہر کے ساتھ نکاح جائز ہے

ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان

جلد [illegible] — نمبر [illegible]

ماہوار تعمیر لکھنؤ

۳۸ - امین آباد پارک

ادارۂ تحریر

سید ابوالحسن علی ندوی

عبدالسلام قدوائی ندوی • مشیر الحق مجھری آبادی

مارچ ۱۹۵۴ء مطابق جمادی الثانی ۱۳۷۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

مذہبی ادارے

اس درمیان میں بعض عربی مدارس کے منتظمین اور معلمین سے ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع ملا۔ ان مدارس کی مالی حالت کچھ پہلے ہی اچھی نہ تھی، بڑی مشکل سے اور ہزاروں زحمتیں اٹھا کر مدرسوں کے کارکن کسی نہ کسی طرح دوڑ دھوپ کر کچھ جمع کرتے تھے اور اس پر پڑ کر کام چلاتے تھے، لیکن ادھر پچھلے دو تین سال سے مسلمانوں کے اقتصادی حالات اتنے خراب ہوگئے ہیں کہ ان کے لئے چندہ دینا بہت دشوار ہوگیا، عام چندہ کے علاوہ والیان ریاست سے بھی ان مدارس کو امداد ملا کرتی تھی۔ لیکن اب سیاسی انقلاب ایسا رونما ہوا کہ ریاستیں ختم ہوگئیں اور والیان ملک کی حیثیت نہ رہ گئی کہ وہ مختلف اداروں اور درس گاہوں کی مدد کر سکیں، ترک وطن کی بنا پر اعلیٰ عہدہ داروں، بڑے تاجروں اور دولت مندوں کی تعداد میں بھی بہت کمی ہوگئی ہے، اس لئے ان حلقوں سے بھی امداد کی راہیں بڑی حد تک مسدود ہوگئی ہیں زمینداری کے خاتمہ کے بعد صورت حال اور خراب ہوئی اب ان عربی مدارس کی یہ حالت ہوگئی ہے کہ ان کے لئے اپنا وجود قائم رکھنا دشوار سے دشوار تر ہوگیا۔ بہت سے مدرسے بند ہوگئے اور بہت سے دم توڑ رہے ہیں، جو چند چوٹی کے بڑے مدرسے باقی رہ گئے ہیں ان کے کارکنوں کو بھی سخت مشکلوں کا سامنا ہے۔

اوپر کی سطور میں عربی مدارس کا جو حال لکھا گیا ہے تقریباً وہی حال، دوسرے اسلامی مدرسوں، اداروں اور انجمنوں کا ہے۔ سب ہی کی حالت سقیم ہے اور ہر لحہ ان کے بند ہو جانے کا خطرہ ہے۔

اسلامی دارالاشاعتوں کا بھی یہی حال ہے اول تو پہلے ہی اسلامی اشاعت گاہوں کی تعداد محدود تھی۔ متحدہ ہندستان میں بھی ایسے دارالاشاعت بہت کم تھے جو اسلامی عنوانات و مسائل پر کتابیں شائع کرتے تھے، جو چند اس قسم کے ادارے تھے ان کی بساط بھی بہت محدود تھی مشکل سے سال میں چند تحقیقی کتابیں شائع ہو جاتی تھیں

زرتعاون ہندستان و پاکستان سے
سالانہ دو روپئے ششماہی ۱۲ٔ قیمت فی پرچہ ۳ٔ

پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
رسالہ چراغ راہ نمبر۹۔ لوٹیا بلڈنگ آرام باغ روڈ۔ کراچی

پھر ان کی بکاسی کی رفتار اس قدر سست ہوتی تھی کہ مزید کتابیں چھپنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی لیکن تقسیم کے بعد ان مشکلات میں اور اضافہ ہوگیا ہے۔ غیر مذہبی کام کرنے والے اداروں، اشاعت گاہوں اور تعلیم گاہوں کے لئے تو حکومت سے امدادیں حاصل کرنے کی صورت موجود ہے لیکن خالص مذہبی کام کرنے والوں کے لئے یہ راہ بھی مسدود ہے۔ حکومت غیر مذہبی ہے اس لئے اس سے کسی خالص مذہبی ادارہ کے لئے امداد حاصل کرنے کا کوئی سوال نہیں ہے۔ قوم کی سرپرستی کے سوا ان اداروں کے لئے زندگی کی اور کوئی شکل نہیں ہے، لیکن قوم کی حالت اوپر بیان ہو چکی ہے، پھر کیا کیا جائے۔ یہ ایک سوال آج تمام مذہبی اداروں کے کارکنوں کے سامنے ہے جسے انھیں حل کرنا ہے۔

جہاں تک مسلمان قوم کی صلاحیت کا تعلق ہے اس میں شبہ نہیں کہ ان کی صلاحیت اس وقت کم ہو لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ کمی کے باوجود مسلمانوں کی حالت ابھی ایسی ہے کہ وہ نہ صرف موجودہ مذہبی اداروں کو چلا سکتے ہیں بلکہ بہت سے نئے ادارے قائم کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ ان کی اہمیت سمجھیں، آج وہ کروڑوں روپئے فضول کاموں میں برباد کرتے ہیں۔ اندازہ کرنے والوں کا اندازہ تو یہ ہے کہ اگر مسلمان ایک دن بھی فضول خرچی سے باز آجائیں اور اس رقم کو قومی اور مذہبی کاموں میں صرف کریں تو علمی اداروں کے لئے ایک سال تک اطمینان سے کام کرنے کی صورت پیدا ہو جائے ضرورت صرف احساس کی ہے۔ مذہبی اداروں کے بغیر دینی خیالات کا قائم رکھنا اور ملی خصوصیات کا باقی رکھنا ناممکن ہے

اس سلسلہ میں دوسری بات مذہبی کارکنوں کے سوچنے کی ہے، یہ وقت ہر شخص کے لئے ڈیڑھ اینٹ کی علیحدہ مسجد بنانے کا نہیں بلکہ ساری قوتیں ایک مرکز پر مجتمع کرنے

(باقی کالم ۲ کے نیچے)

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

کامیاب سودا

قارئین تعمیر میں سے بہت سے اصحاب تجارت پیشہ ہوں گے اور اپنے کاروبار میں کامیاب ہوں گے ان کی دلچسپی کے لئے آج ہم حضرت عثمانؓ کا ایک واقعہ درج کر رہے ہیں، حضرت عثمانؓ بہت بڑے تاجر تھے خلافت کی ذمہ داری قبول کرنے سے پہلے بڑے وسیع پیمانہ پر ان کا تجارتی کاروبار پھیلا ہوا تھا اور ہزاروں اونٹوں پر ان کا سامان تجارت آتا جاتا تھا۔

ایک مرتبہ شام سے ان کا کاروان تجارت آیا، ایک ہزار اونٹ غلّے سے لدے ہوئے جب مدینہ منورہ پہونچے تو سارے شہر میں شور مچ گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ تھا، ملک میں اس سال بارش گزشتہ برسوں کے مقابلہ میں بہت کم ہوئی تھی، جس کی وجہ سے پیداوار میں کافی کمی ہوگئی تھی اور ایک طرح سے قحط کی سی کیفیت

(بقیہ ۔۔۔ کالم ۔۔۔ ایک)

کی ضرورت ہے۔ مذہبی انجمنوں، اداروں اور درسگاہوں کے منتظمین کسی جگہ جمع ہو کر حالات پر غور کریں، مل جل کر سب ایک پروگرام بنائیں، پھر اس پروگرام کے مطابق جدوجہد کریں، اس سلسلہ میں وسائل واسباب کا جائزہ لے کر اور ضروریات کا اندازہ کر کے ایک لائحہ عمل مرتب کیا جا سکتا ہے اور یقین ہے کہ اگر اختلافات سے گریز کر کے اتحاد کے ساتھ کام کرنے کی فکر کی گئی تو انشاء اللہ مشکلات کے ہجوم میں بھی کامیابی کی راہیں نکل آئیں گی، اور مذہبی ادارے، انجمنیں، اشاعت گاہیں اور درسگاہیں تباہی سے بچ جائیں گی۔

پیدا ہو گئی تھی، ان حالات میں غلہ سے لدے ہوئے ایک ہزار اونٹوں کا مدینہ منورہ پہنچنا معمولی بات نہ تھی، فوراً یہ خبر سارے شہر میں پھیل گئی اور خریداروں کا تانتا بندھ گیا، بیسیوں تاجر حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور غلہ خریدنے کے لئے گفتگو کرنے لگے، بڑے بڑے تاجروں نے زیادہ سے زیادہ منافع کی پیش کش کی اور یکمشت رقم دے کر یکبارگی سارا غلہ خریدنے کا وعدہ کیا۔ حضرت عثمان کچھ دیر تک خاموشی کے ساتھ ان کی گفتگو سنتے رہے لیکن جب ان لوگوں کا اصرار زیادہ بڑھا تو آپ نے ان سے پوچھا بتلائیے آپ لوگ کہاں تک منافع مجھے دینے کو تیار ہیں اور میری قیمت خرید پر کس قدر اضافہ پر راضی ہو سکتے ہیں، یہ سن کر مختلف تاجروں نے اپنے اندازے کے مطابق قیمتیں بیان کرنی شروع کیں، کسی نے کہا دس کے بارہ دوں گا، کسی نے کہا دس کے چودہ دونگا، آخر میں انتہائی پیش کش کرنے والوں نے کہا کہ ہم پچاس فیصدی نفع دینے کو تیار ہیں، دس کی لاگت پر آپ پندرہ قبول کر لیجئے اور مال ہمارے حوالہ کیجئے، ان لوگوں کی گفتگو سننے کے بعد حضرت عثمان نے کہا بس اب آپ لوگوں میں مزید پیش کش کی ہمت نہیں ہے۔ لوگوں نے کہا نہیں صاحب اب اس سے بڑھ کر کون قیمت دیکھتا ہے آپ نے فرمایا مگر مجھ کو تو اس سے زیادہ نفع مل سکتا ہے، ایک معاملہ کرنے والا تو دس گنے نفع کا سودا کر رہا ہے اور دس کے بدلہ میں سو دینے کو تیار ہے، پھر کیا وجہ ہے کہ اس کو چھوڑ کر میں تم سے اتنے کم پر معاملہ کروں، تم زیادہ سے زیادہ پچاس فی صدی نفع دینے پر آمادہ ہو اور دس کے بدلہ میں پندرہ دے کر مال لے لینا چاہتے ہو لیکن تمہارے مقابلہ میں وہ تو مجھے ایک ہزار فیصدی نفع دینے کو کہتا ہے

★ پاک بیویاں ——— (۱)

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

●

حضرت خدیجہؓ (لقب طاہرہ) مکہ کی ایک دولتمند، شریف بیوہ خاتون تھیں، بعثت نبوی سے پہلے آپ کے دو شوہروں کا انتقال ہو چکا تھا ——— ایک مرتبہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت داری اور امانت کے واقعات سن کر اپنا مال تجارت دے کر انھیں شام کی طرف بھیجا، واپس آ کر آپؐ نے دیانت داری کے ساتھ پورا پورا حساب دے دیا، حضرت خدیجہؓ کو اپنی تجارتی زندگی میں ایسا دیانت دار شخص کبھی نہیں ملا تھا، وہ آپ سے اتنی متاثر ہوئیں کہ تمام عمر آپ کے ساتھ گزارنے کا فیصلہ کر لیا اور عرب کے دستور کے مطابق خود ہی اپنا پیغام دیا، جسے آنحضرت صلعم نے قبول کر لیا اس وقت آپؐ کی عمر پچیس برس اور حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس تھی

بعثت کے بعد سب سے پہلے آپ نے اسلام قبول کیا، آپ کی وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت آرام ملتا تھا، جب مشرکین کے طرز عمل سے بہت کبیدہ خاطر ہو جاتے تو حضرت خدیجہؓ اس طرح دلدہی فرماتیں کہ آپ تمام تکلیفیں بھول جاتے۔

نکاح کے ۲۵ برس بعد آپ جنت کو سدھاریں، آپ کی وفات کے بعد نبی صلعم آپ کا ذکر بہت محبت سے کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی تھیں "اگرچہ میں نے حضرت خدیجہؓ کو نہیں دیکھا لیکن میں سب سے زیادہ انھیں سے رشک کرتی ہوں"۔

دو صاحبزادے حضرت قاسمؓ و عبداللہؓ اور چار صاحبزادیاں حضرت فاطمہؓ رقیہ، زینب اور ام کلثوم رضی اللہ عنہن یادگار چھوڑیں۔

اور دس اونٹ غلہ کے معاوضہ میں سوا ونٹ غلہ کی قیمت ادا کرنے کو تیار ہے، اس کے مقابلہ میں، میں تمھیں کس طرح ترجیح دے سکتا ہوں۔

حضرت عثمانؓ کی یہ گفتگو سن کر ان تاجروں کو بڑا تعجب ہوا انھوں نے کہا صاحب یہ تو ناممکن ہے۔ ہم اتنی زیادہ قیمت کہاں سے دے سکتے ہیں۔ حضرت عثمان نے فرمایا اچھا سنو میں تمھیں گواہ بناتا ہوں اور یہ اعلان کرتا ہوں کہ میں نے یہ سارا غلہ مدینہ منورہ کے فقیروں اور حاجتمندوں کو دیدیا۔(۱)

یہ تھا آخرت پر زندہ یقین کا نتیجہ۔ کہنے کو ہم بھی آخرت پر یقین رکھتے ہیں، بعث بعد الموت کا کلمہ پڑھتے ہیں اور الجنۃ حق والنار حق کا اعلان کرتے ہیں، لیکن یہ اعلان درحقیقت دلوں کی گہرائیوں میں اس طرح سمایا ہوا نہیں ہے کہ فکر آخرت ہماری ساری زندگی پر چھا جائے اور ہمیں فردائے قیامت کا اسی طرح یقین ہو جس طرح یہ یقین ہے کہ آج کے بعد کل ضرور آئے گا، زندگی کو ہم ناپائیدار کہتے ہیں اور واقعہ بھی یہی ہے جو گھر ہوا پر قائم کیا جائے اس کی بقا کا کیا اعتبار ہے۔ ہر جھونکا اسے چور چور کر دینے کے لئے کافی ہے لیکن جتنا ہم اپنی زبان سے زندگی کی ناپائیداری کا اظہار کرتے ہیں، درحقیقت ہمارے دل کے اندر اس کی ناپائیداری کا اتنا یقین نہیں ہے بلکہ ہم جس انہماک کے ساتھ صبح سے شام تک زندگی کے کاموں میں لگے رہتے ہیں اسے دیکھ کر کوئی خیال بھی نہیں کر سکتا ہے کہ ہم اپنی اس دنیاوی زندگی کو چند روزہ سمجھتے ہیں، حیات بعد الموت کا اعلان ہم زبان سے جس طرح کرتے ہیں اگر واقعی ہمارے دل کے اندر یہ یقین مستحکم ہو جائے تو پھر ہماری زندگی کا رنگ بدل جائے اور ہم راہ سفر میں خواب خرگوش کے مزے لینے کے بجائے منزل مقصود تک پہنچنے کی فکر کریں اور حیات فانی کے پیچھے حیات جاودانی کو برباد کرنے سے پرہیز کریں۔

صحابۂ کرام اور ہم میں درحقیقت یہی فرق ہے زبان سے ہم بھی وہی کلمہ پڑھتے ہیں جو وہ پڑھتے تھے اور اسی عقیدہ کا اظہار کرتے ہیں جس کا وہ کرتے تھے لیکن ہمارے اور ان کے دل کی کیفیت یکساں نہیں ہے، ان کے دل کے ریشہ ریشہ میں یہ یقین پیوست تھا کہ یہ زندگی چند روزہ ہے

(۱) ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ

مرنا فنائے محض کا نام نہیں ہے بلکہ حیات جاودانی کا نام ہے، دنیا کی چند روزہ زندگی کو پار کرکے حیات جاودانی تک پہنچتا ہے۔ سفرِ حیات خیر و خوبی کے ساتھ گزرا تو ہم منزلِ مقصود پر پہنچ کر آرام کریں گے۔

اس یقین کا نتیجہ تھا کہ ان کی زندگی ہماری زندگی سے بالکل مختلف تھی، انھیں آج سے زیادہ کل کی فکر تھی، وہ سمجھتے تھے کہ حیات فانی بہرحال گزرنی ہے، اس کے لئے حیات جاودانی کو کیوں خراب کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ انھیں اس دنیا میں جنت کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔ غزوۂ احد میں حضرت نضر ابن انس نے جو کارنامہ انجام دیا وہ آخرت پر زندہ یقین کے بغیر کہاں انجام دیا جا سکتا تھا دشمنوں کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر شدید حملہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو چکے ہیں، بڑے بڑے بہادر خاک و خون میں غلطاں ہیں۔ اس نازک موقع پر قدم جمانے مشکل ہو رہے ہیں لیکن حضرت نضر کے پائے ثبات کو ذرا بھی لغزش نہیں ہوتی، ان کا دل یہ کہتا ہے کہ قسمت سے آج مجھے یہ موقع ملا ہے اس وقت اگر میں اسلام اور اسکے پیغامبر علیہ السلام کی حفاظت کے لئے جاں نثاری پر آمادہ ہو جاؤں تو اس چند لمحے میں جنت پہونچ جاؤں، اس یقین نے ان کے اندر غیر معمولی ہمت و شجاعت پیدا کردی اور وہ اپنا فرض ادا کرنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے، اسی عالم میں حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نظر آتے ہیں۔ حضرت انس کہتے ہیں اے سعد خدا کی قسم جنت اُحد کے اس پار ہے، یہ کہہ کر دشمنوں کے مقابلہ میں ڈٹ جاتے ہیں، اس بے جگری کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتے ہیں کہ سارا جسم تیروں، تلواروں اور نیزوں سے چھلنی ہو جاتا ہے اور جب دم توڑتے ہیں تو اسی سے اوپر زخم کھا چکے ہوتے ہیں۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جسے کوئی زخم نہ پہنچا ہو۔ جنگ کے بعد جب لاش دیکھی گئی تو پہچاننا مشکل تھا، بالآخر ایک انگلی کا پور ایسا نظر آیا جس کے نشان سے ان کی بہن نے انھیں پہچانا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا، نضر نے جو عہد کیا تھا پورا کر دیا، زبان وحی نے اعلان کیا رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اس عہد کو جو انھوں نے اللہ سے کیا تھا سچ کر دکھایا)

یہی آخرت کا سچا یقین تھا جو عمرو ابن جموح رضی اللہ عنہ کو لنگڑے ہونے کے باوجود کھینچ کر میدان جنگ میں لایا غزوۂ بدر میں ان کی بڑی خواہش تھی کہ وہ شریک ہوں لیکن ان کے پیر میں لنگ ہونے کی وجہ سے ان کے لڑکوں نے انھیں اس سے باز رکھنے کی کوشش کی، جب ان کے کہنے کا کوئی اثر نہ ہوا تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اس معذوری کی وجہ سے ان کا جانا بے کار ہے آپ انھیں سمجھا کر روک دیں حضورؐ نے عمرو کو سمجھایا، آپ کے حکم کے بعد وہ مجبوراً رک گئے، لیکن دل میں بڑی حسرت رہی کہ ایسے موقع پر جب جاں نثار اکٹھا ہیں مجھے شرکت کی سعادت نہ حاصل ہو سکی۔

کچھ عرصہ کے بعد جب دشمنان اسلام نے پھر مدینہ منورہ پر چڑھائی کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں روکنے کے لئے جاں نثاروں کے ساتھ اُحد کی سمت روانگی کا ارادہ کیا تو حضرت عمرو بن جموح کے دل میں پھر شوق فداکاری لہریں مارنے لگا، ان کے لڑکوں نے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ انھیں جانے سے روک دیں پیروں کے لنگ کی وجہ سے ان کا جانا بے کار ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لڑکوں کی خواہش کا اظہار کیا یہ سُن کر وہ بہت ملول اور افسردہ ہوئے اور فرط غم سے گلوگیر ہو کر عرض کیا حضور اب مجھے نہ روکئے، اس مرتبہ مجھے بھی جاں نثاری کا شرف حاصل کرنے دیجئے آپ میرے پیروں کے لنگ کا خیال نہ کیجئے، خدا کی قسم میں انھیں لنگڑے پیروں سے جنت پہنچ جاؤنگا شوق شہادت کی یہ کیفیت دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت متاثر ہوئے اور ان کے لڑکوں سے فرمایا کہ اب ان کی راہ نہ روکو اور انھیں بھی ساتھ چلنے دو، اجازت پاکر حضرت عمرو ابن جموح بہت خوش ہوئے سامان حرب ساتھ لیا، اسلحہ لگا کر باہر نکلے اور آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر بڑی رقت و زاری کے ساتھ دعا مانگی کہ اے مولیٰ اب مجھے ناکام واپس نہ لانا مطلب یہ تھا کہ شہادت کا جو ولولہ لیکر میں گھر سے نکلا ہوں اسے پورا کر اور میں راہ حق میں شہید ہو جاؤں اس شوق و ذوق کے ساتھ وہ میدان اُحد میں پہونچے اور مقصد میں کامیاب ہوئے جنگ ختم ہوئی اور عمرو کی لاش پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی تو آپ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی فرمایا سچ کہا تھا عمرو نے وہ ان لوگوں میں تھے جو اگر کسی بات کی قسم کھا جئیں تو اللہ تعالیٰ ان کی بات پوری کر دیتا ہے ان کی بات پوری ہوگئی، وہ پیر میں لنگ کے باوجود جنت میں پہونچ گئے۔

انمول موتی

★ عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ لیرضیٰ عن العبد ان یاکل الاکلۃ فیحمدہ علیھا اویشرب الشربۃ فیحمدہ علیھا۔

● حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے اتنی ہی بات پر خوش ہو جاتا ہے کہ کھانا کھائے تو اللہ کی تعریف کرے یا پانی پئے تو اللہ کا شکر ادا کرے

صحابہ کرام کے ایمان و یقین کی یہی وہ کیفیت تھی جس نے قلت و بے سروسامانی کے باوجود انھیں سارے عالم میں سربلند کر دیا تھا اور ہماری بے یقینی نے ہمیں ذلیل و خوار کر رکھا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ عروج و اقبال کے بعد مسلمانوں پر ایک وقت وہ آئیگا جب وہ ذلت و خواری کی حالت میں مبتلا ہو جائیں گے صحابہؓ نے کہا، حضرت کیا اسوقت ہماری تعداد بہت کم ہو گی، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم اس وقت بہت ہو گے، عرض کیا پھر اس وقت ذلت و خواری کی وجہ کیا ہو گی، فرمایا تم میں وہن (ضعف) پیدا ہو جائیگا۔ عرض کیا وہن سے کیا مراد ہے۔ فرمایا تمھارے اندر دنیا کی محبت بڑھ جائیگی اور موت سے وحشت کھانے لگو گے۔[1]

(۱) [illegible]

★ — مشیر الحق بحری آبادی

"لڑکا لوگ تالی بجاؤ"

(موجودہ مسلم قیادت اور مسلم عوام کا ایک افسانوی خاکہ)

●

سہ پہر کا وقت ہے، سورج ڈھل رہا ہے، فضا میں گرمی ہے، ایک گھنے سایہ دار درخت کے نیچے ایک مداری کھڑا ہے اور کبھی ڈگڈگی بجاتا ہے اور کبھی بانسری — اس کے سامنے کچھ میلے کچیلے کپڑے، گندے کھلونے اور چند پچکے ہوئے ٹین کے ڈبے پڑے ہیں۔ سامنے ایک دبلا پتلا، کالا سا لڑکا بیٹھا زمین پر اُلٹے سیدھے نشانات کھینچ رہا ہے ڈگ.... ڈگ.... ڈگ! ڈگڈگی بج رہی ہے۔ اِدھر اُدھر سے لڑکے آکر اکٹھے ہو رہے ہیں، تھوڑی دیر میں پچیس تیس لڑکے مداری کو گھیر لیتے ہیں، مداری لڑکوں کو ایک دائرہ میں بٹھا دیتا ہے تھوڑی دیر تک بانسری بجاتا ہے اور اپنے ساتھ والے لڑکے کو کچھ اشارہ کرتا ہے۔ لڑکا کھلونوں کو اِدھر اُدھر کرتا ہے اور منہ سے عجیب و غریب آوازیں نکالتا ہے۔ لڑکے اشتیاق بھری نظروں سے مداری کو دیکھ رہے ہیں، مداری بانسری بند کرکے تقریر شروع کرتا ہے۔

...... ہم جادوگر ہے۔ مداری ہے۔ ہم ابھی بہت سا جادو کا کھیل دکھائے گا۔ ایسا ایسا کھیل دکھائے گا، جیسا آج تک تم لوگوں نے نہ دیکھا ہوگا نہ سنا" — کیوں لڑکے ہم کیسا جادوگر ہے —؟

بہت خراب، بالکل تھرڈ (تھرڈ) کلاس!! لڑکا جواب دیتا ہے اور دوسرے لڑکے ہنسنے لگتے ہیں —

مداری جھولے سے ایک ٹین کا چاقو نکالتا ہے اور لڑکے کی طرف لپکتا ہے —

نہیں نہیں! تم بہت بڑا جادوگر ہے، بالکل اچھا لڑکا چیختا ہے۔

مداری چاقو جیب میں رکھ کر ایک مرتبہ زور سے ڈگڈگی بجاتا ہے اور کہتا ہے —

...... ہاں ہم بہت بڑا جادوگر ہے، ابھی ہم کھیل دکھاتا ہے۔ لڑکا لوگ ایک مرتبہ زور سے تالی بجاؤ"۔ سب لڑکے زور سے تالی بجاتے ہیں۔

اونہوں! — اور زور سے بجاؤ، سب لڑکا لوگ مل کر بجاؤ، مداری کہتا ہے اور لڑکے بہت زور سے تالی بجاتے ہیں — ہاں دیکھو لڑکا لوگ —! یہ ایک لکڑی کا لال سر کا لنگور ہے۔ اس میں کوئی کل نہیں ہے کوئی مشین نہیں ہے جسے یقین نہ ہو وہ سامنے آجائے

..... بادۂ کہن .....

○

ہم تجھ سے کس ہوس کی فلک جستجو کریں	دل ہی نہیں رہا ہے جو کچھ آرزو کریں
تر دامنی پہ شیخ! ہماری نہ جائیو	دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں
سر تا قدم زبان ہیں جوں شمع، گو کہ ہم	پر یہ کہاں مجال جو کچھ گفتگو کریں
ہر چند آئینہ ہوں پر اتنا ہوں ناقبول	منہ پھیر لیں وہ جس کے مجھے روبرو کریں
نے گل کو ہے ثبات نہ ہم کو ہے اعتبار	کس بات پر چمن! ہوس رنگ و بو کریں

..... خواجہ میر دردؔ .....

مداری کبھی جھوٹ نہیں بولتا، مداری ہمیشہ سچ بولتا ہے۔ لکڑی کے لنگور میں کوئی پرزہ نہیں ہے لیکن یہ مداری کے جادو سے ابھی ناچ دکھائے گا۔

بجاؤ لڑکا لوگ تالی ــــ! لڑکے تالی بجاتے ہیں اور لکڑی کا لنگور مداری کی لکڑی پر ناچ رہا ہے بھیڑ بڑھتی جا رہی ہے ــــ

ناچ ختم ہو جاتا ہے اور مداری لنگور کو جھولے میں ڈال دیتا ہے۔ پھر پانچ گیندیں نکالتا ہے اور انھیں مسلسل فضا میں اُچھالنے لگتا ہے، لڑکے مداری کے کمال سے مرعوب ہوتے جا رہے ہیں .... لڑکا لوگ! یہ سب تو مداری کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، ابھی ہم تم کو ایک بہت بڑا کھیل دکھائے گا، ایسا کھیل کوئی مداری نہیں دکھا سکتا۔ ابھی ہم اس لڑکے کی گردن کاٹ کر زمین پر رکھ دیگا ــــ اور اُسے پھر جوڑ دیگا "کیوں لڑکے اپنی گردن کٹوائیگا؟" "کٹوائے گا" ــــ! لڑکا جواب دیتا ہے ــــ شاباش!! ہم تمہاری گردن ابھی کاٹے گا، تم کو کوئی تکلیف نہیں ہوگا۔ بس تم ذرا سا مر جائے گا ــــ بجاؤ لڑکا لوگ تالی ــــ!

لڑکا لوگ تالی بجاتا ہو اور مداری اپنے جھولے سے ایک پلیٹ نکالتا ہے، ایک ہاتھ سے اُسے لکڑی کے سہارے فضا میں نچاتا ہو اور دوسرے ہاتھ سے ڈگڈگی بجا رہا ہے۔ راہ گیر برابر جمع ہوتے جا رہے ہیں، ارد گرد بیٹھے ہوئے لڑکے مداری کے لڑکے کی گردن کٹنے کے انتظار میں بیٹھے ہوئے پہلو بدل رہے ہیں ــــ درخت کے پتوں سے چھن چھن کر دھوپ لڑکوں کے اوپر پڑ رہی ہے، ان میں مداری کی طویل تقریر سے اُکتاہٹ پیدا ہو چلی ہے، آپس میں کھسر پھسر ہو رہی ہے اور گردن کے کٹنے اور نہ کٹنے کے امکان پر بحث ہو رہی ہے۔

لڑکا لوگ گھبراؤ نہیں ــــ بس ایک مرتبہ زور سے تالی بجاؤ، ہم ابھی گردن کاٹ کر دکھاتا ہے ــــ بجاؤ تالی! لڑکے زور سے تالی بجاتے ہیں ــــ

مداری ــــ اے مداری ــــ!! مداری کا لڑکا چیختا ہے۔

کیا ہے ــــ؟ مداری پوچھتا ہے۔

مداری مجھے بھوک لگ رہی ہے، پہلے کچھ کھلا دو تب میری گردن کاٹو ــــ!

ہاں تم ٹھیک کہتا ہے، کیوں لڑکا لوگ؟! بھوکا آدمی کی گردن کاٹنا ٹھیک نہیں ہے۔ بھوکا جانور بھی ذبح نہیں کیا جاتا ــــ دیکھو لڑکا لوگ یہ لڑکا تمھارے لئے اپنی گردن کٹا رہا ہے۔ اس لئے تم لوگ اس کا پیٹ بھر دو، زیادہ نہیں ــــ پیسہ، دو پیسہ ــــ آنہ، دو آنہ ــــ جو تم سے ہو سکے اس کو دیدو۔ پھر میں اسکی گردن کاٹ کر تمھیں دکھا دوں گا ــــ جاؤ بچہ، ان لوگوں سے اپنے پیٹ کے لئے کچھ لے لو ــــ

مداری کا بچہ ایک پلیٹ لے کر دائرہ میں گھومتا ہے اور سوال کرتا ہے ــــ لڑکے مداری کے اس اچانک "حملے" سے سٹپٹا جاتے ہیں ــــ وہ تو صرف تماشہ دیکھنے آئے تھے ــــ اب وہ پیچھے کی طرف دب رہے ہیں۔ ــــ مداری کی ڈگڈگی مسلسل بج رہی ہے ــــ

ڈگ، ڈگ ...... ڈگ ڈگ!!

آئس کریم ــــ آنہ میں دو ــــ دو پیسہ کی ایک آئس کریم۔ مجمع کے پیچھے سے آواز آتی ہو اور پسینہ میں شرابور ہانپتے ہوئے لڑکے آئس کریم والے کی طرف بھاگتے ہیں ــــ مداری پکارتا ہے ــــ آؤ لڑکا لوگ ــــ گردن کٹنے کا تماشہ تو دیکھ لو ــــ لیکن لڑکے اب اس کی ترکیب سے واقف ہو چکے ہیں اور وہ دوسرے پکارنے والے کی طرف لپک رہے ہیں ــــ میدان صاف ہو جاتا ہے۔ ناکام مداری جھولا کندھے پر ڈال کر آگے چل دیتا ہو اب وہ کسی دوسری جگہ اسی طرح ڈگڈگی بجائے گا اور کہے گا......

"لڑکا لوگ تالی بجاؤ ــــ"

طابع و ناشر: سید احتشام علی رحیم آبادی
مطبوعہ: نوائے ... پریس لکھنؤ

اس نے معاملات کو معاملات کے نقطۂ نظر سے دیکھا اور شاعرانہ جذبات اور خوش آئند فلسفیانہ تصورات کے بجائے ہر موقع پر انسانی نفسیات کو پیش نظر رکھا اور روزمرہ کی زندگی میں پیش آنے والے واقعات کو نظر انداز کرنے کے بجائے ان کو حل کرنے کی راہیں نکالیں اور تدبیریں بتائیں طلاق و خلع کے احکام بھی اسی نقطۂ نظر کے ماتحت بیان کئے گئے۔

اسلام نکاح کو مرد و عورت کے درمیان زندگی بسر کرنے کا معاہدہ قرار دیتا ہے، اس کا حکم ہے کہ یہ معاہدہ خوب سوچ سمجھ کر کیا جائے۔ جب اچھی طرح غور و فکر کے بعد عورت اور مرد یہ فیصلہ کرلیں کہ آپس میں بخوبی زندگی بسر کرسکیں گے تو کم از کم دو گواہوں کے سامنے اس کا اظہار کریں اور باقاعدہ معاہدہ کریں۔

عبارت بالا سے واضح ہے کہ نکاح عورت اور مرد کے درمیان زندگی بسر کرنے کا ایک معاہدہ ہے ظاہر ہے کہ اس موقع پر دونوں کی نیت یہی ہوگی کہ وہ اپنی پوری زندگی باہم یکجہتی و ہم آہنگی اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ گزاریں گے عارضی تعلق کی نیت یا وقتی انتفاع کا خیال نکاح کی روح کے خلاف اور اس کے بنیادی تصور کے منافی ہے اس لئے شریعت نے اس جذبہ کی مذمت کی ہے اور نکاح کے لئے مستقل تعلق قائم رکھنے کی نیت ضروری قرار دی ہے۔ (محصنین غیر مسافحین) نکاح کے بعد خوش اسلوبی کے ساتھ زن و شو کو زندگی بسر کرنے کی تاکید کی گئی، اگر کسی وجہ سے باہم ناچاقی ہو جائے تو حکم دیا گیا کہ صلح و صفائی اور تعلقات کی شگفتگی اور استواری کی پوری کوشش کی جائے تاکہ ایک بار ربط و اتحاد اور قربت و یگانگت کا جو رشتہ قائم ہوگیا ہے وہ ٹوٹنے نہ پائے لیکن اگر اتفاق سے دونوں کے تعلقات اس قدر خراب ہو جائیں کہ ہر قسم کی کوشش کے باوجود کسی طرح نباہ کا امکان نظر نہ آئے تو پھر اسلام یہ اجازت دیتا ہے کہ دونوں خوش اسلوبی کے ساتھ تعلقات منقطع کرلیں، طلاق اور خلع اسلامی شریعت میں اسی کا نام ہے۔ طلاق شوہر کی طرف سے تعلقات ختم کرنے کا اعلان ہے اور خلع بیوی کی طرف سے نارضامندی کا اظہار اور رشتۂ ازدواج کو منقطع کرانے کی درخواست ہے۔ مرد چونکہ عموماً عورتوں کے مقابلہ میں زیادہ طاقت و اقتدار رکھتے ہیں اور انھیں بحیثیت مجموعی عورتوں پر تفوق حاصل ہوتا ہے، اس لئے انھیں خود اپنے فیصلہ کا اعلان کرنے کی اجازت دی گئی، لیکن عورتیں چونکہ نسبتہً کمزور ہوتی ہیں اور سوسائٹی میں انھیں عموماً مردوں کی طرح قوت و اختیار اور تسلط و اقتدار حاصل نہیں ہوتا ہے اس لئے انھیں حکومت کی حمایت حاصل کرنے کا حق دیا گیا۔

اگر کسی عورت کا اپنے شوہر کے ساتھ گزر نہ ہوسکے اور وہ محسوس کرے کہ علیحدگی کے سوا اب کوئی چارہ کار نہیں ہے تو وہ حاکم کے سامنے اپنے اس ارادہ کا اظہار کرے گی، حاکم اس کا بیان سن کر شوہر کو طلب کرے گا اور دونوں کے درمیان تفریق کرا دے گا۔ اس بارہ میں شوہر کی پسندیدگی کو کوئی دخل نہیں ہے، وہ چاہے یا نہ چاہے عورت اگر اسکے ساتھ گزر کرنے کے لئے تیار نہیں ہے تو حاکم شوہر کو علیحدگی پر مجبور کرے گا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت بن قیس ابن شماس کی بیوی کی درخواست پر کیا تھا، وہ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں اپنے شوہر ثابت کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی ہوں میں ان کے اخلاق و دین میں کوئی عیب نہیں لگاتی لیکن مجھے وہ اچھے نہیں لگتے ہیں[1]۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی اس درخواست پر ان کے شوہر ثابت کو بلایا اور انھیں صورت حال سے مطلع کیا، ثابت نے کہا میں نے انھیں ایک باغ دیا تھا یہ میرا وہ باغ مجھے واپس کردیں انھوں نے وہ باغ واپس کردیا، اسکے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثابت کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو چھوڑ دیں

[1] ابن کثیر۔ ثابت ابن قیس کی بیوی کا یہ واقعہ حدیث و تفسیر کی تقریباً سب کتابوں میں مذکور ہے

★ عبد السلام فرائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

(۸۶)

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ۝

ترجمہ:

اور جب تم عورتوں کو طلاق دو، پھر وہ اپنی مدت (عدت) تک پہونچ جائیں تو انھیں نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کریں، جب کہ وہ قاعدہ کے مطابق آپس میں رضامند ہو جائیں، اس بات کی ان لوگوں کو نصیحت کیجاتی ہے جو تم میں سے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں یہ تمہارے لئے بہت صفائی اور پاکیزگی کی بات ہے، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ہو۔

تشریح:

جیسا کہ اس سے پہلے رکوع کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے کہ اسلام سے پہلے عہد جاہلیت میں طلاق کا حق صرف زندگی کی ناخوشگواری کو ختم کرنے کے لئے استعمال نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر اس سے عورتوں کو تنگ کرنا مقصود ہوتا تھا، عدت کے اندر رجوع ہونے کا حق اس لئے دیا گیا تھا کہ ممکن ہے کسی وقتی غصہ یا ناگواری کی وجہ سے طلاق دیدی گئی ہو۔ بعد کو جب طبیعت اعتدال پر آئے تو محسوس ہو کہ یہ تو بہت برا ہوا، اس صورت میں اسے بغیر کسی زحمت کے اپنے سابق اعلان سے دست بردار ہونے کا حق تھا لیکن اس کے بجائے اکثر یہ مفید اجازت عورتوں کو تنگ کرنے کے لئے استعمال کی جاتی تھی، جب عدت ختم ہونے لگتی تو مرد رجعت کر لیتے، اس طرح وہ عورت کے ساتھ تعلقات استوار کرتے نہ اس کی گلوخلاصی ہونے دیتے، شریعت نے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ کہہ کر رجعت کے اس غیر محدود حق کو ختم کر دیا اور دو رجعتوں کے بعد مرد کو مجبور کر دیا کہ یا تو عورت کے ساتھ اچھی طرح سے زندگی بسر کرے یا پھر مستقل طور پر قطع تعلق کر لے۔

عدت پوری ہونے کے بعد عورتیں نئی زندگی شروع کرنا چاہتی تھیں تو ان کی راہ میں مردوں کی طرف سے رکاوٹ ڈالی جاتی اور کوشش کی جاتی کہ کسی طرح انھیں کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرنے کا موقع نہ دیا جائے، آیت بالا میں اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت فرما دی اور فرمایا کہ طلاق دے چکنے کے بعد تمہیں کوئی حق نہیں پہنچتا کہ عورتوں کو از سر نو ازدواجی زندگی شروع کرنے سے روکو، وہ اپنی قسمت کی مالک ہیں، اگر وہ کسی شخص کو اسلامی اصول کے مطابق اپنا شریک زندگی بنانا چاہتی ہیں تو کسی کو ان کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کا حق نہیں ہے۔ بعض اوقات ایسا ہوتا کہ عورتوں کے اولیاء ان کی راہ میں حارج ہوتے اور انھیں اپنی پسند سے نکاح نہ کرنے دیتے اس آیت میں یہ اعلان کر دیا تھا کہ عورتوں پر نکاح کے بارہ میں کسی قسم کا جبر روا نہیں ہے، وہ اپنی قسمت کی پوری مالک ہیں، اولیاء اور اعزہ کو مشورہ دینے کا حق ہے لیکن کسی حال

(۱) تفسیرات احمدیہ ملا جیون

ادارۂ تعلیمات اسلام کا ترجمان

ماہوار تعمیر لکھنؤ

۳۰- امین آباد پارک

ادارۂ تحریر

عبدالسلام قدوائی ندوی • مشیر الحق [illegible]

مئی ۱۹۵۳ء مطابق شعبان ۱۳۷۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

سنگ بنیاد

اسلامی تعلیمات اور امت کے اسباب عروج وزوال پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ اسلام دین و دنیا کی تفریق سے نا آشنا ہے، وہ عام مذاہب کی طرح محض عبادات و رسوم کا ایک مجموعہ نہیں ہے بلکہ زندگی کا ایک مکمل دستور العمل ہے۔ اسلام کے نزدیک دین دنیا سے علیحدہ کوئی چیز نہیں ہے بلکہ دنیا میں صحیح طریقے سے رہنے اور دنیا والوں سے صحیح برتاؤ کرنے اور دنیا کی چیزوں کو صحیح طریقے سے برتنے کا نام صحیح دینداری ہے۔ اسلام کے نزدیک عبادت محض چند اعمال و مناسک کا نام نہیں ہے بلکہ اپنی زندگی کو مرضی الٰہی کی روشنی میں بسر کرنا اور ہدایت الٰہی کے مطابق زندگی کے مشاغل کو انجام دینا درحقیقت عبادت ہے۔ ایک مومن کے نزدیک زندگی دین اور دنیا کے دو حصوں میں منقسم نہیں ہے۔ مومن اپنے سارے اعمال حیات مرضی الٰہی کے مطابق انجام دیتا ہے اور جس موقع پر جس کام کے کرنے کا حکم ہوتا ہے وہی کام انجام دیتا ہے، یہی اس کی بندگی ہے اور یہی اس کی عبادت، عبد اپنے معبود کے احکام کی تعمیل کے لئے جو کرے اسی کا نام عبادت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اس اصول کی عملی تفسیر تھی، آپ کے جانشینوں نے بھی اپنے عمل سے دین و دنیا کی جامعیت کا بہترین نمونہ عالم کے سامنے پیش کیا، جو قیامت تک مشعل راہ کا کام دے گا، اس جامع زندگی کا رواج جب تک مسلمانوں کے اندر رہا، وہ ترقی کی منزلیں تیزی سے طے کرتے رہے۔ حضرت عمرؓ کی خلافت کی مختصر مدت دیکھئے اور اس عظیم الشان مملکت کا تصور کیجئے جو انھوں نے قائم کی تو سخت حیرت ہوتی ہے، دس برس کے محدود زمانے میں ساڑھے بائیس لاکھ مربع میل زمین کی فتوحات اور ان کا بہترین انتظام محیر العقول ہے۔ دین و دنیا کی یہ جامعیت پوری تاریخ میں جہاں بھی آپ کو نظر آئے گی تعمیر و ترقی کی طرف تیزی سے قدم اٹھتے نظر آئیں گے۔

افسوس ہے بعد کے زمانے میں یہ جامعیت باقی نہیں رہی

زرتعاون ہندوستان و پاکستان سے
سالانہ [illegible]، ششماہی [illegible]، قیمت فی پرچہ [illegible]

پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
صدر چراغ راہ، نو دنیا بلڈنگ، آرام باغ روڈ، کراچی

اور عمل سے خالی ایسے اشخاص نظر آتے ہیں جو دینی
صلاحیت اور دنیاوی سلیقہ کے جامع ہیں، یہ امت کی
پستی اور انحطاط کا سب سے بڑا سبب ہے۔ اخیر صدیوں میں
دیندار اور دنیادار دو مستقل گروہ بن گئے تھے، دیندار
دنیا سے الگ تھلگ گوشہ نشینی کی زندگی بسر کرتے تھے اور
دنیادار بے خدا اور عالم کی باگ ہاتھ میں لئے بے دھڑک
جدھر چاہتے تھے مصروف جولانی تھے، نہ انھیں دینی رہنمائی
حاصل تھی، نہ انھیں دنیاوی اقتدار میسر تھا، دیندار مجبور اور
دنیادار بے نور ہو گئے تھے، ایک کے سامنے شمع ہدایت
غائب تھی اور دوسرے کے پاس اسباب معیشت نایاب تھے
اس مجبوری و بے نوری نے ملت پر صحیح راہ عمل بند کر دی
نتیجہ جو ہوا وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے، جو ہو رہا ہے
وہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور آئندہ اس طرز عمل
کے جو نتائج نکل سکتے ہیں چشم بصیرت رکھنے والوں سے
پوشیدہ نہیں، اصلاح حال کی خواہ کتنی ہی کوششیں کی
جائیں لیکن اس میں پوری کامیابی کا حاصل ہونا اس وقت
تک ناممکن ہے جب تک کہ دین و دنیا کی تفریق کا مکمل خاتمہ
نہ ہو، بقول شیخ سید احمد شریف سنوسی قرآن کے قوانین اپنے
نفاذ کے لئے سلطان کے محتاج ہیں، اگر ایسے لوگ موجود
نہیں ہیں جو قرآن مجید کو سمجھ کر اسکے احکاموں کو بروئے کار
لاسکیں تو احکام الٰہی کی ترویج اور زندگی کے میدان میں
ان کا نفاذ کیونکر ہو سکتا ہے۔ ایک مفکر کا یہ قول بڑے
گہرے تجربے اور امت کے مرض کی بڑی باریک تشخیص پر
دلالت کرتا ہے مفکر موصوف کا قول ہے کہ الاسلام
بین جامد و جاحد (اسلام جمود پسند اور منکر کے
درمیان ہے) اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں میں
عام طور سے دو قسم کے گروہ پائے جاتے ہیں، ایک وہ طبقہ
جو آنکھیں بند کر کے پرانی روش پر گامزن ہے اور وہ نہ
زمانے کے رجحانات کی پرواہ کرتا ہے نہ انقلاب کے
وسیع تغیرات پر غور کرتا ہے نہ اسلام کی تعلیمات پر گہری
نظر رکھتا ہے، وہ اجتہاد کے علم سے محروم اور حالات کے
اصول پر منطبق کرنے کی صلاحیت سے محروم ہے، آباء و اجداد
کے مقرر کردہ آداب و رسوم اور اوضاع و اطوار کو دین
سمجھتا ہے، ایسے جمود پسند لوگ لمحہ بہ لمحہ تبدیل ہونے والی
زندگی میں امت کی رہنمائی شریعت اسلامی کی روشنی میں
نہیں کر سکتے ہیں۔ یہ لوگ نہ اسلام کو پورے طور پر سمجھتے
ہیں نہ زمانے کے حالات کو۔ دوسری طرف وہ طبقہ ہے
جو اسلام پر حقیقی ایمان نہیں رکھتا ہے۔ رسمی طور پر یہ لوگ
اپنے کو مسلمان کہتے ہیں لیکن ان کے دل اسلامی اصول
سے ناواقفیت اور کتاب الٰہی اور سنت نبوی سے ناآشنائی
کی بنا پر اسلام پر حقیقی ایمان سے محروم ہیں۔ انھیں یقین
ہی نہیں آتا کہ اس بیسویں صدی میں اسلامی اصول نوع
انسانی کی رہنمائی کر سکتے ہیں، اور قوانین اسلام اب بھی
اس فناگاہ عالم کو رشک ارم بنا سکتے ہیں۔ اس خیال کا نتیجہ
یہ ہے کہ وہ اسلام کے حیات آفریں اصول کو بروئے کار
لانے کے لئے کسی جد و جہد کا تصور بھی ذہن میں نہیں
رکھتے ہیں، نام نہاد دیندار طبقے کا حال اوپر بیان ہو چکا
ہے، دنیا سے ناواقفیت، دنیاوی معاملات سے علیحدگی
اور دین کے جامد تخیل کی بنا پر یہ لوگ امامت کے منصب سے
مدت ہوئی ہٹ چکے ہیں اور مدتوں سے زمانہ کی ٹھوکریں
کھاتے کھاتے اب پس روی اور گوشہ گری پر قانع ہیں
مذہب کا تصور ان کی نگاہ میں بہت ہی محدود ہے اور
وہ اس عالم کی غیر اسلامی فضا میں اسلام کا کبھی کبھی نام
لینے کو غنیمت سمجھتے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ تصور اس شخص کا
نہیں ہو سکتا جس کے اندر اسلام کی صحیح روح کارفرما ہو
لیکن اس صورت حال کا علاج کیا ہے، جب تک دین
کے سرچشموں تک رسائی نہ ہو، کتاب الٰہی، سنت نبوی
اور صحابہ و تابعین کے آثار اور محققین اسلام کی کتب [illegible]

اور اس کے ساتھ عالم کی مزاج شناسی اور زندگی کی رفتار
و اسالیب کار کو اچھی طرح نہ سمجھتے ہوں اس وقت تک
ان سے یہ توقع بے کار ہے کہ وہ اس دنیا کو اسلام کا پیغام
سمجھا سکیں اور اس مصیبت زدہ عالم کو اسلام کا جاں بخش
اور روح پرور اور راحت افزا نظام عطا کر سکیں گے۔
اس لئے اس وقت سب سے اہم کام یہ ہے کہ ایسی تعلیم گاہیں
قائم کی جائیں جن کے اندر ایسی تعلیم دی جائے جس سے
دینی واقفیت اور دنیاوی معلومات دونوں بخوبی حاصل
ہو سکیں بقول مولانا شبلی مرحوم

اے کہ پرسی کہ دریں کار چہ تدبیر شود
دین و دنیا بہم آمیز کہ اکسیر شود

اس اکسیر کی تیاری اور ایسے اکسیر ساز ادارے قائم کرنے
سے بڑھ کر امت کی اصلاح و ترقی کی کوئی اور تدبیر نہیں ہے
پچھلی صدی کے مصلحین کے حالات سے جو لوگ واقف
ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ سو دو سو برس کے عرصہ میں جتنے
بڑے بڑے مصلحین ہوئے ہیں ان سب نے ایسے جامع تعلیمی
مرکزوں کی ضرورت پر زور دیا ہے اور ہر قسم کی اصلاحی
جد و جہد کے لئے انھیں سنگ بنیاد قرار دیا ہے لیکن افسوس
ہے کہ اب ان اصحاب فکر کی آواز صدا بصحرا ہے اور
کوئی ایسی اعلیٰ درجہ کی درسگاہ قائم نہ ہو سکی جو
دینی اور دنیاوی علوم کی اعلیٰ تعلیم کا مرکز ہوتی، یہی وجہ
ہے کہ ہر اصلاحی تحریک آخر میں کمزور ہو جاتی ہے یہ
صورت حال اس وقت تک جاری رہے گی جب تک
کہ دین و دنیا کی بہترین تعلیم کا خاطر خواہ بندوبست نہ ہو جائیگا
آئندہ ہم اس ناکامی کی وجہ بیان کریں گے۔

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

باغ عالم

وجوہ شادابی و اسباب بربادی

●

ایک بزرگ سے اس دنیا کے متعلق ایک بہت اچھی
تمثیل منقول ہے۔ اس مثال میں انھوں نے اس دنیا
کی سرسبزی و شادابی کے اسباب بہت خوبی کے ساتھ گنائے
ہیں، پھر ان اسباب کا تذکرہ کیا ہے جو اس عالم شاداب کو
ویران بنا دیتے ہیں۔ قارئین تعمیر کی دلچسپی کے لئے ہم یہ
تمثیل امام رازی کی تفسیر سے ترجمہ کر کے پیش
کر رہے ہیں۔ ان بزرگ نے فرمایا:۔

"یہ دنیا ایک باغ ہے جو علماء کے علم، حکمرانوں
کے عدل و انصاف، عباد و عبادت گزاروں کی عبادت
و ریاضت، تاجروں کی امانت و دیانت اور
اہل حرفہ کے اخلاص و نیک نیتی سے سرسبز
و شاداب ہوتا ہے اور اس کی آرائش و زیبائش
میں اضافہ ہوتا ہے"

اگر یہ مذکورہ بالا طبقے اپنے فرائض، اخلاص و حسن نیت
کے ساتھ انجام دیں تو واقعی یہ دنیا جنت بن جائے
لیکن افسوس کہ دنیا کی یہ آرائش شیطان سے دیکھی نہ
گئی اور اس نے اسے خراب کرنے کے لئے ان پانچ
چیزوں کے قریب دوسری پانچ چیزیں ایسی لا کھڑی
کیں جن سے اس دنیا کی آراستگی [illegible] علم کے پہلو میں جہل
عدل کے پہلو میں جور، عبادت کے پہلو میں [illegible]
کے پہلو میں [illegible] اخلاص [illegible]

لاکر جا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ علماء کے علم کی برکات مفقود ہو گئیں اور حسد کی آتش زنی نے باغ عالم کو بھسم کر ڈالا، حکمرانوں نے عدل و انصاف کی جگہ ظلم و جور کو اپنا شیوہ بنا لیا، اس کی وجہ سے دنیا کا سکون و اطمینان برباد ہو گیا۔ عبادت گزاروں کی عبادت و ریاضت سے زمین منور تھی لیکن ریاء اور نمائش نے بندگی کی شان ختم کر دی اور عبادت دکھاوے کے پردے میں بے حقیقت ہو گئی۔ تاجروں کی امانت و دیانت سے اہل عالم راحت و آرام کی زندگی بسر کر رہے تھے، اور باغ عالم کی بہار فروغ پر تھی لیکن خیانت و بے ایمانی کی وجہ سے بہار خزاں ہو رہی تھی اور امن و سکون کی جگہ پریشانی اور بے چینی پھیل گئی تھی، اہل حرفہ کا اخلاص اس باغ کی آب یاری کر رہا تھا، لیکن فریب نے اس کے سوتے خشک کر دیے اور لہلہاتا ہوا باغ مرجھانے لگا۔

ایک اور بزرگ حضرت عبداللہ ابن مبارک نے اس حقیقت کو ایک اور طرح سمجھایا ہے، انھوں نے ہماری تاریخ پر ایک نظر ڈال کر خرابی اور تباہی کے وجوہ و اسباب کا پتہ چلایا اور فرمایا اس امت میں فساد خواص کی راہ سے آیا ہے۔ علماء، مجاہد، زاہد، تاجر اور حکام یہی پانچ طبقہ امت کی بنیاد تھے، علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث تھے، زاہد اہل زمین کا سہارا تھا، مجاہد اسلام کی فوج تھے، تجار اللہ کی زمین میں اس کے امین تھے، حکام عالم کیلئے نگہبان تھے، لیکن جب صورت حال یہ ہو جائے کہ علماء دین کو بیچا کرنے لگے اور مال کو دین پر دولت کو ترجیح دینے لگے تو بتائیے کہ پھر بیچارا جاہل کس کی اقتدا کرے، زاہد تو دنیا کی طرف جھک پڑیں تو تائب کس کی پیروی کریں، غازی جب حریص اور ریاکار بن جائیں تو دشمن پر کس طرح غلبہ حاصل کیا جا سکتا ہے تاجر جب خیانت پر اتر آئیں تو امانت کہاں رہ جائے گی اور جب نگہبان بھیڑیا بن جائیں تو حفاظت کس طرح ممکن ہے

★ مشیر الحق عمری آبادی

مرض اور علاج

●

آج دنیا پہلے زمانہ کے مقابلہ میں بہت ترقی کر چکی ہے۔ کل کا ناممکن آج ممکن بن چکا ہے، کل جس کام میں برسوں لگتے تھے آج وہ منٹوں اور سکنڈوں میں ہو جاتا ہے، سائنس نے انتہائی ترقی کر لی ہے کہ اب اس کے بغیر انسانی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن اسی کے ساتھ ساتھ انسانیت کو ان سائنسی مشینوں نے کھوکھلا کر دیا ہے اس سے بھی کوئی سلیم الطبع انسان انکار نہیں کر سکتا، آج کا انسان ایک مشینی انسان بن چکا ہے جس طرح کسی فیکٹری یا کارخانہ میں مختلف قسم کی مشینیں دن رات کام میں لگی رہتی ہیں۔ لیکن کوئی بھی مشین اپنے سے ملحق مشین کی ذرہ برابر خبر نہیں رکھتی، ایک

اگر ٹوٹ جاتی ہے تو ٹوٹ جائے، ایک اگر بند ہوتی ہے تو ہو جائے، دوسری مشین خاموشی سے اپنا کام کرتی رہے گی، بالکل یہی حالت آج انسانوں کی ہے ایک شہر میں رہنے والے، ایک محلہ کے بسنے والے بلکہ ایک پڑوس میں زندگی گزارنے والے انسان ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہر ایک اپنے کام میں مست پڑوسی بھوکا سوتا ہے تو سوئے، محلہ میں موت یا شادی کا ہنگامہ ہوتا ہو تو ہو، دوسروں کو اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

آج انسان انسانیت کے رتبے سے اتنا نیچے گر چکا ہے کہ وہ جانوروں سے بھی گیا گزرا ہے چیونٹی تمام جانوروں میں سب سے چھوٹی اور ہر وقت پیروں سے روندی جانے والی مخلوق ہے لیکن کبھی آپ کو فرصت ہو تو شکر کے چند دانے زمین پر ڈال کر ان کا تماشہ دیکھئے اگر اس جگہ تک ایک چیونٹی بھی [illegible] کوئی تھوڑی دیر بعد آپ دیکھیں گے کہ وہاں سیکڑوں چیونٹیاں خدا جانے کہاں سے آ کر جمع ہو جائیں گی، آپ نے کبھی سوچا کہ ان چیونٹیوں کو اس شکر کی خبر کس نے پہنچائی۔ اور کبھی آپ کے ذہن میں یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ پہلی چیونٹی نے

پاک بیویاں ــــــــــ (۳)

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں، بعثت نبوی کے چوتھے برس پیدا ہوئیں۔ ۹ برس کی عمر میں شادی ہوئی اور جب آپ کی عمر اٹھارہ برس ہوئی تو آنحضرت صلعم کا وصال ہو گیا۔ تمام ازواج مطہرات میں صرف آپ ہی کنواری تھیں۔

آپ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت زیادہ محبوب تھیں، جب آپ کا وصال ہونے لگا تو دوسری ازواج مطہرات سے اجازت لے کر اپنے آخری دن آپ نے حضرت عائشہؓ کے حجرہ ہی میں گزارے اور اسی حجرہ میں دفن ہوئے۔

حضرت عائشہؓ تفسیر، حدیث اور رموز شریعت کی بہت بڑی عالمہ تھیں۔ آپ تینوں خلفاء کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتی تھیں اور صحابہ کو جب کسی معاملہ میں الجھن ہوتی تھی تو آپ ہی کی طرف رجوع کرتے تھے، کہا جاتا ہے کہ دین کے چوتھائی احکام صرف آپ کے ذریعہ لوگوں تک پہونچے ہیں۔

آپ بہت زیادہ بلیغ تھیں، ادب اور علم نسب کی ماہر بھی تھیں۔ بڑے بڑے تھے آپ کا زہد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو تمام عورتوں پر فضیلت دی ہے اور فرمایا ہے کہ عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر اسی طرح ہے جس طرح (ثرید) لذیذ کھانے کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔

۶۶ سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

خاموشی سے تمام شکر کا ذخیرہ کیوں نہ کر لیا ۔۔۔ !

اگر آپ زمین پر دیکھنے کے عادی نہیں ہیں تو اپنے سے بلند آسمان کی طرف تو کبھی نہ کبھی دیکھتے ہی ہوں گے آپ نے کبھی اس بات کو بھی سوچا کہ جب کہیں گوشت پڑا ہوتا ہے تو آسمان پر پہلے ایک چیل نظر آتی ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے سیکڑوں چیلیں اس جگہ جمع ہو جاتی ہیں ۔۔۔ تو کبھی آپ کے ذہن میں یہ سوال آیا کہ جو چیل پہلے آگئی تھی اس نے خاموشی کے ساتھ تمام گوشت پر قبضہ کیوں نہیں کر لیا۔

یہ صرف چیونٹی اور چیل ہی پر منحصر نہیں ہے تقریباً تمام جانوروں میں آپ یہ خصلت پائیں گے کہ وہ اپنے ہم جنس کو کسی طور پر بھوکا نہیں دیکھ سکتا ۔۔۔ لیکن انسان جو اشرف المخلوقات کہلاتا ہو اس کا حال ان بے زبانوں سے بھی گیا گذرا ہے، آج انسان صرف اپنے لئے ذخیرہ کر

اور اگر اسے پیٹ کی خاطر تمام دنیا کو کچل ڈالنا پڑے تو اسے ذرا بھی دریغ نہ ہوگا، اگر آج صحیح الخیال اور سلیم الفطرت انسانوں کی کوئی کمیٹی اس لئے بنائی جائے

★ ماہر القادری

قرآن کی فریاد

طاقوں میں سجایا جاتا ہوں، آنکھوں سے لگایا جاتا ہوں
تعویذ بنایا جاتا ہوں، دھو دھو کے پلایا جاتا ہوں

جز دان حریر و ریشم کے اور پھول ستارے چاندی کے
پھر عطر کی بارش ہوتی ہے، خوشبو میں بسایا جاتا ہوں

جب قول و قسم لینے کے لئے تکرار کی نوبت آتی ہے
پھر میری ضرورت پڑتی ہے، ہاتھوں پہ اٹھایا جاتا ہوں

دل سوز سے خالی رہتے ہیں، آنکھیں ہیں کہ نم ہوتی ہی نہیں
کہنے کو میں اک اک جلسہ میں پڑھ پڑھ کے سنایا جاتا ہوں

یہ میری عقیدت کے دعوے، قانون پہ راضی غیروں کے
یوں بھی مجھے رسوا کرتے ہیں، ایسے بھی ستایا جاتا ہوں

کس بزم میں میرا ذکر نہیں، کس عرس میں میری دھوم نہیں
پھر بھی میں اکیلا رہتا ہوں، مجھ سا بھی کوئی مظلوم نہیں

تو وہ دنیا کی خرابیوں اور جھگڑوں کی وجہ دریافت کرنے تو وہ تمام دردسری کے بعد یقیناً اس نتیجہ پر پہنچے گی کہ سب خرابیوں کی جڑ پیٹ ہے نہ روس ہے نہ امریکہ، نہ چین ہے نہ برطانیہ ان سب کا سرتاج پیٹ تمام خرابیوں کا ذمہ دار ہے۔ آج انسانوں کا پیٹ اتنا بڑھ چکا ہے کہ اگر اس میں پوری کائنات ڈال دی جائے تب بھی اس کو تسکین نہ ہو، دفتروں میں رشوت خوری، بازاروں میں ذخیرہ اندوزی، دوکانوں پر چور بازاری، کلبوں میں جوئے بازی اور سوسائٹیوں میں سٹہ بازی سب اسی پیٹ کا نتیجہ ہے۔ انسانی حرص اب اس نقطہ پر پہنچ چکی ہے جس کے آگے صرف خلا ہو، آج حالت یہ ہو کر بڑی قوم اپنے مفادی مفاد کیلئے چھوٹی قوم کو ہضم کر جاتی ہے۔ بڑے بڑے ملک چھوٹے چھوٹے ملکوں کو بغیر ڈکار لئے چٹ کر جاتے ہیں اور پڑوسی اپنے پڑوسیوں کے حقوق کو غصب کر لیتا ہے، حد تو یہ ہے کہ ایک گھر میں رہنے والے دو افراد ایک دوسرے کا گلا کاٹنے کو تیار رہتے ہیں۔

یہ حالات ہمیشہ قائم نہیں رہ سکتے، یہ ختم ہو سکتے ہیں اور پھر انسانوں میں انسانیت آ سکتی ہے لیکن اس کا صرف

انمول موتی

● عن ابی ھریرۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یستر عبدٌ عبداً فی الدنیا الا سترہ اللہ یوم القیمۃ

★ حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ جو اللہ کا بندہ کسی اللہ کے بندے کی ستر پوشی کرے گا اللہ اس کی قیامت میں ستر پوشی کرے گا۔

● وعنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول کل امتی معافی الا المجاھرین وان من المجاھرۃ ان یعمل الرجل باللیل عملاً ثم یصبح وقد سترہ اللہ علیہ فیقول یا فلاں عملت البارحۃ کذا وکذا وقد بات یسترہ ربہ ویصبح یکشف ستر اللہ علیہ۔

★ آپ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا میری امت کے سب لوگ معاف کر دیے جائیں گے سوائے علانیہ گناہ کرنے والوں کے، اور علانیہ گناہ کا مطلب یہ ہے کہ آدمی رات کو کوئی گناہ کرے اور وہ چھپا ڈھکا ہو پھر صبح خود ہی اس کا اعلان کر دے اور کہے کہ میں نے رات کو اس طرح کیا، اللہ نے تو اس کو چھپا یا تھا اس نے خود ہی اپنا پردہ فاش کیا۔

ایک طریقہ ہے، انسان اپنی خود مختاری سے دستبردار ہوجائے اور اپنے سے اونچی طاقت کو تسلیم کرے ایسی طاقت نہیں جو حالات سے بے خبر ہو، جو آفس میں نگراں ہو لیکن گھر پر نہیں، بازار میں پکڑ سکتی ہو ریلوں میں نہیں ——— بلکہ ایک ایسی طاقت جو دانا و بینا ہے، جو ہر جگہ اور ہر وقت دیکھتی ہے جس کے نزدیک خلوت جلوت یکساں، گھر و بازار برابر ہیں۔ انسان جب ایسی طاقت کو مان لے گا اور سچے دل سے اس سے ڈریگا تب وہ لامحالہ ان تمام بُری حرکات سے خود بخود رُکے گا جس سے اس کو منع کیا گیا ہے ——— اور دیکھتے ہی دیکھتے پوری دنیا کی حالت بدل جائیگی

اس موقع پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تمام دنیا کے لوگوں کا یک دم کس طرح اس اصول پر اکٹھا کیا جا سکتا ہے اور جب تک غالب اکثریت اس اصول کو ماننے والی نہ ہو تو اِکّا دُکّا لوگوں نے اس اصول پر عمل کیا تو کیا اور نہ کیا تو کیا، حالات تو ایسے ہی رہیں گے ——— لیکن ایسا نہیں ہے۔ یہ تجربہ ہے کہ اگر کسی دفتر میں ایک بھی ایمان دار آدمی پہونچ جاتا ہے تو غیر محسوس طور سے دھیرے دھیرے دفتر کی فضا بدل جاتی ہے خراب سے خراب محلہ میں اگر شریف آدمی بس جاتا ہے تو وہ اپنے اثرات محلے کے بُرے لوگوں پر ضرور ڈالتا ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ پہلے اُسے سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ برائی کبھی بھی بھلائی کے وجود کو برداشت نہیں کر سکتی۔ ایسے موقعوں پر خراب لوگ ہمیشہ یہ کوشش کرتے ہیں کہ نیک انسان کو بھی گھسیٹ کر اپنے رنگ میں رنگ لیں تاکہ اس کے مضبوط کریکٹر سے ان لوگوں کے ضمیر میں جو کھٹک ہوتی ہے وہ ختم ہو جائے لیکن جب وہ اُسے اپنے رنگ میں رنگ نہیں پاتے تو پھر بہت جلد اس کے آگے ہتھیار ڈال دیتے ہیں، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ چند آدمیوں کے درست ہو جانے سے کیا بنے گا ——— تاریخ بتاتی ہے کہ چند اچھے لوگ بھی بڑی سے بڑی سوسائٹی کو ٹھیک کر دیتے ہیں۔

حالات سے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف جدوجہد کی ضرورت ہے پورے عزم و خلوص کے ساتھ اس سے نبرد آزما ہونے کا وقت ہے۔ یہ نہ سمجھئے کہ آپ اس میدان میں تنہا ہیں، یہ بھی شیطان کا ایک بہت بڑا حربہ ہے کہ وہ انسان میں مختلف طریقوں سے یاس پیدا کر دیتا ہے اور قنوطیت کے جال میں پھنسا کر قوتِ عمل کو مفلوج کر دیتا ہے۔ ہمت کر کے میدان میں آئیے اور خود اپنے کو ایک انجمن سمجھ کر، ایک جماعت سمجھ کر اپنے اخلاق و کریکٹر سے اپنے ساتھ رہنے والوں پر ایسا اثر ڈالنے کی کوشش کیجئے کہ وہ آپ کا مطالعہ کرنے پر مجبور ہو جائیں۔

طابع و ناشر: احتشام علی رحیم آبادی

میں مجبور کرنے کا حق نہیں ہے (۱)

اس آیت کا ایک اور پہلو بھی ہے فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ سے یہ بھی نکلتا ہے کہ اگر طلاق کے بعد مرد اور عورت باہم رضامند ہو جائیں اور پھر اپنا نکاح کرنا چاہیں تو ایسا ہو سکتا ہے اور کسی کو مخالفت کرنے کا حق نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ایک بار اس نوعیت کا ایک واقعہ پیش آیا۔ معقل بن یسار رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں، انھوں نے ایک شخص سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا تھا، کچھ عرصہ کے بعد بالکل ان کی توقع کے خلاف اس شخص نے طلاق دیدی، عدت گزر جانے کے بعد اسے اپنی حرکت پر افسوس ہوا اور خواہش ہوئی کہ پھر انھیں بیوی سے نکاح ہو جائے، میاں بیوی کے مزاج میں فرق نہ تھا عورت کو اپنے شوہر سے محبت تھی، وہ سمجھتی تھی کہ جو کچھ ہوا بالکل اتفاقی طور پر پیش آیا اس لئے اسے اطمینان تھا، اب پھر اس قسم کا حادثہ پیش نہ آئے گا اور یکجہتی و ہم آہنگی اور محبت و خلوص کے ساتھ زندگی بسر ہو سکے گی، اس لئے وہ دوبارہ نکاح میں کوئی حرج نہ سمجھتی تھی اور چاہتی تھی کہ سابق شوہر ہی کے ساتھ زندگی بسر کرنے کا موقع ملے، لیکن ان دونوں کی رضامندی کے باوجود عورت کے بھائی حضرت معقل کو یہ رشتہ پسند نہ تھا انھوں نے اس شخص سے اپنی بہن کا نکاح کر کے یہ سمجھا تھا کہ خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی بسر کرے گا لیکن خلاف توقع جب اس نے طلاق دیدی تو انھیں بیحد رنج ہوا جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ دوبارہ نکاح کا خواستگار ہے تو انھیں بہت ناگوار ہوا اور انھوں نے دوبارہ رشتہ قائم کرنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا لیکن چونکہ میاں بیوی باہم رضامند تھے اور یہ سمجھتے تھے کہ اب دوبارہ ایسا حادثہ نہ ہوگا بلکہ خوش اسلوبی کے ساتھ زندگی بسر کی جا سکے گی اسلئے انھیں روکنا صحیح نہ تھا، معاملات اسی طرح چل رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ جب حضرت معقل کو اس آیت کا علم ہوا تو انھوں نے حکم خدا وندی کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا اور فرمایا بسر و چشم مجھے اپنے رب کا حکم منظور ہے اس کے بعد انھوں نے اس شخص سے اپنی بہن کا نکاح کر دیا (۱)

وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَاۗرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِھَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۤ وَعَلَي الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ

ترجمہ:

جو لوگ مدت رضاعت پوری کرنا چاہیں ان کے لئے مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں باپ کے اوپر حسب دستور ان عورتوں کے کھانے کپڑے کی ذمہ داری ہے۔ کسی شخص پر اس کی حیثیت سے زیادہ ذمہ داری نہیں ڈالی جائے گی، بچہ کی وجہ سے ماں کو کوئی نقصان پہنچایا جائے اور نہ بچہ کی وجہ سے باپ کو کوئی نقصان پہنچایا جائے (باپ اگر موجود نہ ہو تو) وارث پر بھی اسی طرح کی ذمہ داری ہے۔

(باقی آئندہ)

(۱) امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس بنا پر یہ فرمایا ہے کہ عاقل بالغ عورت اپنے نکاح میں خود مختار ہے اسکے لئے ولی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے

(۱) جامع ترمذی

AMEER·LUCKNOW
d. No. A-614
38, Aminabad P

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ
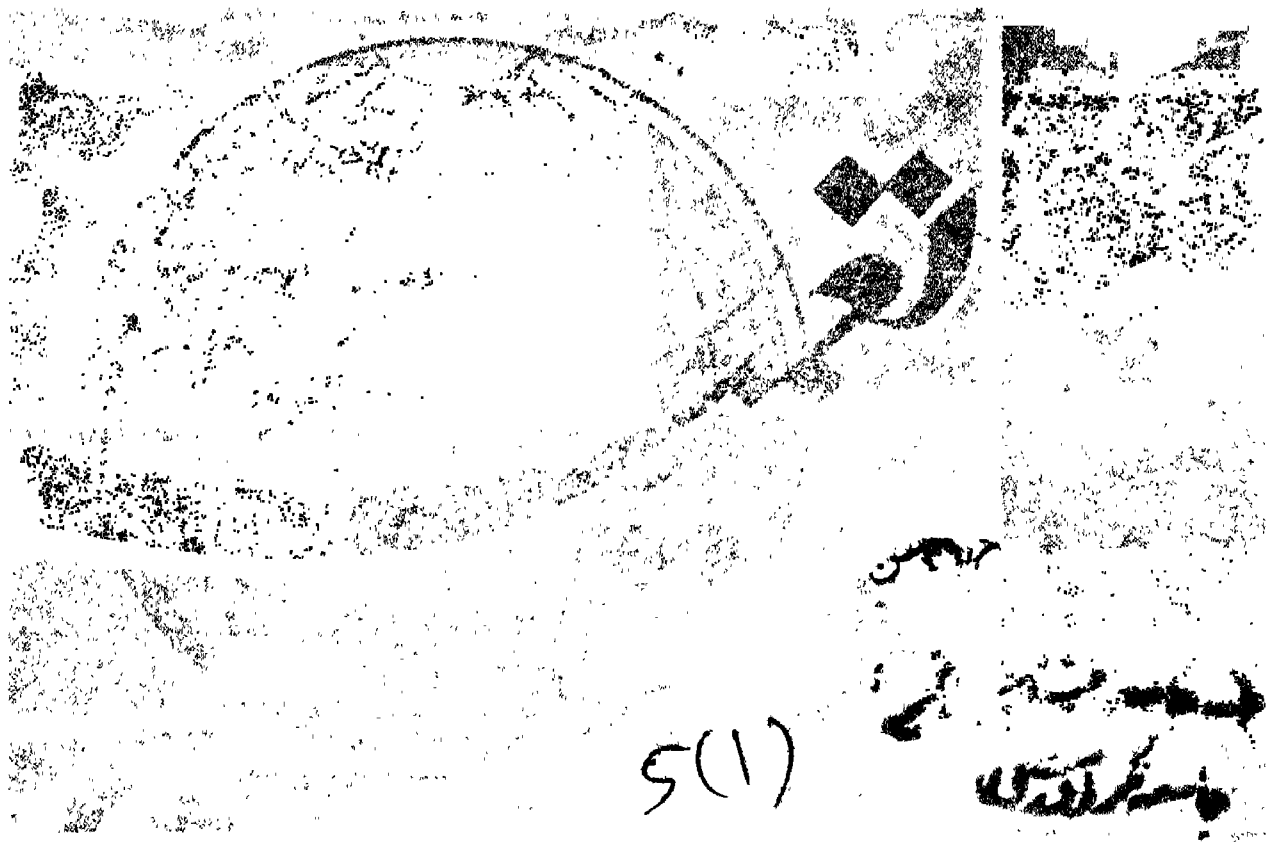
تشریح :

عدت کے دوران میں نکاح نہیں ہو سکتا، مگر پیغام دیا جاسکتا ہے، اگر کوئی شخص کسی ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے جس کا شوہر مرگیا ہے لیکن یہ ڈر ہے کہ اگر عدت گزرنے کا خیال کرے گا اور اپنے خیال کا اظہار نہ کرے گا تو ممکن ہے کہ نا واقفیت میں وہ عورت کسی دوسرے کے پیغام کو قبول کرلے، اس صورت میں اس شخص کو اجازت ہے کہ وہ دوران عدت ہی میں مناسب الفاظ میں اپنا منشاء عورت تک پہنچا دے شوہر کے انتقال کی وجہ سے چونکہ یہ زمانہ عورت کے لئے رنج و غم کا زمانہ ہوتا ہے، خاندان کے دوسرے اعزا بھی رنجیدہ ہوتے ہیں، اس لئے اس زمانے میں کھل کر پیغام دینا اور شادی بیاہ کا چرچا کرنا اچھا نہیں ہو اس لئے بہتر یہ ہے کہ اشارہ کنایہ میں اپنی بات کہی جائے، البتہ پوشیدہ سرگوشیوں اور چھپ کر ملنے جلنے کی اجازت نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں اخلاقی خرابیوں کے پیدا ہونے کا احتمال ہے۔ کم از کم بدنامی کا پورا امکان ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے چھپ کر ملنے اور خفیہ طور پر بات کرنے کی ممانعت کردی ہے۔

عدت ختم ہونے کے بعد نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ۝ وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ۝

ترجمہ :

تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اگر تم عورتوں کو اس صورت میں طلاق دو کہ جب تم نے نہ انھیں چھوا ہو اور نہ ان کے لئے مہر مقرر کیا ہو، اور (اس حالت میں طلاق کے بعد) انھیں تم ایک جوڑا کپڑا اور بنا دو، خوشحالی پر اس کی مقدرت کے مطابق اور تنگدستی پر اسکی مقدرت کے مطابق ہو، نیکوکاروں پر یہ بات لازم ہے۔ اور اگر تم ان کو چھونے سے پہلے طلاق دو اور حالت یہ ہو کہ تم نے ان کے لئے مہر مقرر کردیا ہو تو جو تم نے مہر مقرر کیا ہو ان کا نصف دینا تم پر واجب ہے، سوائے اس کے کہ عورتیں خود معاف کردیں یا وہ شخص معاف کردے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے اور اگر تم معاف کردو تو یہ تقویٰ سے زیادہ قریب تر ہے اور آپس میں فضیلت کو نہ بھولو، بلاشبہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے۔

(بقیہ تفسیر صلا پر دیکھئے)

ادارۂ تعلیمات اسلام کا ترجمان

ماہنامہ ... لکھنؤ

۳۸- امین آباد پارک

ادارۂ تحریر

عبدالسلام قدوائی ندوی ● مشیر الحق مجری آبادی

جولائی ۱۹۵۳ء مطابق شوال ۱۳۷۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین ہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

جمود والحاد کے پھیر میں

ڈاکٹر محمد امین ایک اہم مصنف ہیں وہ رہتے مصر میں ہیں لیکن ان کی تصنیفات مصر کے باہر بھی بہت مقبول ہیں، ان کے مضامین ہر جگہ بڑی وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، فجر الاسلام اور ضحی الاسلام اور ظہر الاسلام کے نام سے انھوں نے بڑی معرکۃ الآرا کتابیں لکھی ہیں جن میں تاریخ اسلام کا ذہنی اور فکری جائزہ بڑی دقت نظر کے ساتھ لیا گیا ہے، اہل فکر و نظر ان کتابوں کو بڑی وقعت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے تاریخ اسلام کے گہرے مطالعہ اور وسیع تجربہ کی روشنی میں مسلمانوں کے تعلیمی نظام پر گہری نظر ڈالی ہے اور بڑی جچی تلی رائے دی ہے۔ سالہا سال سے سارے عالم اسلامی میں یہ مسئلہ بڑی سنجیدگی سے زیر غور ہے کہ کیا بات ہے کہ جدید تمدن اور دینی روح کا اجتماع عموماً نہیں ہو پاتا ہے، یا تو عصر حاضر کے علوم و فنون اور ثقافت و تمدن سے آدمی ناآشنا رہتا ہے، یا پھر اگر جدید علوم و تمدن سے واقفیت ہوئی تو دینی روح اور اسلامی عقائد و خیالات کا سررشتہ ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور آدمی الحاد و تفریج میں مبتلا ہو جاتا ہے

اس مسئلہ پر ڈاکٹر صاحب نے خوب غور کیا ہے اپنے وسیع مطالعہ اور غیر معمولی تجربہ کی روشنی میں انھوں نے اس کا سبب یہ بتایا ہے کہ:-

"ایسے علماء کی کمی ہے جو شریعت سے بخوبی واقف ہوں اور جدید تمدن کے فوائد نقصانات کو علم و تنقید کی چھلنی سے چھان کر الگ کر سکیں، اس مرض کا علاج صرف یہ ہے کہ ایسے علماء پیدا کئے

زر تعاون ہندستان و پاکستان سے
سالانہ ۶ عہ ششماہی ۳ عہ، قیمت فی پرچہ ۳ ر
پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
رسالہ چراغ راہ نمبر ۹، لٹریا بلڈنگ آرام باغ روڈ کراچی۔

چاہئیں جو دینی علوم میں مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم پر بھی گہری نظر رکھیں پھر وہ مسلمانوں کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لیں اور انہیں بتائیں کہ مغربی تہذیب نہ یکسر سونا ہے نہ بالکل مٹی"۔ (شرق اوسط میں کیا دیکھا)

ڈاکٹر محمد امین نے جس رائے کا اظہار کیا ہے تمام اہل فکر اسی نتیجہ تک پہنچے ہیں۔ گزشتہ صدی سے تقریباً تمام مفکرین نے خوب غور و فکر کے بعد اسی خیال کا اظہار کیا ہے کہ ساری خرابیوں کی جڑ تعلیم کی ثنویت ہے، دین و دنیا کی تفریق نے ساری ملت کو متفرق کر دیا ہے، ہندستان میں بھی تمام مصلحین و مفکرین برابر یہی رائے ظاہر کر رہے ہیں کہ دینی اور دنیاوی تعلیم کے امتزاج کے بغیر مسلمانوں کی صحیح اور ہموار ترقی نہیں ہو سکتی۔ دنیاوی تعلیم کی ناواقفیت سے زندگی کے میدان میں قدم بڑھانے کی صلاحیت نہ ہوگی اور دینی تعلیم سے بیگانگی صحیح نقطۂ نظر قائم کرنے کی اہلیت سے محروم رکھے گی، نہ سمت سفر متعین ہو سکیگی نہ قدم صحیح راہ پہ پڑ سکیں گے۔

یہ خیالات اس قدر مدلل طور پر بیان کئے گئے ہیں کہ ان کی صداقت اب شک و شبہ سے بالاتر سمجھی جاتی ہے اور کوئی ذی فہم اور صاحب عقل و شعور اس نقطۂ نظر سے اختلاف کرنے کی جراءت نہیں کر سکتا ہے لیکن عجیب بات ہے کہ نقطۂ نظر کو تسلیم کرنے کے باوجود پوری قوت کے ساتھ ان خیالات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ہندستان بھی اور ہندستان سے باہر بھی کسی قدر کوشش ضرور کی گئی ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ مسلمانوں کی جد و جہد کا ایک فیصدی حصہ بھی اس اہم کام میں صرف نہیں ہوا نتیجہ یہ ہے کہ آج بھی

الاسلام بین جامد وجاھد

کا منظر در پیش ہے، یا تو نئی تعلیم سے واقف نوجوان

(بقیہ کالم ۲ پر)

★ عبد السلام قدوائی ندوی

مہد سے لحد تک

●

بزرگوں کی زبان سے آپ نے بارہا یہ الفاظ سُنے ہوں گے:۔

اطلبوا العلم من المهد الی اللحد	گہوارہ سے لیکر آغوش قبر تک علم کی طلب جاری رکھو۔

یہ الفاظ میرے کانوں میں بھی بارہا پڑے اور بچپن سے اس وقت تک خدا معلوم کتنی مرتبہ تحصیل علم کا شوق پیدا کرنے والا یہ فقرہ ذہن و دماغ کو غیر معمولی طور پر متاثر کر چکا ہے، اس موقع پر اس جملہ کی تاثیر یا اپنے تاثر کا اظہار مقصود نہیں ہے، بلکہ اس سلسلہ میں ایک تاریخی واقعہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔

(بقیہ اداریہ کالم (۱))

اسلامی اصول و خیالات کو تسلیم کرنے سے گریزاں ہیں اور کہیں دبے الفاظ میں اور کہیں بالاعلان اسلام کے خلاف علم بغاوت بلند ہے یا پھر پرانی تعلیم سے عقیدت رکھنے والے لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں اور قدم قدم پر اپنی نافہمی، کج روی اور حقیقت ناشناسی کا مظاہرہ کر کے جگ ہنسائی کا سامنا کر رہے ہیں، ایک طرف انکار ہے دوسری طرف جمود دونوں گروہ قوم کو اپنی اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں اور اس کھینچا تانی میں ملت درماندہ راہ کے پرخچے اُڑ گئے ہیں۔

قارئین تعمیر میں بہت سے اصحاب کی نظر سے علامہ شبلی نعمانی مرحوم کا سفرنامہ گزرا ہوگا، مولانا مرحوم نے انیسویں صدی کے اواخر میں مصر، شام اور ترکی کا سفر کیا تھا اور اپنے سفر کی روداد صفحات قرطاس پر بڑی تفصیل سے درج کردی تھی۔ اس سفرنامہ میں واقعات کے بیان میں بڑی حسن تحریر اور قوت تاثر سے کام لیا گیا ہے۔ ان خوبیوں کے علاوہ واقعات کے بیان میں مختلف اصلاحی اور تعمیری تجاویز بھی آگئی ہیں جگہ جگہ غیرت ملی کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ہے اور اکثر جگہ حدیث دیگراں میں سر دلبراں پیش کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ساٹھ ستر سال گزرجانے کے باوجود یہ سفرنامہ اب بھی از کار رفتہ نہیں ہوا ہے اور ہنوز پڑھنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ دلکشی اور دلچسپی کا باعث ہے۔

گفتگو طویل ہوتی جارہی ہے، یہاں سفرنامہ روم و مصر و شام کا تعارف مقصود نہیں ہے نہ اس کی تعریف و توصیف پیش نظر ہے بلکہ صرف حوالہ کے طور پر اس کا ذکر آگیا ہے۔ چونکہ آئندہ سطور میں اس کتاب کا ایک واقعہ نقل کیا جائے گا، اس لئے تعارف کے طور پر اس کا ذکر کردیا گیا ہے۔

بیس برس ہوئے طالب علمی کے زمانہ میں پہلی مرتبہ درسی کتاب میں اس سفرنامہ کے ایک اقتباس کے پڑھنے کا موقع ملا۔ اس اقتباس کے مطالعہ نے اصل کتاب کے دیکھنے کا شوق دلایا اور خوش قسمتی سے جلد ہی اس کا موقع مل گیا اور پورے سفرنامہ کا مطالعہ کرسکا۔ کتاب —— اتنی دلچسپ معلوم ہوئی کہ خدا معلوم کتنی بار اسے خود پڑھا اور دوسروں کو سنایا اور ہر مرتبہ ایک نیا لطف محسوس ہوا، یوں تو اس میں بہت سے ایسے واقعات مذکور ہیں جن سے میں بہت متاثر ہوا لیکن ایک واقعہ ایسا ہے کہ اس وقت بھی اس کا اثر بہت ہوا تھا اور بعد کو جب کبھی خیال ہوا طبیعت بہت متاثر ہوئی۔

مولانا مرحوم نے یہ سفر بحری جہاز سے کیا تھا بمبئی سے مصر جاتے ہوئے دوران سفر میں ایک مرتبہ جہاز میں خرابی پیدا ہوگئی، کچھ دیر مولانا کو اسکی خبر نہیں ہوئی لیکن پھر جہاز کی فضا اور اس کے کارکنوں کی حالت سے ان کے اندر تجسس کا جذبہ پیدا ہوا اور دریافت کرنے کے بعد پتہ چلا کہ جہاز میں خاصی خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ جہاز کے کارکن درست کرنے میں مصروف ہیں۔ لیکن حالت بہرحال پریشان کن تھی، خرابی کافی تھی، درستی کی کوشش کے باوجود اس کا بھی اچھا خاصا امکان تھا کہ اگر تھوڑی دیر اور جہاز کی مرمت نہ ہوپائے تو چند گھنٹوں کے بعد جہاز ڈوب جائے گا

یہ صورت حال کافی پریشان کن اور اضطراب انگیز تھی اس سفر میں مولانا کے رفیق سفر مسٹر آرنلڈ تھے، مسٹر آرنلڈ سے مولانا شبلی کو بہت زیادہ اختصاص تھا، وہ علی گڑھ کالج میں پروفیسر تھے۔ مولانا شبلی مرحوم بھی اس زمانہ میں علیگڑھ میں پروفیسر تھے۔ اس طرح مولانا اور وہ رفیق کار تھے اس

انمول موتی

★ عن ابی ھریرۃ عن النبی صلعم قال لایستر عبدٌ عبدًا الّاسترہ اللہ یوم القیٰمۃ۔

• حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ جواللہ کا بندہ کسی اللہ کے بندے کی ستر پوشی کرے گا اللہ اس کی قیامت میں پردہ پوشی کرے گا۔

★ عن ابی کریمۃ المقداد ابن معدی کرب عن النبی صلعم قال اذا احب الرجل اخاہ فلیخبرہ انہ یحبہ۔

• حضرت مقدام بن معدی کربؓ سے روایت ہے کہ نبی صلعم نے فرمایا جب آدمی اپنے کسی مسلمان بھائی سے محبت کرے تو اس کو چاہیئے کہ وہ اسے جتادے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔

★ عن انس رضی اللہ عنہ انہ مر علی صبیانٍ فسلم علیھم وقال کان النبی صلعم یفعلہ

• حضرت انسؓ کچھ بچوں کے پاس سے ہوکر گزرے تو ان کو سلام کیا اور فرمایا نبی صلعم ایسے ہی کیا کرتے تھے۔

تعلق کے علاوہ مسٹر آرنلڈ نے مولانا سے عربی پڑھی تھی، اس حساب سے وہ ان کے شاگرد تھے، پھر مولانا نے ان سے فرنچ زبان سیکھی تھی اس بنا پر مولانا ان کے شاگرد بھی تھے ان ہر گونہ تعلقات نے مولانا شبلی اور پروفیسر آرنلڈ کو ایک دوسرے سے بہت قریب کردیا تھا اس تعلق کی بنا پر جب مولانا کو معلوم ہوا کہ جہاز خراب ہوگیا ہے تو وہ گھبرائے ہوئے پروفیسر آرنلڈ کے کمرہ میں گئے تاکہ انھیں بھی اس صورت حال سے باخبر کریں، کمرہ میں قدم رکھا تو دیکھا کہ آرنلڈ صاحب بڑے انہماک سے ایک کتاب کے مطالعہ میں مصروف ہیں، مولانا نے خیال کیا کہ ان کو حالات کی اطلاع نہیں ہے ورنہ اس وقت اس انہماک کے ساتھ کتاب کا مطالعہ نہ کرسکتے، مولانا نے پروفیسر آرنلڈ کو مخاطب کیا اور بڑے اضطراب کے ساتھ کہا آپ کو کچھ معلوم ہے کہ حالات کیا ہیں، بڑے غضب کی صورت حال ہے۔ آرنلڈ نے کہا ہاں مجھے اس وقت کی حالت کا پورا علم ہے، جہاز میں ایک سوراخ ہوگیا ہے جس سے خاصا خطرہ محسوس کیا جارہا ہے، مولانا نے کہا پھر اس خطرناک حالت میں آپ کو کوئی فکر نہیں ہے اور آپ اس نازک وقت میں کتاب کھولے بیٹھے ہیں۔ یہ مطالعہ کا کوئی موقع ہے مولانا کے الفاظ سن کر آرنلڈ صاحب نے کہا یہ وقت بڑا قدر کے قابل ہے، اگر جہاز کو ڈوبنا ہی ہے اور اس کے ساتھ ہم لوگوں کی زندگی ختم ہونی ہے تو پھر لمحے جو باقی رہ گئے ہیں ان سے فائدہ اٹھایا جائے اور انھیں مفید مشغلے میں صرف کیا جائے۔

مسٹر آرنلڈ کے ان الفاظ نے مولانا کی آنکھیں کھول دیں۔ اس گفتگو کو مولانا نے سفرنامہ میں بہت نمایاں طور پر نقل کیا ہے، ان کے لفظ لفظ سے اب بھی غیر معمولی اثر کا اظہار ہوتا ہے جو ان الفاظ کو سن کر ان کے دل و دماغ پر ہوا۔ اس کا اثر صرف سفرنامہ کی سطور ہی سے ظاہر نہیں ہوتا ہے بلکہ مولانا مرحوم کی ساری زندگی اس واقعہ کے متاثر نظر آتی ہے۔

تقریبًا تیس برس ہوئے جب میں نے پہلی بار یہ واقعہ پڑھا تھا، اتنی طویل مدت گزرنے کے بعد ہنوز اس میں بوسیدگی اور کہنگی ذرا بھی نہیں آئی بلکہ اس کی تازگی بدستور ہے اور ہنوز دل و دماغ پر اس کا غیر معمولی اثر ہے۔ جی چاہتا تھا کہ اس قسم کے واقعات اپنی زندگی میں بھی نظر آئیں۔ علاوہ سلف کے

ذوقِ علم اور شوقِ حکمت کے بیشمار واقعات ہیں ان کی جانکاہی، دل سوزی اور عرق ریزی کے تذکرے تاریخ اسلام کے اوراق میں بکھرے پڑے ہیں، لیکن بالکل اس نوعیت کا کوئی واقعہ نظر سے نہیں گزرا تھا، اس لئے آرنلڈ صاحب کا یہ واقعہ اپنی نوعیت کا بالکل انوکھا واقعہ محسوس ہوتا ہے لیکن اس درمیان مسلمانوں کی ذہنی تاریخ پڑھ رہا تھا، حکمائے اسلام کے حالات کے مطالعہ میں ابو ریحان بیرونی کا ایک واقعہ اسی طرح کا ہے بلکہ اس سے کچھ بڑھ کر نظر سے گزرا، پڑھ کر بڑی خوشی ہوئی۔ جی چاہتا ہے کہ قارئین تعمیر کو بھی یہ واقعہ سناؤں اور اپنی مسرت میں انھیں بھی شریک کروں اسی خیال کے ماتحت آج اس واقعہ کو اوراقِ "تعمیر" کی زینت بنا رہا ہوں۔

مؤرخ نے بیرونی کے ذوقِ علم اور شوقِ تحقیق کا ذکر کرتے ہوئے اس زمانے کے ایک نامور فقیہ کا ایک بیان نقل کیا ہے۔ فقیہ موصوف کے علامہ بیرونی کے ساتھ بڑے روابط تھے۔ جب وہ بیمار ہوئے تو موصوف اکثر ان کی عیادت اور مزاج پرسی کے لئے ان کے یہاں جایا کرتے تھے، جب مرض نے شدت اختیار کی اور زندگی سے مایوسی ہوئی تو فقیہ موصوف بیرونی سے ملنے کے لئے ان کے گھر گئے۔ جس وقت وہ پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ بیرونی بالکل لب مرگ ہیں، احتضار کی کیفیت شروع ہو چکی ہے۔ سانس اکھڑتی جا رہی ہے اور کوئی دم میں دم نکلنے کو ہے لیکن جانکنی کی تکلیف کے باوجود ہوش و حواس قائم ہیں اور کمزوری کے باوجود زبان میں قدرے قوت گویائی باقی ہے۔ فقیہ موصوف کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے، جب وہ قریب آئے تو کہا اچھا ہوا آپ آگئے، میں کچھ دیر سے وراثت کے ایک مسئلہ کے حل میں مصروف ہوں لیکن ابھی تک مسئلہ پورے طور پر ذہن میں صاف نہیں ہوا ہے، براہ کرم آپ اس گتھی کو حل کر دیجئے، یہ کہہ کر انھوں نے فقیہ صاحب کے سامنے مسئلے کو پیش کیا، علامہ بیرونی مسئلہ بیان کر رہے تھے اور فقیہ موصوف حیرت زدہ ان کا منہ دیکھ رہے تھے۔ بیرونی نے ان کو اس تعجب آمیز حالت کو دیکھ کر پوچھا آپ کس سوچ میں ہیں، فقیہ صاحب نے فرمایا میں تمہاری حالت کو دیکھ رہا ہوں، اس کے بعد تمہارے اس ذوقِ تحقیق پر تعجب ہو رہا ہے، اس نازک وقت میں اس کا کیا موقع ہے فقیہ موصوف کی یہ گفتگو سن کر علامہ بیرونی نے فرمایا۔ حضرت والا اس میں تعجب کی کیا بات ہے۔ یہ سچ ہے کہ یہ میرا آخری وقت ہے اور چند لمحے میں میں موت کی گود میں پہنچنے والا ہوں لیکن اس کے باوجود چاہتا ہوں کہ مرنے سے پہلے اس مسئلے سے واقف ہو جاؤں، مرنا تو بہرحال ہے پھر کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ مرنے سے پہلے ایک اور مسئلہ مجھے معلوم ہو جائے، اگر میں اس مسئلے کو حل کئے بغیر مر جاؤں تو اس سے

پاک بیویاں ——— (۵)

اُمّ المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا

●

آپ مسکینوں اور فقیروں کا بہت خیال رکھتی تھیں، ان کے ساتھ محبت اور شفقت سے پیش آتی تھیں اس برتاؤ کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو "اُمّ المَسَاکِین" (مسکینوں کی ماں) کہنا شروع کیا۔ یہ لقب چونکہ حسب حال تھا اس لئے زبان زدِ خاص و عام ہو گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آپ کا نکاح عبداللہ بن حجش رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جب وہ غزوۂ اُحد میں شہید ہو گئے تو حضرت زینب سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح کر لیا، لیکن نکاح کے دو ہی تین ماہ کے بعد آپ کی وفات ہو گئی۔

حضرت خدیجہ رضؓ کے بعد یہ فخر صرف حضرت زینبؓ ہی کو حاصل ہے کہ آنحضرت صلعم کی حیات میں وفات پائی اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھائی۔

جس وقت آپ کی وفات ہوئی تو تیس برس کی عمر تھی جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ○

یہ بہتر ہے کہ مرنے سے پہلے یہ مسئلہ سمجھ جاؤں۔ ایک مسئلہ کو سمجھ کر مرنا اس سے بہتر ہے کہ اسے بے سمجھے دنیا سے رخصت ہو جاؤں۔(۱)

علامہ بیرونی کے مذکورہ بالا الفاظ جس وقت میری نظر سے گزرے تو مجھے بڑی مسرت ہوئی، دل نے کہا یہ واقعہ اطلبوا العلم من المھد الی اللحد (گہوارہ سے لیکر آغوش قبر تک طلب علم کی مہم جاری رکھو) کی کیسی عملی تفسیر ہے۔ یہ واقعہ تحصیل علم پر اس غیر معمولی اہمیت کو ظاہر کرتا ہے جو اسلام نے ہمارے اسلاف کے دلوں میں پیدا کر دیا تھا، وہ تحصیل علم کو سب سے بڑی عبادت سمجھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ علم والے بے علموں سے بہتر ہیں ان کے کانوں میں کتاب الٰہی کے یہ الفاظ گونج رہے تھے هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ (کیا اہل علم اور بے علم برابر ہو سکتے ہیں؟) وہ جانتے تھے کہ اللہ کی نظر میں اہل علم کا درجہ بہت بلند ہے (یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ) انھیں معلوم تھا کہ اللہ کے مقدس بندوں کی بڑی آرزو یہ ہوتی ہے کہ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (اے میرے رب مجھے مزید علم عطا فرما) انھیں وہ احادیث یاد تھیں جنھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کی اہمیت اور فضیلت بیان کی ہے، وہ جانتے تھے کہ ایک مضمون علم سیکھنا ہزار رکعت سے بڑھ کر ہے۔(۱) انھیں معلوم تھا کہ فرمایا گیا ہے کہ عابد کے مقابلہ میں عالم کی ایسی ہی حیثیت ہے جیسی کہ تم سب سے ادنیٰ سے ادنیٰ کے مقابلہ میں میری حیثیت ہے وہ یقین رکھتے تھے جو طلب علم کی راہ میں قدم رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کیلئے جنت کی راہ آسان کر دیتے ہیں۔ انھیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات یاد تھی کہ حضور اہل علم کی مجلس میں یہ کہہ کر بیٹھ گئے کہ میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں، انھیں اسلامی احکام کے رمز شناسوں کا یہ قول یاد تھا کہ خدا کی نظر میں کتابت علم کی روشنائی خون شہادت سے زیادہ قیمتی ہے۔ حضرت حسنؓ کی یہ روایت ان کے اندر تحصیل علم کا غیر معمولی جذبہ پیدا

(۱) ظہر الاسلام احمد امین

(۱) ابن ماجہ

کرتی تھی اور تادم مرگ وہ حصول علم میں مصروف رہنا چاہتے ہیں، حضرت حسنؓ سے مروی ہے کہ جس شخص کی موت اس حال میں آئے کہ وہ علم اس غرض سے حاصل کر رہا ہو کہ اس کے ذریعہ اسلام کو زندہ کرے تو ایسے شخص اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان صرف ایک درجہ کا فرق رہ جاتا ہے۔

علم کا حاصل کرنا اور پھیلانا سب سے بڑی سخاوت قرار دی گئی ہے۔ فرمایا سب سے بڑھ سخاوت کرنے والا وہ آدمی ہے جو علم حاصل کرے اور اسے پھیلائے اللہ تعالیٰ قیامت میں اسے پوری ایک امت کا قائم مقام بنا کر اٹھائے گا۔ علم حاصل کرو، وہ میری میراث ہے ایک روایت میں فرمایا اہل علم جنت کی کنجی اور انبیاء کے جانشین ہیں، سب لوگ مردہ ہیں، زندہ وہی ہیں جو علم رکھتے ہیں۔ ایک اور موقع پر ارشاد ہوا۔ قیامت میں انبیاء کی پھر علماء کی، پھر شہداء کی سفارش سُنی جائے گی، اس روایت کے راوی روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں اس مرتبہ کی عظمت کا کیا کہنا جو نبوت اور شہادت کے درمیان واسطہ ہو[1]

یہی آیات و احادیث، روایات و آثار اور اقوال ارشادات ہیں جنھوں نے ہمارے اسلاف کی نظر میں تحصیل علم کو ایک مقدس فرض بنا دیا تھا، وہ زندگی کے بہترین لمحات اس کام میں صرف کرتے ہیں اور تادم مرگ اس کار خیر میں لگے رہتے ہیں۔

(۱) حدیث وتفسیر کی کتابوں میں اس قسم کی بکثرت روایات مذکور ہیں۔ اس مضمون میں جو روایات درج کی گئی ہیں وہ مشکوٰۃ المصابیح اور تفسیر کبیر امام فخرالدین رازی سے ماخوذ ہیں۔

★ مشیر الحق بحری آبادی

برما میں مسلمان

●

برما کی تقریباً ۱۷ ملین آبادی میں سے مسلمان لگ بھگ ۱½ ملین ہیں انہیں قریب قریب ۱ ملین برمی قومیت رکھنے والے مسلمان ہیں، ان مسلمانوں کو وہ تمام حقوق حاصل ہیں جو دوسری برمی قومیتوں کو ہیں۔ برمی مسلمان تین گروہ میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں :-

(۱) خالص برمی النسل مسلمان۔
(۲) ہندستانی برمی (INDO - BURMANS) مسلمان۔
(۳) وہ ہندستانی، پاکستانی اور کچھ چینی مسلمان جنھوں نے برمی شہریت اختیار کر لی ہے۔

ان برمی النسل مسلمانوں میں سے اکثریت ارکانی (ARKANESE) مسلمانوں کی ہے ان میں سے تقریباً چار لاکھ تو ارکان کے شمالی حصہ میں رہتے ہیں۔

باقی ½ ملین وہ ہندستانی، پاکستانی اور چینی مسلمان ہیں جو تجارت و ملازمت کے سلسلہ میں یہاں غیر ملکی کی حیثیت سے مقیم ہیں۔

برما میں مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں شادی بیاہ عام طور سے ہوتا ہے۔ غیر مسلم عورتوں سے بھی رشتۂ ازدواج ہے اور اس کا مسلم آبادی کے بڑھانے میں بہت بڑا حصہ ہے۔

برما میں تقریباً ایک ہزار سال قبل اسلام پھیلنا شروع ہوا۔ برما کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ اس وقت کے غیر مسلم بادشاہ مسلم مشیروں، وزیروں اور پہرہ داروں کو بھی مقرر کرتے تھے۔ اکثر بادشاہوں نے اپنے نام بدل کر اسلامی

نام رکھ لئے تھے اور بعض بعض کے سکوں پر تو عربی رسم الخط میں کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ملتا ہے پوری تاریخ میں ہمیں نظر آتا ہے کہ مسلمانوں نے پوری وفاداری کے ساتھ ملک کی خدمت کی ہے۔

برما کو انگریزوں کے پنجہ سے نکالنے کے لئے برمی مسلمانوں نے بھی اتنی ہی کوشش کی ہے جتنی دوسرے غیر مسلم برمیوں نے کی ہے۔ اور دونوں قوموں کی مشترکہ کوششوں ہی سے ۱۹۴۸ء میں برما آزاد ہوا۔

برما کے دارالسلطنت رنگون میں تقریباً ۵۰ مسجدیں اور تین ہائی اسکول ہیں۔ برما کے تمام اہم شہروں مثلاً مانڈلے، مولمین (MOULMEIN) اکیاب اور بسین (BASSEIN) وغیرہ میں بہت سی مسجدیں ہیں۔ مسلم پبلک اسکول ہیں۔ ان اسکولوں میں خاص طور سے عربی اور اردو پڑھائی جاتی ہے ان اسکولوں کی، برما کی مسلم زندگی میں بہت اہمیت ہے اگر یہ اسکول نہ ہوں تو بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلام کی روشنی جتنی تیزی سے برما پھیل رہی ہے اتنی تیزی سے نہ پھیلے۔

برما کی غالب اکثریت بدھ مت کی ماننے والی ہے، برما کے ادب و لٹریچر پر بدھ ازم کا بہت اثر پڑا ہے۔ برمی زبان میں اسلام سے متعلق بہت تھوڑا لٹریچر پایا جاتا ہے۔ لیکن اب اس طرف تبلیغی جماعتیں اور پڑھے لکھے مسلمان متوجہ ہو رہے ہیں اور ضروری لٹریچر برمی مسلم عوام کو مہیا کرنے کے لئے مختلف طریقوں سے کوشش کی جا رہی ہے۔

(ترجمہ)

غزل

از ـــــــ اثر صہبائی

تقدیر کا گلہ بھی تو کرنا نہیں مجھے
الزام سر پہ غیر کے دھرنا نہیں مجھے

ساحل پہ جاؤنگا بھی تو موجوں کو چیر کر
کشتی کے بل پہ پار اُترنا نہیں مجھے

منزل مری بلند ہے خورشید و ماہ سے
خورشید و ماہ پہ بھی ٹھہرنا نہیں مجھے

مسجودِ مہر و ماہ ہوں، معبودِ کائنات
سجدہ کسی کے در پہ بھی کرنا نہیں مجھے

ہر گام پر ہجوم مصیبت سہی مگر
ہے اقتضائے عشق کہ ڈرنا نہیں مجھے

گرتا ہوں بار بار، اُبھرتا ہوں بار بار
کہتا ہے کون گر کے اُبھرنا نہیں مجھے

رہ جائے گا گلوں میں مرا رنگ و بو اثر
موجِ صبا کی طرح گذرنا نہیں مجھے

تشریح :-

عام طور سے طلاق کچھ عرصہ تک تعلقات رہنے کے بعد اس حالت میں ہوتی ہے جب میاں اور بیوی کے درمیان سخت مزاجی اور ناموافقت پیدا ہو جائے لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ابھی صرف نکاح ہوا ہے، بیوی رخصت ہو کر شوہر کے گھر نہیں پہنچنے پائی ہے کہ کسی طرح کچھ ایسے حالات پیش آتے ہیں کہ نکاح کو ختم کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اگر کوئی ایسا سبب پیش آئے جس کی بنا پر رشتۂ نکاح کو شروع ہی میں ختم کرنا ضروری ہو تو شریعت نے اس کی اجازت دی ہے۔ اگر مہر مقرر ہو چکا ہے تو ایسی صورت میں طلاق کے بعد آدھا مہر شوہر کی طرف سے بیوی کو دیا جائے گا لیکن اگر نکاح ہو گیا ہے مگر نکاح کے وقت مہر کا تعین نہیں ہوا ہے تو ایسی حالت میں طلاق دینے کے بعد شوہر کی طرف سے عورت کو ایک جوڑا کپڑا دینا ضروری ہے اس میں ہر شخص کی حیثیت کا لحاظ رکھنا ہوگا، اگر شوہر صاحب حیثیت ہے تو اپنی مقدرت کے مطابق اچھے کپڑے بنوائے لیکن اگر غریب ہو تو جس قسم کے کپڑے وہ بنا سکے بنا دے۔ بہر حال عورت کے ساتھ طلاق کے بعد کچھ نہ کچھ سلوک کرنا ضروری ہے۔

مہر مقرر ہونے کی صورت میں رخصتی سے پہلے طلاق کے بعد نصف مہر دینا تو لازمی ہے لیکن عورت اور مرد کے باہمی سمجھوتے سے اس میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، عورت چاہے تو سارا مہر معاف کر دے یا اس میں سے جتنا کم کرنا چاہے کم کر دے اسی طرح مرد کو حق ہے کہ وہ نصف مہر ادا کرنے کے علاوہ اور جس قدر زیادہ دینا چاہے دے سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے آیات بالا میں جس طرح اس معاملہ کو ذکر کیا ہے اس سے یہی رجحان معلوم ہوتا ہے کہ مرد کو مزید حسن سلوک سے پیش آنا چاہیے

اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ کہہ کر مردوں کو زیادہ سے زیادہ سلوک کرنے پر آمادہ کرنا مقصود ہے انشاء یہ ہے کہ جس طرح ازدواجی زندگی میں مرد کو عورت کے مقابلہ میں ایک گونہ ترجیح حاصل ہے اسی طرح طلاق کی صورت میں اس کو بڑھ چڑھ کر سلوک کرنا چاہیئے۔

يَعْفُوَ الَّذِي بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ کا ایک مطلب تو یہی ہے جو ہم نے بیان کیا، اکثر ائمہ اور مفسرین کے نزدیک الَّذِي بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ (جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہو) سے مراد شوہر ہی ہے، لیکن اس سے ولی بھی مراد ہو سکتے ہیں بعض اہل علم کا یہی خیال ہے، ان کے نزدیک مطلب یہ ہوگا کہ عورتیں خود معاف کر دیں لیکن اگر عورتیں نابالغ ہوں یا اور کوئی سبب ہو جس کی وجہ سے وہ خود فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہ رکھتی ہوں تو ایسی صورت میں عورت کے ولی کو مہر کے معاف یا کم کرنے کا اختیار ہے۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُومُوا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ○ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ○

ترجمہ :-

اپنی نمازوں کی حفاظت کرو اور (خاص طور سے) درمیانی نماز کی اور اللہ کے لئے باادب خاموش کھڑے ہو، پھر اگر تمھیں خوف ہو تو پیدل یا سوار ہو کر (جس طرح ممکن ہو سکے نماز پڑھ لو) پھر جب تم امن کی حالت میں ہو تو اللہ کو اس طرح یاد کرو جس طرح اس نے تمھیں سکھایا ہے جسے تم پہلے نہیں جانتے تھے۔

(باقی آئندہ)

TAMEER - LUCKNOW

Regd. No. A-614 38, AminabadPar

"مشرق اوسط"
کی ڈائری
(MIDDLE EAST)
مولانا
سید ابوالحسن
علی ندوی
زبانی

★

❀

تمام ظاہری صنا
اور معنوی خوبیوں
کتاب آراستہ ہے —
قیمت ایک روپیہ چا

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرہ

(۹۰)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○ وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ○
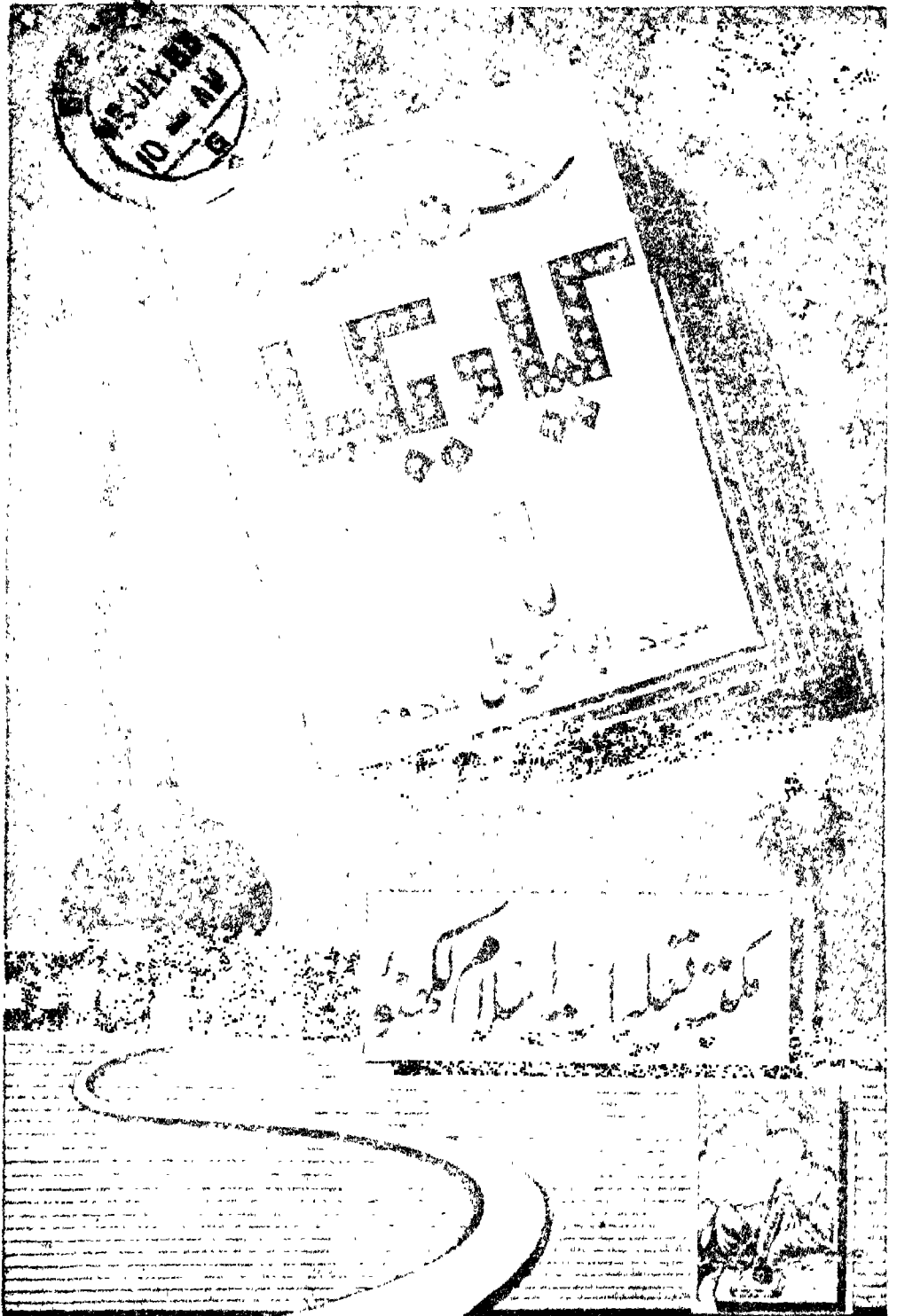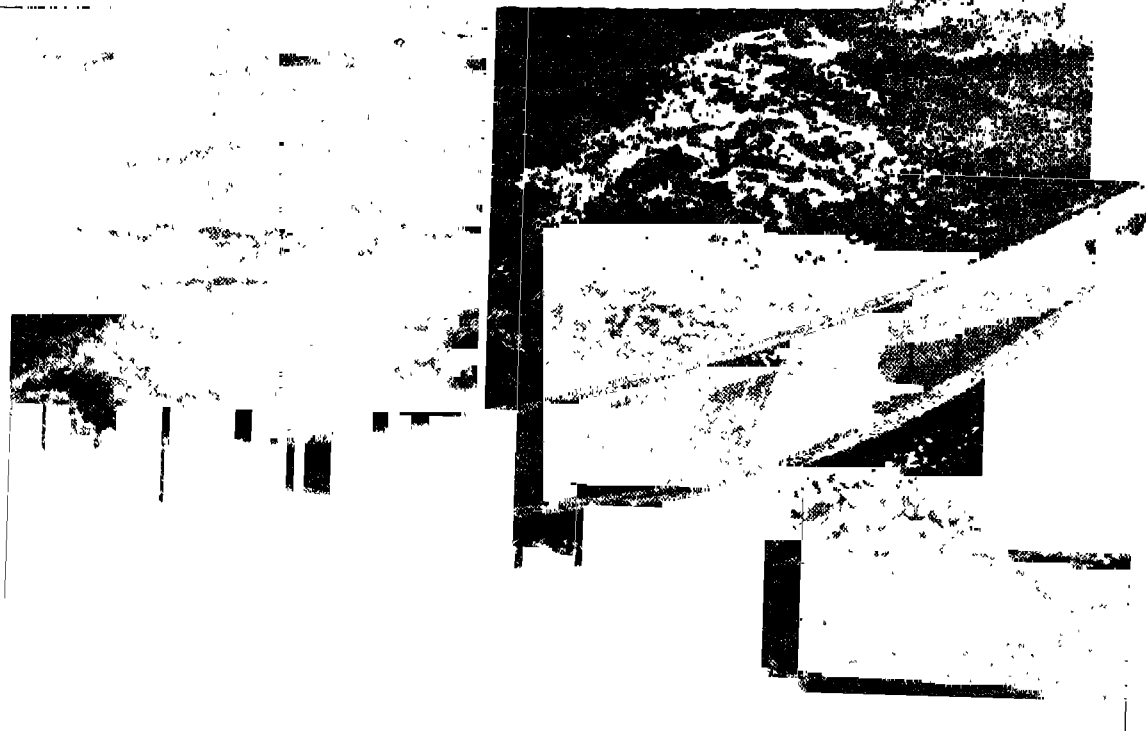
ترجمہ :-

اور تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو (انھیں چاہیے کہ) اپنی بیویوں کے لئے وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انھیں گھر سے نکالا نہ جائے اور سامان زندگی مہیا کیا جائے، پھر اگر وہ از خود چلی جائیں تو اپنی ذات کے لئے جو کچھ وہ قانون الٰہی کے مطابق کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے (بھی) دستور (شریعت) کے مطابق فائدہ اٹھانے کا سامان ہے، یہ خدا ترس لوگوں پر لازم ہے اللہ اسی طرح تمھارے لئے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان کرتا ہے تاکہ تم سمجھو۔

تشریح :-

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی ہے اس زمانہ تک سورۂ نساء نازل نہیں ہوئی تھی اور عورتوں کے حقوق اور شوہر کی موت کے بعد ان کے لئے وراثت کے قوانین مقرر نہیں ہوئے تھے، اس لئے اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ حکم دیا تھا کہ انتقال کے وقت شوہر وصیت کر جائے کہ ایک سال تک اسکی بیوی اسی کے گھر میں قیام کرے اور نان و نفقہ پائے، لیکن جب سورۂ نساء نازل ہوئی اور شوہر کے مرنے کے بعد اس کی جائداد میں بیوی کا حصہ مقرر کر دیا گیا تو پھر اس وصیت کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی اس طرح چار ماہ دس دن کی مدت مقرر ہونے کے بعد بیوہ کے لئے ایک سال تک گھر میں بیٹھنا ضروری نہیں رہا۔[1] البتہ چار ماہ دس دن تک گھر میں رہنے اور نان نفقہ پانے کا اسے حق ہے، شوہر کے ورثاء کا فرض ہے کہ اسکی بیوی کو اس عرصہ میں گھر سے نہ نکالیں، اس طرح مطلقہ عورت کو بھی عدت کے دوران میں شوہر کے مکان میں رہنے کا حق ہے۔ شوہر یا اسکے ورثاء کا فرض ہے کہ وہ عدت کے دوران میں اسے گھر سے نہ نکالیں اور اس اثناء میں اسکی ضروریات زندگی کے کفیل رہیں۔ (باقی تفسیر صفحہ ۱۱ پر)

(۱) حضرت ابن عمر کے مشہور شاگرد حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کو منسوخ نہیں مانتے ہیں، ان کے نزدیک دونوں آیتیں دو مستقل حکم ہیں۔ حضرت مجاہد کا خیال یہ ہے کہ اگر عورت مرحوم شوہر کے مکان میں قیام کرے اور اسکی جائداد سے اپنے مصارف پورے کرے تو ایسی صورت میں اسکی عدت ایک سال ہے، ورنہ چار مہینے دس دن ہے، ابو مسلم خراسانی نے اس آیت کی تشریح میں تقریباً یہی بات کہی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر شوہر نے ایک سال تک بیوی کے لئے نان و نفقہ کی وصیت کی ہے تو ورثاء اس کی جائداد سے اس کا انتظام کریں گے (باقی حاشیہ صفحہ ۱۱ کالم ایک کے نیچے)
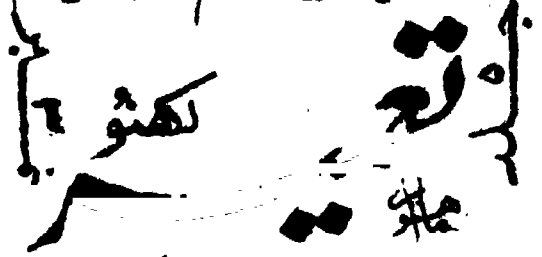
ادارۂ تعلیمات اسلام کا ترجمان
تعمیر
لکھنؤ
ماہوار
۳۸ - امین آباد - پارک
ادارۂ تحریر
عبدالسلام قدوائی ندوی • مشیل الحق مجری آبادی
ستمبر سنہ ۱۹۵۳ء مطابق ذی الحجہ و محرم سنہ ۱۳۷۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔

کاغذ کے بُت

یہ پرچہ جس وقت آپ کے ہاتھوں میں پہنچے گا اس وقت اسلامی سال کا آخری مہینہ قریب الختم ہوگا اور پہلے مہینے کی آمد آمد ہوگی۔ آمد آمد کا لفظ میں نے اس لئے استعمال کیا کہ عام طور سے جب کوئی معزز مہمان کہیں آنے والا ہوتا ہے تو اس کے استقبال میں جو کچھ اور جیسے کچھ بھی انتظامات کئے جاتے ہوں لیکن اردو ادب میں اس موقع پر یہی کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی آمد آمد ہے اسی مناسبت سے محرم کے مہینہ کے لئے میں نے یہ لفظ استعمال کیا ہے۔

اس وقت آمد آمد اور استقبال وغیرہ قسم کے الفاظ خاص طور سے میرے ذہن میں اس لئے آگئے کہ محرم کے نام سے کچھ بچپن کی یادیں ابھر آئیں، اب سے کئی برس پہلے جب "یاروں نے عشق فراموش نہیں کیا تھا" میرے اپنے گاؤں میں محرم کا بہت زوروں کا استقبال ہوتا تھا، جیلانی(؟) کی دس تاریخ کو بعد مغرب محرم کے سلسلے کی رسمی کارروائی کا افتتاح ہوتا تھا اور اسی دن یہ معلوم ہوتا تھا کہ محرم کا مہینہ آرہا ہے، پھر اس کا سلسلہ محرم کی ۱۰ تاریخ تک چلتا تھا گویا وہ بھی ایک قسم کا رمضان تھا کہ اس کی تقریبات ایک ماہ تک چلتی رہتی تھیں اور اس سلسلے میں جو طوفان بے تمیزی برپا ہوتا تھا اسکو اب یاد کرتا ہوں تو

حیرت ہوتی ہے کہ کیسے کیسے خضر صورت بھی اس وقت بھی گنگا میں ہاتھ دھویا کرتے تھے۔ بہرحال یہ باتیں تو اس وقت کی ہیں کہ جب آتش جوان تھا اور اب تو دشت میں کچھ ایسی خشک سالی پڑی کہ نہ وہ مرسے رہے نہ بساط، نہ تماشہ رہا نہ تماشیں ۔۔۔ کچھ تھوڑے یادگار زمانہ قسم کے رنگ باقی رہ گئے ہیں جو ابھی تک هذا ما وجدنا علیه آباءنا پر عمل کرتے ہوئے ہرسال لکھنؤ میں پھاگ کھیلا کرتے ہیں۔

زیر تعاون ہندوستان و پاکستان کے
سالانہ عار ششماہی ۸ر قیمت فی پرچہ ۲ر
پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
دار ... نمبر ۹ ونیا بلڈنگ آرام باغ روڈ کراچی

کبھی کبھی جب میں ان بزرگوں کی زندگی پر غور کرتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے گھروں سے سال کے اکثر دنوں میں دھواں نہیں اُٹھتا، دو دانے کو ماکو نہیں پھینکی جاتی، جن کے بچے بھوک کی مارے اتنے خوش اخلاق اور مطیع ہو جاتے ہیں کہ مستقبل کی امید موہوم پر ہر کسی کی خدمت کرنے کو تیار رہتے ہیں اور یہ خود اتنے چڑچڑے ہو جاتے ہیں کہ بیوی بچوں کو کاٹنے دوڑتے ہیں، لیکن عیدالاضحیٰ کا چاند دیکھتے ہی انھیں روایت نباہنے کا خیال آجاتا ہے، پھر خواہ زیورؔ داسو ساہ" سے جائیں یا کھیت "سیتا کلوار" — وہ تعزیہ اُٹھائیں گے اور بیچ کھیت میں اُٹھائیں گے کوئی انھیں روک تو لے، حالانکہ انھوں نے ہی اپنے سر سے عیدالفطر کا فطرہ ساقط کر دیا تھا اور عیدالاضحیٰ کی قربانی قربان کر دیا تھا محرم کی دس تاریخ تک انھیں نہ تن کا ہوش رہتا ہے نہ بدن کا اور گیارہ تاریخ کو جب دفن کفن سے فارغ ہوتے ہیں تب انھیں احساس ہوتا ہے کہ "مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں"!

یہ ٹوپی پھر سے ہی گاؤں والوں کے سروں پہ پوری نہیں اُترتی۔ بلکہ اگر آپ اس کو لے کر اپنے قرب و جوار میں گھومیں تو معلوم ہوگا کہ آپ کے دائیں بائیں بہت سے ایسے سر ہیں جن پر یہ ٹوپی بالکل ٹھیک ہو رہی ہے

لِلّٰہ بتائیے کیا محرم کا یہی مطلب ہے؟ اور کیا حضرت حسینؓ نے اسی لئے قربانیاں دی تھیں کہ انھیں سال کے سال بُت بنا کر پوج لیا جائے، یہ بت پرستی نہیں تو اور کیا ہے۔ فرق صرف کاغذ اور پتھر ہی کا تو ہے اس حیثیت سے تو اصلی بُت پرست پھر بھی ہم سے غنیمت ہیں کہ ان پتھر کے بُت آندھی پانی بھی برداشت کر لیتے ہیں اور ہمارے کاغذ کے بُت ——!

کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا؟

کاش لوگوں کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح آجائے کہ چھریوں سے سینہ زخمی کرنے کے بجائے نفس کو مارنا زیادہ بہتر ہے، دھوپ اور پانی میں تعزیوں کے پیچھے پیچھے ننگے سر اور ننگے پیر مارے مارے پھرنے سے محلہ کی اپاہج بڑھیا کے لئے موٹر سے بازار جانے میں زیادہ ثواب ہے۔ رات رات بھر نوحہ خوانی کر کے فجر کی نماز کے وقت سو جانے سے اچھا کام یہ ہے کہ آدمی نرم گرم بستر میں لیٹ کر تفریحی گفتگو کرے اور فجر کی نماز وقت سے ادا کرے۔

لیکن بتائیے کہ کوئی کیوں کر سمجھائے اور وہ کیوں کر سمجھیں!

—— م۔ ج۔ ب

سُرخ ◯ نشان

دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی اور دفتر سے آپ کو اطلاع دیدی گئی، لیکن اب تک نہ تو آپ نے چندہ روانہ کیا۔ اور نہ خط کا کوئی جواب ہی دیا۔ ڈاکخانہ کا محصول ڈاک بڑھ جانے کے باعث وی۔ پی کرنے میں خریدار پر ۹ آنہ کا زیادہ بار پڑتا ہے اس لئے رسالہ وی پی نہیں کیا جاتا۔ براہ کرم اس ماہ کے آخر تک زر اشتراک بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیجئے ورنہ آئندہ ماہ کا رسالہ بھیجنے سے ہم معذور ہوں گے۔

منیجر

پاک بیویاں (۷)

ام المؤمنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا

آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن تھیں، آنحضرت نے آپ کا نکاح اپنے غلام اور منہ بولے بیٹے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ کیا تھا، لیکن ان دونوں آدمیوں میں مزاجی موافقت نہ تھی، اس لئے آپس کے اختلافات روز بروز بڑھتے گئے۔ حالات اس حد تک پہنچ گئے کہ حضرت زید آپ کو طلاق دینا چاہتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رضی نہ ہونے کے سبب ہچکچاتے تھے۔

اسوقت تک لوگ منہ بولے بیٹوں کی مطلقہ بیویوں سے نکاح کرنا معیوب سمجھتے تھے اس لئے شریعت نے اس جاہلی رسم کو توڑنے کا ارادہ کیا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وحی آئی کہ وہ حضرت زینب سے نکاح کرلیں "تاکہ مسلمانوں کو اپنے منہ بولے بیٹوں کی بیویوں سے نکاح کرنے میں کوئی عار نہ محسوس ہو"۔ اس وحی کے بعد حضرت زید نے طلاق دیدی اور رسول اللہ صلعم نے نکاح کرلیا۔ اس وقت چونکہ یہ بالکل نئی بات تھی، اس لئے آپ کو لوگوں کے طعن و تشنیع کا خیال تھا کہ لوگ کہیں گے اپنی بہو سے شادی کرلی، اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا "آپ لوگوں سے ڈر رہے ہیں، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ آپ اس سے خوف کھائیں"۔۔۔ اس شادی نے ایک بہت بڑے مسئلہ سے دنیا کو روشناس کرایا اور ایک بہت ہی پرانی غلط رسم کو نیست و نابود کردیا۔

حضرت زینب رضی اللہ عنہا بہت زیادہ نرم دل اور حساس تھیں، بہت بڑی متقی پرہیزگار تھیں اور ازواج نبی میں سب سے زیادہ سخی تھیں، آپ کے پاس جب کہیں سے کوئی مال یا روپیہ پیسہ آجاتا تو سب کا سب رشتہ داروں، یتیموں اور فقیروں میں تقسیم کردیتیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں، تمام ازواج نبی صلعم سے پہلے آپ کا انتقال ہوا آپ نے خود اپنے کفن کا انتظام اپنی زندگی ہی میں کرلیا تھا، اس لئے مرتے وقت وصیت کرگئیں کہ حضرت عمر جو کفن بھیجیں وہ صدقہ کردیا جائے۔

اس قسم کے مشورے تھا تاریخ کی کتابوں میں خلفائے راشدین کے متعلق درج ہیں، ان واقعات کو بار بار پڑھنے کی وجہ سے اب ذہن میں کوئی ندرت محسوس نہیں ہوتی لیکن آج بھی اس قدر آزادی رائے اظہار حق اور حکمران پر تنقید کی مثالیں نہیں مل سکتی ہیں چہ جائیکہ اس زمانے میں ڈیڑھ ہزار برس پہلے دنیا جس بادشاہ پرستی میں مبتلا تھی اسوقت ایسی بیباکانہ اور آزادانہ تنقید کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، نوشیروان ایران کا مشہور بادشاہ ہے اس کا زمانہ خلفائے راشدین کے عہد سے کچھ ہی عرصہ پہلے تھا، اس کے عدل اور رعایا پروری کے قصے زبان زد خاص و عام ہیں لیکن بایں ہمہ نوشیرواں اختلاف رائے گوارا نہیں کرسکتا تھا، کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ بادشاہ کی رائے سے اختلاف کرسکے، ذرا سا اختلاف بھی جان سے ہاتھ دھونے کے مترادف تھا، حسب ذیل واقعہ پڑھئے اور غور کیجئے کہ جب انصاف پسند اور رعایا پرور بادشاہ کا طرز عمل اختلاف کرنے والے کے ساتھ یہ تھا تو دوسرے بادشاہوں کی نازک دماغی کا کیا حال ہوگا؟

اپنے عہد حکومت میں نوشیرواں نے زمین کا نیا بندوبست کرایا تھا جب کام ختم ہوگیا تو اس نے ایک مجلس مشورہ منعقد

(باقی صفحہ [illegible] پر)

★ نعیم صدیقی

ایک سوال، چار جواب!

تاریخ نے پوچھا' اے لوگو! یہ دنیا کس کی دنیا ہے؟
شاہی نے کہا ——— یہ میری ہے!
اور دنیا نے یہ مان لیا
پھر تخت بچھے' ایوان سجے' گھڑیال بجے' دربار لگے
تلوار چلی اور خون بہے! انسان لٹے، انسان مرے
دنیا نے بالآخر شاہی کو
پہچان لیا، پہچان لیا

تاریخ نے پوچھا پھر' لوگو! یہ دنیا کس کی دنیا ہے؟
دولت نے کہا ——— یہ میری ہے!
اور دنیا نے یہ مان لیا
پھر بنک کھلے، بازار سجے! بازار سجے، بیوپار بڑھے
انسان لٹے، انسان بکے، آرام اُڑے، سب چیخ اُٹھے!
دنیا نے بالآخر دولت کو
پہچان لیا، پہچان لیا

تاریخ نے پوچھا پھر' لوگو! یہ دنیا کس کی دنیا ہے؟
محنت نے کہا ——— یہ میری ہے!
اور دنیا نے یہ مان لیا
پھر روح دبی، پھر پیٹ بڑھے، افکار سڑے، کردار گرے
ایمان لٹے، اخلاق جلے، انسان نرے حیوان بنے
دنیا نے بالآخر محنت کو
پہچان لیا، پہچان لیا

تاریخ نے پوچھا پھر' لوگو! یہ دنیا کس کی دنیا ہے؟
مومن نے کہا ——— اللہ کی ہے!
اور دنیا نے یہ مان لیا
پھر قلب و نظر کی صبح ہوئی، اک نور کی ندی پھوٹ بہی
اک ایک حقیقی کی آنکھ کھلی، فطرت کی صدا پھر گونج اٹھی
دنیا نے بالآخر آقا کو
پہچان لیا، پہچان لیا

(شکریہ چراغ راہ)

اکو دبیر خلوت کو حکم دیا کہ کتاب کی نئی شرح بآواز بلند پڑھ کر سنائے جب وہ پڑھ چکا تو نوشیرواں نے حاضرین سے دو مرتبہ پوچھا کہ کسی کو کوئی اعتراض تو نہیں؟ مگر سب چپ رہے۔ جب بادشاہ نے تیسری مرتبہ یہی سوال کیا تو ایک شخص کھڑا ہوا اور تعظیم کے ساتھ پوچھنے لگا کیا بادشاہ کا یہ منشا ہے کہ ناپائیدار چیزوں پر [illegible] نا انصافی پرستی ہوگا۔ اس شخص کی گفتگو سن کر بادشاہ [illegible]

اس نے جواب دیا کہ میں [illegible] میں ہوں۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ اسکو [illegible] اس کے بعد سب نے کہا اے بادشاہ [illegible] آپ نے [illegible] ہمارے نزدیک سب انصاف پر مبنی ہیں۔ دیکھا آپ نے [illegible]

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

ترجمہ:-

کیا تمھیں ان لوگوں کا حال نہیں معلوم کہ جو ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہوئے بھی موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا کہ تم مرجاؤ، پھر انہیں زندگی بخشی، بلاشبہ اللہ لوگوں پر مہربانی کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے ہیں۔ اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور جان جاؤ کہ اللہ یقیناً سننے اور جاننے والا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صـ۲ کالم ۲) لیکن اگر عورتیں چار مہینے دس دن کی عدت پوری کر چکنے کے بعد نکاح کرنا چاہیں تو ان پر کوئی اعتراض نہیں کیا جا سکتا، جاہلیت کے زمانہ میں طریقہ تھا کہ شوہر ایک سال کے لئے قیام و طعام اور دوسرے مصارف کی وصیت کر جاتا تھا، اس صورت میں لازمی طور پر عورت کو ایک سال تک عدت میں بیٹھنا پڑتا تھا، شریعت نے فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ کہہ کر عورتوں کے سر سے یہ پابندی اٹھائی اور انہیں اجازت دی کہ اگر وہ چاہیں تو چار مہینے دس دن گذرنے کے بعد شوہر کے گھر سے نکل کر اپنا نکاح کر سکتی ہیں، امام رازی نے اس خیال کی تائید کی ہے اور اس آیت کو وراثت کی آیت سے منسوخ قرار دینے سے اختلاف کیا ہے اور متعدد دلائل دے کر اپنی رائے کو ثابت کیا ہے۔

تشریح:-

آیت بالا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی قوم میں ہزاروں اشخاص موجود تھے جو اگر آمادہ ہو جاتے تو بہت کچھ کر سکتے تھے لیکن بزدلی اور نقصان جان کے خوف سے انھوں نے جم کر حالات کا مقابلہ کرنے کے بجائے فرار ہونے کو ترجیح دی آیت میں صرف اسی قدر ذکر ہے اس سے زیادہ تفصیل موجود نہیں، نہ قرآن میں اور نہ کسی صحیح حدیث میں لیکن یہودی روایات میں مختلف قصے بیان کئے گئے ہیں، بعض روایات میں یہ کہا گیا ہے کہ حزقیل ایک نبی تھے، انھوں نے اپنی قوم کو جہاد پر آمادہ کیا، لیکن ان لوگوں نے بزدلی دکھلائی اور دشمن سے مقابلہ کرنے کے بجائے بھاگ کر جان بچانے کو ترجیح دی، لیکن سزا کے طور پر اللہ نے انھیں موت دی اور پھر ایک عرصے کے بعد حضرت حزقیل کی دعا سے انھیں زندہ کر دیا اس سے بھی زیادہ مشہور اسرائیلی روایت یہ ہے کہ ایک زمانہ میں طاعون پھیلا تھا، لوگوں نے بھاگ کر جان بچانی چاہی مگر بچ نہ سکے اور طاعون میں مر گئے، کچھ عرصے کے بعد اس زمانہ کے نبی کی دعا سے دوبارہ زندہ ہوئے

لیکن جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے کہ نہ قرآن مجید میں وضاحت سے یہ بتایا گیا ہے کہ یہ کون لوگ تھے اور ان پر کیا واقعہ گزرا تھا اس طرح صحیح احادیث میں بھی کچھ نہیں کہا گیا ہے تمام روایات یہودیوں کی کتابوں اور ان کے بیانوں سے ماخوذ ہیں، اگر کہیں کوئی حدیث نقل کی گئی ہے تو وہ بھی جعلی اور گڑھی ہوئی ہے، مثلاً طاعون والی روایت کا بنیادی راوی محمد بن مروان کوفی ہے، اس شخص کو اسماء الرجال کی کتابوں میں کذاب قرار دیا گیا ہے، ظاہر ہے کہ ایسے جھوٹے شخص کی روایت قطعاً غیر معتبر ہے، یہی حال اس قسم کی تمام روایات کا ہے قرآن مجید کو پڑھ کر اور آگے پیچھے کی آیتوں کو ملا کر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہاں طاعون کا کوئی قصہ نہیں بیان کیا گیا بلکہ جہاد کے سلسلہ میں زمانہ سابق کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کیے

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرہ

●

(۹۱)

یہ مدنی آیتیں ہیں، کفار قریش کی طرف سے مسلمانوں پر حملوں کا سلسلہ شروع ہو رہا ہے، مسلمانوں کی تعداد تھوڑی ہے، سامان جنگ بہت ہی کم ہے مالی مشکلات بہت زیادہ ہیں، مدینہ میں آئے ہوئے بہت تھوڑا عرصہ گزرا ہے، مہاجرین کے پاس جو کچھ تھا مکہ میں چھوڑ دینا پڑا، مدینہ پہنچے تو روزمرہ کی ضروریات کی فراہمی کا بھی کوئی معقول انتظام نہ تھا، مدینہ کے رہنے والوں میں یہودی ناقابل اعتماد تھے، منافقین مار آستین تھے، انصار کے جو گھرانے اسلام لائے تھے ان میں بہت کم اشخاص ایسے تھے جو مالدار کہے جا سکتے تھے، گرد و نواح میں کوئی حامی نہ تھا، دوسری طرف قریش کا اقتدار سارے عرب میں مسلم تھا، قوت و طاقت، عقل و تدبیر اور مال و جائداد کے اعتبار سے سارے ملک میں ان کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، ان حالات میں جب یہ خبریں آتی تھیں کہ قریش مدینہ پر حملہ کرنے والے ہیں تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے دلوں میں اضطراب پیدا ہوتا تھا، ایک موقع پر قرآن مجید میں اس کیفیت کو اس طرح ظاہر کیا گیا ہے کہ لوگ قریش کے مقابلے سے اس طرح گھبراتے ہیں گویا وہ موت کے منہ میں ڈھکیلے جاتے ہیں لیکن مشیت الٰہی کو یہ منظور تھا کہ قریش کے زور و قوت کا بھرم کھل جائے اور ان کمزور، بے سروسامان اور غیر منظم مٹھی بھر آدمیوں سے قریش کی فوجی طاقت کا خاتمہ کر دیا جائے اور انھیں ایسی ذلت بخش شکست دی جائے کہ انھیں کسی کے سامنے فخر سے سر اٹھانے کا موقع باقی نہ رہے اور دنیا یہ دیکھ لے کہ مکہ کے چند بینوا انسان جنھیں قریش نے وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا اور مدینہ کے وہ چند کاشتکار اور باغبان جنھیں حقارت سے یثربی کسان کہہ کر پکارتے تھے اب وہ اسلام کی دعوت کی تاثیر سے اتنے مضبوط ہو گئے ہیں کہ عنقریب ایک عظیم طاقت بن جانے والے ہیں۔

اس لئے وقت آ گیا تھا کہ قریش مسلمانوں کے ساتھ ٹکرائیں مگر جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے بظاہر قریش عرب کی سب سے بڑی طاقت تھے، اس لئے مسلمانوں کے دلوں میں ہراس قدرۃً پیدا ہوتا تھا، اس ہراس کو دور کرنے کی تدبیریں کی جا رہی تھیں، دلوں میں بے خوفی پیدا کی جا رہی تھی، ہمتیں بلند کی جا رہی تھیں اور حق کی سربلندی کے لئے جان و مال کی بازی لگا دینے کا ولولہ پیدا کیا جا رہا تھا، آیت بالا اسی سلسلہ کی آیت ہے اس میں زمانۂ سابق کے ایک واقعہ کی طرف اشارہ کر کے یہ بتایا جا رہا ہے کہ دشمن کے حملے کے وقت بچاؤ کی راہ یہی ہے کہ جم کر اس کا مقابلہ کیا جائے بھاگ کر جان بچانے کا خیال صحیح نہیں ہے، گزشتہ زمانہ کی اس قوم نے یہی غلطی کی تھی کہ دشمن کے حملے کے خوف سے وہ اپنا وطن چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے تھے وہ سمجھتے تھے کہ کسی طرح دشمن کے ہاتھ سے بچ جائیں گے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ ان کی عزت خاک میں مل گئی، ان کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا، شوکت قومی پامال ہو گئی اور ساری قوم مردہ ہو کر رہ گئی، ایک عرصہ تک یہی صورت حال قائم رہی، پھر رفتہ رفتہ اس ذلت و خواری اور تباہی و بربادی نے قوم کے ذی حس طبقے کو بے چین کیا کہ وہ ان حالات کو

(باقی تفسیر صفحہ ۱۱ پر)

ادارۂ تعلیمات اسلام کا ترجمان

تعمیر لکھنؤ

ماہوار

جلد ۵ — نمبر ۱۰

۳۸ — امین آباد پارک

ادارۂ تحریر

عبدالسلام قدوائی ندوی • مشیر الحق مجھری آبادی

اکتوبر ۱۹۵۳ء مطابق صفر ۱۳۷۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین

حضرت حسینؓ کی یاد میں

•

محرم الحرام کا مہینہ رسولؐ کے نواسے حسینؓ کی خون بھری داستان کی یاد تازہ کر دیتا ہے۔ اس مہینہ کے عشرۂ اولیٰ میں کرب و بلا کے میدان میں آپ کو اور آپ کے خاندان والوں کو جن جن مصائب اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا اور ان مصائب کے باوجود آپ نے اور آپ کے خاندان والوں نے شجاعت قدمی کا جو اعلیٰ نمونہ پیش کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔ ادھر گنتی کے افراد جو بھوک پیاس کی تکان سے خستہ حال، ادھر لشکر جرار کا ایک بحر بیکراں جو سر سے پیر تک آہن پوش اور ہر طرح سے مطمئن و خوشحال، ادھر رضائے الٰہی کے متلاشی اور دولت ایمان سے سرشار، ادھر جاہ و ہوس کے بندے اور حرص دولت میں گرفتار، پانی پر دشمن نے قبضہ کر لیا تھا، کیا بڑے اور کیا چھوٹے سب تشنگی سے بدحال تھے، ننھے شیر خوار بچوں کو دودھ ملنا تو درکنار، وہ پانی کے ایک ایک قطرے کو ترس رہے تھے مگر اس کے باوجود مردان خدا نے ہمت شجاعت کے وہ وہ جوہر دکھائے کہ دشمن خود پریشان تھے کہ ان مردان خدا پر کس طرح قابو پائیں مگر قضا و قدر کا فیصلہ ہی کچھ اور تھا۔ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو آپ اور آپ کے ساتھی جام شہادت سے خوش کام ہوتے ہوئے اور دنیا والوں کو یہ پیغام دیتے ہوئے کہ "زندگی اصول کے برتنے میں ہے نہ کہ ان کے چھوڑنے میں" اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ ظاہر بیں نگاہوں نے تو یہ دیکھا کہ آپ کی اور آپ کے ساتھیوں کی گردنیں تہ تیغ تھیں لیکن حقیقت شناس نے آپ کے یہ سنوا لیا کہ ؎

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

زر تعاون ہندستان و پاکستان سے
سالانہ عمر ششماہی عہ قیمت فی پرچہ ۳
پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
ہلال چراغ راہ نمبر ۹ رتنا لمد منگ آرام باغ روڈ کراچی

لیکن اسی ماہ کی دسویں کو آپ کی یاد کے سلسلہ میں تعزیے اُٹھائے جاتے ہیں، چوکیاں بھری جاتی ہیں اور تعزیوں میں امام حسین کی روح مانتے ہوئے منتیں مانی جاتی ہیں جن کا اسلام سے اور آپ کی یاد سے دور کا بھی واسطہ نہیں

آج ہم لاکھوں کروڑوں روپے علم و تعزیے میں لگاتے ہیں اور ان کو ادھر ادھر گھما پھرا کر تہہ خاک دفن کر آتے ہیں، حالانکہ اس روپے کے حقدار وہ مساکین و محتاج تھے جن کے پاس پیٹ بھرنے کے لئے کھانا نہیں اور تن ڈھانکنے کے لئے کپڑا نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ آپ کی حقیقی یادگار تو یہ ہے کہ وہ روپے جو تعزیے میں لگائے جاتے ہیں، ان سے ان بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا جائے جن کی دینی تعلیم و تربیت نہ ہونے کی وجہ سے اخلاقی حالت گرتی جا رہی ہے اور بدکاری کے شکار ہوتے جا رہے ہیں، امام حسینؓ کی سیرت ان کے سامنے رکھی جائے اور ان کے اندر بھی یہ جذبہ پیدا کیا جائے کہ ہر حال میں حق کے ایک اچھے اور جانباز سپاہی ثابت ہوں۔

محمد جمیل ندوی

سُرخ نشان

اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی۔ ڈاکخانہ کا محصول ملک بڑھ جانے کے باعث وی۔پی کرنے میں خریدار پر ۹ ر کا مزید بار پڑتا ہوا اسلئے رسالہ وی۔پی نہیں کیا جاتا۔ براہ کرم اس ماہ کے آخر تک سالانہ چندہ مبلغ عہ بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیجئے۔ ورنہ آئندہ ماہ کا رسالہ بھیجنے سے ہم معذور ہوں گے۔

—— منیجر

★ شمیم ایم۔اے

آخری قسط "اسلام و مغرب"

مغرب کی جفائے وفانما

عہد جدید میں

●

اسلام کی سیاسی قوت کے انحطاط کے بعد مشرق پر غفلت و بطالت کی گہری نیند طاری ہو گئی لیکن اسی اثنار میں یورپ جدید سائنس اور ایجادات کا مولد بن رہا تھا، پندرھویں صدی عیسوی کے اختتام پر اہل یورپ تحقیق و تجسس کے جذبہ سے سرشار اور مادی فوائد کی خواہش سے مغلوب ہو کر مجمع الجزائر ہند تک پہنچنے کے لئے نئے نئے راستے دریافت کرنے لگے۔ بحری تجارت کی بدولت وہ ممالک جو بحر اٹلانٹک کے کنارے آباد ہیں مثلاً پرتگال، اسپین، فرانس، انگلینڈ اور ہالینڈ رفتہ رفتہ اہم ہونے لگے، یہاں تک کہ کچھ عرصہ کے بعد انھوں نے بحر روم کے کنارے بسنے والے ممالک کو اقتدار و اثر سے معزول کر کے خود ان کی جگہ لے لی، وہ ایک دوسرے سے تجارتی فوقیت اور نئے مقبوضات کے لئے دست بگریباں ہو گئے ان کی تجارتی چوکیاں مشرق کے ہر خطہ میں پائی جانے لگیں، نہایت کثیر سائنٹفک وسائل نے اقوام یورپ کو اس قدر طاقتور کر دیا ہے کہ وہ بقیہ دنیا کو فتح کر سکتی ہیں اور اُسے قابو میں رکھ سکتی ہیں، اب تک مغرب نے مشرق پر تین زبردست حملے کئے تھے۔ پہلا حملہ اسکندر یونانی کا، دوسرا رومیوں کا، تیسرا صلیبیوں کا

اب عہد حاضر میں اقوام یورپ کے ذریعہ اس نے اپنا چوتھا حملہ کیا جو سب سے زیادہ خطرناک تھا۔

جیسے جیسے صنعتی انقلاب کہ جس کا آغاز انگلینڈ میں اٹھارویں صدی میں ہوا ترقی ہوئی گئی اور جیسے جیسے یورپ کے صنعتی ممالک کی مشینیں برق رفتاری سے زیادہ مقدار میں مال تیار کرنے لگیں، نئے بازاروں اور خام مواد کے نئے ذرائع کی مانگ بڑھتی گئی۔ مغرب کی صنعتی قوموں میں نوآبادیات کے لئے باہمی کشمکش شروع ہوگئی اور استعماریت کے عہد کا آغاز ہوا۔ کرۂ ارض کے تمام اچھے خطوں پر قبضہ کر کے انھیں آپس میں تقسیم کر لیا گیا۔ اس نوچ کھسوٹ میں برطانیہ کو سب سے بڑا حصہ ملا۔

انیسویں صدی عیسوی میں مغرب کے جارحانہ اور رزم جو حملوں نے مشرق کو سیاسی اور معاشی اعتبار سے بالکل پست کر دیا، مسلم حکومتیں یکے بعد دیگرے یورپ کے سیاسی اقتدار کی نذر ہوتی گئیں اور بیسویں صدی کے آغاز میں مغرب کا استیلا پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

تمام اطراف عالم میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مغربی قومیں ارض اسلام کو دیدہ و دانستہ ٹکڑے کر رہی ہیں اور انھیں اپنے ذاتی مفاد کے حصول کے لئے آلۂ کار بنائے ہوئے ہیں اور جو اسلامی ممالک فتح نہ ہو سکے کسی یورپی طاقت کے دائرۂ اثر کے تحت رکھ دئے گئے ان مغربی اقوام کا یہ زعم تھا کہ ان کا تمدن تمام دوسرے تمدنوں سے ہر معنی میں بہتر ہے، وہ اپنے معیار اور زندگی بسر کرنے کے اپنے طریقوں کو بقیہ دنیا پر جبراً مسلط اور نافذ کرنے کی برابر کوشش کر رہی تھیں، مذہبی مشن، استعماری فتوحات اور عالمگیر تجارت وغیرہ کو اسی مقصد کے حصول کا ذریعہ بنایا گیا۔

[illegible]

اور ان کے معیار اخلاق کی تغیّر کے لئے ہر طرف اپنے مبلغین بھیجے، اس کا خیال تھا کہ اس کا غلبہ تمام اقوام کے حق میں ترقی اور روشن خیالی کا ہم معنی ہے۔ حاکم نسل یعنی اقوام مغرب کے نظریات کے مطابق دیگر اقوام کی تعلیم یہی تھی کہ وہ سفید نسل والوں کے بوجھ کو برداشت کر سکیں۔ عہد ماضی میں یورپ کے اکثر ممالک کی ایک سیاسی پالیسی ہوتی تھی جس کی رہنمائی مذہبی ادارے کیا کرتے تھے، کچھ ممالک تو ایسے بھی تھے کہ جنھوں نے اگرچہ مذہب کو اپنی سرزمین سے خارج کر دیا تھا یا رومن کیتھولک کلیسا سے لڑائی مول لے رکھی تھی لیکن دوسرے ممالک نے عیسائی مشن کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اُسے بلاواسطہ مدد بھی دی خصوصاً استعماری اقوام نے تو مذہبی اداروں کی پُرجوش ہمت افزائی کی اس لئے کہ یہ ادارے مشرق میں ان کے سیاسی اثر کو بڑھاتے تھے، ناانصافی ہوگی اگر ہم یہاں اس بات کا تذکرہ نہ کریں کہ اس سلسلہ میں ریاستہائے متحدہ امریکہ کی یہ پالیسی کہ غیر ممالک میں تمام امریکی شہریوں کی خواہ وہ داعی ہوں یا تاجر ہوں یکساں حفاظت کی جائے گی زیادہ عاقلانہ تھی، ۱۷۹۶ء میں طرابلس کے صلح نامہ میں جب کہ خود واشنگٹن صدر تھا، ریاستہائے متحدہ نے ترکی سے اس امر کا علانیہ اقرار کیا کہ اس کا کوئی بھی قومی کام کسی بھی مذہبی مقصد سے متاثر نہیں ہے، اس صلح نامہ کی گیارھویں دفعہ ان مضامین پر مشتمل تھی:۔

"چونکہ ریاستہائے متحدہ امریکہ کی حکومت کسی طرح سے عیسائی مذہب پر نہیں قائم ہے چونکہ اسے مسلمانوں کے قوانین، ان کے مذہب اور ان کے امن و امان سے کوئی دشمنی نہیں ہے

[illegible]

کبھی کوئی جنگ کی ہے اور نہ کوئی ایسا کام کیا ہے جس سے عداوت مترشح ہوتی ہو اس لئے فریقین کا اعلان ہے کہ مذہبی افکار اختلافات اس ہم آہنگی میں جو دونوں ممالک کے درمیان موجود ہے کبھی بھی مخل نہ ہوگا۔

بہت سے افراد جو مغربی تمدن کی برتری کے پرزور علمبردار ہیں اس غلطی کے مرتکب ہیں کہ وہ اس کی حقیقی قوت اور دیگر عناصر میں جو محض اتفاقی ہیں امتیاز نہیں کرتے۔ وہ اس تمدن کے لاثانی خط وخال مثلاً ایجادات، سائنس، مشین، اور تنظیم کو غیر حقیقی عناصر سے جو مغرب میں اس کے ارتقا کے دوران میں موجود رہے ہیں خلط ملط کر دیتے ہیں، مثلاً عیسائیت، مسابقانہ سرمایہ داری، جمہوری قومیت، بعض اخلاقی اقدار اور معاشرتی عادات وغیرہ، عیسائیت کی طرح سے مغربی پیداوار نہیں ہے، مغربی اور یورپی تمدن کی خود بنیاد ہی یونانی اور رومی ہے، اس پر مستزاد یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقی تعلیمات پر مغرب نے کبھی بھی پوری طور سے عمل نہیں کیا، محبت نسل و ذات کے امتیاز کے بغیر سکون پسندی، تواضع، خاکساری، دنیاوی مال ومتاع کی تسخیر وغیرہ جو عیسائیت کی اخلاقیات کا لب لباب ہیں، ان تمام امور کی عین ضد ہیں جن پر اقوام یورپ نے اپنی قوت کی بنیاد رکھی ہو مثلاً سرمایہ داری، انفرادیت کو اپنی قوت مقصد بنا لینا اور سرکشی کا جذبہ [illegible] ہے جیسا [illegible]

انمول موتی

★ عن النواس بن سمعان رضی اللہ عنہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن البر والاثم فقال البر حسن الخلق والاثم ما حاك فی صدرك وكرهت ان يطلع عليه الناس (مسلم)

● نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلعم سے نیکی اور برائی کا فرق معلوم کیا۔ آپ نے فرمایا نیکی حسن اخلاق ہے اور برائی ہر وہ چیز ہے جس کے کرتے وقت تمھارے دل میں کھٹک سی پیدا ہو اور یہ بات تمھیں پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کام کی اطلاع ہو جائے۔

★ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا يدخل الجنة من كان فی قلبه مثقال ذرة من كبر۔ فقال رجل ان الرجل يحب ان يكون ثوبه حسنا ونعله حسنا۔ قال ان اللہ جميل يحب الجمال۔ الكبر بطر الحق وغمط الناس

(مسلم)

● عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کے دل میں رائی برابر بھی غرور ہوگا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا۔ ایک شخص نے سوال کیا "ایک آدمی ایسا ہو جو چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اور جوتے خوبصورت ہوں"۔ آپ نے فرمایا بیشک اللہ خود خوبصورت ہے اور خوبصورتی کو پسند کرتا ہے (اچھے جوتے اور کپڑے کی خواہش غرور نہیں ہے) مغرور تو وہ ہے جو حق بات کو رد کرے اور لوگوں کو حقیر سمجھے۔

رنگ و نسل کے ہوئے تغافل برتنا، زندگی کے تمام شعبوں میں منظم منصوبہ بندی اور مادی دولت کا جمع کرنا وغیرہ یہ بھی تاریخ کی ستم ظریفی ہے کہ مسلسل حوادث کی بدولت عیسائیت ان اقوام کا مذہب قرار پائی جن کے تمام محبوب مشاغل اور جن کی تمام دلچسپیوں کو ان اعیانُ اقدار سے دور کا بھی تعلق نہ ہو جن کی تعلیم اللہ کے جلیل القدر نبی حضرت مسیح علیہ السلام نے دی تھی

مشرق پر مغرب کے حملہ نے نہ صرف اس کی معاشی زندگی کو نئے راستوں سے آشنا کیا بلکہ اس حملہ کے عقب میں مغربی سائنس، مغربی خیالات اور مغربی معاشرتی عادات کا ایک زبردست سیلاب چل پڑا، مغرب کے زیر اثر مشرق پھر بیدار ہو گیا ہے، اس کے اندر اپنی جداگانہ روح کے وجود کا شعور پیدا ہو گیا ہے اور وہ آج کل سیاسی اور ذہنی دونوں اقسام کے شدید ردعمل کے دور سے گزر رہا ہے۔

اسلام اور نصرانیت کے مابین یا زیادہ واضح الفاظ میں مشرق و مغرب کے درمیان جو کشمکش اور پرخاش اب تک موجود ہے اسے جہالت اور غلط فہمیوں نے اور زیادہ تلخ کر دیا ہے جب تک یہ غلط فہمیاں دور نہیں ہو جاتیں، باہمی خیر سگالی کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ ایسی خیر سگالی جو علم کی رفاقت سے محروم ہو ایوان بے ستون کی مانند ہے جس کی کوئی وقعت نہیں GREAT BRITAIN AND THE EAST برطانیہ عظمیٰ اور مشرق" کے ایڈیٹر نے مغرب اور اسلام کے رشتہ کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے "بیسویں صدی سے پہلے مغرب میں بہت کم لوگ ایسے تھے جنھیں اس حقیقت کا احساس ہوا ہو کہ ان میں اور مشرق کے مسلمانوں میں اصلاً کوئی فرق نہیں ہے ... اہل یورپ کو یہ عقیدہ سکھایا ...

امر کی تعلیم دی جاتی تھی یا انھیں کم از کم یہ رائے قائم کرنے کا موقع دیا گیا کہ مسلمان مہذب معاشرہ کے دائرہ سے خارج ہیں۔ ہر مسلمان کے پاس کم از کم چار بیویاں ہوتی ہیں، اسلامی عقائد کی رو سے عورت کے اندر روح نہیں ہوتی وغیرہ وغیرہ۔ انھیں اس بات کی بھی تعلیم دی گئی کہ ترک اور کافر برابر ہیں اور دونوں اس لائق ہیں کہ صحیح العقل اور مہذب اشخاص ان سے کسی قسم کا معاشرتی تعلق نہ رکھیں، خوش قسمتی سے آج کل ہم مسلمانوں کے متعلق زیادہ جانتے ہیں لیکن ہمارا علم اب بھی کافی نہیں ہے"۔

ہم کو اس امر کا اعتراف کرنا چاہیئے تھا کہ زمانۂ حال میں کثیر التعداد مغربی علماء اور مستشرقین نے اسلام کے متعلق ایسی جلیل القدر کتابیں جن میں علمی تحقیقات اور اسلام کے غیر جانبدارانہ مطالعہ (۱) سے کام لیا گیا ہے تصنیف کر کے جہل و تعصب کو ایک بڑی حد تک دور کر دیا ہے۔ اس میدان میں مشرق و مغرب دونوں دنیاؤں کے نمائندہ علماء کے لئے ذہنی تعاون کی کافی گنجائش ہے

(۱) یہ مصنف کا اپنا خیال ہے۔ مترجم اس سے متفق نہیں یورپ نے سب کچھ سیکھ لیا ہے لیکن نہیں سیکھا ہے تو یہی چیز یعنی اسلام کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنا، کچھ افراد اس کلیہ سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں لیکن حقیقت تو یہ ہے کہ علمائے یورپ کا ذہن اسلام کے متعلق اب تک صاف نہیں ہوا ہے۔ اسلام کے متعلق ان کے صدیوں کے تعصبات کا اظہار اب بھی ان کی کتابوں سے کبھی شعوری اور کبھی غیر شعوری طور پر ہوہی جاتا ہے علامہ اقبال فرماتے تھے میرے خیال میں مسٹر ڈکنسن کا ذہن ابھی تک یورپ مالک کے اس قدیم عقیدے سے آزاد نہیں ہوا کہ اسلام سفاکی اور خونریزی کا درس دیتا ہے" ایک ڈکنسن ہی پر موقوف نہیں ہے بلکہ اسلام کے متعلق یورپ کی یہی ... ہے اس میں شک نہیں کہ اسلام کے متعلق ان کا ...

پاک بیویاں :۔ (۸)

اُمّ المؤمنین سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا

آپ کے والد قبیلۂ بنی المصطلق کے سردار تھے۔ اور آپ کی شادی مانع بن صفوان سے ہوئی تھی لیکن غزوۂ مریسیع میں مسلمانوں سے مقابلہ کرتے ہوئے وہ مارے گئے اور اس غزوہ میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی، جنگ ختم ہونے کے بعد مسلمانوں کو بہت سے قیدی ملے انھیں قیدیوں میں حضرت جویریہؓ بھی تھیں، تقسیم کے مطابق آپ ثابت بن قیس انصاری کے حصہ میں پڑیں، اُنھوں نے اس شرط پر آپ کو آزاد کرنا منظور کیا کہ حضرت جویریہ انھیں اپنے بدلے میں نو اوقیہ سونا دیں، آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئیں اور آپ سے اتنا سونا طلب کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اور اگر اس سے کوئی بہتر صورت ہو تو ۔۔ ؟" انھوں نے پوچھا "وہ کیا؟" آپ نے کہا "میں مقررہ سونا دیدوں اور تم سے شادی کروں"۔ حضرت جویریہؓ اس پر راضی ہوگئیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو بلا بھیجا، انھوں نے بھی رضامندی کا اظہار کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا دیدیا اور حضرت جویریہؓ سے شادی کرلی ـــــ اس رشتہ کے بعد مسلمان یہ کسی صورت سے پسند نہیں کرسکتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سسرالی رشتہ داروں کو غلام بنائے رکھیں اس لئے انھوں نے شادی کی خبر پاتے ہی حضرت جویریہ کے تمام قبیلہ والوں کو بلا شرط آزاد کردیا، ان آزاد شدہ لونڈی غلاموں کی تعداد تقریباً سات سو تھی حضرت جویریہؓ کا اپنی قوم پر یہ بہت بڑا احسان تھا

ہجرت کے پچاسویں برس آپ کی وفات ہوگئی، جنت البقیع میں دفن کی گئیں اُس وقت آپ کی عمر پینسٹھ (۶۵) برس کی تھی۔

یہ امر بالکل بدیہی ہے کہ اسلام اور مغرب دونوں آج کل تاریخ کے نہایت نازک دور سے گزر رہے ہیں۔ اس وقت جب ہم ان سطور کو حوالۂ قلم کر رہے ہیں دونوں کے تعلقات مشکل اور خطرناک صورت اختیار کر رہے ہیں، اسلام و مغرب کے باہمی تعلقات مستقبل میں کیا صورت اختیار کریں گے ؟

(بقیہ مضمون صہ ۹ کالم ایک کے نیچے)

(بقیہ ف نوٹ صہ ۷)

زیادہ ہوگیا ہے اور اس سے تعصب کی شدت میں بھی کمی آگئی ہے لیکن ابھی یہ علم یورپ پر آفتاب بن کر نہیں چمکا ہے جس کی روشنی سے تمام تاریکیاں دور ہوجائیں ابھی یہ جگنو کی مانند ہے جس کی روشنی سے رہنمائی تو نہیں ہوسکتی لیکن روشنی کے وجود کا علم ضرور ہوجاتا ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اس میں علمائے یورپ کا بھی زیادہ قصور نہیں ہے ان میں کچھ شرپسند ضرور ہیں لیکن بہت سے ایسے بھی ہیں جو اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنی چاہتے ہیں اس مقصد کے لئے وہ اسلام کا مطالعہ کرتے ہیں لیکن چونکہ یہ مطالعہ عموماً بغیر کسی ماہر اسلامیات کی رہنمائی کے ہوتا ہے اس لئے خاطر خواہ نتائج نہیں پیدا کرتا فی الحال مسلمانوں کا کام ہے کہ وہ اپنے دین کی تعلیمات کو دوبارہ اجاگر کریں

ساتھ عام کردیں اور علوم جدیدہ و قدیمہ میں گہری بصیرت حاصل کرکے عہد حاضر کے تمام مسائل کا اسلامی حل تمام ترقی یافتہ زبانوں میں پیش کریں اور اس طرح سے دنیا کی ذہنی قیادت کو دوبارہ اپنے ہاتھ میں لے لیں۔ لیکن چونکہ یہ کام ان تھک محنت، بہت زیادہ عرق ریزی، جانفشانی اور ایثار کا طالب ہے اور بظاہر بے انتہا خشک اور غیر دلچسپ ہے اس لئے عہد حاضر کے جذباتی مسلمانوں کے لئے اس میں کیا کشش ہوسکتی ہے۔

★ سید ابوالحسن علی ندوی
ترجمہ سید محمود الحسن ندوی

ہندستان کے مشہور علمی و تعلیمی مرکز

●

ہندستان کی سب سے بڑی دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند ہے، یہ ہندستان کا "جامع ازہر" کہلانے کی مستحق ہے، اس کا افتتاح ۱۲۸۳ھ میں سراپا اخلاص بزرگ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (وفات ۱۲۹۷ھ) کے دست مبارک سے ضلع سہارنپور کے قصبہ دیوبند کی ایک چھوٹی سی مسجد میں ایک معمولی مدرسہ کی صورت میں عمل میں آیا تھا، اسکی ساری ذمہ داری خدا کے بعد غریب مسلمانوں کے عطایا پر تھی لیکن اس درسگاہ کی سب سے بڑی خوش قسمتی یہ تھی کہ روز اول ہی سے ایسے پُرخلوص اور بے لوث کارکن اس کے حصے میں آئے تھے جن کے سینے صلاح و تقویٰ، خشیت الٰہی اور دین حق کو سربلند کرنے کے جذبات سے معمور تھے

چنانچہ ان کی بے لوث خدمات اور مسلسل کوششوں کی بدولت اس چھوٹے سے مدرسے نے دیکھتے ہی دیکھتے برّ اعظم ایشیا کی ایک بڑی اسلامی یونیورسٹی کی حیثیت حاصل کر لی، اس کے بلند کردار مدرسین کے تقویٰ و طہارت اور حدیث و فقہ میں ان کے تبحر علمی کی شہرت پوری دنیا میں پھیل گئی، ہندستان اور بیرون ہند سے ہزاروں کی تعداد میں علم کے پروانے علوم دین حاصل کرنے کے لئے یہاں آنے لگے، یہاں تک کہ ان کی تعداد ماضی قریب میں ڈیڑھ ہزار سے بھی زائد ہو گئی اور دارالعلوم کے مصارف کا سالانہ بجٹ ساڑھے تین لاکھ تک پہنچ گیا۔

دارالعلوم میں رہ کر جن لوگوں نے علم حاصل کیا انکی تعداد تقریباً دس ہزار بتائی جاتی ہے، ان میں سے سند یافتہ علماء کی تعداد پانچ ہزار تک پہنچ گئی ہے، بیرون ہند کے جو طلباء علم دین کے اس چشمۂ صافی سے سیراب ہوئے ان کی تعداد پانچ سو ہے اس میں افغانستان، بخارا، تاتارستان، روس، آذربائیجان، مغرب اقصیٰ، ایشیائے کوچک، تبت، چین، جزائر ہند، حجاز اور دوسرے عربی ممالک کے طلباء شامل ہیں۔

ہندستانی مسلمانوں کی دینی زندگی اور اسکی اصلاح میں دیوبند کے فارغ التحصیل علماء کا بڑا ہاتھ ہے عقائد کی اصلاح، دین کی تبلیغ اور فرق باطلہ سے بحث و مناظرہ میں ان کو بڑا دخل ہے، اس کے علاوہ بعض حضرات نے سیاسی میدان اور قوم و وطن کی مدافعت اور ظالم حکمران کے روبرو حق گوئی و بے باکی میں بڑا نام پیدا کیا ہے،

حضرات دیوبند مسائل فقہ میں حنفی مسلک کے

(بقیہ مضمون ص ۸)

جواب یہ ہے کہ ان تعلقات کی تشکیل کا انحصار مغرب کے جسے آجکل مادی اور سیاسی غلبہ حاصل ہے، اس رویہ پر ہو جو وہ مستقبل میں اسلام کے متعلق اختیار کریگا، اسلام مغرب کی حکمرانی کا مخالف ہے اگر مغرب اسلام اور مسلمانوں کے متعلق تعصبات کو ترک کر دے اسلام کے اندر اپنی حریت اور وحدت جو جائز خواہش ہو اسے سمجھنے اور اسکی قدر کرنے کی کوشش کرے اور اسلام کے اس مقصد کے حصول میں مخل انداز نہ ہو تو اسی صورت اور صرف اسی صورت میں اسلام اور مغرب کے تعلقات بہتر صورت اختیار کر سکتے ہیں۔

غزل

علامہ اقبال

مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے؟
خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے؟

منزلِ راہرواں دور بھی دشوار بھی ہے
کوئی اس قافلہ میں، قافلہ سالار بھی ہے

بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے؟

علم کی حد سے پرے بندۂ مومن کے لئے
لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

پیرِ میخانہ یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
سست بنیاد بھی ہے آئینہ دیوار بھی ہے

پیرو ہیں اور خدمت سے اس کے پابند ہیں دینداری اور قدیم سرمایہ کی حفاظت ان کا شعار ہے اور بدعات کی مخالفت اپنے اسلاف کی طرف سے مدافعت اور اتباع سنت ان کا طغرائے امتیاز ہے۔

دیوبند سے ملتی جلتی ایک دوسری مشہور دینی درسگاہ مظاہر العلوم ہے۔ یہ شہر سہارنپور میں واقع ہے اسکی بنا بھی ۱۲۸۳ھ میں رکھی گئی تھی، عقیدہ، اصول اور شعار طلباء کی کثرت کے لحاظ سے دارالعلوم دیوبند کے بعد اس درسگاہ کا درجہ ہے۔ اس نے بھی دین و علم کے خادموں اور صالح علما کی ایک معتدبہ جماعت پیدا کی ہے جس نے کتب حدیث کی شرح، تحشیہ فقہ و سیرت کی خدمت انجام دی ہیں یہاں کے طلباء اور اساتذہ قناعت اور دینی سادہ زندگی میں ممتاز نظر آتے ہیں،

تبدیلی کرنے کیلئے جد وجہد کریں، رفتہ رفتہ ان کا دائرہ بڑھتا گیا، خطرات ومہالک سے بے پروا ہوکر انھوں نے پھر اپنی قوم کو اٹھا کر کھڑا کرنے کا پختہ ارادہ کرلیا، ان کے ایثار، جانفشانی اور قربانی نے قوم کے تنِ بے جان میں پھر زندگی کی لہر پیدا کی اور مردہ دل زندگی کی شاہراہ پر رواں دواں نظر آنے لگے، بزدلی اور بے ہمتی نے بے نام ونشان کر دیا تھا لیکن ہمت وجراءت اور شجاعت وبے خوفی نے عزت واقتدار کا مرکز بنا دیا، اس واقعہ کو ذکر کرکے مدینے کے مسلمانوں کو ہمت دلائی جا رہی ہے کہ اگر قریش مدینہ پر حملہ آور ہوں تو دہشت زدہ ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ ہمت سے کام لے کر ان کے مقابلے میں جم جانا چاہیئے، اسی طرح دشمن کی طاقت توڑی جا سکتی ہے، بھاگنے سے زندگی نہیں مل سکتی ہے۔

تقریر بالا میں موت اور حیات کا جو مفہوم بیان کیا گیا ہے اس سلسلہ میں اگر قرآن مجید کا مطالعہ کیا جائے تو بہت سی آیتیں ایسی نظر آئیں گی جہاں موت سے مراد ظاہری زندگی کا ختم ہونا نہیں ہے بلکہ روح حیات کے نہ ہونے کو موت کہا گیا ہے اسی طرح زندگی کو بھی مجازی معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ مثلاً یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ سے مراد ظاہری زندگی نہیں ہے بلکہ معنوی طور پر زندگی مقصود ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝

ترجمہ:-

ہے کوئی جو اللہ کو قرض دے اچھا قرض پھر وہ اسے اس کے لئے بہت زیادہ بڑھا دے اور اللہ تنگی کرتا ہے اور کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

تشریح:-

اس سے پہلے اس صورت حال کا ذکر کیا جا چکا ہے جس میں اس وقت مسلمان مبتلا تھے اور انھیں دشمنان حق کے مقابلے میں سینہ سپر ہونے کی تاکید کی جا چکی ہے، اب اس آیت میں خاص طور سے مالی اعانت کی جانب توجہ دلائی جا رہی ہے کیونکہ جنگ کی صورت میں مصارف بہت بڑھ جاتے ہیں اور انھیں پورا کرنے کے لئے ملت کے ہر فرد کو بڑی کشادہ دلی، فیاضی طبع اور عالی حوصلگی سے کام لینا پڑتا ہے، اس موقع پر کم نظر اور کوتاہ فکر سمجھتے ہیں کہ ان کی دولت رائگاں جا رہی ہے لیکن درحقیقت ایسا نہیں ہوتا، کیونکہ ملت کی سربلندی سے افراد کی عزت ورسوخ اور خوشحالی وفارغ البالی میں اضافہ ہوتا ہے، اگر ملت زندہ ہے تو افراد بھی زندہ رہیں گے اور ان کے لئے دولت وثروت حاصل کرنے کے بے شمار مواقع ہوں گے، لیکن اگر ملت کی آزادی برقرار نہ رہی تو افراد کو بھی پریشانی اور مصائب میں مبتلا ہونا پڑیگا، اس لئے قومی فلاح و بہبود اور ملی استحکام میں مال صرف کرنا، اسے گھٹانا نہیں بلکہ درحقیقت بڑھانا ہے بالکل اسی طرح جس طرح ایک ہوشیار تاجر نفع بخش کاموں میں روپیہ صرف کرنا اضافۂ دولت کا باعث سمجھتا ہو۔ اسی طرح یہ صرف مزید دولت کی پیدائش کا سبب ہوتا ہے۔ اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا ہے۔

(باقی آئندہ)

TAMEER ❀ LUCKNOW
Regd. No. A-614 38, AminabadPark

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرہ

•

(۹۲)

اس موقع پر کبھی کبھی انسان کے دل میں تنگدستی کا خوف پیدا ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تنگدستی اور فراخدلی محض انسان کے ہاتھ میں نہیں ہے ورنہ کبھی کوئی شخص تنگدستی میں مبتلا ہی نہ ہوتا، ہمیشہ اسے نفع ہوتا اور کبھی نقصان نہ اٹھانا پڑتا، لیکن یہ معاملہ انسان کے اختیار میں نہیں ہے، ایک حد تک سعی و کوشش بیشک وہ کرسکتا ہے، لیکن اس کی کوشش کا کارگر ہونا اسکے اختیار میں نہیں ہے، بلکہ بے شمار ایسے اسباب اثر انداز ہوتے رہتے ہیں، جن پر انسان کو کوئی قابو حاصل نہیں ہوتا۔ اسی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے وَاللّٰہُ یَقْبِضُ وَیَبْسُطُ کہہ کر ذہن نشین کرانا چاہا ہے، مطلب یہ ہے کہ راہ حق میں صرف کرتے وقت آدمی موقع اور ضرورت کو پیش نظر رکھ کر خرچ کرے، تنگی اور کشائش کے خیال سے کوئی فیصلہ نہ کرے۔ وَاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ کہہ کر اس پہلو کی جانب توجہ دلائی جا رہی ہے کہ انسان کو یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ اسے اس دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہے، مال و جائداد سب چھوڑ کر ایک دن اس دنیا سے رخصت ہونا ہے، صرف اس کے اعمال نیک باقی رہ جائیں گے، اس لئے مال و متاع سے زیادہ ان نیک اعمال کی فکر کرنی چاہیئے جو آئندہ زندگی میں اس کے کام آئیں گے اور اس دنیا میں بھی ان کی وجہ سے اس کا نام عزت و احترام کے ساتھ لیا جائے گا۔

قرض اور حسن دونوں لفظ وضاحت طلب ہیں اللہ کیوں قرض لے گا، قرض تو وہ لیتا ہے جو حاجتمند ہو اور پھر اس کے وسائل حاجت روائی کے لئے کافی نہ ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ جو لامحدود خزانوں کا مالک ہے اسے کسی سے قرض لینے کی کیا ضرورت ہے، بات یہ ہے کہ اللہ کو قرض دینے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے بندوں کی مدد کی جائے۔ مشہور ہے کہ الخلق عیال اللہ بعض روایتوں میں ان الفقراء[۱] عیال اللہ و احب الناس الی اللہ انفعھم لعیالہ وابغض الخلق الی اللہ من ضیق علی عیالہ کے الفاظ آئے ہیں، یہ روایت اگرچہ ضعیف ہو لیکن اس مفہوم کی تائید بخاری مسلم کی اس صحیح روایت سے ہوتی ہے، جس میں یہ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ روز جزا بعض بندوں سے پوچھے گا، میں بھوکا تھا تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا۔ بندہ کہے گا پروردگار آپ بھلا کیسے بھوکے ہوسکتے تھے، اس پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا اگر تو اس کو کھلاتا تو گویا مجھے کھلاتا، اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ کی مخلوق کی خدمت اللہ کی خدمت ہے، صاحب حاجت لوگوں کی مدد کرنا یا ملت کے عمومی فوائد کے لئے مال صرف کرنا یہ بہترین خدمت ہے، قرض دیکر قرض خواہ رقم کی واپسی کا منتظر ہوتا ہے، اسی طرح یہاں بھی ملی مصالح پر صرف کرنے یا افراد ملت پر صرف کرنے کے بعد بھی اس کی توقع ہے کہ صرف کرنے والے کی دولت میں اضافہ ہو، خواہ بظاہر نظر نہ آئے لیکن حسن سلوک کا صلہ ضرور ملتا ہے، ایک تاجر اگر حاجت مندوں کی

(۱) طبرانی

(باقی تفسیر صفحہ [illegible] پر)

ادارۂ تعلیمات اسلام کا ترجمان

ماہوار تعمیر لکھنؤ

۳۸- امین آباد- پارک

ادارۂ تحریر

عبدالسلام قدوائی ندوی • مشیر الحق مجری آبادی

نومبر ۱۹۵۳ء مطابق ربیع الاول ۱۳۷۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اخبار!

اخبار —— اخبار!

تازہ خبریں۔

اُردو اخبار — ہندی اخبار — انگریزی اخبار

لکھنؤ کا —— دہلی کا — کان پور کا —— اخبار

اگر آپ شہر میں رہتے ہیں تو ہر صبح یہ آوازیں آپ کے کانوں میں ضرور پڑتی ہوں گی، بلکہ بہت سے لوگوں کو تو یہی آوازیں مرغ سحر کا کام دیتی ہوں گی۔ آپ اخبار خریدتے بھی ضرور ہوں گے اگر خریدتے نہ ہوں گے تو اخبار پڑھتے ضرور ہی ہوں گے لائبریری میں ہوٹل میں اخبار پڑھتے کے پاس سڑک پر —— بہرحال کسی نہ کسی صورت سے آج کل تقریباً ہر شخص صبح ہی صبح اخبار کا ناشتہ ضرور کرتا ہے —

ان اخبار بینوں کی کئی قسمیں ہوتی ہیں —— بعض وہ ہوتے ہیں جو سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ کس ملک نے جنگ کا بگل بجایا —— کوئی یہ دیکھتا ہے کہ کتنی لڑکیاں اغوا ہوئیں اور کتنے مرد قتل ہوئے —— کچھ کا مطمح نظر صرف اتنا ہوتا ہے کہ ایڈیٹر نے گورنمنٹ کی شان میں کتنے "مدحیہ قصائد" لکھے ہیں —— کچھ "پراگندہ روزی" قسم کے لوگ "ضرورت ہے" کالم کا مطالعہ کرتے ہیں تو کچھ "پراگندہ دل" صرف تصویروں اور سنیما کے اشتہارات ہی پر اکتفا کر لیتے ہیں —— اگر آپ اخبار کا نہیں بلکہ اخبار بینوں کا

گہری نظر سے مطالعہ کریں تو آپ کو اور بھی بہت سی قسمیں مل جائیں گی۔ لیکن ایک صنف ایسی ہے جو ہر اخبار بین میں پائی جاتی ہے —— وہ ہے "چکنے گھڑے"[1] "معالی باعد!" خواہ کسی بھی نقطۂ نظر سے اخبار کا مطالعہ کیا جائے — اخبار کے صفحات پلٹ دینے کے بعد ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دنیا میں کچھ ہوا ہی نہیں —— ایسا معلوم ہوتا ہے

(۱) اس لفظ پر ناک بھوں نہ چڑھائیے

مقطع میں آ پڑی ہے سخن گسترانہ بات
مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے

زر تعاون ہندستان و پاکستان سے
سالانہ [illegible] ششماہی [illegible]، قیمت فی پرچہ [illegible]

پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
[illegible] آرام باغ روڈ کراچی

کہ انسانی فطرت کی جو سب سے بڑی دولت "عبرت پذیری" ہے وہ انسانوں سے چھن چکی ہے ــــــ اگر یہ دولت کسی کو میسر ہو تو نا ممکن ہے کہ وہ اخبار پڑھ کر اسی حالت میں رہے جس حالت میں پہلے تھا، اخبار ہمیں بتاتا ہے کہ دنیا ایک اسٹیج سے زیادہ کچھ نہیں۔ ہر روز ہمارے سامنے ایسے ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کل جن کا طوطی بول رہا تھا آج ان کی یاد بھی دلوں میں نہیں ہے۔

یہ آپس کی خانہ جنگی، خدا سے بغاوت، انسانوں سے دشمنی، اخلاق سے بُعد اور مذہب سے دوری، صرف اسی وجہ سے تو ہے کہ انسان نے اس تعلق کو بھلا دیا ہے جو خالق اور مخلوق کے درمیان ہے۔ آج ہر شخص اپنے فرائض کو بھول کر صرف حقوق کے پیچھے دوڑتا چلا جا رہا ہے، آج اپنی صلاحیتوں کا اندازہ کئے بغیر اونچے سے اونچے عہدے اور بڑے سے بڑے مرتبہ کی تلاش ہے اور اس میں جب ناکامی ہوتی ہے تو جوتیوں میں دال بٹنے لگتی ہے، بھائی بھائی کا گلا کاٹنے لگتا ہے۔ بڑی قومیں چھوٹی قوموں کو کھانے لگتی ہیں۔ ملک ایک دوسرے کو ہڑپنے کے لئے پر تولنے لگتے ہیں اور پھر دنیا میں وہ غدر مچتا ہے کہ الاماں ۔ الحفیظ۔

اور یہ تمام کارروائیاں آپ کو ہر صبح اخبار بتاتا ہے۔ آپ پڑھتے ہیں۔ ان ہنگاموں کو معلوم کرنے کے لئے پیسے خرچ کرتے ہیں اور ان سے کچھ سبق حاصل کئے بغیر اس طرح گزر جاتے ہیں جیسے ریل کے سفر میں کھڑکیوں سے کھیت اور باغ کا کوئی شخص نظارہ کرے۔

یہ کچھ آپ ہی پر منحصر نہیں ہے بلکہ پوری انسانی برادری میں غفلت کا مرض اس بری طرح پھیل گیا ہے کہ ہر شخص آنکھوں پر پٹی باندھے بگٹٹ بھاگتا چلا جا رہا ہو نہ کھائی دیکھتا ہے نہ خندق، نہ پہاڑ نظر آتا ہے نہ کنواں ــــ بس آگے بڑھو، آگے بڑھو ــــ!

اخباروں سے زیادہ اس سلسلے میں قابل رحم ہستی تو وہ ہے جسے لوگ اخبار نویس کہتے ہیں، آپ تو صرف صبح کو چند منٹ تک اس "کتاب النصائح" سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ بیچارے اپنی پوری زندگی اسی کام میں لگا دیتے ہیں اور جب دفتر سے گھر کو چلتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے دنیا میں کچھ ہوا ہی نہیں ــــــ

"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا"

میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ اخبار نویس کے علاوہ بقیہ لوگ اپنے گرد و پیش سے نصیحت حاصل کرتے ہیں ــــ ہرگز نہیں، اگر ایسا ہوتا تو آج اخبارات شائع نہ ہوتے۔ ہر روز دنیا میں ایسے ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں، ایسے ایسے انقلابات ہوتے رہتے ہیں کہ اگر تمام دنیا کے انسانوں میں عبرت پذیری کا مادہ ہو تو وہ دل میں ٹھان کر اٹھ کھڑے ہوں کہ آج سے ہم دنیا کی تمام برائیوں کو مٹا کر دم لیں گے، بد اخلاقیوں اور بدکرداریوں کا قلع قمع کر دیں گے اور جب تک ہم اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوں گے اس وقت تک ہر صبح کانوں میں ــــ اخبار، اخبار ــــ کی چونکا دینے والی آواز نہ آئے گی ــــ

اچھی طرح سمجھ لیجئے کہ صبح صبح ــــ اخبار ــــ کی آواز قدرت کی طرف سے انسانوں کے نام ایک پیغام ہے، ایک الارم ہے، خطرہ کی گھنٹی ہے، ــــ آپ پڑھیں یا نہ پڑھیں اس میں لکھا ہوتا ہے۔

"اٹھ جاگ مسافر بھور بھئی اب رین کہاں جو سووت ہے"

آپ سنیں یا نہ سنیں لیکن اخبار چیخ چیخ کر کہتا رہتا ہے "جو سووت ہے سو کھووت ہے جو جاگت ہے سو پاوت ہے" (۱)

(م۔ ع۔ ب)

---

(۱) مسافر اٹھ، صبح ہو گئی اب سونے کا وقت کہاں ہے، اٹھ جا وہ جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے اور جو جاگتا ہے وہ پاتا ہے۔

★ سید ابو الحسن علی ندوی

ترجمہ سید محمود الحسن ندوی

ہندستان کے مشہور علمی و تعلیمی مرکز

۲

[گزشتہ نمبر میں دارالعلوم دیوبند اور مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کا، ذکر ہو چکا ہے اس میں بتایا گیا تھا کہ کس طرح یہ دونوں مدرسے بعض مخلص بزرگوں کی کوشش سے قائم ہوئے اور بظاہر ہر قسم کی کس مپرسی کے باوجود ان بزرگوں کی حسن نیت کا اثر یہ ہوا کہ دیکھتے ہی دیکھتے ان مدرسوں نے اتنی ترقی کر لی کہ ہندستان کی دینی تاریخ لکھنے والا مؤرخ ان کا ذکر کئے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا ——— (ادارہ)

دارالعلوم دیوبند اور اس کے ہمخیال دوسرے قدیم دینی مدارس کے بالمقابل دور حاضر کی جدید یونیورسٹیاں ہیں جن کو مسلمانوں نے اپنے بچوں اور نوجوانوں کو جدید اور عصری تعلیم اور غیر ملکی زبانوں کی تعلیم دلانے کے لئے علیگڑھ دہلی اور حیدرآباد میں قائم کیا ہے، ان درسگاہوں کا مطمح نظر مسلمان نوجوانوں کو سرکاری ملازمتوں اور حکومت کے عہدوں کے لئے تیار کرنا اور قومی و وطنی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے قابل بنانا تھا۔

ان میں سب سے زیادہ ممتاز اور قدیم یونیورسٹی جس نے مسلمانوں کی ذہنیت و سیاست پر بڑا گہرا اثر ڈالا ہے وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہے۔ ہندستان کی بڑی یونیورسٹیوں میں اس کا شمار ہے۔ اس کی ابتدا ایک کالج سے ہوئی جو مدرۃ العلوم علیگڑھ کے نام سے مشہور تھا، مشہور مسلم رہنما ڈاکٹر سر سید احمد خاں مرحوم اس کے بانی تھے۔

غدر ۱۸۵۷ء کے نتیجے میں یہاں کے مسلمانوں کے ہر طبقہ میں عام طور سے یاس و نا امیدی کا دور دورہ تھا وہ اجتماعی و علمی لحاظ سے گمنامی و پستی میں گرتے چلے جا رہے تھے، ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ کی ناکامی اور انقلاب حکومت نے ان کو مضطرب اور مستقبل سے مایوس کر رکھا تھا، انگریزی حکومت ان سے بدظن تھی، سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر بند تھے اور ملک کے نظم و نسق سے ان کو بالکل بے دخل کر دیا گیا تھا جن لوگوں کے ہاتھوں میں چند دنوں پہلے ملک کی باگ ڈور تھی ان کو اب یہاں کی سیاست و انتظام میں حصہ لینے اور کسی طرح کی سرگرمی برقرار رکھنے کا کوئی حق نہ تھا۔

مرحوم سر سید احمد خاں جو ایک بڑے ذکی الحس انسان تھے، اس صورت سے کافی متاثر تھے، قوم کی بڑھتی ہوئی پریشانیوں نے ان کے احساس کو کافی زخمی کر دیا تھا انھوں نے صورت حال کا علاج یہ سمجھا کہ مسلمانوں میں انگریزی تعلیم کا رواج عام کیا جائے (جس کا مسلمانوں نے سختی سے مقاطعہ کر رکھا تھا) اور صاحب اقتدار قوم کے لباس و معاشرت کو اپنایا جائے، تاکہ حاکم و محکوم کے درمیان مساوات و یکسانی

انمول موتی

★ عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یلج النار رجل بکی من خشیة الله حتی یعود اللبن فی الضرع ــــ ولا یجتمع غبار فی سبیل الله ودخان جهنم

• حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے ڈر سے رونے والے کا دوزخ میں جانا اسی طرح ناممکن ہو جس طرح دوہے ہوئے دودھ کا تھن میں واپس ہونا ــــ اور راہ اللہ کے رستہ کا غبار اور جہنم کا دھواں جمع نہ ہوں گے

★ عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم سبعة یظلهم الله فی ظله یوم لا ظل الا ظله امام عادل وشاب نشأ فی عبادة الله تعالی ورجل قلبه معلق بالمساجد ورجلان تحابا فی الله واجتمعا علیه وتفرقا علیه ورجل دعته امرأة ذات منصب وجمال فقال انی اخاف الله ورجل تصدق بصدقة فاخفاها حتی لا تعلم شماله ما تنفق یمینه ورجل ذکر الله خالیا ففاضت عیناه ـ

• حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس دن خدا کے سایہ کے سوا کسی کا سایہ نہ ہوگا اس دن سات آدمیوں پر خدا اپنا سایہ فرمائے گا۔ (۱) منصف بادشاہ (۲) وہ نوجوان جس نے اللہ کی عبادت میں نشوونما پائی (۳) وہ آدمی جس کا دل مسجد میں اٹکا رہے (۴) وہ دو آدمی جو اللہ کے لئے محبت کریں، الگ ہوں تو خدا کے لئے اور ملیں تو خدا کے لئے (۵) وہ جس کو کوئی معزز اور حسین عورت بلائے تو وہ کہے میں اللہ سے ڈرتا ہوں (۶) وہ آدمی جو اتنا چھپا کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ تک کو خبر نہ ہو کہ داہنے نے کیا دیا (۷) وہ آدمی جو اللہ کو تنہائی میں یاد کرے اور اس کی آنکھیں اشکبار ہوں ـ

پیدا ہو سکے اور مسلمانوں کے دلوں سے احساس کمتری دور ہو جائے اور وہ حکومت کی اونچی اونچی ہوئی عہدوں پر فائز ہو سکیں، ان مقاصد کے پیش نظر مسلم یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا تھا۔

علی گڑھ یونیورسٹی اپنے مشن میں پوری طرح کامیاب ہوئی اچھے اور کھاتے پیتے، خاندانوں کے بے شمار طلبار یہاں آنے شروع ہوئے اور دیکھتے ہی دیکھتے یہ یونیورسٹی ذہین اور آسودہ حال نوجوانوں کا مرکز بن گئی، جس نے حکومت کے بڑے بڑے عہدے سنبھالے اور اپنی کارکردگی اور وفادارانہ پالیسی کی بدولت بہت جلد حکمران طبقہ کا اعتماد حاصل کر لیا۔ یہیں سے ہندوستانی قومیت کے خلاف مسلم قومیت کی تحریک کی بنیاد پڑی جو مسلمانوں کی تہذیب و سیاست میں کافی اثر انداز ہوئی، اس کی قیادت مسلمانوں کے مرفہ الحال طبقہ کے افراد کے ہاتھوں میں تھی جو اکثر اس یونیورسٹی کے فارغ تھے۔

تحریک خلافت کے زمانہ میں مسلم یونیورسٹی کے فارغ التحصیل طلبار کی ایک ممتاز جماعت نے یونیورسٹی کی تحریک سے الگ ہو کر مولانا محمد علی مرحوم کی قیادت میں جامعہ ملیہ کے نام سے ایک مستقل ادارہ قائم کیا جو علی گڑھ سے دہلی منتقل ہو گیا، اس کے اساتذہ و کارکن اپنی حب الوطنی اور جذبۂ ایثار و قربانی کے لئے مشہور ہیں، عالمی ماہر تعلیم ڈاکٹر ذاکر حسین[1] شیخ الجامعہ ہیں، جامعہ اور اس کے مخلص کارکنوں نے عرصۂ دراز تک آزمائش و عسرت کی زندگی گزاری ہے - ادبی اور تعلیمی میدان میں جامعہ ملیہ نے بھی قابل قدر

(۱) موجودہ وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

خدمات انجام دی ہیں۔

جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد دکن) اس حیثیت سے بہت ممتاز ہے کہ وہ ہندستان کی سب سے بڑی یونی ورسٹی ہے جس نے علوم جدیدہ کے لئے اردو زبان کو ذریعۂ تعلیم قرار دیا اور جدید علوم کو اردو میں منتقل کرنے کی جدوجہد شروع کی، فلسفہ، طبیعیات، اقتصادیات، سیاسیات، طب اور تاریخ کی اہم کتابیں دوسری علمی زبانوں سے ترجمہ کرا کے اُردو میں شائع کیں اور علمی اصطلاحات کے وضع و ترجمہ کی خدمت انجام دی اس طرح جامعہ عثمانیہ نے ملک و قوم کی اہم ضرورت کو پورا کر کے ناقابل فراموش خدمت انجام دی ہے۔

اس وقت ہندستان میں دو متضاد طبقوں اور مختلف الخیال جماعتوں کا زور تھا، ایک طرف تو قدیم دینی مدارس تھے جو اپنی قدیم تعلیمی روایات پر سختی سے جمے ہوئے تھے اور ان روایات سے یک سر مو انحراف ان کے نزدیک تحریف و بدعت کے مرادف تھا دوسری طرف جدید یونی ورسٹیاں اور عصری و ثقافتی تعلیم گاہیں تھیں جو ہر جدید چیز کو عظمت کی نگاہ سے دیکھتی تھیں اور بلا کسی غور و فکر کے سرعت کے ساتھ ان کو اپنا رہی تھیں اور قدامت کے ہر نشان کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی تھیں، ان دو متضاد و متناقض گروہوں کے درمیان کسی درمیانی راہ کا پیدا کرنا یقیناً وقت کا ایک اہم ترین سوال تھا، جس کو حل کئے بغیر باہمی نفرت و حقارت اور بے گانگی و رقابت کی اس خلیج کو جو قدیم و جدید کے درمیان پیدا ہو چکی تھی، پُر کرنا ناممکن تھا، دوسری طرف مسلمانوں کے مختلف مذہبی گروہوں میں سخت مناقشہ جنگی اور دست کشی تھی اپنی اختلافات اور جزئیات پر تفضیل و تکفیر کا ہنگامہ گرم تھا اس مصیبت حال سے متاثر ہو کر جو اس ملک میں دین کے لئے تھا

اور اس کے مستقبل کے لئے خطرناک تھی مولانا محمد علی مونگیریؒ اور ان کے چند مخلص ساتھیوں نے ۱۳۱۱ھ میں لکھنؤ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بنیاد رکھی، تاکہ اس کے فضلاء بے نتیجہ بحثوں میں اُلجھنے کے بجائے بدلے ہوئے حالات میں ملت اسلامیہ کی رہنمائی کا کام انجام دے سکیں۔

ندوۃ العلماء اور اس کے دارالعلوم کا قیام اس تخیل پر ہے کہ قدیم و جدید میں حقیقتاً کوئی رقابت نہیں اور دین کی خدمت و سربلندی کے لئے دونوں کے محاسن کو جمع کیا جا سکتا ہے روز اول ہی سے ندوہ کا یہ عقیدہ رہا کہ اسلامی علوم زندہ و ترقی پذیر ہیں اور نصاب تعلیم ہمیشہ تغیر و تجدد کے اصولوں کے تابع ہوا کرتا ہے، اس لئے ہر ملک اور ہر زمانہ کا نصاب درس اصلاح و تجدید کا محتاج ہے، تغیرات زمانہ اور مسلمانوں کے حالات و ضروریات کے پیش نظر اس میں حذف و اضافہ نہایت ضروری ہے

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے قرآن مجید کی تعلیم کی طرف خاص توجہ کی اور اس کو ایک ابدی اور زندۂ جاوید کتاب کی حیثیت سے داخل درس کیا، اسی طرح عربی زبان کی طرف بھی اس کی خاص توجہ رہی اس لئے کہ قرآن مجید کو سمجھنے کیلئے عربی زبان و ادب میں مہارت بہت ضروری تھی اس کے صحیح ذوق کے بغیر قرآن مجید کے علوم و معارف اور اس کے پیش کردہ ابدی پیغام کو سمجھنا اور اس سے پوری طرح بہرہ اندوز ہونا ناممکن ہے، ندوہ نے عربی زبان کو بھی ایک جیتی جاگتی زبان کی حیثیت سے پڑھایا، اس کے علاوہ اس نے اپنے نصاب تعلیم سے بعض غیر ضروری چیزوں کو حذف کر کے ان کی جگہ بعض مفید مضامین داخل کئے جن کا حصول اس زمانہ کے داعی دین کے لئے بہت ضروری تھا تاکہ وہ اہل زمانہ کو انھیں کی زبان میں اسلام کی دعوت دے سکے اس لئے یہ کہنا بالکل درست ہے کہ یہ جماعت ایک معتدل اور درمیانی گروہ تھا جس نے جمود و انکار اور افراط و تفریط کے

پاک بیویاں ——— (۹)

ام المؤمنین حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا

بعثت نبوی سے سترہ برس پہلے آپ پیدا ہوئیں۔ آپ کی پہلی شادی عبید اللہ بن جحش سے ہوئی تھی جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہوئے تو آپ دونوں میاں بیوی مسلمان ہو گئے کچھ دنوں بعد جب مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا قافلہ ہجرت کر کے حبشہ جانے لگا تو آپ بھی اپنے شوہر کے ساتھ چلی گئیں ——— حبشہ کے دوران قیام میں آپ کے شوہر مرتد ہو گئے اور عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ آپ نے اسلام کا دامن نہ چھوڑا۔ اس لئے دونوں میں جدائی ہو گئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مدینہ میں تھے، جب یہ خبر وہاں پہنچی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے پاس حضرت عمرو بن امیہ الضمری کو بھیجا۔ حضرت عمرو، سیدہ ام حبیبہؓ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کا پیغام لیکر آئے تھے۔ نجاشی نے اپنی لونڈی ابرہہ کو آپ کے پاس پوچھنے کے لئے روانہ کیا، حضرت ام حبیبہ اس خبر کو سن کر بہت خوش ہوئیں اور فرط مسرت میں اپنے دونوں کنگن اور چاندی کی انگوٹھی ابرہہ کو پہنا دی۔

نجاشی نے حبشہ کے مسلمانوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا اور آپؐ کی طرف سے خود چار سو دینار بطور مہر کے ادا کئے اور لوگوں کو دعوت ولیمہ دی ——— جب حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے مہر کی رقم پائی تو اس میں سے پچاس دینار نجاشی کی لونڈی ابرہہ کو پھر دینے چاہے لیکن اس نے لینے سے انکار کر دیا اور دونوں کنگن بھی واپس کر دئے کیونکہ نجاشی نے ابرہہ کی اس حرکت کو پسند نہیں کیا تھا۔

دوسرے دن آپ کے پاس عطر، عنبر اور دوسری بہت سی قیمتی چیزیں بھیجی گئیں، جب شادی کی تمام رسمیں ادا ہو گئیں تو نجاشی نے آپ کو بہت عزت کے ساتھ حضرت شرجیل بن حسنہ کی حفاظت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روانہ کر دیا۔

آپ نے مدینہ میں ۴۴ھ میں وفات پائی اور وہیں دفن کی گئیں۔

درمیان ایک نئی اور درمیانی راہ نکالی، وہ اپنے بلند مقاصد میں ناکام نہیں رہا۔ اور موجودہ عالم اسلام میں علماء کی مختصر لیکن مفید جماعت پیدا کر دی جس نے تاریخ، سیرت، ادب اسلامی اور علم کلام میں بڑے قیمتی اور یادگار کارنامے انجام دئے ہیں۔

چند ندوی فضلاء نے اعظم گڈھ میں دار المصنفین کے نام سے ایک تصنیفی تحقیقی ادارہ قائم کیا تھا۔ اس کا شمار ہندستان کے سنجیدہ علمی اداروں میں ہوتا ہے۔ یہ ادارہ ادب و تاریخ، دین، اجتماع اور دوسرے اہم اسلامی موضوعات پر کتابیں شائع کر کے ملک اور بیرون ملک خراج تحسین وصول کر چکا ہے، یہاں سے ایک ماہنامہ "معارف" کے نام سے نکلتا ہے جو اپنی علمی تحقیقات اپنے سنجیدہ ادبی و تاریخی مضامین اور حسین طرز تحریر میں بہت ممتاز ہے۔

ہندستان کے علمی و تحقیقی اداروں میں حیدرآباد دکن کا "دائرۃ المعارف الاسلامیہ" کی خدمات بھی فراموش کرنے کے قابل نہیں۔ ہندستان میں قدیم اور گمنام علمی کتابوں کے احیاء اور نشر و اشاعت کا سہرا اسی کے سر ہے۔ اس ادارہ نے حدیث، اسماء الرجال اور تاریخ کی اہم کتابوں کی ایک بڑی تعداد شائع کی ہے۔ یہ کتابیں علمی دنیا میں نایاب تھیں اور علماء و طلباء ان کے مطالعہ سے محروم تھے

بقیہ مضمون صفحہ [illegible] پر

★مشیر الحق مجھلی بادی

چندا ماموں دور کے۔!

•

چندا ماموں دور کے
بڑے پکائیں بور کے
آپ کھائیں تھالی میں
ہم کو دیں پیالی میں
پیالی گئی ٹوٹ
ماموں گئے روٹھ .... !

ماموں گئے ....!!

ماں بچے کو گود میں لئے نیند سے بے چین تھی، لیکن بچہ تھا کہ اسے نیند آ ہی نہیں رہی تھی — جب لوری پوری کرتے کرتے بچے سے پہلے ماں سونے لگی تو بچہ روٹھا — اس کی آنکھ کھل گئی اس نے کہا "سو جا پیارے!"

نہیں امی، پھر چندا ماموں ....

ارے نہیں بیٹے، اب تم سو جاؤ تو رات کو چندا ماموں تمہارے پاس آئیں گے — تم ان کے ساتھ کھیلنا۔

میرے پاس آئیں گے — امی!!

ہاں بیٹے!

مگر امی نیند نہیں آ رہی! میں کس طرح سوؤں؟

تم آنکھیں بند کر کے چپ چاپ لیٹ رہو — نیند آ جائے گی — تب چندا ماموں بھی آئیں گے!

اچھا امی — میں آنکھیں بند کئے لیتا ہوں —

اور تھوڑی دیر بعد بچہ چندا ماموں سے ملنے کے شوق میں چمٹ گیا۔ دوسرے کمرے میں ایک پلنگ پر لیٹے ہوئے بچے کے باپ نے سوچا — کس طرح یہ نٹ کھٹ بچہ خوش آئند وعدے پر چپ چاپ سو گیا — وہ اپنی بیوی کی اس مکاری پر دل ہی دل میں ہنسا لیکن پھر سوچنے لگا — یہ بیوی کی مکاری نہ تھی بلکہ وقت شناسی تھی، انسان کی فطرت ہی ہے کہ وہ خوش آئند وعدوں پر حال کے آرام کو تج دیتا ہے۔ انسانیت ابھی زندہ ہے۔ لیکن سو رہی ہے — آج بھی اگر کوئی ہستی میدان میں آ جائے جو انسانوں کو مستقبل کے بارے میں مطمئن کر دے تو وہ دنیا کی بگڑی ہوئی حالت کو سنوار سکتے ہیں — جب اس کے ذہن نے سنوارنے کے بارے میں سوچا تو اسے مسلمان یاد آ گئے — اور وہ سوچنے لگا کیا دنیا کی بگڑی ہوئی حالت کو مسلمانوں کے سوا کوئی اور سنوار سکتا ہے — پھر نہ جانے کیسے اس کے دل میں یہ بات جم گئی کہ صرف مسلمان ہی دنیا کو درست کر سکتے ہیں — مسلمانوں کے علاوہ کوئی بھی قوم اس روئے زمین پر نہیں ہے جسے آخرت کے دن پر یقین ہو — جس کے سامنے آنے والے دنوں

(بقیہ مضمون صفحہ ۸ کالم ۲)

دائرۃ المعارف نے ان کو شائع کر کے ان کو نئی زندگی بخشی اور علماء و محققین کا کام آسان کر دیا جس کے لئے مصر و شام و عراق و حجاز کے فضلاء بھی شکر گزار اور ہندستانی مسلمانوں کے دینی جذبہ اور علمی خدمت کے معترف و مداح ہیں ان تمام سرگرمیوں سے ہندستانی مسلمانوں کے اس گہرے ربط اور بے پایاں محبت کا پتہ چلتا ہے جو ان کو اپنے دین اور اسلامی تہذیب سے ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

اگر تحقیقی ادارے، فکری سرگرمیاں اور علمی خدمات کسی قوم کی زندگی و توانائی کا پتہ دے سکتی ہیں تو یقیناً ہندستان کے مسلمان ایک زندۂ جاوید قوم ہیں جن کا ماضی روشن، حال امید افزا اور مستقبل شاندار ہے [illegible] — دمعو بعد۔

حُسنِ ازل

اسرار احمد آزاد

جانا پڑا تھا جن کے لئے دربدر مجھے
آخر کو اپنے دل ہی میں آئے نظر مجھے

میں بھول جاؤں کون و مکاں کی تجلیاں
کیسا غمِ حیات! وہ مل جائیں گر مجھے

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں پہ آتا نہیں نظر
دنیا سمجھ رہی ہے غلط دیدہ ور مجھے

اُن کو مرا خیال ہو، آتا نہیں یقین!
دھوکہ نہ دے رہا ہو دلِ خیرہ سر مجھے

وہ برقِ حُسن اور سیہ خانۂ نیاز
یہ کیا دکھا رہا ہے فریبِ نظر مجھے

ناشاد چشم دل پہ لٹا دوں غمِ مآل،
آئے نظر جو حُسنِ ازل جلوہ گر مجھے

کے لئے کچھ وعدے کئے گئے ہوں — کسی کے نزدیک جو کچھ ہے وہ یہیں ہے تو کسی کے بزرگ اپنے تمام ماننے والوں کا کفارہ دے چکے ہیں اس لئے اب ان پر دنیا کو ٹھیک رکھنے کی کوئی ذمہ داری نہیں — لیکن صرف مسلمان ہی وہ قوم ہے جو اپنے اعمال کی خود ذمہ دار ہے اور جس سے کل اس کے بارے میں بھی سوال ہوگا اور دنیا کے بارے میں بھی اس سے پوچھا جائیگا — تب اس کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ پھر مسلمان سو کیوں رہے ہیں۔ اس سے تو بہت زیادہ خوش آئند وعدے بھی کئے گئے ہیں۔ کیا پوری قوم میرے بچے سے بھی گئی گزری ہے، میرا بچہ ابھی کمسن ہے نا سمجھ ہے لیکن پھر بھی چندا ماموں سے ملاقات کے شوق میں وہی کرتا ہے جو اس کی ماں حکم دیتی ہے لیکن یہ مسلمان قوم — ! یہ عقلمند جماعت — ! یہ دانا گروہ — !! آخر یہ اپنے پالنے والے کے کئے ہوئے وعدوں پر یقین کیوں نہیں رکھتے — ! یہ کیوں

بقیہ چراغِ راہ

نہیں انگڑائی لیکر کھڑے ہو جاتے — !! کیوں نہیں —!!! اور بے ساختہ اس کی زبان سے نکلا

محبت کا جنون باقی نہیں ہے
مسلمانوں میں خون باقی نہیں ہے
صفیں کج، دل پریشاں، سجدہ بے ذوق
کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے۔

پھر اچانک اس کا سویا ہوا بچہ جاگ گیا اور اس نے اپنی امی کو جھنجھوڑ ڈالا — امی، امی! دیکھو میں چندا ماموں کے مل آیا۔ ماں بیچاری غنودگی کے عالم میں اسے تھپک رہی تھی اور ...

خدمت کرتا ہے تو اس کے کاروبار کو ترقی دینے کی فکر
میں وہ لوگ لگے رہتے ہیں اور جس طرح ان سے ممکن ہوتا
ہے اسے فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں
اسی ایک مثال پر اور تمام اہل خیر کے معاملات قیاس کر لیجئے

قرض حسن سے مراد وہ صرف ہے جو صحیح
موقع پر صرف کیا جائے اور مصالح کے موافق ہو اسکے
ساتھ صرف کرنے والے کی نیت میں خلوص اور بےغرضی
ہو، اس طرح مال صرف کرنے سے ملت کو بھی فائدہ
پہنچتا ہے اور اس شخص کو بھی فائدہ پہنچتا ہے روپیہ
صرف کرنے میں حسن نیت کے ساتھ دقت نظر اور بصارت
قوی کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ نیت اچھی ہو جس
کام میں روپیہ صرف کیا جا رہا ہے وہ بھی فی نفسہ
ٹھیک ہو لیکن ممکن ہے کہ سردست اس کی کوئی ضرورت
نہ ہو، یا دوسرے کام اس سے زیادہ ضروری ہوں
مثلاً کوئی شخص کسی ایسی جگہ پر جہاں ضرورت کے مطابق
مسجد موجود ہے دوسری مسجد بنائے تو اب ظاہر ہے
کہ فی نفسہ مسجد کا بنانا باعث ثواب ہے اسکی نیت بھی
محض اللہ کی خوشنودی ہے لیکن چونکہ اس وقت مسجد
بنانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہو سکتا ہو کہ اس
نئی مسجد کی وجہ سے ایک جماعت میں تفرقہ پڑ جائے
اس لئے اس کی حسن نیت اور تعمیر مسجد باعث ثواب
ہونے کے باوجود اس موقع پر نئی مسجد بنانا نہ صرف یہ کہ
باعث اجر نہ ہوگا بلکہ اس کا خطرہ ہو کہ جماعت میں تفرقہ
کی وجہ سے گناہ نہ ہو جائے، اسی طرح مثلاً اگر کسی
شخص نے کوئی مدرسہ بنایا لیکن اس کے لئے صحیح الاعتقاد
ذی علم اور ذی اخلاق استاد نہیں فراہم کئے تو ایسی
صورت میں مدرسہ بنا دینے سے ثواب کے بجائے
عقاب کا ڈر ہے۔

الغرض نیک کاموں میں پیسہ خرچ کرنے کیلئے حسن نیت کے ساتھ
بصیرت قوی، نظر دوربین، عقل دوررس اور فکر عمیق
کی ضرورت ہے، ان تمام امور کا لحاظ کر کے جب
حسن نیت کے ساتھ محض رضائے الٰہی کی خاطر صحیح
موقع پر خرچ کیا جائے گا تو یہ انفاق قرض حسن کہلائے گا (۱)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلَإِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ
إِذْ قَالُوا لِنَبِيٍّ لَهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُقَاتِلْ فِي
سَبِيلِ اللَّهِ ۖ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ
الْقِتَالُ أَلَّا تُقَاتِلُوا ۖ قَالُوا وَمَا لَنَا أَلَّا
نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ
دِيَارِنَا وَأَبْنَائِنَا ۖ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ
تَوَلَّوْا إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ○

ترجمہ:

کیا تمہیں بنی اسرائیل کے ان سرداروں کا واقعہ نہیں
معلوم جو موسیٰ (علیہ السلام) کے بعد تھے (یہ اس وقت
کی بات ہے، جب انھوں نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ ہمارے
لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دیجئے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ
کر سکیں (اس درخواست کے جواب میں) انھوں نے فرمایا اگر تم پر
جنگ فرض کر دی جائے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم (دشمن سے)
مقابلہ نہ کرو۔ ان لوگوں نے عرض کیا کہ ہمارے لئے کیا
وجہ ہو سکتی ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ نہ کریں حالت
حال تو یہ ہے کہ ہم اپنے گھروں سے نکال دئے گئے ہیں
اور اپنے بال بچوں سے جدا کر دئے گئے ہیں (مگر ان تصریحات
کے باوجود ہوا یہ کہ) جب ان پر جنگ فرض کر دی گئی تو
تھوڑے سے آدمیوں کے علاوہ انھوں نے (جہاد سے)
منہ پھیر لیا اور اللہ ظالموں سے واقف ہے۔

(باقی آئندہ)

(۱) تفسیر القرآن الحکیم للشیخ المفتی محمد عبدہٗ

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرہ

—— ۹۳ ——

تشریح :-

اس سے اوپر کی آیتوں میں اللہ کی راہ میں جہاد اور اور دشمنان قوم سے مقابلہ کے لئے لوگوں کو توجہ دلائی گئی ہے اور اس راہ میں جان و مال کی بازی لگانے کی ترغیب دی جا چکی ہے اب اس سلسلہ میں ایک اہم تاریخی واقعہ بیان کیا جا رہا ہے، یہ واقعہ پیش تو بنی اسرائیل کے زمانہ میں آیا تھا لیکن جن حالات کا تجربہ اس سلسلہ میں ہوا وہ کچھ اس زمانہ کے ساتھ مخصوص نہیں تھے، بلکہ دنیا کی تاریخ میں بار بار اس قسم کے واقعات پیش آئے ہیں اور آئندہ بھی پیش آنے کا امکان ہے، اس لئے کسی قدر تفصیل سے اس واقعہ کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا، قَالُوْآ أَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ، قَالَ إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ، وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ، وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ○

ترجمہ :-

اور ان سے ان کے نبی نے کہا کہ اللہ نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے، انھوں نے کہا اُسے کیسے ہم پر فرمانروائی حاصل ہو سکتی ہے، صورت حال تو یہ ہے کہ ہم اس کے مقابلہ میں فرمانروائی کے زیادہ مستحق ہیں اسے مالی فراخدستی بھی نہیں میسر ہے (نبی نے) فرمایا اللہ نے اسے تمہارے اوپر منتخب کر لیا ہے اور اسے علم میں اور جسم میں زیادتی عطا کی ہے اور اللہ اپنی بادشاہت جس کو چاہتا ہے دیتا ہے، اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

تشریح :-

گزشتہ پرچے میں بیان ہو چکا ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبی سے درخواست کی تھی کہ ان کے لئے ایک ایسا شخص متعین کر دیا جائے جس کے زیر سرکردگی وہ دشمنان حق سے مقابلہ کر سکیں، جس وقت یہ درخواست کی گئی اس وقت بنی اسرائیل بڑی سخت مصیبتوں میں مبتلا تھے دشمن کا قبضہ ان کے تمام وطن پر ہو چکا تھا، مقدس مقامات زیر و زبر ہو چکے تھے اور وہ سخت قسم کی پریشانی کی زندگی بسر کر رہے تھے، ان حالات میں قدرتی بات تھی کہ انھیں خیال ہوتا تھا کہ کسی طرح سے پھر وہ وقت آئے کہ ان کی اس زبوں حالی کا خاتمہ ہو اور پھر گزشتہ عزت و کامرانی سے ہم کنار ہوں، اس غرض کے لئے سب سے مقدم کام یہ تھا کہ کوئی صاحب جرأت و صلاحیت والا شخص نظر آتا کہ جس کی رہنمائی میں وہ اپنے دشمنوں سے مقابلہ کر سکتے، اس زمانہ میں ان کے درمیان ایک نبی ان کی روحانی ہدایت کے لئے موجود تھے جو ہر قسم کی پریشانی کے باوجود ان کے اندر ایمان کی روح باقی رکھنے کی تدبیریں کرتے رہتے تھے، ان لوگوں نے ان کی خدمت میں جا کر درخواست کی کہ آپ ہمارے لئے کوئی ایسا شخص متعین کر دیجئے جو دشمنوں سے جنگ کے مشکل کام میں ہماری قیادت کر سکے۔ نبی علیہ السلام انسانی نفسیات پر گہری نظر رکھتے تھے، ایکے ساتھ خود بنی اسرائیل کی اس قوم کا بھی انھیں ویسے تجربہ تھا

(باقی تفسیر صفحہ ۱۱ پر)

ادارۂ تعلیمات اسلام کا ترجمان

تعمیر حیات لکھنؤ

۳۸- امین آباد پارک

ادارۂ تحریر

عبد السلام قدوائی ندوی ● مشیر الحق بجری آبادی

دسمبر ۱۹۵۳ء مطابق ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

قول سے پہلے قائل

آپ نے اکثر یہ فقرہ لوگوں کی زبان سے سُنا ہوگا کہ "انظروا الیٰ ما قال ولا تنظروا الیٰ من قال" (کہنے والے کو نہ دیکھو بلکہ یہ دیکھو کہ اس نے کہا کیا ہے) یہ فقرہ ایک اعتبار سے صحیح ہے۔ مقصود یہ ہے کہ بات اگر معقول ہے تو اسے اختیار کرنا چاہیئے خواہ اس کا کہنے والا کوئی بھی ہو، کیونکہ اچھی بات اچھی ہے اچاہے اس کا قائل اچھا ہو یا بُرا، اس مفہوم کو یوں بھی ادا کیا گیا ہے کہ حکمت و دانائی کی بات صاحب ایمان کا گمشدہ مال ہے اسے پورا حق ہے کہ جہاں بھی پائے اسے لے لے۔ اس نقطۂ نظر سے کسی ذی فہم شخص کو اختلاف نہیں ہو سکتا، معقول بات کو مان لینا صحیح خیال کو تسلیم کرنا، معقولیت پسند آدمی کا شیوہ ہونا چاہیئے۔ لیکن اس فقرہ کو کہہ کر بسا اوقات لوگ یہ خیال دل میں بٹھانا چاہتے ہیں کہ اگر بات معقول ہے تو اس بات کے کہنے والے کا کہنا ماننے لگو۔ زیادہ واضح الفاظ میں یوں سمجھئے کہ جس شخص نے یہ معقول بات کہی ہے یا معقول تجویز پیش کی ہے، یا مفید لائحہ عمل مرتب کیا ہے اس کی دعوت پر لبیک کہو، اسے اپنا رہنما بنالو اور عملی جد وجہد میں اس کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ لیکن اس فقرہ سے یہ استدلال صحیح نہیں ہے اس فقرہ کا صرف یہ مطلب ہے کہ کسی بات کی معقولیت کے لئے صرف یہ

کافی ہے کہ وہ بات معقول ہو، کہنے والے کی برائی سے یہ بات بُری نہیں ہو جائے گی۔ مثلاً ایک جھوٹا آدمی اگر یہ کہے کہ سچ بولنا اچھا ہے تو اس کے جھوٹ کی وجہ سے اس قول کو غلط نہیں قرار دیں گے لیکن اگر وہ آدمی سچ کی اشاعت کے لئے اپنی سرکردگی میں کوئی انجمن بنائے تو اس کی اس انجمن میں شریک نہیں ہوں گے۔ کیونکہ اس شخص کا کردار اچھا نہیں ہے اور جس شخص کے عادات واطوار درست نہ ہوں اسکی ہمرکابی صحیح نہیں ہے۔

زیر تعاون ہندستان و پاکستان سے
سالانہ للعہ / ششماہی عہ / قیمت فی پرچہ ۳ر
پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
رسالہ چراغ راہ نمبر ۹ لوٹیا بلڈنگ آرام باغ روڈ کراچی

یہاں تک تو کسی شخص کو اختلاف نہ ہوگا، اب آگے بڑھئے۔ ایک شخص کسی خراب سوسائٹی کی اصلاح کی ضرورت کا اظہار کرتا ہے اور لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ بگڑی ہوئی سوسائٹی کی اصلاح کی جد وجہد میں اس کے ساتھ شریک ہوں اس میں شک نہیں بُری سوسائٹی کی اصلاح بیحد ضروری ہے لیکن ایک بُرے آدمی کے ساتھ مل کر بُرائی کی اصلاح نہیں ہو سکتی، اس لئے خیال کو صحیح تسلیم کرنے کے باوجود جد وجہد میں اس کے ساتھ شریک ہونے کے لئے کوئی بھی صحیح العقل شخص تیار نہ ہوگا۔

اس مثال سے بھی شاید کسی کو اختلاف نہ ہو اب اور آگے بڑھئے، ایک شخص اقتصادی اصلاح کا اعلان کرتا ہے، قوم کی گری ہوئی اقتصادی حالت کو بیان کر کے لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اس زبوں حالی کو دور کر کے قوم کو خوش حال اور فارغ البال بنانے کی جد وجہد میں اس کا ساتھ دیں، اس صورت میں قوم کی اقتصادی حالت کی خرابی کے باوجود اور اس خواہش کے باوجود کہ زبوں حالی کے بجائے قوم میں فراغت و خوشحالی کا دور دورہ ہو اس شخص کی قیادت میں جد وجہد اس وقت تک ہرگز نہیں شروع کی جائے گی، جب تک کہ معلوم نہ ہو کہ اس شخص کو اقتصادی مسائل سے واقفیت ہے اور اس کے اندر قابلیت ہے کہ وہ نیا اقتصادی ڈھانچہ تیار کر سکتا ہے

ایک اور مثال پر غور کیجئے کسی بستی کے لوگ کسی اہم مقدمہ میں مبتلا ہیں، ایک شخص سامنے آتا ہے اور ان کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتا ہے، وہ کہتا ہے کہ اس مقدمہ کی مصیبت سے لوگوں کو نجات دلانا چاہئے، لوگ اس کی اس بات کو پسند کریں گے لیکن مقدمہ کی سربراہی اسکے ہاتھ میں اس وقت تک نہیں دیں گے جب تک کہ انھیں اس کی قانونی قابلیت پر پورا بھروسہ نہ ہو۔ اگر وہ قانونی قابلیت نہیں رکھتا ہے تو اظہار ہمدردی کے باوجود لوگ اپنا مقدمہ اس کے حوالہ نہیں کریں گے۔

اسی طرح اگر کسی ظالمانہ سیاسی نظام کے خلاف کوئی نعرہ لگاتا ہے تو لوگ اس کی اس بات کو تسلیم کریں گے کہ غلط اور ظالمانہ نظام کو ختم کر کے اس کی جگہ صحیح اور عادلانہ نظام قائم کیا جائے، لیکن ان امور کو تسلیم کرنے کے باوجود وہ ہرگز اس شخص کو اپنا رہنما نہ بنائیں گے۔ جب تک کہ انھیں یقین نہ ہو کہ اس کے اندر ایسی قابلیت ہے کہ وہ انقلاب برپا کر سکتا ہے اور غلط نظام حکومت کو مٹا کر اس کے بجائے صحیح اور عادلانہ نظام حکومت قائم کر سکتا ہے۔

مذکورہ بالا باتوں سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب تک کسی اصول کو صرف اصول کی حد تک تسلیم کرنے کا سوال ہو، کہنے والے پر نظر ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے بات کی معقولیت کے لئے صرف اس کا معقول ہونا کافی ہے۔ کہنے والا خواہ معقول ہو یا نامعقول لیکن اصول جب اصول کی حد سے آگے بڑھ کر عمل کی سرحد میں داخل ہو جائے اور بات صرف بات ہی نہ ہو بلکہ اس کے ساتھ عملی جد وجہد میں بھی شرکت لازم آ رہی ہو تو پھر انظر والی ما قال پر اکتفا نہ کی جائے گی بلکہ عملی میدان میں قدم رکھنے سے پہلے قول کے ساتھ قائل پر بھی نظر ڈالنی ضروری ہوگی، بلکہ بات کی معقولیت سے زیادہ کہنے والے کی معقولیت و صلاحیت پر غور کیا جائے گا، اگر کسی تحریک کا محرک یا کسی دعوت کا داعی ایسی صلاحیت نہیں رکھتا جو اس تحریک کو عمل میں لانے کے لئے اور اس دعوت کو کامیابی تک پہنچانے کے لئے ضروری ہے تو تحریک کی خوبی اور دعوت کی معقولیت کے باوجود کوئی معقول آدمی اس جد وجہد میں ہرگز شریک نہ ہوگا۔

———

عبدالسلام قدوائی ندوی

غزوات اسلامی

جغرافیائی نقطۂ نظر سے

اسلام پر جہاں عیسائی مشنریوں نے اور بہت سے غلط الزام لگائے ہیں وہیں یہ بے بنیاد اتہام بھی لگایا ہے کہ اسلام نے اپنی دعوت کو کامیاب بنانے کے لئے تلوار کی طاقت سے کام لیا ہے، عیسائی مشنریوں نے مناظرانہ انداز سے یہ بات کہی ہے مستشرقین یورپ نے اسی بات کو علمی رنگ میں پیش کیا ہے اور اس زور و قوت کے ساتھ اپنی تصانیف میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ جو لوگ تاریخی واقعات پر گہری نظر نہیں رکھتے ہیں اور جن کے اندر تحقیق و تنقیح کی صلاحیت نہیں ہے وہ ان کے بیان سے غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔

مسلمانوں پر چونکہ یہ اعتراض کیا گیا ہے اس لئے وہ تو قدرتاً کچھ نہ کچھ اس میں غور و تامل کرتے ہیں، اور حقیقت حال معلوم کرنے کی فکر کرتے ہیں لیکن غیر مسلموں کو چونکہ اس قسم کی اعتقادی ہمدردی اسلام کے ساتھ نہیں ہے اس لئے وہ یورپین مستشرقین کے اس بیان سے عموماً دھوکا کھا جاتے ہیں اور ان کے پیش کردہ غلط تاریخی واقعات کو صحیح سمجھنے لگتے ہیں

مسلمان مؤرخین نے اس قسم کے اعتراضوں کے بہت محققانہ جواب دئے ہیں، غلط شہادتوں کی کمزوری دکھائی ہے، تاریخی واقعات پر مدلل بحث کی ہے۔ واقعات کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھ کر دکھلایا ہے کہ ہر چمکتی ہوئی چیز سونا نہیں ہے اور حالات کو گرد و غبار سے پاک و صاف کر کے اس طرح منقح کیا ہے کہ جھوٹ کا پردہ چاک ہو گیا ہے اور یہ حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ اسلام کی دعوت کی کامیابی تلوار کی رہین منت نہیں ہے بلکہ اسلام کی تعلیمات نے لوگوں کے دلوں کو گرویدہ کیا اور داعی اسلام کی پاک زندگی اور اعلیٰ سیرت نے دشمنوں کو ان حلقہ بگوش بنا دیا۔

لیکن ان محققانہ کتابوں کو بہت تھوڑے آدمی پڑھتے ہیں اور ان چند پڑھنے والوں میں ایسے اشخاص کم تر ہیں جو تنقید و تنقیح کا مذاق رکھتے ہیں پھر چونکہ اسلامی تاریخ کی جو کتابیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں، وہ مسلمانوں کی لکھی ہوئی ہیں اس لئے تحقیق و تنقید کے باوجود غیر مسلم اصحاب کو پھر بھی پورے طور پر یقین نہیں آتا ہے، اس لئے ان کے اطمینان کے لئے ایسی شہادتوں کی ضرورت ہے جن میں کسی بحث

سرخ نشان
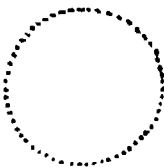
دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی، ڈاک خانہ کا محصول بڑھ جانے کے باعث وی۔پی کرنے میں خریدار پر نو آنہ کا مزید بار پڑتا ہے، اس لئے اب سالانہ وی۔پی سے نہیں بھیجا جاتا، براہ کرم اس ماہ کے آخر تک سالانہ چندہ مبلغ دو روپے بذریعہ منی آرڈر روانہ کر دیجئے اگر کسی وجہ سے اب خریداری جاری نہیں رکھ سکتے تو بھی ہمیں مطلع کر دیں۔ ہم بہر صورت آپ کے مشکور ہوں گے خط و کتابت میں یا منی آرڈر بھیجتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔ منیجر

کی گنجائش نہ ہو اور موافق و مخالف سب کے نزدیک مسلم ہوں۔ خوش قسمتی سے اس نقطۂ نظر سے بھی اسلامی غزوات کو سمجھنے کے مواقع موجود ہیں، یہاں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے مطالعہ سے آپ کی صلح پسندی نمایاں نظر آتی ہے۔ قریش کی مخالفانہ سرگرمیاں آنحضرتؐ کا صبر ضبط اور ترکِ وطن ان واقعات پر ادنیٰ تامل کرنے سے بھی یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایسا صلح پسند اور امن دوست ہرگز جنگ کا آغاز نہیں کر سکتا ہے لیکن اگر کوئی شخص تاریخی واقعات سے بالکل آنکھیں بند کر لے، قرآن مجید کی اس شہادت کو بھی نظر انداز کر دے کہ هم بدءوکم اول مرة (انھیں (قریش) نے تمھارے مقابلہ میں آنے میں پہل کی۔) تو بھی محض مقامات جنگ کی جغرافیائی پوزیشن اس بات کے ثبوت کے لئے کافی ہے کہ مسلمانوں نے حملہ نہیں کیا تھا بلکہ حملہ قریش کی طرف سے کیا گیا تھا اور مسلمانوں نے صرف مدافعت کی تھی

عہدِ رسالت میں تین لڑائیاں بہت اہم اور

انمول موتی

★ عن ابی هريرة رضی اللّٰه عنه ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال من دعا الی هدی کان له من الاجر مثل اجور من تبعه لا ينقص ذالك من اجورهم شيئا — ومن دعا الی ضلالة كان عليه من الاثم مثل اثام من تبعه لا ينقص ذالك من اثامهم شيئا ۔ مسلم

● حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی کو ہدایت کی طرف بلایا تو اس کو عمل کرنیوالے کی طرح اجر ملے گا اور اس کے اجر میں کوئی کمی نہ ہوگی —— اور جس نے گمراہی کی طرف بلایا تو اس پر ایسا ہی گناہ ہے جیسا کرنے والے پر اور اس کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔

★ عن انس رضی اللّٰه عنه ان فتی من اسلم قال يا رسول اللّٰه صلعم، انی اريد الغزو وليس معی ما اتجهز به قال ائت فلانا فقد كان تجهز فمرض فاتاه فقال ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم يقرئك السلام ويقول اعطنی الذی تجهزت به فقال يا فلانة اعطيه الذی تجهزت به ولا تحبسی منه شيئا فواللّٰه لا تحبسی منه شيئا فيبارك لك فيه

(مسلم)

● حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ قبیلۂ اسلم کا ایک نوجوان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں مگر میرے پاس سامان نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ فلاں نے سامان کیا تھا مگر وہ بیمار ہو گیا، اس کے پاس جاؤ۔ وہ لڑکا ان کے پاس آیا اور کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جو سامان لڑائی کے لئے مہیا کیا ہے وہ مجھے دیدو، انھوں نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ جو کچھ میں نے سامان کیا تھا وہ ان کو دیدو، باقی کچھ نہ رکھنا، تمھارے لئے اس میں برکت ہوگی۔

پاک بیویاں: ——— (۱۰)

اُمّ المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا

●

آپ کی پہلی شادی مسعود بن عمرو سے ہوئی تھی، طلاق ہوجانے کے بعد ابودرہم بن عبدالعزیٰ سے شادی ہوئی، جب آپ بیوہ ہوگئیں تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے پاس اپنے غلام ابورافع کو شادی کا پیغام لیکر بھیجا، حضرت ابورافع کے ساتھ اوس بن خولی بھی گئے تھے، انھوں نے آپ کی طرف سے پیغام دیا، حضرت میمونہؓ نے منظور کرلیا تو آپ کا نکاح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگیا، ایک روایت میں ہے کہ حضرت میمونہؓ نے خود ہی شادی کی خواہش ظاہر کی تھی جسے آپ نے منظور فرمایا

یہ حسن اتفاق تھا کہ مقام سرف میں آپ کی شادی ہوئی اور وہیں آپ نے وفات بھی پائی

نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، جب جنازہ اُٹھایا گیا تو حضرت ابن عباسؓ نے لوگوں سے فرمایا "ذرا آہستہ چلو، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حرم محترم ہیں"

سنِ وفات میں اختلاف ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ سنہ ۵۱ھ میں وفات پائی

فیصلہ کن ہوئی ہیں (۱) بدر (۲) اُحد (۳) خندق

یہ ملحوظ رہے کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان تین سو میل کا فاصلہ ہے اس کے بعد غور کیجئے کہ بدر، اُحد اور خندق کا موقع کہاں ہیں، ان کا فاصلہ مکہ سے کتنا ہے اور مدینہ سے کتنا ہے؟

بدر کا مقام مدینہ منورہ سے تقریباً پچاس میل کے فاصلہ پر ہے اور مکہ معظمہ سے تقریباً ڈھائی سو میل ہے اب انصاف فرمائیے کہ حملہ آور کون تھا جو ڈھائی سو میل چل کر آیا تھا یا جس نے پچاس میل آگے بڑھ کر دشمنوں کو اپنے وطن پر حملہ کرنے سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی، صاف ظاہر ہے کہ کفار قریش حملہ آور تھے اور مسلمان مدافعت کر رہے تھے، قریشی فوجیں مدینہ منورہ کو تاخت و تاراج کرنے اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست و نابود کرنے کی غرض سے بڑھتی چلی آرہی تھیں، مسلمانوں کو جب یہ حال معلوم ہوا تو انھوں نے بڑھ کر روکنے کی کوشش کی اور اپنی جان پر کھیل کر دشمن کی آہن پوش فوجوں کا مقابلہ کیا۔

اُحد کا مقام مدینہ منورہ سے صرف چار پانچ میل کے فاصلہ پر ہے، اب آپ خود ہی غور کرکے فرمایئے کہ حملہ آور کون تھا جو دو سو پچانوے میل چل کر آیا تھا یا جس نے چار پانچ میل آگے دشمنوں کے حملہ کو روکنے کی کوشش کی تھی، صاف ظاہر ہے کہ حملہ آور کفار قریش تھے، وہی مکہ معظمہ سے اتنا طول طویل فاصلہ طے کرکے مدینہ کی آبادی کو تہس نہس کرنے کے لئے تین ہزار فوج لے کر آئے تھے اور مسلمان حالات سے مجبور ہوکر ان کے حملہ سے اپنے وطن کو بچانے کے لئے نکلے تھے۔

تیسری جنگ احزاب یا خندق کہلاتی ہے، یہ بالکل مدینہ کی حدود پر ہوئی۔ قریش نے سارے

پاک بیویاں ــــــــ (۱۱)

اُمّ المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا

آپ کا نام زینب تھا لیکن صفیہ کے نام سے مشہور ہیں۔

آپ کے والد حیّی بن اخطب، قبیلہ بنی النضیر (یہود) کے سردار تھے آپ کی پہلی شادی سلام بن مشکم سے ہوئی، جب طلاق ہو گئی تو کنانہ بن ابی الحقیق سے دوسری شادی ہوئی، غزوۂ خیبر میں وہ قتل ہو گئے، اسی غزوہ میں حضرت صفیہ کے والد اور بھائی بھی مارے گئے اور حضرت صفیہ گرفتار کر لی گئیں، جب خیبر کے تمام قیدی اکٹھا کئے گئے تو ایک صحابی دحیۃ الکلبی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک لونڈی مانگی، آنحضرت صلعم نے انھیں انتخاب کی آزادی دیدی، انھوں نے حضرت صفیہ کو اپنے لئے پسند کیا، لیکن ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضرت صفیہ ایک سردار کی لڑکی ہیں اس لئے وہ آپ کے علاوہ کسی دوسرے کے لائق نہیں ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہؓ کو دوسری لونڈی دیدی اور حضرت صفیہ کو آزاد کر کے نکاح کر لیا۔

عربی زبان میں صفیہ اس مال غنیمت کو کہتے ہیں جسے بادشاہ یا سردار اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے۔ چونکہ حضرت صفیہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے اپنے لئے منتخب کر لیا تھا، اس لئے لوگوں نے انھیں زینب کے بجائے صفیہ کہنا شروع کیا اور آپ اسی نام سے مشہور ہو گئیں۔

حضرت صفیہ آپ کی محبوب بیویوں میں سے تھیں، ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صفیہؓ کے مکان میں آئے تو انھیں روتا ہوا پایا، سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت زینبؓ نے ان سے کہا ہے کہ ہم تمام ازواج میں بزرگ ہیں کیونکہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی لڑکیاں ہیں، یہ سن کر آپ نے حضرت صفیہؓ کو چپ کرایا اور فرمایا: "تم نے یہ کیوں نہیں کہہ دیا کہ میں تم دونوں سے افضل ہوں، کیونکہ حضرت ہارون علیہ السلام میرے باپ حضرت موسیٰ علیہ السلام میرے چچا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے شوہر ہیں۔"

۵۰ھ میں آپ کی وفات ہوئی اور جنت البقیع میں دفن کی گئیں۔

عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور بیس پچیس ہزار کی زبردست فوج لے کر مدینہ پہونچے اور چاروں طرف سے شہر کو گھیر لیا مسلمانوں کے لئے اس نہایت فوج کا کھلے میدان میں مقابلہ سخت دشوار تھا، تیسرا انھوں نے شہر کو محصور کر کے اپنے بچاؤ کی کوشش کی۔ یہ صورت حال اور مقامات جنگ کی یہ جغرافیائی پوزیشن صاف ظاہر کر رہی ہے کہ اسلام کے دشمن حملہ آور تھے اور مسلمان مدافعت کر رہے تھے۔ یہ حقیقت اس قدر صاف اور واضح ہے کہ کسی اختلاف کی ذرہ برابر گنجائش نہیں رہ جاتی، نہ تاریخی

(باقی صفحہ ۔۔ پر)

سیّد سلیمان ندوی گئے نہیں رہ گئے

•

"اس قبر کے نیچے اسٹیونسن سو رہا ہے۔
اس نے خوش و خرم زندگی گزاری اور مسکراتے ہوئے
موت کا استقبال کیا ـــــ وہ مرا نہیں!
بلکہ جتنی مسرت اور اُمنگ کے ساتھ جہاز ران
لمبے چوڑے سمندروں کا چکر کاٹ کر اور شکاری لق و دق
جنگلوں کی خاک چھان کر گھر لوٹتا ہے اسی طرح وہ اپنے
گھر چلا گیا۔"[1]

کتنی صحیح ترجمانی کی ہے شاعر نے زندگی کی ـــ! ہم ایک سیاح ہی تو ہیں۔ دوران سیاحت میں ہماری زندگی کتنی نشیب و فراز سے گزرتی ہے۔ ہم کہیں شاہی مہمان بن کر عیش و آرام اٹھاتے ہیں اور کہیں جنگلوں میں پھنس کر ناقابل بیان تکلیفیں برداشت کرتے ہیں لیکن اس تمام تکلیف و آرام کے باوجود ہمارے ذہن سے گھر کا تصور کبھی نہیں نکلتا ہم خود ہر جگہ اپنے کو سیاح محسوس کرتے ہیں اور لوگ بھی ہمیں پردیسی ہی سمجھتے ہیں ـــ کچھ دنوں بعد جب ہم رخصت ہوتے ہیں تو الوداع کہنے والی آنکھیں نمناک ضرور ہوتی ہیں لیکن ان کے دل اس احساس سے لبریز ہوتے ہیں کہ مسافر آج گھر جا رہا ہے ـــ انھیں سیاحوں میں کچھ ایسے ہوتے ہیں جو مقامی باشندوں پر اَمٹ نقوش چھوڑ جاتے ہیں وہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں لیکن دلوں میں رہ جاتے ہیں بہتیرے ایسے ہوتے ہیں جن سے لوگ پیٹھ پھیرنے سے پہلے منہ موڑ لیتے ہیں۔

سید سلیمان جو ایک سیاح تھے، مسافر تھے، پردیسی تھے، ان کے جانے پر ہمیں رنج کیوں ہو، ہماری آنکھیں آنسو کیوں بہائیں، ہمارے گلوں سے نالے کیوں نکلیں ـــ وہ گئے اور اس طرح گئے کہ ہم انھیں بھول نہیں سکتے ـــ بھولنا چاہیں جب بھی ممکن نہیں!

سید سلیمان وہ تھے جو گھر گئے، وہ تو ایک گوشت پوست کا انسانی سایہ تھا، سید سلیمان نام ہے سیرت النبیؐ کا ـــ سید سلیمان کہتے ہیں خطبات مدراس کو ـــ سید سلیمان کا مطلب ہے "عرب و ہند کے تعلقات" ـــ سید سلیمان عرفیت ہے ندوۃ العلماء کی ـــ سید سلیمان لقب ہے دار المصنفین کا ـــ! پھر کس اخبار میں لوگوں نے پڑھا، کس ریڈیو نے یہ خبر اڑائی کہ "سیرت النبیؐ" دنیا سے اٹھ گئی، "عرب و ہند کے تعلقات" ٹوٹ گئے "خطبات مدراس" ختم ہو گئے، ندوۃ العلماء بند کر دیا گیا۔ دار المصنفین کو موت آگئی ـــ یہ سب کچھ نہیں ہوا اور نہ ہی انشاء اللہ ہوگا۔

پھر کیوں کوئی کہے کہ سید سلیمان چلے گئے، ہرگز نہیں وہ ہم میں ہمیشہ کے لئے رہ گئے!

یہ کتنا غلط ہے کہ سید سلیمان مر گئے، جس طرح بہت سے لوگ مرنے کے بعد بھی نہیں مرتے اسی طرح سید سلیمان بھی امر ہو گئے، انھوں نے موت پر فتح پائی ہے ـــ

۲۲۔ نومبر ۵۳ء کو تو وہ ایک لمبے سفر پر گئے ہیں ـــ جس طرح انھوں نے انگلینڈ کا سفر کیا تھا، فرانس کی سیر کی تھی، حجاز کی زیارت کی تھی بالکل اسی طرح وہ ایک سفر پر گئے ہیں ـــ تو اس سفر پر لوگوں کا نالہ و شیون کیسا! ماتم و گریہ کیوں! ـــ وہ تو اس سے پہلے بھی والیٔ بھوپال اور شاہ افغانستان کی دعوت پر شاہی مہمان کی حیثیت سے سفر کر چکے ہیں، پھر اس بادشاہ کے بلاوے پر ـــ جو تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے ـــ غم و اندوہ کیوں! انھیں

---

(۱) یہ قطعہ انگریزی کے مشہور شاعر اسٹیونسن (R.L. STEVENSON) نے اپنی قبر پر لگانے کے لئے خود لکھا تھا جو اس کی موت کے بعد اس کی قبر پر کندہ کرا دیا گیا۔

علامہ اقبالؒ

مسلمان کا زوال

اگرچہ زر بھی جہاں میں ہے قاضی الحاجات
جو فقر سے ہے میسر تونگری سے نہیں!
اگر جواں ہوں مری قوم کے جسور و غیور
قلندری مری کچھ کم سکندری سے نہیں!
سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں!
اگر جہاں میں مرا جوہر آشکار ہوا
قلندری سے ہوا ہے، تونگری سے نہیں!

شاہی مہمان بننے کا تجربہ ہے۔ وہ اس راستے کے اونچ نیچ سے بخوبی واقف ہیں ــــ جب وہ بھوپال گئے تھے تو کون جانتا تھا کہ "شاہی مدارات" کا سلسلہ کب ختم ہوگا اور کب وہ اپنوں میں آئیں گے اسی طرح آج بھی کون کہہ سکتا ہے کہ وہ کب اپنوں سے ملیں گے ــــ لیکن ہمیں یقین ہے کہ سید سلیمان سے ہم ضرور ملیں گے، وہ ہمارے ہیں اور ہم ان کے ہیں!

سید سلیمان ندوی آپ کو یہ سفر مبارک، شاہی مہمان بننے کا اعزاز آپ کو راس آئے اور خدا وہ دن جلد لائے جب ہم سرخروئی کے ساتھ آپ سے ملاقات کرسکیں۔

(دبھری آبادی)

بقیہ مضمون صفحہ ۸

واقعات کی جانچ پڑتال کی حاجت ہے نہ علمی کدوکاوش کی ضرورت ہے، صرف مقامات جنگ کی پوزیشن اور لڑائی کے محل وقوع پر سرسری نظر ڈالنے سے بھی مسلمانوں کی مدافعت اور ان کے مخالفوں کی حملہ آوری اس طرح نمایاں ہو جاتی ہے کہ پھر ذرا بھی شک کی گنجائش باقی نہیں رہتی ہے

طابع و ناشر:- احتشام علی رحیم آبادی
مطبوعہ:- یونائیٹڈ انڈیا پریس

وہ جانتے تھے کہ غلامی کی مصیبتوں کو جھیلتے جھیلتے وہ زندگی سے بیزار ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس زندگی کو بدل دیں خواہ اس راہ میں انھیں اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے لیکن انھیں معلوم تھا کہ غلامی کی تکلیفیں خواہ کتنی ہی شدید ہوں لیکن دشمن سے مقابلہ کرنے میں جو ایثار و قربانی کرنی پڑتی ہو اور جس قدر مشکلات میں مبتلا ہونا پڑتا ہے وہ غلامی کی مصیبتوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتی ہیں، آزادی کی خواہش ہر شخص کو ہوتی ہے لیکن آزادی کے حاصل کرنے کے لئے جو جد وجہد کرنی پڑتی ہے اسکی ہمت بہت کم لوگوں کو ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل سے اس کی توقع نہ تھی کہ وہ اس سخت آزمائش میں پورے اتریں گے اس لئے نبی علیہ السلام نے ان کے سامنے اس خطرے کا اظہار کیا کہ ایسا نہ ہو کہ تم جنگ کی اجازت لے لینے کے بعد جنگ سے روگردانی کرو لیکن انھوں نے کہا کہ جب صورت حال یہ ہے کہ ہم اپنے بال بچوں سے دور اور وطن سے مجبور مصائب میں مبتلا ہیں تو زندگی کی کسے تمنا ہے اب کیا رہا ہے جس کے لئے ہم جنگ سے منھ موڑیں گے، اس قول و قرار کے بعد نبیؐ نے ان کے لئے طالوت کی فرمانبرداری کا اعلان کیا لیکن پہلی ہی منزل میں ان کی کمزوریاں نمایاں ہو گئیں، جنگ کے لئے سب سے مقدم کام یہ تھا کہ پوری قوم ایک رشتہ میں منسلک ہوتی اور دشمنوں سے چھٹکارے کی فکر کے سوا اور کوئی خیال دل میں نہ آتا، لیکن یہاں ان کی کیفیت یہ تھی کہ غلامی کے عذاب میں مبتلا ہونے کے باوجود ہر شخص کے اندر اپنے مفاد کے حصول کا جذبہ، اپنے تفوق کا ادعا موجزن تھا، چنانچہ طالوت کا نام آتے ہی انھوں نے کہنا شروع کیا کہ قیادت کے منصب کے اس سے زیادہ ہم لوگ خود ہی مستحق ہیں، نام و نسب اور مال و جائداد کسی اعتبار سے ہمارے مقابلہ میں طالوت کو ترجیح دینے کی کوئی وجہ نہیں ہے حالانکہ یہ بات بالکل واضح تھی کہ اگر یہ لوگ قوم کو ایک رشتہ میں منسلک کرکے دشمن کے سامنے صف آرا ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوتے تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ کسی شخص کی فرمانروائی کی درخواست کرتے، علاوہ ازیں وہ یہ بات بھول رہے تھے کہ دشمن کے مقابلہ میں جنگ کرنے کے لئے سردار میں دو صفتیں ضروری ہیں، اسے جسمانی اعتبار سے قوی اور مستعد ہونا چاہیئے اور نظری اعتبار سے واقفیت اور فنی صلاحیت میں سب سے ممتاز ہونا چاہیئے، یہ باتیں مکمل طور پر طالوت کے اندر پائی جاتی تھیں، چنانچہ نبی علیہ السلام نے یہی فرمایا، اس کے ساتھ انھوں نے یہ بھی بتایا کہ تم جب خود انتخاب سے عاجز تھے اور تم نے انتخاب کے لئے درخواست کی تھی تو اب اس انتخاب پر تمھیں معترض نہ ہونا چاہیئے، اللہ تعالیٰ نے اسے تمھارے مقابلہ میں منتخب کر لیا ہے، یہ انتخاب تمھیں قبول کرنا چاہیئے، اس کے ساتھ ساتھ اس اہم حقیقت کی جانب بھی توجہ دلائی کہ حکومت یا فرمانروائی خاندانی میراث نہیں ہے کہ نسلاً بعد نسلٍ باپ سے بیٹے کو منتقل ہوتی رہے، اللہ تعالیٰ تمھاری طرح تنگ نظر اور ناواقف نہیں ہے، وہ جانتا ہے کہ کس کے اندر قیادت اور سرکردگی کی صلاحیت ہے اور وہ نام و نسب اور نسل و خاندان کے تنگ دائروں میں محدود رکھنا پسند نہیں کرتا بلکہ اس کے اندر بڑی وسعت ہے وہ جس میں صلاحیت دیکھتا ہے اسے ذمہ داری سپرد کرتا ہے اب اگر اللہ نے طالوت کو اس ذمہ داری پر سرفراز فرمایا ہے تو تمہارے خاندانی دعوے ترک کر کے اللہ کے انتخاب کو کشادہ دلی کے ساتھ منظور کرنا چاہیئے اور اسکی سرکردگی میں دشمنوں کے خلاف صف آرا ہونا چاہیئے۔

(باقی آئندہ)

کتابوں کا مطالعہ جتنا مفید اور ضروری ہے حسن انتخاب کے بغیر اتنا ہی مضر اور بیکار ہے۔ اگر اپ کو انتخاب کرنے کا موقع نہیں ہے تو ہمارے انتخاب پر بھروسہ کیجئے اور حسب ذیل کتابوں کا مطالعہ کیجئے۔۔

مذہب

- ❀ زادسفر (اردو میں احادیث) 3-0-0
- ❀ احکام القران ,, ,, 2-0-0
- ❀ اسلام کیا ہے ,, ,, 2-8-0
- ❀ تجلیات مدینہ ,, ,, 2-8-0
- ❀ دعائیں ,, ,, 0-4-0
- ❀ خطبات (مولانا مودودی) 2-8-0
- ❀ دینیات ,, ,, 2-0-0
- ❀ تلقین حق ,, ,, 0-10-0

سیر و سوانح۔۔

- ❀ رسول اکرم ,, ,, 0-3-0
- ❀ ابوبکر 0-10-0
- ❀ عمر 0-10-0
- ❀ خالد 0-10-0
- ❀ بلال 0-4-0
- ❀ ابوہریرہ 0-5-0
- ❀ سلمان 0-5-0
- ❀ ابن عباس -4-
- ❀ ابن مسعود -6-
- ❀ طلحہ 0-5-0
- ❀ زبیر 0-5-0
- ❀ انس 0-4-0
- ❀ ابوذر 0-6-0
- ❀ ابی عمر 0-5-0
- ❀ حمزہ 0-4-0
- ❀ اسامہ 0-4-0
- ❀ سعدعبادہ 0-4-0
- ❀ سعدوقاص -4-
- ❀ ابن جراح 0-4-0
- ❀ ابن عوف -4-
- ❀ مصعب 0-4-0
- ❀ امام بخاری -6-
- ❀ امام ربانی -4-
- ❀ ولی اللہ -4-6-
- ❀ نظام الدین -5-
- ❀ قطب الدین -3-
- ❀ فریدالدین -4-
- ❀ بی بی رابعہ -3-
- ❀ امام رازی -10-
- ❀ نیک بیٹیاں (انحضرت کی صاحزادیاں) 0-6-0
- ❀ بچوں کی قصص الانبیا (۹ کتابیں) 2-1-0
- ❀ ناموران عرب 1-0-0

- ❀ سیرت سید احمد شہید 4-8-0
- ❀ حکیم لامت (مولانا عبدالماجد) 8-8-0
- ❀ سیرت مولانا الیاس 2-8-0
- ❀ صحابہ کرام کی جانبازی 0-8-0
- ❀ یادگار حالی 4-4-0
- ❀ حیات اجمل 8-0-0
- ❀ حیات سر سید 3-8-0

سفرنامے۔۔

- ❀ شرق اوسط میں کیا دیکھا 1-4-0
- ❀ سفرنامہ حجاز (مولانا عبدالماجد) 5-0-0
- ❀ سفرنامہ مصر و روم و شام (مولانا شبلی) 2-0-0

فقہ۔۔

- ❀ راہ جنت 0-10-0
- ❀ تعلیم الاسلام مکمل (مفتی کفایت اللہ) 1-3-0
- ❀ اسان فقہ 0-6-0
- ❀ اچھی باتیں (۴ حصے) 1-10-0

معاشرت وسیاست

- ❀ شاہراہ ترقی 0-8-0
- ❀ اسلامی زندگی 0-4-0
- ❀ اسلام اور نیشنلزم 0-6-0
- ❀ ہندوستان کا نظام تعلیم 0-4-0
- ❀ اداب معیشت 0-8-0
- ❀ اسلام اور ضبط ولادت 0-12-0
- ❀ مرتد کی سزا 0-12-0
- ❀ حسن معاشرت 0-8-0
- ❀ اسلامی قانون 0-10-0
- ❀ سرمایہ داری و اشتراکیت 0-12-0
- ❀ سود (حصہ دوم) 2-12-0

لغت وخطوط

- ❀ بیان اللسان (عربی اردو لغت) 16-0-0
- ❀ لغت (ہندی اردو) 3-8-0
- ❀ لغت (اردو ہندی) 3-8-0
- ❀ لغات کشوری (فارسی اردو) 8-0-0
- ❀ مکتوبات مولانا الیاس 1-8-0
- ❀ ملفوظات ,, ,, 1-8-0

عورتوں کی کتابیں

- ❀ خواتین اسلام کی بہادری 0-8-0
- ❀ خواتین اسلام --- 2-0-0
- ❀ حسن معاشرت ,, 0-8-0
- ❀ حقوق الزوجین ,, 0-8-0
- ❀ مسلم خواتین سے اسلام کے مطالبات 0-4-0
- ❀ دعوت اسلامی میں خواتین کا حصہ 0-4-0
- ❀ حریمی دسترخوان 2-8-0
- ❀ حریمی کشیدہ کاری ,, 4-0-0
- ❀ زادسفر ,, ,, 3-0-0

نو نہالوں کے لئے

- ❀ اللہ کے رسول مع خلفائے راشدین 1-14-
- ❀ پیاری نظمیں ,, 0-5-0
- ❀ اچھے قصے ,, 0-6-0
- ❀ اسان کہانیاں ,, 0-3-0
- ❀ اخلاقی کہانیاں (۴ حصے) 1-0-0

مکتبہ تعلیمات اسلام ❀ ۳۸ امین اباد پارک ❀ لکھنؤ

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

(۴۹)
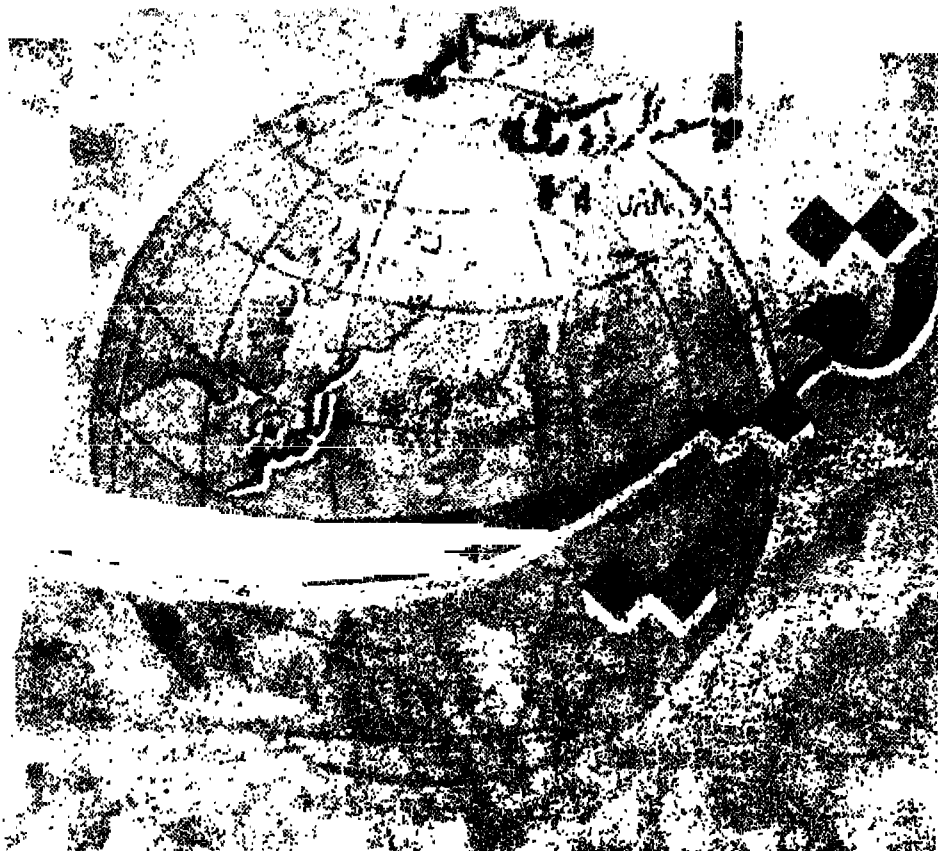
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ۔

ترجمہ:

اور ان کے نبی نے ان سے فرمایا کہ اس (طالوت) کی فرمانبرداری کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق آجائے گا جس میں تمہارے رب کی جانب سے سکون و اطمینان کا سامان ہے اور موسیٰ و آل ہارون نے جو کچھ چھوڑا تھا اس میں سے جو کچھ باقی رہ گیا ہے وہ سامان ہے اسے فرشتے اٹھا کر لے آئیں گے اگر تم یقین کرنے والے ہو تو اس میں تمہارے لئے یقیناً نشانی ہے۔

تشریح:

دشمنوں کے ہاتھوں بنی اسرائیل کی تباہی و بربادی کا ذکر پہلے ہو چکا ہے، ان کی ذلت و خواری کی حد یہ تھی کہ وہ مقدس آثار تک دشمنوں کے قبضہ میں جا چکے تھے جو ان کے بزرگوں اور مقدس پیغمبروں کی یادگار تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے جانشینوں کے اہم آثار میں سے جو محفوظ رہ سکے تھے وہ ایک صندوق میں رکھے ہوئے تھے یہ صندوق ان کا بڑا سرمایہ تھا، اس کی موجودگی ان کیلئے بڑی تقویت کا باعث تھی لیکن جالوت کے مقابلے میں وہ اسقدر مغلوب ہو چکے تھے کہ اپنا یہ مقدس اندوختہ بھی محفوظ نہ رکھ سکے اور یہ بھی دشمنوں کے قبضہ میں چلا گیا۔

یہ حادثہ بنی اسرائیل کیلئے بہت سخت تھا لیکن انکی حالت اس درجہ کمزور ہو چکی تھی کہ اس قیمتی سرمایہ کی واپسی کی کوئی توقع نہ تھی جب مرضی الٰہی کے مطابق اس زمانہ کے نبی علیہ السلام نے طالوت کی فرمانبرداری کا اعلان کیا اور یہ توقع دلائی کہ طالوت کی سرکردگی میں دشمنوں کو شکست ہو گی اور ایک بار پھر بنی اسرائیل کو ذلت کے بجائے عزت اور پستی کے بجائے عروج و سربلندی نصیب ہوگی لیکن عین اسوقت جب کہ ملت کی نشاۃ ثانیہ کا انتظام ہو رہا تھا انھوں نے متحد ہو کر دشمن کے مقابلہ میں صف آرا ہونے کے بجائے اپنے ہی سردار (طالوت) کے خلاف وہ چہ میگوئیاں شروع کر دیں جن کا ذکر تعمیر کی گزشتہ اشاعت میں ہو چکا ہے، ان اعتراضات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے جناب طالوت کی سرداری کے استحقاق کے دلائل بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہ جسمانی اور ذہنی دونوں اعتبارات سے ساری قوم سے فوقیت رکھتے ہیں اور اس لائق ہیں کہ قوم کے سردار بنیں اور ان کی قیادت میں امید ہے کہ تمہاری موجودہ ذلت و خواری کا خاتمہ ہوگا اور عزت و رفعت کا نیا دور شروع ہوگا۔

اس موقع پر فرمایا کہ طالوت کی لیاقت و صلاحیت کا کھلا ثبوت اور اس بات کی علامت کہ وہ واقعی حکومت و فرمانبرداری کے مستحق ہیں یہ ہے کہ تمہارا وہ مقدس صندوق جو دشمنوں کے قبضہ میں ہے، اس کے حصول کے لئے تمھیں کوئی مشقت

ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان
ماہنامہ [illegible] لکھنؤ
۳۸ - امین آباد پارک
ادارۂ تحریر
عبدالسلام قدوائی ندوی • مشیر الحق بحری آبادی
جنوری ۱۹۵٤ء مطابق جمادی الاول ۱۳۷۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الامین محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

مولانا سید سلیمان ندوی کے عقیدت مندوں سے

مولانا سید سلیمان ندویؒ کے حادثۂ وفات کا علم آپ سب کو ہوچکا ہے، اخبارات میں اس سانحہ پر رنج وغم کا اظہار کیا گیا، مختلف اداروں نے محفل ماتم منعقد کی، حقیقت یہ ہے کہ مولانا کی غیر معمولی شخصیت کو دیکھتے ہوئے جو کچھ کیا گیا وہ بہت کم ہے، اس سانحۂ عظمیٰ پر جس قدر ماتم کیا جائے کم ہے اور جس قدر حزن وملال کا اظہار کیا جائے وہ تھوڑا ہے، ہماری قوم مردہ پرست مشہور ہے اور ماتم گساری اور آہ وزاری مدتوں سے اس کا شیوہ ہے، لیکن مرنے والے کے ساتھ اظہار عقیدت اور اس کی جدائی پر رنج وافسوس کا اظہار کرنے پر اکتفا کرنا قوم کی زندگی کی علامت نہیں ہے، جو حادثہ ہوچکا وہ خواہ کتنا ہی اہم کیوں نہ ہو اور اس سے ہمیں خواہ کیسا ہی صدمہ کیوں نہ پہنچا ہو، بہرحال وہ پیش آچکا ہے اب گئے ہوئے کو واپس لانا کسی کے بس میں نہیں ہے، اس لئے آہ وزاری میں وقت ضائع کرنے کے بجائے سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہم یہ دیکھیں کہ مولانا سید سلیمان مرحوم کے پیش نظر کیا مقاصد تھے اور وہ ان کی تکمیل کے لئے کیا کرتے تھے، اس بات کو سمجھ لینے کے بعد ہم کو یہ کوشش کرنی چاہیئے کہ ایسے اسباب فراہم کریں کہ مولانا جن کاموں کو انجام دیتے تھے یا جنھیں شروع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے، انھیں جاری رکھ سکیں اور تکمیل تک پہنچا سکیں، اگر ہم ایسا کریں تو یقین مانئے کہ ہم نے مولانا کو کھویا نہیں۔

مرحوم کے استاد علامہ شبلی مرحوم اپنے زمانے میں بڑی اہم حیثیت

زر تعاون ہندوستان وپاکستان سے
سالانہ ٦عہ/ ششماہی ۳عہ/ قیمت فی پرچہ ۸ر
پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
رسالہ چراغ راہ نمبر ۹، ارتیا بلڈنگ آرام باغ روڈ کراچی

رکھتے تھے، ان کی ذات بہت سی ملی ضروریات کی تکمیل کا ذریعہ تھی، ان کی مختلف النوع خدمات اور ہمہ گیر شخصیت کو دیکھ کر لوگ یہ سوچتے تھے کہ جب مولانا نہ ہوں گے تو پھر ان کاموں کو کون انجام دے گا اور ایسی اہم ملی ضروریات کس طرح پوری ہوں گی، لیکن علامہ مرحوم نے اپنے بعد ایسے جانشین چھوڑے جو ان کی قائم مقامی کے فرائض بخوبی انجام دے سکتے تھے اس کے ساتھ قوم نے بھی اپنی عقیدت کا اظہار محض الفاظ سے نہیں کیا بلکہ ان کے جانشینوں کی دل کھول کر مدد کی اور انھیں موقع دیا کہ علامہ مرحوم کے پیش نظر کاموں کو جاری رکھیں اور ان کی آرزوؤں کو عمل میں لائیں، نتیجہ یہ ہوا کہ علامہ شبلیؒ جیسی غیر معمولی شخصیت کے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد لوگوں نے ان کی جگہ خالی نہیں پائی، تصنیف و تالیف کے کام کو جاری رکھنے کے لئے دارالمصنفین کا عظیم الشان ادارہ قائم ہو گیا، ندوہ کو چلانے کے لئے قوم نے شبلی کے دوستوں، عقیدت مندوں اور شاگردوں کو پورے طور پر مجلس ندوۃ العلماء کی زمام اقتدار سونپ دی، سرائے میر کے مدرسۃ الاصلاح کو پروان چڑھنے کا موقع دیا، اعظم گڈھ کے نیشنل اسکول کو شبلی کالج کے درجہ تک پہنچا دیا۔

اب اگر واقعی مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم کے انتقال سے ہم محزون و مغموم ہیں، انکی وفات ہمارے لئے باعث الم اور ان کی جدائی ہمارے لئے ناقابل برداشت ہے تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان مقاصد اور آرزوؤں کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے اسباب و وسائل فراہم کریں مولانا کی دلچسپی کا مرکز سب سے زیادہ دارالمصنفین اعظم گڈھ اور دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تھے، پاکستان میں مکتبۃ الشرق ابھی حال ہی میں قائم ہوا ہے، یہ ادارے جو خدمات انجام دے رہے ہیں یا دے سکتے ہیں وہ محتاج تشریح نہیں، تصنیف و تالیف کے ذریعہ دارالمصنفین نے اسلام اور مسلمانوں کی جو عظیم القدر خدمتیں انجام دی ہیں وہ اہل ملک سے پوشیدہ نہیں ہیں، خالص علمی میدان میں بھی دارالمصنفین کے کارنامے کسی سے کم نہیں ہیں۔ یہ بات بھی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ دارالمصنفین کے مالی حالات آج کل خراب ہیں، مجبوراً حکومت کی امداد حاصل کرنی پڑی لیکن ظاہر ہے کہ کوئی ملی ادارہ محض حکومت کے سہارے خاطر خواہ چل نہیں سکتا ہے اس لئے مولانا سید سلیمان کے عقیدت مندوں کو سب سے پہلے اس جانب توجہ کرنی چاہیئے اور دارالمصنفین کو اس قابل کر دینا چاہیئے کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا رہ سکے۔ سب سے بڑا کام دارالمصنفین کے سر سیرۃ النبیؐ کی تکمیل ہے، دو حصے مولانا شبلی نے لکھے تھے اس کے بعد چار جلدیں مولانا سید سلیمان مرحوم نے مرتب کر کے شائع کیں لیکن ابھی یہ کام ناتمام ہے، کام کو اگر سمیٹا بھی جائے تو کم از کم دو ضخیم جلدیں ابھی مزید شائع کرنی پڑیں گی، پرانے معیار پر اگر بہ اندازِ تفصیل سے کام لیا گیا تو شاید چار جلدوں کی اشاعت ضروری ہے، فرمانروایان اسلام اور ائمہ فن کی سوانح عمریوں کا سلسلہ بھی نامکمل ہے، علوم کی تاریخ کا کام بھی ناتمام ہے، یہ سب کام دارالمصنفین کو انجام دینے ہیں اور اب انقلاب حال کے پیش نظر غالباً بہت سا کام ہندی زبان میں بھی کرنا ہوگا، ان سب کاموں کے لئے قوم کی سرپرستی اور توجہ کی بہت ضرورت ہے۔ مکتبۃ الشرق تو ابھی بالکل نو وارد ہے، پاکستان کے لوگوں کا یہ فرض ہے کہ وہ اس نئے ادارہ کو

مولانا سید سلیمان کی یادگار کے طور پر ترقی دیں، باشندگان ملک بھی اور حکومت بھی، اس بارہ میں پاکستان گورنمنٹ کو حکومت ہند سے سبق لینا چاہیئے جس نے اپنی امداد سے دارالمصنفین کو حیات تازہ بخشی ہے۔

دارالعلوم ندوۃ العلما، مولانا سید سلیمان ندوی کا بڑا محبوب ادارہ ہے، یہیں ان کی تعلیم و تربیت ہوئی اور وہ اس قابل ہوئے کہ علامہ شبلی جیسی عظیم المرتبت ہستی کی جانشینی کے فرائض انجام دے سکیں، اس درسگاہ نے دین و ملت کی جو خدمت انجام دی ہے وہ محتاج بیان نہیں، ہندستان کی ملی تاریخ میں ندوہ کا ایک اہم مقام ہے جو ہرگز نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کچھ عرصہ سے افسوس ہے کہ یہ درسگاہ بھی مالی مشکلات میں مبتلا ہے، لا مذہبی حکومت کی طرف سے مذہبی اداروں کو کوئی امداد نہیں مل سکتی ہے اس لئے ندوہ کو چلانے اور ترقی دینے کے لئے حکومت کا سہارا لئے بغیر صرف ملت ہی کو سب کچھ کرنا ہے اور اگر اس نے ندوہ کو پھلنے پھولنے کا موقع دیا اور ان مقاصد کی تکمیل کے لئے وسائل فراہم کئے جو اس کے بانیوں کے پیش نظر تھے تو اس نے نہ صرف مولانا سید سلیمان ندوی کو زندگی جاوید بخشی بلکہ ان جیسے بیشمار خدام ملت تیار کرنیکا بندوبست کر دیا ہمیں امید ہے کہ مولانا سید سلیمان کے عقیدتمند احباب، قدردان اور شاگرد سب مل کر انھیں ندوہ جاوید بنانے کی جد و جہد کریں گے۔

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

انبیا علیہم السلام کا طریقۂ تعلیم

انبیا علیہم السلام کے طریقۂ تعلیم کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ ان کے یہاں افہام و تفہیم کے لئے انسانوں کے درمیان طبقاتی حد بندی نہیں ہوتی، وہ یہ نہیں کہتے کہ پہلے فلاں حد تک ذہنی سطح بلند کر لو اور اس اس قسم کی معلومات حاصل کر لو تب ہم متعین تعلیم دیں گے بلکہ وہ عوام و خواص دونوں کو یکساں مخاطب کرتے ہیں، ان کی باتیں ایسی عام فہم ہوتی ہیں کہ عوام بھی خوب سمجھ لیتے ہیں، اور خواص کو بھی لطف آتا ہے، وہ جو گفتگو کرتے ہیں اس میں ایسے الفاظ ہوتے ہیں جو دیکھنے میں سلیس اور عام فہم ہوتے ہیں لیکن غور و فکر کرنے والوں کے لئے ان کے اندر حقائق و معارف کے دریا لہریں لیتے نظر آتے ہیں، عام مصنفین اور خطیب یہ قدرت نہیں رکھتے کہ ایک ہی وقت میں عوام و خواص کم استعداد اور ذی استعداد ہر گروہ کو یکساں مخاطب کر سکیں، عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ایک تقریر یا ایک کتاب اسی طبقہ کے لئے مفید اور دلچسپ ہوتی ہے جس کو پیش نظر رکھ کر وہ کہی یا لکھی جاتی ہے لیکن انبیا علیہم السلام کے الفاظ کی سادگی اور معانی کی وضاحت ایسی ہوتی ہے کہ عامی سے عامی آدمی بڑی آسانی کے ساتھ ان کے فقروں کو سمجھ لیتا ہے، ان کی قدر کرتا ہے اور ان سے متاثر ہوتا ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ الفاظ میں اتنی

انمول موتی

عن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال اتدرون من المفلس؟ قال المفلس فینا من لا درهم له ولا متاع۔ فقال ان المفلس من امتی من یاتی یوم القیمة بصلاة وصیام وزکوٰة وقد شتم هذا وقذف هذا واکل مال هذا وسفك دم هذا وضرب هذا فیعطی هذا من حسناته وهذا من حسناته فان فنیت قبل ان یقضی ما علیه اخذ من خطایاهم فطرحت علیه ثم طرح فی النار

● حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ جانتے ہو مفلس کون ہے؟ لوگوں نے کہا مفلس وہ ہے جس کے پاس مال و اسباب نہ ہو۔ آپؐ نے فرمایا میری امت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا لیکن اسکے ساتھ یہ بھی علتیں ہوں گی کہ فلاں کو گالی دی ہے فلاں پر تہمت لگائی ہے، فلاں کا مال کھایا ہے، فلاں کا خون بہایا ہے اور فلاں کو مارا ہے پس اسکی کچھ نیکی فلاں کو، کچھ نیکی دوسرے فلاں کو دے دی جائے گی، اب اگر اس کی سب نیکیاں ختم ہوگئیں اور ادائیگی باقی رہی تو پھر ان سب کی برائیاں لیکر اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر وہ آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

● مقدمہ جیتنے سے پرایا مال اپنا نہیں ہو سکتا۔

عن ام سلمہ رضی الله عنها ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال انما انا بشر وانکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجته من بعض فاقضی له بنحو ما اسمع فمن قضیت له بحق اخیه فانما اقطع له قطعة من النار

● حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک میں بھی انسان ہوں، تم میرے پاس مقدمہ لاتے ہو اور تم میں کا بعض اپنی چرب زبانی سے کام لیتا ہے تو میں اسی طرح کام کرونگا جو میں نے سنا ہے، اگر میں نے اپنے سننے کے مطابق اس کے بھائی کا حق اس کو دلوا دیا تو گویا اس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ دیا۔

گہرائی اور وسعت ہوتی ہے کہ بالغ نظر، دوربین اور فکرِ عمیق رکھنے والے اصحاب بھی پورے طریقہ سے محظوظ و متاثر ہوتے ہیں بلکہ اس بارے میں حقیقت تو یہ ہو کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کی گہرائی ایسی ہوتی ہے کہ صدہا برس کے زمانی تغیرات بھی انھیں پرانا نہیں کر پاتے ہیں، یہ ایک ایسی خصوصیت ہے کہ اس پر جس قدر غور کیا جائے، غور کرنے والے کی حیرت بڑھتی جاتی ہے اور اسے تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ یہ لوگ عام انسانی سطح سے بہت بالاتر ہیں، ان کی معلومات کا منبع انسانی تجربے ماوراء ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عقل و حکمت کی بڑی سے بڑی بات کہتے ہیں لیکن منطقی انداز بحث اور فلسفیانہ طرز استدلال کے بجائے وہ اس طرح اپنی بات سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں کہ معمولی عقل و فہم کا آدمی بغیر کسی دشواری کے اس نتیجہ تک پہنچ جائے

جہاں تک وہ اسے لے جانا چاہتے ہیں، روزمرہ کی مثالوں سے مسائل ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بایں ہمہ سادے الفاظ کے اندر حقائق عالیہ کا بے پایاں سمندر موجزن ہوتا ہے وہ روحانی مشاہدات اس طرح سے لوگوں کے سامنے پیش کرتے ہیں کہ ان کو سمجھنے کے لئے نہ ریاضتی مراقبوں کی ضرورت ہوتی ہے نہ صوفیانہ توجہ کی، لیکن نازک سے نازک مشاہدات اس خوش اسلوبی سے ذہن نشین کرتے ہیں کہ دل یقین سے معمور ہو جاتا ہے، ان کے الفاظ میں عمومیت کے ساتھ خصوصیت کا معجزانہ امتزاج ہوتا ہے وہ تہذیب، اخلاق، تزکیہ نفس اور انفرادی اجتماعی اصلاح پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں، اپنی بات کو سمجھانے کے لئے مثالیں ہر قسم کی پیش کرتے ہیں لیکن ان کا مرکزی نقطۂ نظر انسانی اصلاح کے سوا اور کچھ نہیں ہوتا، وہ اپنی اصلاح میں اس کا خیال رکھتے ہیں کہ مخاطبین کے اخلاق و عادات اور رسوم و رواج میں اس خوش اسلوبی کیساتھ تغیر کریں کہ لوگوں کے دل بدل جائیں، جہاں تک ہو سکتا ہے لوگوں کے جذبات کو دبانے کے بجائے صحیح راہ پر لگانے کی کوشش کرتے ہیں، اس کا اندازہ لگانے کے لئے حسب ذیل مثالیں کافی ہیں۔

اسلام کے پہلے عہد جاہلیت میں اپنے قبیلہ کی ہمدردی تعصب کی حد تک بڑھی ہوئی تھی ان کا دستور یہ تھا کہ اپنے قبیلہ کا آدمی خواہ کیسی ہی زیادتی کیوں نہ کرے مگر ہر حال میں اس کی تائید کرنی چاہیے عہد جاہلیت میں یہ فقرہ ضرب المثل کے طور پر بولا جاتا تھا ـــــ انصر اخاك ظالما كان او مظلوما (اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم)

اس ذہنیت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح صحیح کیا کہ فرمایا "اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم"۔ لوگوں نے عرض کی مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آئی لیکن ظالم کی مدد کس طرح کی جائے، آپ نے فرمایا کہ اس طرح کہ ظالم کے ہاتھ پکڑ لو۔ اور اس کو ظلم کرنے سے باز رکھو یہی اس کی مدد ہے۔

عہد جاہلیت میں کشتی کی بڑی اہمیت تھی جو شخص جس قدر زیادہ آدمیوں کو زیر کر لے وہ اتنا ہی زیادہ بہادر سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بہادر وہ نہیں ہے جو کسی دوسرے شخص کو پچھاڑ دے بلکہ بہادر وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کر لے"۔

لوگ غصے کے عادی تھے، بات بات میں انھیں تاؤ آتا تھا، آپ نے فرمایا غصہ ہو لیکن حق کی خاطر۔

انبیاء علیہم السلام کو لوگوں کے رہن سہن کے طریقوں اور ان کے رسوم و معاملات سے خواہ مخواہ کی پرخاش نہیں ہوتی، وہ صرف اس پر نظر رکھتے ہیں کہ عقائد و اعمال کی صحت پر رسوم و معاملات کا برا اثر نہ پڑے لوگوں کے مروج طریقوں کی اس نقطۂ نظر سے جانچ کرنے کے بعد جو طور طریقے مفید معلوم ہوتے ہیں انھیں باقی رکھتے ہیں، ان کے یہاں قانون کے ساتھ ساتھ افراد کے جذبات اور میلانات کا بھی لحاظ رہتا ہے۔ وہ انسانوں کے رہنے سہنے، کھانے پینے، اٹھنے بیٹھنے پہننے اوڑھنے، چلنے پھرنے پر ایسی قانونی بندشیں نہیں لگاتے ہیں کہ انسانوں کی ساری زندگی جکڑ کر رہ جائے بلکہ چند اصول بتلا کر اور صحیح و غلط کا فرق سمجھا کر لوگوں کو آزادی دیتے ہیں کہ روزمرہ کی زندگی ان اصولوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے خوش اسلوبی کے ساتھ گزاریں۔ انبیاء علیہم السلام جن چیزوں کی تعلیم دیتے ہیں وہ نوع انسانی کے لئے یقیناً مفید ہوتی

ہیں لیکن وہ اہل حکمت کی طرح فوائد وحکم کی زیادہ تشریح نہیں کرتے، ان کے الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ عام طور سے لوگ ان سے متاثر ہوں اور یہ مفید باتیں اس درجہ ان کے ذہن میں جم جائیں کہ وہ دلی شوق کے ساتھ ان پر عمل کریں لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کے سادہ الفاظ کے اندر کہیں کہیں ایسے اشارے بھی ہوتے ہیں جن سے اہل عقل کی تسکین ہوتی ہے اور وہ عقلی نقطۂ نظر سے بھی ان فوائد وحکم کی قدر کرنے لگتے ہیں، انبیاء علیہم السلام گو کسی ملک اور قوم کے اندر مبعوث ہوتے ہیں لیکن ان کی تعلیم قوم وملک کے دائروں میں محدود نہیں ہوتی بلکہ انکی تعلیم عالمگیر ہوتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ ایسا بھی نہیں ہوتا کہ جس ملک یا جس قوم میں وہ مبعوث ہوں، وہ اجنبیت محسوس کرے بلکہ ان اصولوں کو عملی رنگ دینے کے لئے وہ ایسا طرز اختیار کرتے ہیں کہ ان اصولوں پر عمل کرنے میں ان کے اولیں مخاطب اپنے لئے کوئی دشواری اور بے لطفی محسوس نہ کریں، ان کے رسوم ورواج اور مزاج وطبائع کی اس طرح رعایت ہوتی ہے کہ اصول پر عمل ان کیلئے باعث کشش ہو جاتا ہے مگر ساتھ ہی یہ اہتمام بھی ہوتا ہے اور ایسے واضح اشارات موجود ہوتے ہیں جن کی وجہ سے مخاطبین اولین کے عادات وخصائل مستقل دین نہیں بننے پاتے، وہ انسانی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہیں اور ان صلاحیتوں کو ترقی دینے کی کوشش کرتے ہیں جو انسان کے اندر مضمر ہوتی ہیں، وہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے پیرو غیر معمولی عقیدت وارادت کے باوجود اپنے قوائے عقلی اور اختیارات تمیزی کو مفلوج نہ کریں بلکہ دین کی تعلیمات کی روح کو سمجھ کر اپنی زندگی میں سمونے کی کوشش کریں، صحابہ کرام کی زندگی پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ کس طرح ان کے اندر آنحضرت صلعم کی یہ تعلیم سرایت کر گئی تھی، آنحضرت صلعم کی

(باقی مضمون صفحہ ۹ کالم ایک کے نیچے)

★ مشیر الحق بجری آبادی

محمدؐ بن قاسم

●

اموی خلیفہ ولید بن عبد الملک کا زمانہ تھا۔ ہندستان کے قریب جزیرہ سیلون میں کچھ مسلمان تاجر آکر بسے تھے، وہیں ان کا انتقال ہو گیا، مرنے کے بعد ان کی عورتوں نے اپنے وطن عراق واپس جانا چاہا، راجا نے انکا انتظام کر دیا ـــــ مسلمان عورتوں سے بھری ہوئی کشتی سندھ کے ساحل سے گزر رہی تھی کہ اچانک کچھ لوگ اس پر ٹوٹ پڑے اور عورتوں کو لوٹ لے گئے ـــــ اس بیکسی کے عالم میں ایک عورت کی زبان سے "ہائے حجاج" نکل پڑا ـــــ بات آئی گئی ہوئی، لیکن حجاج کے کانوں تک یہ بات پہنچ گئی، حجاج اس وقت خلیفہ ولید کی طرف سے عراق اور فارس کا گورنر تھا، اس نے عورتوں کو چھڑانے کا تہیہ کیا اور خلیفہ سے سندھ پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی ـــــ لیکن خلیفہ نے اس خیال سے انکار کیا کہ خواہ مخواہ مسلمانوں کا خون بہے گا، حجاج کے دل سے بات لگی ہوئی تھی، اس کے کانوں میں عورت کی پکار گونج رہی تھی، وہ اپنے مطالبہ پر اڑا رہا اور خلیفہ سے اجازت مانگتا رہا ـــــ آخر کار خلیفہ نے اجازت دے دی۔

حجاج نے سندھ کے راجا داہر کے پاس پیغام بھیجا کہ ان عورتوں کو واپس کر دو لیکن داہر نے اس جانب کوئی خاص توجہ نہ کی، آخر کار زبانی

بات چیت اور خط کتابت سے معاملہ بڑھ کر جنگ تک پہونچ گیا، حجاج نے یکے بعد دیگرے دو فوجیں عبد اللہ بن نبہان اور بُدَیل بن طہفہ کی سرکردگی میں داہر کے مقابلہ میں بھیجیں لیکن یہ دونوں سپہ سالار شہید ہوگئے اور سپاہی یا تو شہید ہوگئے یا گرفتار کرلئے گئے ـــــ متواتر دو شکستوں نے حجاج کے سمند ہمت پر تازیانہ کا کام کیا اور اس نے اس زمانہ کے سب سے کم عمر نوجوان کی سرکردگی میں فوج بھیجنا طے کیا ـــــ یہ نوجوان محمد بن قاسم تھا ـــــ عمر صرف سترہ برس تھی ـــــ دو شکستوں نے حجاج کو بہت کچھ سکھا دیا تھا، اس لئے اس نے محمد بن قاسم کے ساتھ معمولی سے معمولی چیز بھی بھیجی ـــــ جنگ کے تمام ضروری سامان کے ساتھ سوئی اور تاگا تک حجاج نے مہیا کیا ـــــ راجا داہر کا دارالسلطنت دیبل تھا۔ جمعہ کے دن مسلمان اس کے سامنے آئے قلعہ کے دروازے بند تھے ـــــ اسلامی لشکر میں ایک گراں ڈیل توپ تھی جسے پانچ سو آدمی کھینچتے تھے ـــــ اس کا نام "عروس" تھا ـــــ عروس قلعے کے سامنے نصب کردی گئی۔ جنگ شروع ہوئی، گولے چلنے لگے ـــــ قلعہ دیبل کے وسط میں ایک بہت بڑا مندر تھا، جس کے گنبد پر ایک بہت بڑا سرخ جھنڈا لہرا رہا تھا، یہ جھنڈا دیبل والوں کی نظر میں فتح کا نشان تھا ـــــ اچانک محمد بن قاسم نے توپچی کو حکم دیا "گنبد پر گولہ مارو" ـــــ دیکھتے ہی دیکھتے جھنڈا سرنگوں ہوگیا، قلعہ والے اس بدشگونی پر سراسیمہ ہوگئے لیکن غصے کے عالم میں قلعہ کے دروازے کھول کر مسلمانوں پر آپڑے ـــــ کچھ دیر تو جنگ ہوتی رہی لیکن جلد ہی انھیں اپنی حالت کا اندازہ ہوگیا اور وہ لٹے پیروں قلعہ میں واپس چلے گئے، مسلمانوں کا حوصلہ بڑھ چکا تھا، دیواروں پر سیڑھیاں لگائی گئیں اور فوج قلعے کے اندر کود پڑی، دروازہ کھول دیا گیا اور قلعہ فتح ہوگیا ـــــ ایک قلعہ کے بعد دوسرا قلعہ ـــــ ایک شہر کے بعد دوسرا شہر ـــــ دن پہ دن گزرتے گئے ـــــ ایک دن راجا داہر سے مقابلہ ہوگیا بڑی گھمسان کی جنگ ہوئی ـــــ میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا، راجا داہر مارا گیا ـــــ گویا پورے سندھ پر قبضہ ہوگیا، اب ہر طرف امن تھا ـــــ محمد بن قاسم نے ہتھیار کھولے اور عام حفاظت کا اعلان کردیا، انسانوں کے ساتھ ساتھ مندروں کی بھی ذمہ داری لی گئی اور انھیں توڑنا ممنوع قرار پایا، محمد بن قاسم نے اگرچہ ملک تلوار سے جیتا لیکن جلد ہی رعایا اس کے اخلاق اور عدل وانصاف کے آگے جھک گئی۔ صحیح معنوں میں محمد اب فاتح تھا اور رعایا مفتوح، لوگوں کو اپنے ہم مذہب راجاؤں کے زمانے میں وہ آرام میسر نہیں تھا جو محمد کے دور میں انھیں حاصل تھا، ہر طرف امن تھا، چین تھا، اطمینان تھا، لوگ خوش تھے اور محمد کو دعائیں دے رہے تھے کہ ایک نیا گل کھلا ـــــ مرکز میں خلیفہ ولید بن عبد الملک کی وفات ہوگئی محمد بن قاسم کی صلاحیتوں کے قدر داں حجاج کا بھی انتقال ہوگیا ـــ ولید

(بقیہ مضمون ص ۲ کالم دو)

وفات کے بعد کیسے کیسے نازک حالات سے دوچار ہونا پڑا اور کیسے کیسے نئے نئے حالات درپیش ہوئے لیکن صحابہ کرام نے اپنے ناخن تدبیر سے ان گتھیوں کو ایسی خوش اسلوبی کے ساتھ سلجھایا کہ آج تک لوگ انھیں سن کر دنگ رہ جاتے ہیں، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ذہن کو مفلوج کردیا ہوتا اور وہ تقلید جامد کا شکار ہوگئے ہوتے تو ناممکن تھا کہ بعد کے پیچیدہ مسائل کو وہ حل کرسکتے۔

کی جگہ سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنا — سیاسی جھگڑوں کی بنا پر سلیمان کو حجاج سے نفرت تھی، حجاج تو مر چکا تھا اس لئے اس نے حجاج کے آدمیوں سے بدلہ لینا چاہا، جہاں جہاں حجاج کے زمانہ کے لوگ کام کر رہے تھے سب معزول کر دئے گئے — اس نے سندھ کا گورنر یزید بن ابی کبشہ کو بنا دیا اور اُسے حکم بھیجا کہ محمد بن قاسم کو پا بزنجیر دارالخلافہ روانہ کر دیا جائے — محمد بن قاسم، جو رعایا کا محبوب تھا، سندھ کا فاتح تھا، سندھیوں کی آنکھوں کا تارا تھا، اگر چاہتا تو اس حکم نامہ کو پرزہ پرزہ کر دیتا لیکن اطاعت امیر کے جذبہ کے ماتحت اس نے خاموشی سے گردن جھکا دی لیکن زبان سے بے اختیار نکل پڑا

اضاعونی وای فتیً اضاعوا
لیوم کریھۃ و سداد ثغر

آئے ہے بے کسیٔ عشق پر رونا غالبؔ
کس کے گھر جائیگا سیلاب بلا میرے بعد

محمد بن قاسم جب سندھ آیا تھا تو سترہؔ برس کی عمر تھی اور جب یہاں سے گیا تو صرف بیس برس کا تھا — کون کہہ سکتا ہے کہ اگر زندگی نے وفا کی ہوتی تو وہ کیا کچھ نہ کرتا لیکن افسوس کہ خلفاء کی ذاتی اور سیاسی کشمکش کی بنا پر عالم اسلام ایک ایسے قائد کی ذات سے محروم کر دیا گیا جس نے اتنی کم مدت میں ہندستان کے ایک علاقہ پر اسلام کا جھنڈا گاڑا، اور مسلمانوں کے اخلاق کا اَمِٹ نقش چھوڑا۔ جب محمد بن قاسم زنجیروں سے بندھا ہوا روانہ ہوا تو ہندو زار و قطار رو رہے تھے — محمد چلا گیا — وہ روتے رہے، اُسے یاد کرتے رہے — جب رونے سے چھٹی پائی تو حسب عادت اسے بھی ایک مافوق الفطرت (SUPER NATURAL) ہستی سمجھ کر اس کا بُت بنالیا اور عبادت شروع کر دی —

اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُوْن

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت اُن غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مُرجھا گئے

فکر و نظر —

(ابوالبیان حماد)

ہیں اللہ کی قدرتوں کے مظاہر — یہ دلچسپ جلوے یہ دل کش مناظر
مصائب میں جو مُسکرائے وہ صابر — جو پہچان لے اپنے رب کو وہ شاکر
کسی کو گرا دے، کسی کو اٹھا دے — ہر اک بات پر ربّ عالم ہے قادر
محمدؐ کا احساں ہو سارے جہاں پر — محمدؐ کا منکر، خدا کا ہے منکر
شریعت کا مقصود اصلی یہی ہے — ہوں افکار صالح، ہوں اعمال طاہر
ہوسناکیوں کا نشیمن بنے ہیں — مساجد، معابد، شوالے، منادر
کبھی دیس کے گہوارے جو رہ چکے ہیں — وہی ملک اب بن نہ جائیں مقابر
ہیں فن کار نا آشنائے حقیقت — خودی بیچتے ہیں ادیب اور شاعر

خدا اکی گمراہیوں سے بچائے
بہت ہی خطرناک ہے عہد حاضر

نہیں برداشت کرنی پڑے گی بلکہ بغیر کسی خرخشے کے ازغیب تم کو واپس مل جائے گا، یہ واقعہ طالوت کے ساتھ تائید الٰہی کی نشانی اور اس کے استحقاق حکمرانی کا ثبوت ہوگا چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس تابوت کے حاصل کرنے کیلئے کسی جنگ وجدال کی نوبت نہیں آئی بلکہ کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ دشمن پریشان ہوگئے اور انھوں نے اسی میں اپنی خیریت سمجھی کہ یہ تابوت اپنے یہاں سے روانہ کردیں اللہ تعالیٰ کی کارسازی نے بنی اسرائیل کو پھر وہ دن دکھایا کہ ان کے بزرگوں کی امانت فرشتگان رحمت کے زیر سایہ ان کے پاس پہنچ گئی۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلَاقُوا اللَّهِ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۝

ترجمہ:۔

اس کے بعد جب طالوت فوجوں کے ساتھ روانہ ہوئے تو انھوں نے کہا کہ اللہ ایک دریا کے ذریعہ تمھاری آزمائش کریگا جو اس میں سے پی لے گا اس کا مجھ سے کوئی سروکار نہیں رہے گا اور جو اسے نہ پیے گا وہ مجھ سے تعلق رکھے گا، البتہ (اس حکم سے) وہ لوگ مستثنیٰ ہوں گے جو ہاتھ سے ایک چلو لے لیں گے (لیکن ہوا یہ کہ اس حکم کے بعد بھی) تھوڑے سے آدمیوں کو چھوڑ کر سب نے اس (دریا) میں سے پانی پیا (اسکے بعد) پھر جب طالوت نے اور ان اہل ایمان نے جو انکے ساتھ تھے اس (دریا) کو پار کیا تو لوگوں نے کہا کہ آج ہمارے پاس قطعاً ایسی طاقت نہیں ہے کہ ہم جالوت اور اس کی فوجوں سے مقابلہ کرسکیں (اس موقع پر ان لوگوں نے جو یہ خیال رکھتے تھے کہ وہ خدا سے ملنے والے ہیں کہا کتنی ہی قلیل التعداد جماعتیں کثیر التعداد گروہوں پر غالب آئی ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

تشریح:۔

اس طرح آسانی کے ساتھ تابوت پا جانے سے لوگوں کے دلوں میں حضرت طالوت کی اہمیت قائم ہوگئی اور انھیں یقین ہونے لگا کہ جب ایک مدت دراز کا چھنا ہوا تابوت اس آسانی کے ساتھ حضرت طالوت کے دور حکومت میں ہمیں مل گیا ہے تو کیا عجب ہے کہ ان کی سرکردگی میں ہم دشمنوں کو شکست دے کر پھر پرانی عظمت و شوکت حاصل کرسکیں، اس کے بعد جنگ کی تیاریاں شروع ہوئیں اور ایک عظیم الشان لشکر جمع ہوگیا، لیکن اس میں ایک بڑی تعداد محض خوش خیالی میں جمع ہوگئی تھی ۔ راہ کی صعوبتوں اور جنگ کی دشواریوں پر ان کی نظر نہ تھی بلکہ ان کا خیال تھا کہ جس طرح ازغیب تابوت ہاتھ آگیا ہے اسی طرح خود بخود دشمن کا خاتمہ ہو جائے گا اور کچھ بھی مشقت برداشت نہیں کرنی پڑے گی ۔

(باقی آئندہ)

TAMEER ❀ LUCKNOW

Regd. No. A-614 — 38, Aminabad Park

آپ کی لائبریری نامکمل ہے اگر اس میں حسب ذیل کتابوں کی کمی ہے

تالیف مولانا اشرف علی رح

حیات المسلمین مولانا کی ایک شاہکار تالیف) مجلد 1-12-

تعلیم الدین (نکات تصوف کا خزانہ ضروری احکام کی دلآویز اور دلنشین تشریح) 1-12

صلاح الرسوم غیر شرعی رسموں کی اصلاح کے لئے نہایت قیمتی تحفہ مع رسالہ صفائی معاملات) مجلد 1-12-

عمال قرآنی (قرآن کی آیتوں کی خاصیتوں کا عجیب و غریب بیان) مجلد 1-4-0

پردہ (اسلامی پردہ پر ایک بہترین کتاب) مجلد 0-8-3 3-8-0

حقوق الزوجین زن و شوکے تعلقات پر ایک سیر حاصل تبصرہ 1-6-0

مرتد کی سزا اسلامی نقطۂ نظر سے -12-

خطبات آسان زبان میں اسلام کی تشریح 2-8-0

دینیات ہائی اسکول کے معیار کے دینی مضامین 0-4-1 1-4-0

تنقیحات اسلام اور جاہلی تہذیب کے تصادم سے پیدا شدہ مسائل پر تبصرہ 2-8-0

اساس دین کی تعمیر ایک بہترین کتاب مجلد 2-8-

اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ مجلد 1-12

زاد سفر اردو میں احادیث کا معتبر مجموعہ مجلد 5-0-0

احکام القرآن اردو میں قرآنی احکام کا مجموعہ 2-0-0

تجلیات مدینہ مدینہ منورہ کے فضائل کا بیان 2-8-0

شرق اوسط میں کیا دیکھا ؟ مشرق وسطیٰ کا سفرنامہ مجلد 1-4-0

سفرنامہ حجاز از مولانا عبدالماجد دریابادی 5.0.0

آسان عربی نصاب اس نصاب کی مدد سے آپ گھر بیٹھے ۶ ماہ میں اتنی عربی پڑھ سکتے ہیں کہ قرآن و حدیث کو سمجھ سکیں مکمل نصاب کی قیمت 6-3-10 — نصاب کی صرف ۵ ابتدائی کتابیں 2-14-0

ابن مسعود	-6-	رسول اکرم	0-3-6
زبیر	0-5-0	نیک بیبیاں	0-6-0
حمزہ	0-4-0	ابوبکر	0-10-0
سعد عبادہ	0-4-0	عمر	0-10-0
ابن جراح	0-4-0	خالد	0-10-0
مصعب	0-4-0	ابوہریرہ	0-5-0
امام بخاری	-6-	ابن عباس	-4-
ولی اللہ	-4-6-	طلحہ	0-5-0
قطب الدین	3-	ابو عمر	0-5-0
فریدالدین	-4-	انس	0-4-0
نظام الدین	-5-	اسامہ	0-4-0
امام ربانی	-4-	ابن عوف	-4-
بی بی رابعہ	-3-	سعد وقاص	-4-
امام رازی	-10-	بلال	0-4-0
		سلمان	0-5-0

معاشرت وسیاست فقہ

❀ سرمایہ داری و اشتراکیت 0-12-0

❀ راہ جنت 0-10-0

❀ تعلیم الاسلام مکمل 1-3-0

مکتوبات مولانا الیاس 1-8-0

❀ ملفوظات ؍؍ ؍؍ 1-8-

❀ سوانح مولانا الیاس 2-8-0

❀ حکیم الامت مولانا اشرف علی 8-8-0

سوانح سید احمد شہید 4-8-

❀ شاہراہ ترقی 0-8-0

❀ اسلامی زندگی 0-4-0

❀ اسلام اور نیشنلزم 0-6-0

❀ نیا نظام تعلیم 0-1-0

❀ آداب معیشت 0-8-0

❀ اسلام اور ضبط ولادت -12-

❀ حسن معاشرت 0-8-0

❀ اسلامی قانون 0-10-0

بچوں کی کتابیں

پیاری نظمیں 0-5-0

آسان کہانیاں 0-3-0

اخلاقی کہانیاں 1-0-0

بچوں کی قصص الانبیاء 2-1-0

عورتوں کی کتابیں

خواتین اسلام کی بہادری 0-8-0

خواتین سے اسلام کے مطالبات 0-4-0

دعوت اسلامی میں خواتین کا حصہ 0-4-0

حریمی دسترخوان 2-8-0

حریمی کشیدہ کاری ؍؍ 4-0-0

مکتبہ تعلیمات اسلام ❀ ۳۸ امین آباد پارک ❀ لکھنؤ

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرہ

(۹۵)
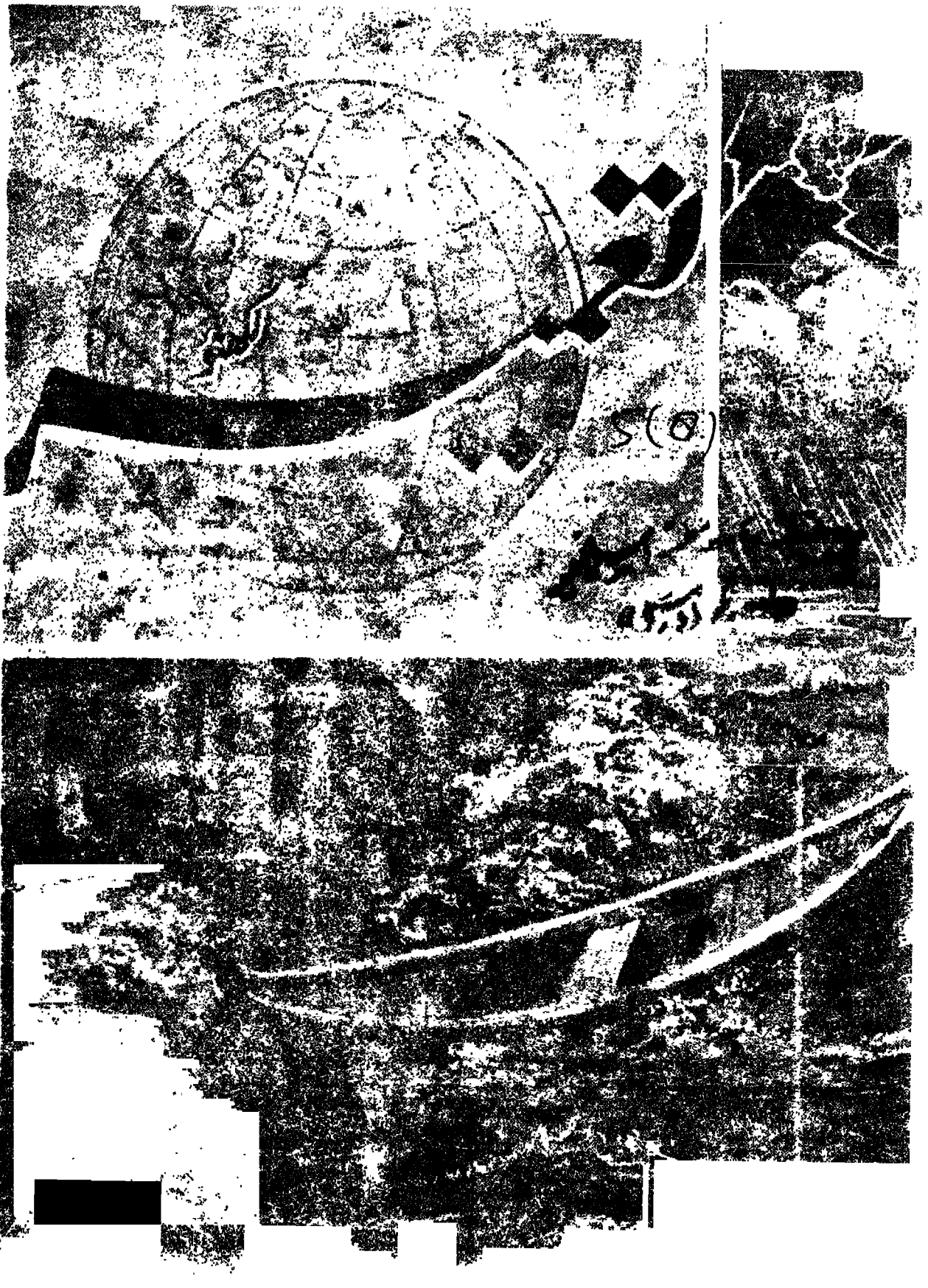
جناب طالوت کو لوگوں کی اس ذہنیت کا احساس تھا انھوں نے خیال کیا کہ اگر یہ بھیڑ اس خوش خیالی کے ساتھ میدان جنگ میں پہونچ گئی تو پریشانی اور خطرات کی تاب نہ لاسکے گی اور کیا عجب ہے کہ دشمنوں کی صورت دیکھ کر راہ فرار اختیار کرے اس لئے ضرورت تھی کہ انبوہ کے اس انبوہ سے ایسے جفاکش سپاہی منتخب کرلئے جائیں جو ہر حال میں جم کر دشمنوں کا مقابلہ کریں وہ لوگوں کا مزاج سمجھتے تھے، انھیں معلوم تھا کہ یہ لوگ کسی نظم وضبط کے عادی نہیں ہیں، اگر اس طرح انتخاب کیا گیا تو بہت ناراض ہوں گے اور چاروں طرف سے اعتراض کی بوچھار ہونے لگے گی، اس لئے اپنی طرف سے آدمیوں کو چھانٹنے کے بجائے انھوں نے ایسی تدبیر کی کہ مشکلات سے گھبرانے والے، بے صبر اور کمزور دل والے اشخاص خود بخود الگ ہوجائیں، انھوں نے اعلان کیا کہ آگے چل کر جو دریا پڑیگا اس میں کوئی پانی نہ پیے، ہلاکت خیز تشنگی کو دور کرنے کے لئے اگر کوئی ایک آدھ چلو پی لے تو زیادہ مضائقہ نہیں ہے لیکن جی بھر پانی پینے کی اجازت نہیں ہے جو سیر ہوکر پانی پیے گا، اسے ہمارے ساتھ رہنے کا حق نہ ہوگا، موسم کی حدت اور سفر کی شدت کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ لوگوں کو خوب پیاس لگی، غیر معمولی تشنگی سے لوگ بیتاب تھے، ایک طرف یہ صورت حال تھی، دوسری طرف سردار فوج کا یہ حکم تھا کہ خبردار کوئی پانی نہ پیے، اگر کسی نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو پھر ہمارے ساتھ چلنے کی اسے اجازت نہیں ہوگی، نتیجہ یہ ہوا کہ بے شمار لوگوں نے لشکر سے علیحدگی کا فیصلہ کرلیا، انھوں نے جی بھر کر پانی پیا اور اپنے گھروں کی راہ لی تھوڑے سے صابر وضابط جانباز اس امتحان میں پورے اترے اور دریا کو پار کرکے دشمن کی سرزمین میں پہونچے، یہاں پہنچکر انھیں نظر آیا کہ دشمن کے پاس بے شمار فوجیں ہیں اور غیر معمولی سامان جنگ ہے، یہ حالت ان کے تصور سے کہیں زیادہ تھی، یہ ہولناک سماں دیکھ کر بہت سے لوگوں کے دل دہل گئے اور گھبرا کر پکار اٹھے بھلا جالوت کے ان لشکروں سے ہم کس طرح پیش پاسکتے ہیں لیکن یہ آواز سنتے ہی مضبوط دل اور پختہ مزاج اہل ایمان نے برجستہ جواب دیا۔ "نہیں تمہارا یہ خیال صحیح نہیں ہے میدان جنگ میں فیصلہ آدمیوں کی قلت وکثرت سے نہیں ہوتا ہے بلکہ دلوں کے یقین، طبائع کی ہمت اور قدموں کے ثبات سے فتح حاصل ہوتی ہے، اگر یہ صفات ہمارے اندر موجود ہیں تو دشمنوں کے ہجوم سے خائف ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے، فتح وکامرانی ہمیں کو نصیب ہوگی، تاریخ میں ایسی بہت سی مثالیں نظر آتی ہیں کہ قلیل التعداد جماعتوں نے بڑے بڑے عظیم لشکروں کا منہ پھیر دیا ہے کیا عجب ہے کہ آج بھی یہی ہو اور قلت تعداد کے باوجود ہم دشمنوں کی دل بادل فوجوں کے پرخچے اڑادیں"۔

اہل ایمان کے ان ہمت آفریں الفاظ نے اترتے ہوئے دلوں کو تھام لیا اور متزلزل قدموں کو ثبات واستحکام کی توفیق بخشی، قدم جما کر کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں اعانت ودستگیری کی درخواست کیلئے ہاتھ اٹھائے

(باقی صـــ پر)

ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان

ماہنامہ تعمیر لکھنؤ

۳۸- امین آباد- پارک

ادارہ تحریر

عبدالسلام قدوائی ندوی • مشیر الحق بجری آبادی

فروری ۱۹۵۴ء مطابق جمادی الثانی ۱۳۷۳ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد وّ اٰلہ واصحابہ اجمعین

۲۶ جنوری

آج ۲۶-جنوری ہے۔ ہندستان کی سیاسی تاریخ میں ایک قابل فخر اور درخشاں دن — آج سے چار سال پیشتر اسی دن ہم نے — ہندستانیوں نے — اپنی گردنوں سے غلامی کا پٹہ اتار پھینکا تھا — اسی دن ہم پورے طور سے آزاد قوموں کی صف میں آئے تھے۔ ۲۶-جنوری کو ہندستان ایک غلام ملک سے جمہوری ریاست بنا تھا۔ ایک وفاقی حکومت — یہ ایک خوشی اور مسرت کا وقت تھا، اس لئے جب پہلی بار ہماری زندگی میں جمہوریت کا جشن منانے کا موقع آیا تھا تو ہندستان کے آسمان سے مسرت برس رہی تھی، زمین سے خوشی پھوٹ رہی تھی لوگوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق شہروں اور دیہاتوں، دوکانوں اور کارخانوں، ریلوں اور موٹروں، سڑکوں اور گلیوں کو دلہن بنا رکھا تھا۔ چراغوں کی جگمگاہٹ سے دیوالی کا دھوکا ہوتا تھا لیکن چار ہی برس بعد آج جب سڑکوں پر دیکھتا ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کسی کو آج کے دن کی اہمیت کا احساس ہی نہیں ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ آج ۲۶ جنوری نہیں، ۲۵ یا ۲۷ جنوری ہے — ایسا نہیں کہ صرف مجھ ہی کو ہر طرف سناٹا محسوس ہو رہا ہو، بلکہ قریب قریب ہر شخص دیکھ رہا ہے کہ لوگوں میں وہ جوش وہ ولولہ نہیں، وہ شوق نہیں، وہ امنگ نہیں جو پچھلے برسوں میں تھی ایسا کیوں ہے؟ — یہ ایک ایسا سوال ہے کہ آپ کسی سے بھی پوچھیں وہ بلا جھجک آپ کو سمجھا دیگا اور آپ مطمئن ہو جائیں گے — بیکاری، گرانی — یہ دو بڑے ستون ہیں جن پر اس کے جواب کی عمارت کھڑی ہوگی اور اس کا کہنا ٹھیک بھی ہے، جب پیٹ بھرا ہوا ہوتا ہے تو عیش کی سوجھتی ہے، ورنہ جس کے اپنے بدن پر کپڑا نہ ہو وہ اپنے دروازے پر رنگین چادر کس طرح لہرا سکتا ہے، جس کو کھانے کے لئے تیل میسر نہ ہو وہ طاقوں اور کارنسوں پر چراغ کس طرح جلا سکتا ہے — اس کا یہ کہنا بجا ہے، لیکن اگر آپ غور کریں تو محسوس کریں گے کہ اس جواب

زر تعاون ہندستان و پاکستان سے
سالانہ عہ • ششماہی عہ • فی پرچہ ۳
ممالک غیر سے ۔ شلنگ
پاکستان میں چندہ جمع کرنے کا پتہ
رسالہ چراغ راہ نمبر ۹ پوریا بلڈنگ آرام باغ روڈ کراچی

میں کوئی ٹھوس حقیقت نہیں ہے، یہ بہت ہی ہلکا پھلکا جواب ہے۔

ہم ہی پر آج نیا معاشی بحران نہیں پڑا ہے ہم سے پہلے بھی اور اب بھی بہت سی قومیں ہیں جو معاشی بحران کا شکار تھیں اور شکار ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد انگلینڈ کی معاشی حالت جس حد تک خراب ہو گئی تھی، ہندستان کی حالت اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے لیکن کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ انگریزوں نے اپنے کسی قومی تہوار کو پھسپھسے طریقہ سے منایا ہو ——

پھر آخر ہندستان میں ایسا کیوں ہے کہ ۲۶ جنوری، اور ۱۵ اگست ایک قومی تہوار کا دن نہیں بلکہ سرکاری تقریب کا دن معلوم ہوتا ہے، ایسا کیوں ہوتا ہے کہ عوام ان دونوں دنوں کے ہنگاموں سے قریب قریب بے تعلق رہتے ہیں اور ہر طرف پولیس پریڈ —— ملٹری پریڈ —— وزیر اعلیٰ کی تقریر —— راج بھون کی روشنی —— نظر آتی ہے۔

اس کی وجہ نہ بے کاری ہے نہ بھوک، نہ گرانی ہر نہ چھٹنی —— بلکہ صرف ایک وجہ ہے اور وہ یہ کہ برسراقتدار پارٹی سال کے تین سو چونسٹھ دنوں میں کسی دن بھی یہ محسوس نہیں کرتی کہ عوام بھی اُسی کے ہیں —— ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اپنے ہی بھائی ہمارے نگراں نہیں ہیں بلکہ ہم پھر کسی دوسری قوم کے غلام ہیں —— جو نہ ہمارے بھلے کی شریک نہ بُرے کی —— جو نہ ہماری تکلیف کی ساتھی نہ آرام کی —— پھر خود ہی سوچئے کہ جب عوام اور خواص میں ایسی ناقابل عبور خلیج حائل ہو جائے تو کس طرح عام لوگوں کے ذہن میں ملک کا کوئی بھی مسئلہ خالص ملک کے مفاد کو سامنے رکھ کر آ سکتا ہے —— عوام بھوکے سو سکتے ہیں، لیکن اُسی وقت جب انھیں یہ یقین آ جائے کہ ان کے خواص نے آج صرف ایک وقت کھانا کھایا ہے —— عوام ننگے بدن سردیاں کاٹ سکتے ہیں لیکن ان کو دکھا دیا جائے کہ خواص صرف ایک کوٹ پہنے ہوئے ہیں —— یہ ناممکن ہے کہ صرف تقریروں اور باتوں سے عوام کے ذہن میں یہ بات اُتار دی جائے کہ ہندستان آزاد ہے اور ہندستانیوں کو ملک کو آگے بڑھانے کے لئے ہر قسم کی تکلیفیں برداشت کرنی چاہیئے —— یہ صرف ہندستانیوں ہی پر منحصر نہیں —— ہر ملک، ہر قوم، بلکہ ہر شخص کو یہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ جن لوگوں کے ذمہ دار ہیں، اگر ان کے درد اور دکھ کو وہ خود محسوس نہیں کرتے تو وہ کبھی بھی انکی ہمدردیاں حاصل نہیں کر سکتے اور منزل مقصود تک ان کا پہنچنا ناممکن ہے

(م - ح - ب)

سُرخ نشان

اس بات کی علامت ہے کہ

آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی ۔ محصول ڈاک بڑھ جانے کے باعث وی - پی کرنے میں خریدار پر ۹ کا بار پڑتا ہے، اس لئے رسالہ اب وی - پی سے نہیں بھیجا جاتا۔ براہ کرم اپنا سالانہ چندہ مبلغ عا بذریعہ منی آرڈر بہت جلد روانہ کر دیجئے بہت سے حضرات کو ہم مسلسل کئی ماہ سے ختم خریداری کی اطلاع دے رہے ہیں لیکن وہ نہ تو چندہ ہی بھیجتے ہیں اور نہ رسالہ بند کر دینے کی اطلاع دیتے ہیں —— کیا یہ مناسب طریقہ ہے؟ —— اگر کسی وجہ سے آپ خریداری جاری نہیں رکھ سکتے تو ہمیں ایک کارڈ سے مطلع کر دیجئے ہم آپکے مشکور رہیں گے —— آپ خط یا منی آرڈر میں خریداری نمبر کا حوالہ دیکر ہمیں اُلجھنوں سے بچا لیں گے۔

★ احتشام علی رحیم آبادی

انسان کون ہے؟

امیر اور غریب ـــــ اس وقت دنیا کے تمام انسان انھیں دو گروہوں میں بٹے ہوئے ہیں، مشرق، مغرب، شمال، جنوب کے ملک ہوں یا شہر قصبے ہوں یا دیہات ہر جگہ آپ کو یہ تقسیم نظر آئے گی ــــ امیر غریب کو، طاقتور کمزور کو ختم کر دینا چاہتا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ دنیا میں زندہ رہنے کا صرف ہمارا حق ہے اور دنیا کی ہر آرام و آسائش کی چیز صرف ہمارے لئے ہے، اس میں غریبوں، ناداروں اور کمزوروں کا کوئی حق نہیں ہے ان کے کھانے اور پانی تک پر اپنا قبضہ کر لیتے ہیں ـــــ حالانکہ انھیں تو اتنا ہی کھانا کھانا چاہیئے جس سے سیری ہو جائے اور اتنا ہی پانی پینا چاہیئے جس سے ان کی پیاس بجھ جائے لیکن ایسا نہیں ہے، یہ تو اپنے نفس کے لئے زیادہ سے زیادہ کے خواہش مند ہیں، یہ لوگ اپنے دسترخوان کو مفلسوں اور ناداروں کے حق کو چھین کر آراستہ کرتے ہیں، ان کی اس زیادتی کا بدلہ اللہ تعالیٰ بدہضمی کی شکل میں دیتا ہے، اسی لئے تو یہ مثل بھی کہی گئی ہے کہ مالدار کی بدہضمی فقیر کی بھوک کا انتقام ہے۔

آسمان نے پانی دینے میں بخل نہیں کیا اور نہ زمین نے غلہ اُگانے میں کنجوسی سے کام لیا، لیکن امیر نے غریب پر، طاقتور نے کمزور پر ظلم کیا، اس کا حق چھین کر تمام ذخیرہ پر قابض ہو گیا ــــ اسی لئے تو یہ کہا جاتا ہے کہ امیر غریب کے قرضدار ہیں

ان کے مزاج میں گرمی اور دل میں پتھر سے زیادہ سختی ہوتی ہے۔ جب یہ لوگ اپنے نرم و گرم بستر پر آرام کی نیند سوتے ہیں، اسوقت سردی سے کانپتے ہوئے پڑوسی کی آواز تک انھیں مضطرب نہیں کرتی ــــ یا جب یہ لوگ اپنے قسم قسم کے مرغن لذت دار کھانے اور حلوہ جات سے بھرے ہوئے دسترخوان پر بیٹھتے ہیں، اس وقت بھی ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا اور یہ مزہ لے لے کر خوب کھاتے ہیں، حالانکہ یہ جانتے ہیں کہ ان کے بہت سے اعزا و اقربا ایسے ہیں کہ ان کی رال دسترخوان کے بچے ہوئے ٹکڑوں کے لئے بہہ رہی ہے ـــــ دولتمند فقیروں اور ناداروں کے سامنے اپنے عیش و عشرت و فارغ البالی کے قصے سُناتے ہیں اور ان سے اپنے عیش و آرام کا سامان ٹھیک کراتے ہیں، تاکہ ان کا دل ٹوٹے، عیش مکدر ہو اور زندگی دوبھر ہو جائے ـــــ گویا کہ یہ لوگ اپنے ہر ہر لفظ اور اپنی ہر ہر حرکت سے یہ کہتے ہیں کہ میں خوش نصیب ہوں اس لئے کہ امیر ہوں اور تم بدبخت ہو اس لئے کہ فقیر ہو۔

امیر غریب کی، طاقتور کمزور کی بقا صرف اس لئے چاہتے ہیں کہ اپنے نفسوں کو آرام پہنچائیں، اگر انھیں اپنے عیش و آرام کے لئے اپنے گھر کی ضرورتوں کے لئے، اپنے سامان کی درستگی کے لئے ان کی ضرورت نہ ہوتی تو جس طرح ان کی روزی چھین لی ہے، ان کا خون بھی چوس لیتے اور انھیں زندگی سے بھی اسی طرح محروم کر دیتے جس طرح عیش و آرام سے محروم کر دیا ہے۔

جب تک انسان میں محسن ہونے کی خاصیت نہ ہو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اسے کیسے انسان خیال کروں کیونکہ انسان اور حیوان میں سب سے بڑا فرق احسان ہی کا تو ہے ـــــ محسن امیروں میں بھی پائے جاتے ہیں اور غریبوں میں بھی، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے اسی لئے تو کہا جاتا ہے کہ دنیا انسان نما لوگوں سے بھری پڑی ہے لیکن انسان بہت کم ہیں ۔ دنیا کے [illegible] عام طور سے تین گروہ میں بھر بٹ جاتے ہیں۔

انمول موتی

★ عن اسامۃ بن زید بن حارثۃ رضی اللّٰہ عنہما قال سمعت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال یوتی بالرجل یوم القیامۃ فیلقی فی النار فتندلق اقتاب بطنہ فیدور بہا کما یدور الحمار فی الرحا فیجتمع الیہ اھل النار فیقولون یا فلان مالک الم تکن تامر بالمعروف وتنھی عن المنکر فیقول بلیٰ کنت آمر بالمعروف ولا آتیہ وانھیٰ عن المنکر وآتیہ۔

(بخاری۔ مسلم)

● حضرت اُسامہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ ایک آدمی قیامت کے دن لایا جائے گا اور آگ میں ڈال دیا جائے گا اسکی انتڑیاں نکل پڑیں گی اور اس کو اس طرح گھمایا جائیگا جیسے چکّی کے گرد گدھا گھومتا ہے، دوزخ والے اس کے گرد جمع ہوں گے اور کہیں گے اے فلاں تو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا اور بُرائیوں سے روکتا تھا وہ کہے گا ہاں، میں تو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتا تھا، لیکن خود نیک کام نہیں کرتا تھا، اور دوسروں کو برائی سے منع کرتا تھا، مگر میں خود اس برائی کا مرتکب ہوتا تھا۔

★ عن ابی قتادۃ الحارث بن ربعی رضی اللّٰہ عنہ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم انہ قام فیھم وذکرھم ان الجھاد فی سبیل اللّٰہ والایمان باللّٰہ افضل الاعمال فقام رجل فقال یا رسول اللّٰہ أرأیت ان قتلت فی سبیل اللّٰہ اتکفر عنی خطایای فقال لہ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نعم ان قتلت فی سبیل اللّٰہ وانت صابر محتسب مقبل غیر مدبر ثم قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کیف قلت قال أرأیت ان قتلت فی سبیل اللّٰہ اتکفر عنی خطایای فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم نعم وانت صابر محتسب مقبل غیر مدبر الا الدین فان جبریل قال لی ذالک (مسلم)

● حضرت ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے فرما رہے تھے کہ اللہ کے راستے میں جہاد اور اللہ پر ایمان افضل اعمال ہیں، ایک آدمی کھڑے ہوگئے اور کہا یا رسول اللہ آپ کیا فرماتے ہیں، اگر میں قتل کیا جاؤں تو کیا مجھ سے میری خطائیں دور ہو جائیں گی، آپ نے فرمایا ہاں۔ اگر تم اللہ کی راہ میں اجر کی نیت سے صبر کرو، آگے بڑھو اور پیٹھ نہ موڑو، پھر آپ نے فرمایا تم نے کیا کہا، انھوں نے کہا اگر میں اللہ کے راستہ میں قتل کیا جاؤں تو کیا مجھ سے میری خطائیں دور ہو جائینگی آپ نے فرمایا ہاں اگر تم اللہ کے راستے میں اجر کی نیت سے صبر کرو، آگے بڑھو، پیچھے نہ ہٹو مگر قرض معاف نہ ہوگا۔ مجھ سے جبریل نے یہی کہا ہے۔

ایک گروہ تو اُن لوگوں کا ہے جو دوسروں کے ساتھ اس لئے احسان کرتا ہے کہ اسکو اپنے ساتھ احسان کرانے کا ذریعہ بنالے، ایسے لوگ میرے نزدیک خود غرض اور نفس پرست ہیں کیونکہ یہ لوگ احسان کو کچھ سمجھتے ہی نہیں صرف اپنے احسانات کے ذریعہ لوگوں کو غلام بنانا چاہتے ہیں۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو اپنے نفس کے ساتھ تو احسان کرتے ہیں لیکن دوسروں کے ساتھ کچھ نہیں کرتے، ایسے لوگوں کو میں حریص اور لالچی سمجھتا ہوں، ایسے شخص کو اگر یہ معلوم ہو جائے کہ بہا ہوا خون سونا بن جاتا ہے تو وہ اپنے لئے تمام لوگوں کو ذبح کرنے سے بھی دریغ نہ کریگا۔ تیسرا گروہ ان لوگوں کا ہے جو نہ اپنے ساتھ احسان کرتے ہیں اور نہ دوسروں کے ساتھ، ایسے لوگوں کو میں بخیل

احمق اور بے وقوف خیال کرتا ہوں، کیونکہ یہ لوگ اپنے صندوق کو بھرنے کے لئے اپنے پیٹ کو بھی خالی رکھتے ہیں۔

لیکن ہاں ایک گروہ اور ہے، یہ اپنے نفس کے ساتھ احسان کرتا ہے اور دوسروں کے ساتھ بھی بلا کسی غرض کے احسان کرتا ہے۔ میرے نزدیک ایسے لوگوں کا مرتبہ بہت بلند ہے، میرے پاس الفاظ نہیں ہیں جن سے ان کی تعریف کروں، دراصل یہی "انسان" ہیں ان کی نظر میں بلندی، غور وفکر میں وسعت اور اخلاق میں اونچائی ہوتی ہے ـــــــ ان کے نزدیک غریب و کمزور کو بھی دنیا میں رہنے اور اس سے فائدہ اٹھانے کا اتنا ہی حق ہے جتنا کہ امیر کو ـــــــ غصہ، نفرت، کبر و غرور، بغض و عداوت، کینہ و حسد، بدخواہی اور بداندیشی ان کے پاس پھٹکنے نہیں پاتی۔

غریبوں اور ناداروں کی آہ، ان کے دلوں کو لرزا دیتی ہے، پڑوسی کی کراہ انھیں بے چین کر دیتی ہے، دوسروں کی تکلیف ان کے دل میں کانٹا بن کر چبھتی ہے، یہ لوگ اپنی ضرورتوں پر دوسروں کی ضرورتوں کو مقدم کرتے ہیں، خود بھوکے رہ کر دوسروں کو کھلاتے ہیں، خود ننگے رہ کر دوسروں کو پہناتے ہیں، دوسروں کو آرام پہنچا کر خوش ہوتے ہیں، دوسروں کی خاطر انھیں کتنی ہی تکلیف کیوں نہ پہنچ جائے اسے خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔

اگر ان کے ساتھ کوئی احسان کرتا ہے تو اس کے ساتھ تو یہ احسان کرتے ہی ہیں لیکن اگر کوئی ان کے ساتھ برائی کرتا ہے جب بھی یہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں، انتقام لینے پر قدرت رکھنے کے باوجود ناپسندیدہ اور ناگوار باتوں کو برداشت کرتے رہتے ہیں اور قصوروار کو معاف کر دیتے ہیں۔

یہ لوگ آپس میں جب ایک دوسرے سے ملتے تو ایک دوسرے کا حال پوچھتے ہیں [illegible]

★ حکیم الامت مولانا اشرف علیؒ

تعلیم الدین

[آداب مجلس]

●

- کسی کو اس کی جگہ سے اٹھا کر خود اس کی جگہ پر مت بیٹھو۔
- جو شخص اپنی جگہ سے اٹھ کر چلا جائے اور پھر جلدی آکر بیٹھنے کا ارادہ رکھتا ہو، وہ جگہ اسی کا حق ہے دوسرے شخص کو وہاں نہ بیٹھنا چاہیئے۔
- جو دو شخص قصداً مجلس میں ایک جگہ بیٹھے ہوں ان کے درمیان میں بلا ان کی اجازت کے مت بیٹھو۔
- جو شخص تم سے ملنے کو آئے تو تم کو چاہیئے کہ ذرا اپنی جگہ سے کھسک جاؤ۔ گو مجلس میں گنجائش ہو لیکن اس میں اس کا اکرام ہے۔
- جب مجلس میں جاؤ، جہاں جگہ ملے بیٹھ جاؤ، یہ نہیں کہ تمام حلقے کو پھاند کر ممتاز جگہ پہونچو۔
- جب چھینک آئے تو منھ پر کپڑا یا ہاتھ رکھ لو اور پست آواز سے چھینکو۔
- جماہی کو حتی الامکان روکنا چاہیئے اور اگر نہ رکے تو منھ ڈھانک لینا چاہیئے۔
- بہت زور سے مت ہنسو۔
- مجلس میں ناک بھوں چڑھا کر مت بیٹھو، حاضرین سے ہنستے بولتے رہو، ان میں ملے جلے رہو جس قسم کی باتیں ہوں ان میں شریک رہو، بشرطیکہ خلاف شرع کوئی بات نہ ہو۔

آپس میں بات چیت کرنے میں ایک دوسرے
کے ادب و احترام کا خیال رکھتے ہیں، لطف و
محبت سے پیش آتے ہیں، اس سے تعلقات
خوشگوار ہوتے ہیں اور آپس میں محبت مروت کا
رشتہ قائم ہو جاتا ہے ـــــ یہ لوگ جب کسی
سے بات کرتے ہیں تو نرمی اور آسانی کے
ساتھ، اور جب کسی کو کچھ سمجھاتے ہیں تو
اس میں محبت و خلوص کا جذبہ پایا جاتا ہے
اگر کسی سے کسی بات کا مطالبہ کرتے ہیں تو
نہایت خوشگوار انداز سے اپنے اس طریقہ سے یہ
لوگوں کے دلوں کو موہ لیتے ہیں اور پتھر کو بھی
موم کر دیتے ہیں ـــــ آپس کے لین دین
کے سچے اور معاملے کے بھی بڑے پکے ہوتے
ہیں، یہ لوگ اپنے کاروبار میں ایماندار اور
لوگوں کے حقوق ادا کرنے میں دیانتدار ہوتے ہیں
یہ لوگ اپنے وعدہ کے سچے اور اپنے عہد کے
پکے ہوتے ہیں، جس سے وعدہ کرلیں گے اسے
پورا کریں گے، جو زبان دیدیں گے اس کے پابند
رہیں گے، زمین گردش کرنا چھوڑ سکتی ہے، سمندر اپنا
رُخ پھیر سکتے ہیں، پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکتے ہیں آسمان
کا نظام درہم برہم ہو سکتا ہے مگر ایسا نہیں ہو سکتا
کہ یہ لوگ جو عہد کریں، اسے پورا نہ کریں، جو قول و
قرار کریں اس سے مکر جائیں، یہ لوگ حق پر
قائم رہتے ہیں، حق (سچائی) کی خاطر
...تے ہیں، تکلیفیں برداشت کرتے ہیں
...ملتے ہیں، مخالفتیں سہتے ہیں، کسی
...نہیں، ہر خطرہ کے لئے تیار رہتے ہیں
...نہیں موڑتے۔

تین قطعے

•

سوز و اخلاص کی کمی ہے اگر
رشتۂ زہد و بندگی کمزور
دل سے جب فکرِ عاقبت مٹ جائے
ساری بنیاد زندگی کمزور

• •

مضطرب ہو نہ اے روح میری
شامِ غم کی سحر آج ہوگی
قافلے چل پڑے پھر اُسی سمت
کامرانی جدھر آج ہوگی

• • •

تو نے پروازِ فکر و نظر سے
روند کر رکھ دئے چاند تارے
کاش اک بار دیکھا بھی ہوتا
سرحدِ موت کے اس کنارے

شبنم سبحانی

ان کا درجہ بہت بلند ہے ہماری نظر میں، آپ کی نظر میں
اور تمام مخلوق کی نظر میں، کیونکہ یہی "انسان" ہیں

★ مشیر الحق بحری آبادی

(ایک فیچر)

سامان سو برس کا ہے

●

[انجن کی تیز سیٹی]

[ریل کی گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ ملی جلی چند آوازیں]

● — امی نے بہتیرا زور لگایا کہ میں جاوید کے ساتھ شادی کروں لیکن میں نے صاف کہدیا کہ جب تک ایم اے نہ کروں گی، شادی نہ کروں گی

● — تم نے بہت اچھا کیا، شادی آج نہیں تو کل ہو ہی جائے گی، لیکن تعلیم کا سلسلہ ایک مرتبہ اگر ٹوٹ گیا تو دوبارہ بہت مشکل سے جڑتا ہے

● — اور یہ گھریلو زندگی بھی کوئی زندگی ہے، میں نے تو سوچ رکھا ہے کہ تعلیم ختم کرتے ہی فارن سروس میں جانے کی کوشش کروں گی — ملک سے باہر جا کر زندگی بن جاتی ہے۔

● — سوچا تم نے خوب! رضیہ ہی کو دیکھ لو، امریکہ سے آکر کتنی اونچی ہوگئی ہے۔ اس وقت تمھیں جاوید سے بھی اچھے لڑکے ملیں گے۔

[پہیوں کی گھڑگھڑاہٹ]

★ — مگر بہن جب تک لڑکے کے پاس کچھ ہو نہ جائے۔ میں کس طرح اپنی لڑکی کے لئے حامی بھر لوں۔

★ — آگے کا حال تو اللہ جانتا ہے لیکن اتنا میں کہے دیتی ہوں کہ اس سال یونیورسٹی میں اسکا آخری سال ہے اس کے باپ کے تعلقات بڑے بڑے افسروں سے ہیں، پڑھائی ختم ہوتے ہی وہ کہیں اچھی جگہ پر ضرور

لگ جائے گا، تب تم افسوس کرو گی۔

[انجن کی سیٹی کی آواز]

● — چھ برس ہوگئے، امی جان کو دیکھے ہوئے، جب سے پاکستان آئی ہوں آج تک گھر جانے کا اتفاق نہیں ہوا

● — کیوں؟

● — تم تو جان کر انجان بنتی ہو، ان کی تنخواہ کتنی ہے ایک سو چالیس روپئے کی اوقات دیکھو اور ہم دو آدمی اور یہ دو بچے، چار آدمی اور کراچی کا خرچ — تھوڑا تھوڑا کرکے اب چھ برس میں اتنا بچا پائی ہوں کہ ہندستان جا سکوں — درخواست دے دی ہے۔ امید ہے اگلے ماہ میں ہم لوگوں کو پرمٹ مل جائے گا۔

[ٹرین کے پٹری بدلنے کی آواز]

★ — نہیں جی ایسا بھی کیا اندھیر ہے — اس مرتبہ تمھیں کام ضرور ملے گا، تم تو ہو بے وقوف، پہلے ہی میرے پاس چلے آئے ہوتے، خیر اب بھی گھبرانے کی بات نہیں، کراچی پہونچتے ہی تمھیں ملازمت دلا دوں گا۔

[گھڑگھڑاہٹ]

● ۲۹ کو تمہارا جہاز جائے گا نا۔

● ہاں ابھی تک تو یہی پروگرام ہے۔

● لندن کے لئے تم نے کون سا راستہ اختیار کیا ہے

● میرا ارادہ ہے کہ اٹلی پہنچ کر جہاز چھوڑ دوں گا، اور فرانس ہوتا ہوا لندن چلا جاؤں گا۔

● کتنے دن وہاں رہنے کا خیال ہے؟

● ڈگری لینے میں جتنے دن لگ جائیں، اس کے بعد پھر ارادہ ہے کہ یورپ کا ایک چکر لگا کر واپس آؤں گا۔

[گھڑگھڑاہٹ]

★ میری بیٹی کراچی میں رہتی ہے، کل اس کے شوہر کا تار آیا کہ اس کی طبیعت بہت خراب ہے۔ میں تار پاکر ایسا گھبرائی کہ اسی وقت چل پڑی، خیر خیریت سے اس سے جا کر ملوں یہی ہر وقت دعا ہے۔

★ پہلے سے کچھ بیمار تھی۔

★ نہیں، مجھے کوئی اطلاع نہیں تھی۔

[فرش پر ایک بکس کے گھسٹنے کی آواز]

● اندھی ہو گیا، پیر زخمی کر دئے۔

● تو میں نے کچھ جان کر تھوڑے ہی کیا ہے

● خوب، تو اتنی بے ہوشی کیوں ہو، دوسرے انسانوں کا بھی تو خیال ہونا چاہیئے۔

● جانے دو بہن جانے دو — کیوں آپ کو کہاں جانا ہے جو ابھی سے سامان درست کرنے لگیں۔

● مجھے اسی اگلے اسٹیشن پر اُترنا ہے۔

[وقفہ — گھڑگھڑاہٹ]

● بیٹھے بیٹھے بور ہو گئے، خدا جانے کراچی

● ... پھر کراچی ہی کراچی ہے۔

[ایک زور کا دھماکہ۔ انجن کی عجیب سیٹی، انجن اور ڈبے کے گرنے کی آواز، چیخ پکار]

● ارے خدا کے لئے مجھے کوئی بچائے، اُف آگ۔

★ خدا کی پناہ، کس بری طرح آگ لگی ہے، تمام ڈبے جل رہے ہیں۔

● یہ ہوا کیسے؟

★ آئل ٹرین سے انجن ٹکرا گیا۔

[ہڈیوں اور لکڑیوں کے چٹخنے کی آواز]

[مدد، مدد کی دردناک آواز — چیخ پکار — دردانگیز آوازیں]

(پس منظر میں ایک بھاری آواز)

سامان سو برس کا ہے پل کی خبر نہیں

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

ترجمہ:۔

اور جب وہ لوگ جالوت اور اس کی فوجوں کا مقابلہ کرنے کے لئے باہر نکلے تو انھوں نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار ہم پر صبر کے دہانے کھول دے، ہمارے قدم جما دے اور منکرین حق کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما

تشریح:۔

عزم و ہمت کیساتھ میدان میں نکلے تھے اس دعا سے ان میں مزید قوت پیدا ہوئی اور اللہ تعالی نے اپنی تائید و اعانت سے سرفراز فرمایا۔

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ

ترجمہ:۔

پس ان لوگوں نے اللہ کے حکم سے ان (معاندین حق) کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا۔ اللہ نے انھیں (حضرت داؤد کو) حکمت و حکومت عطا فرمائی اور (اس کے علاوہ بھی) جو چاہتا تھا اس میں سے انھیں سکھایا۔

تشریح:۔

جنگ شروع ہوئی، ہر چند کہ دشمنوں کی تعداد بے حد تھی، لیکن کوئی دلی عقیدہ اور متحدہ مقصد اُن کے پیش نظر نہ تھا، بادشاہ جالوت کے عادات و اطوار بھی ایسے نہ تھے کہ کسی کو اس سے عقیدت پیدا ہو سکے، رعایا کے ساتھ اس کا سلوک بھی محبت و ہمدردی کے جذبات سے خالی تھا، اس لئے کسی کے دل میں اس کے متعلق بھی ہمدردی نہ تھی، صرف زور و قوت سے ڈر کر لوگ ساتھ تھے۔ سپاہیوں کو نہ بادشاہ کی ذات سے کوئی عقیدت و محبت تھی، نہ کوئی ملی مفاد ان کے پیش نظر تھا، نہ ذاتی فوائد کے حصول کی توقع تھی، صرف ایک جابر بادشاہ کے حکم سے مجبور ہو کر چلے آئے تھے اور بے دلی سے لڑ رہے تھے، اس لئے گو ان کی تعداد زیادہ تھی، لیکن ان کے مقابلہ میں ان تھوڑے سے اسرائیلی سپاہیوں کی معنوی قوت بہت زیادہ تھی، جو ایمانی قوت سے سرشار ہو کر اور ملی مفاد کو پیش نظر رکھ کر میدان میں نکلے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ان مٹھی بھر انسانوں نے دشمنوں کے چھکے چھڑا دئے اور تین چار سو جانبازوں نے دل بادل فوجوں کے پرخچے اڑا دئے۔ حضرت داؤد اس زمانے میں نوجوان تھے، اسرائیلی لشکر میں وہ بھی شریک تھے انھیں سنگ اندازی (گوپھن چلانے) میں کمال حاصل تھا انھوں نے سوچا کہ اگر دشمنوں کے سردار جالوت کا خاتمہ کر دیا جائے تو لڑائی آناً فاناً ختم ہو جائے اور دشمن بھاگ کھڑے ہوں یہ سوچ کر انھوں نے جالوت کی طرف پتھر پھینکا، وہ پتھر کارگر ثابت ہوا چشم زدن میں جالوت تڑپ کر زمین پر گرا اور تھوڑی دیر میں ٹھنڈا ہو گیا، جالوت کے گرتے ہی اس کی فوج کے پیر اکھڑ گئے، اس فتح نے حالات کا رُخ بدل دیا اور وہ اسرائیلی جو چند دن پہلے محکومی و غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے اب حکومت و فرمانبرداری کے تخت پر رونق افروز تھے۔ حضرت داؤد کے اس کارنامے نے انھیں سب کی نظروں میں محبوب بنا دیا۔ جناب طالوت نے بڑی قدر افزائی کی زندگی بھر امور سلطنت ان کے مشورہ سے انجام دیتے رہے۔

(باقی)

TAMEER ❁ LUCKNOW

Regd. No. A-614 — 38, Aminabad Park

اپ کی لائبریری نامکمل ھے اگر اس میں حسب ذیل کتابوں کی کمی ھے

اسان عربی نصاب

اس نصاب کی مدد سے اپ گھر بیٹھے ۶ ماہ میں اپنی عربی پڑھ سکتے ھیں کہ قران وحدیث کو سمجھ سکیں مکمل نصاب کی قیمت 10-3-6 — نصاب کی صرف ۵ ابتدائی کتابیں 2-14-0

نام	قیمت	نام	قیمت
ابن مسعود	-6-	رسول اکرم	0-3-0
زبیر	0-[illegible]-0	نیک بیبیاں	0-6-0
حمزہ	0-4-0	ابوبکر	0-10-0
سعد عبادہ	0-4-0	عمر	0-10-0
ابن جراح	0 4-0	خالد	0-10-0
مصعب	0-4-0	ابوہریرہ	0-5-0
امام بخاری	-6-	ابن عباس	-4-
		طلحہ	0-[illegible]-0
ولی اللہ	-4-6	ابو عمر	0 5-0
قطب الدین	3-	انس	0-4-0
فرید الدین	-4-	اسامہ	0-4-0
نظام الدین	-5-	ابن عوف	-4-
امام ربانی	-4-	سعد وقاص	-4-
بی بی رابعہ	-3-	بلال	0-4-0
امام رازی	-10-	سلمان	0-[illegible]-0

معاشرت وسیاست فقہ

❁ سرمایہ داری و اشتراکیت 0-12-0
❁ راہ جنت 0-10-0
❁ تعلیم الاسلام مکمل 1-3-0
مکتوبات مولانا الیاس 1-8-0
❁ ملفوظات ،، ،، 1-8-
❁ سیرت مولانا الیاس 2-8-0
❁ حکیم الامت مولانا اشرف علی 8-8-0
سیرت سید احمد شہید 4-8
❁ شاھراہ ترقی 0-8-0
❁ اسلامی زندگی 0-4-0
❁ اسلام اور نیشنلزم 0-6-0
❁ نیا نظام تعلیم 0-4-0
❁ اداب معیشت 0-8-0
❁ اسلام اور ضبط ولادت 12-
❁ حسن معاشرت 0-8-0
❁ اسلامی قانون 0-10-0

عورتوں کی کتابیں

خواتین اسلام کی بہادری 0-8-0
خواتین سے اسلام کے مطالبات 0-4-0
دعوت اسلامی میں خواتین کا حصہ 0-4-0
حریمی دسترخوان 2-8-0
حریمی کشیدہ کاری 4-0-0

بچوں کی کتابیں

[illegible] نظمیں 0-5-0
[illegible] کہانیاں 0-3-0
[illegible] 1-0-0
[illegible] 2-1-0

تصانیف مولانا اشرف علی رح

حیات المسلمین مولانا کی ایک شاہکار تالیف) مجلد 1-12-

تعلیم الدین کات تصوف کا خزانہ ضروری احکام کی دلنشیں اور دلنشین تشریح) 1-12

اصلاح الرسوم غیر شرعی رسموں کی اصلاح کے لئے نہایت قیمتی تحفہ مع رسالہ صفائی معاملات) مجلد 1-12

اعمال قرانی (قران کی ایتوں کی خاصیتوں کا مجموعہ و فریب بیان) مجلد 1-4-0

پردہ (اسلامی پردہ پر ایک بہترین کتاب) مجلد 3-8-0

حقوق الزوجین زن و شو کے تعلقات پر ایک سیر حاصل تبصرہ 1-6-0

مرتد کی سزا اسلامی نقطہ نظر سے -12-

خطبات اسان زبان میں اسلام کی تشریح 2-8-0

دینیات ھائی اسکول کے معیار کے دینی مضامین 1-4-0

تنقیحات اسلام اور جاھلی تہذیب کے تصادم سے پیدا شدہ مسائل پر تبصرہ 2-8-0

اساس دین کی تعمیر ایک بہترین کتاب مجلد 2-8-

اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ مجلد 1-12

[illegible] مجموعہ مجلد [illegible]-0-0

[illegible] 2-0-0

لکھنؤ ❁

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

تفسیر

سورۃ البقرۃ

(۹۷)

تشریح:-

اہل حق اور باطل پرستوں کے درمیان جنگ کی سرگزشت اور اللہ کی راہ میں جہاد کا ذکر ہو چکا ہے اب اس کے بعد فلسفہ بیان کیا جا رہا ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ جنگ کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے ۔ فرمایا۔ بات یہ ہے کہ انسان کے اندر شر و فساد کے جذبات بھی پائے جاتے ہیں اور اگر انھیں روکا نہ جائے تو اللہ کی زمین فساد سے بھر جائے، اس لئے ہر فرعون کے مقابلہ کے لئے موسیٰ کی ضرورت ہوتی ہے، باطل پرستوں کی شرارتوں کو دفع کرنا اہل حق کا فرض ہے، جنگ بہت تکلیف دہ ہوتی ہے لیکن ظلم و ستم کو بند کرنے کے لئے ظالموں کو ان کے اس اقتدار سے اُتارنا ضروری ہے اور مفسدوں کو فساد انگیزی سے باز رکھنے کے لئے تخت حکومت سے ہٹانا لازمی ہے، دوا پلاکر اصلاح پذیر اعضا درست کئے جا سکتے ہیں لیکن جسم کے جو حصے فاسد ہو چکے ہیں ان پر عمل جراحی (آپریشن) ناگزیر ہے۔ اسی طرح اہل حق وعظ و پند اور تلقین و تفہیم سے انھیں انسانوں کو راہ راست پر لا سکتے ہیں، جن کے اندر حق پسندی کی روح موجود ہے لیکن جو اشخاص اپنی صلاحیت بالکل ختم کر چکے ہیں اور اصلاح کے بجائے فساد ہی ان کا مشغلہ ہو گیا ہے یا جو لوگ دوسرے کو دبا کر آگے بڑھنے کے عادی ہو چکے ہیں، جن کی نظر میں ظلم و ستم عیب نہیں بلکہ ہنر بن چکا ہے، ایسے لوگوں کی اصلاح وعظ و نصیحت سے ناممکن ہے،

انھیں فساد انگیزی اور ستم رانی سے روکنے کے لئے طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ طاقت آسمان سے نازل نہیں ہوتی ہے بلکہ یہیں زمین پر خود اہل حق کو اپنے اندر یہ صلاحیت پیدا کرنی پڑتی ہے، انھیں عزم و ہمت سے کام لیکر باطل پرستوں کے خلاف صف آرا ہونا پڑتا ہے اور اپنی ساری قوتیں مجتمع کر کے اہل باطل پر ضرب کاری لگانے کے لئے سر سے کفن باندھ کر نکلنا پڑتا ہے۔ جب ان کی طرف سے اس عزم و حوصلہ کا اظہار ہو چکتا ہے تو نصرت الٰہی دستگیری کرتی ہے اور تائید ایزدی پشت پناہی فرماتی ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ باطل کا سارا دم خم ختم ہو جاتا ہے اور حق اپنی بے سر و سامانی کے باوجود فتح و ظفر سے ہمکنار ہوتا ہے۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ

ترجمہ:-

یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنھیں، ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سناتے ہیں اور آپ یقیناً پیغمبروں میں سے ہیں۔

تشریح:-

طالوت و جالوت کے درمیان حق و باطل کا جو معرکہ ہوا تھا، اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے، اس کے بعد فلسفۂ حرب بیان کیا گیا، یہ سب کہہ چکنے کے بعد فرمایا کہ یہ اللہ کی آیتیں ہیں جنھیں ہم آپ کو سنا رہے ہیں اور یہ یقینی بات ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، بظاہر یہ جملہ اوپر کی بیان کردہ تفصیلات سے الگ نظر آتا ہے لیکن ذرا توجہ سے آیات کا مطالعہ کیا جائے اور سیاق و سباق پر نظر ڈالی جائے تو مذکورہ بالا جملہ اوپر کی تفصیلات سے غیر متعلق نہ محسوس ہوگا بلکہ مربوط معلوم ہوگا، پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ آیات

ادارہ تعلیمات اسلام کا ترجمان

ماہوار [illegible] لکھنؤ

۳۰۔ امین آباد۔ پارک

ادارہ تحریر

عبدالسلام قدوائی ندوی • مشیر الحق بحری آبادی

اپریل، مئی، جون ۱۹۵۵ء مطابق شعبان، رمضان، شوال ۱۳۷۴ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ الامین محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

ماہ مبارک

جس وقت یہ پرچہ آپ کے ہاتھ میں پہنچے گا رمضان کا مبارک مہینہ شروع ہو چکا ہوگا، اس مہینہ کو اسلامی تاریخ میں بڑی اہمیت حاصل ہے، اسی مہینہ میں قرآن مجید نازل ہونا شروع ہوا تھا جس کے ذریعہ نوع انسانی کو فلاح وسعادت کا ایسا دستور العمل ملا جس کی آب وتاب رہتی دنیا تک قائم رہے گی اور جس کی رہنمائی میں ہر زمانہ اور ہر دور میں انسانی قافلے زندگی کا سفر امن واطمینان کے ساتھ طے کرتے رہیں گے

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ

هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ

"رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کے لئے باعث ہدایت ہے اور جس میں صحیح رہنمائی اور حق وباطل میں امتیاز کے واضح دلائل ہیں"

یہ مہینہ آتا ہے تو نزول قرآن کی یاد دلوں میں تازہ ہو جاتی ہے اور اسلام کا حیات بخش پیغام اور اس کی قوت تاثیر کا سماں نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے، اگر ذرا سوچئے تو اسلام سے پہلے دنیا کا کیا حال تھا، اور انسانیت جن زبوں حالی میں مبتلا تھی، اس کی المناک داستان تاریخ کے اوراق میں درج ہے

ایک مورخ نے اس عہد کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے

"متمدن دنیا انتشار اور بدنظمی کے کنارے پہنچ چکی تھی پرانی تہذیبیں شکست ہو چکی تھیں اور کوئی ایسی چیز وجود میں نہ ہو سکی تھی جو ان کی جگہ لینے کے قابل ہو، وہ عظیم الشان تمدن جو چار ہزار سال کی مدت میں تعمیر ہوا تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انتشار کے کنارے پہنچ گیا ہے قانون اور نظم کا نام نہ تھا، بربریت اور انسانیت پر ہم [illegible]

تمدن کا تناور درخت بالکل سڑ گیا تھا اور گر رہا تھا، کوئی
ایسی جذبات آفریں تہذیب نظر نہ آتی تھی جو قدیم تہذیب
کی جگہ لے سکتی اور انسانیت کو دوبارہ متحد کر کے تمدن کو
تباہی و بربادی سے بچا لیتی (۱)۔

لیکن اس یاس انگیز فضا میں قرآن مجید امید کی کرن
بن کر چمکا، اس نور سے شب تاریک کی سیاہی کافور ہونے
لگی اور گنتی کے چند برسوں میں آفتاب ہدایت کی ضیاباری
نے سارے عالم کو مطلع انوار بنا دیا۔

رمضان کا مہینہ آتا ہے تو تاریخ کے یہ دونوں دور
نگاہ کے سامنے آجاتے ہیں، اس کے ساتھ وہ عظیم الشان
جدوجہد بھی یاد آتی ہے جو معلم قرآن روحی فداہ اور
ان کے شاگردوں نے اس پیغام ہدایت کے پھیلانے میں کی
تھی، جہالت کے متوالوں نے علم و عرفان کی شمع کو بجھانے
کی کیسی کیسی کوششیں کیں، بھٹکے ہوئے انسانوں نے راہ
ہدایت اختیار کرنے سے کس قدر گریز کیا، لیکن ہادی عالم
اور ان کے متبعین برحق نے ہر مخالفت کو خندہ پیشانی سے
برداشت کیا اور برابر رہبری خلق کی جدوجہد میں سرگرم رہے
بالآخر غفلت کے ماتوں کو ہوش آیا، ان کی آنکھیں کھل گئیں
اور وہ صراط مستقیم پر چلنے لگے۔ انھوں نے [illegible] کے
لئے شاہراہ کھول دی اور گم کردہ راہ انسانیت کو منزل
تک پہنچانے کی ایسی جدوجہد کی کہ تاریخ کا رخ بدل گیا
اور انسانیت ایک جست میں ترقی کے اعلیٰ مدارج تک
پہنچ گئی۔

رمضان ہمیں مطالعہ اور تفکر کی دعوت دیتا ہے،
اس مہینہ میں ہمیں اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہیے پھر
اپنی حالت کا مقابلہ اسلاف کی حالت سے کرنا چاہیے
کہ اس اختلاف کا سبب کیا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور صحابہ کرام ؓ کے
حالات زندگی کا خاص طور سے مطالعہ کرنا چاہیے اس
مطالعہ سے ہمیں معلوم ہوگا کہ قرآن مجید نے فلاح و سعادت
اور خوش بختی و کامگاری کے کیا اصول و ضوابط بتائے
ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے مطالعہ سے
ان اصول پر عمل کا سلیقہ پیدا ہوگا اور صحابہ کرام ؓ کے
حالات سے جدوجہد کا ولولہ دلوں میں موجزن ہوگا۔

رمضان کی روحانی فضا اس مطالعہ کے لئے
بہت سازگار ہے، اگر ان دنوں میں قرآن مجید، سیرت
نبوی اور آثار صحابہؓ کا توجہ کے ساتھ مطالعہ کیا جائے
تو انشاء اللہ تعالیٰ ہماری زندگی پر بہت گہرا اور دیرپا
اثر ہوگا۔

(۱) J. H. DENS.

اعتذار:۔ خلاف دستور اس مرتبہ تعمیر کافی
تاخیر سے نکل رہا ہے، اس کا سبب یہ ہوا کہ ڈاکخانہ
سے رعایتی شرح پر پرچہ بھیجنے کے لئے ہر ماہ کی پہلی
تاریخ ملی ہے، عین انھیں دنوں میں کاتب صاحب کو
ایک غیر معمولی حادثہ پیش آگیا اور ہم بھی کچھ ایسے حالات
میں گھرے رہے کہ وقت پر پرچہ تیار نہ کر سکے، اس کے
بعد دو ہی صورتیں تھیں یا تو ہم ایک آنہ فی پرچہ کے
حساب سے ٹکٹ لگاتے ــــ جس کا مطلب یہ ہوتا
کہ دو مرتبہ میں ڈاک کا آٹھ گنا خرچ بڑھ جاتا، یا پھر
اشاعت کو ملتوی کر دیتے، اصولی صورت پہلی تھی لیکن
عملی دوسری ــــ اور مجبوراً ہمیں دوسری صورت
اختیار کرنی پڑی۔ قارئین تعمیر کو اس سلسلہ میں جو زحمت
انتظار برداشت کرنی پڑی اس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں

آگے کی بات:۔

اگلا پرچہ اس سال کا تیسرا پرچہ ہوگا، اس شمارہ پر
تعمیر کا پانچواں سال پورا ہو گیا، دسمبر کے بعد توفیق الٰہی
نے دستگیری کی تو چھٹی جلد کا آغاز [illegible]

تعمیر کے ہمدردوں سے خصوصیت کے ساتھ درخواست ہو کہ وہ اپنی ہمدردی اور عنایت کا سلسلہ جاری رکھیں سال کا اختتام اور نئے سال کا آغاز رسالوں اور اخباروں کے لئے بہت زیادہ مشکلات اور خطرات سے بھرا ہوتا ہو اس موقع پر ضرورت ہوتی ہے کہ گزشتہ خریدار اپنا حساب بے باق کر دیں، اس وقت تک جو رقم ان کے ذمہ واجب الادا ہو اسے ادا کر دیں اور کارکنان رسالہ کو اجازت دیں کہ آئندہ خریداری کے رجسٹر میں ان کا نام درج کیا جائے، نئے سال کا چندہ بہتر یہ ہے کہ شروع ہی میں منی آرڈر سے بھیج دیں، اس طرح کارکنان تعمیر کو انتظام میں سہولت رہے گی اور خود خریدار بھی وی۔ پی کے زائد مصارف سے بچ جائیں گے۔

بعض احباب تعمیر کے سابق دور کو یاد کرتے ہیں اس بارہ میں ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں اور اب بھی یہی عرض کرتے ہیں کہ ہم تعمیر کو پہلے کی طرح بلکہ اس سے بھی بہتر بنانے کے لئے تیار ہیں بشرطیکہ احباب اس کا حلقۂ اشاعت بڑھانے کی جد و جہد کریں، جہاں تک مضامین کا تعلق ہے ہم یقین دلاتے ہیں کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے کوئی کوتاہی نہیں ہو گی اور بہتر سے بہتر مضامین شائع کریں گے، لیکن طباعت و اشاعت کے مصارف کی فکر احباب کو کرنی ہو گی، یہ کام کچھ زیادہ مشکل نہیں ہے تعمیر کا سابق چندہ جب وہ پندرھویں دن بڑے سائز پر شائع ہوتا تھا چھ روپئے سالانہ تھا جسے اگر روزانہ پر تقسیم کیا جائے تو ایک پیسہ روز کا حساب ہوتا ہو ایک پیسہ روزانہ خرچ کرنا کسی شخص کے لئے دشوار نہیں ہے ایک سگریٹ کے برابر بھی تو نہیں ہے کروڑوں کی آبادی میں ہزار آدمیوں کا نکل آنا کیا بڑی بات ہے زندہ قوموں میں تو لاکھوں اشخاص ایسے مفید کاموں میں تعاون کرتے ہیں، پھر کیا ہماری قوم ایسی گئی گزری ہی ہو کہ ایک

مفید دینی، اصلاحی اور علمی کام کی اعانت کے لئے ہزار اشخاص بھی نہ نکلیں گے، کساد بازاری، بے روزگاری اور پریشان حالی خواہ کتنی ہی شدید ہو ایک پیسہ روزانہ صرف کرنا ہرگز دشوار نہیں ہے، ہمیں یقین ہے کہ ایسے مفید کام کے لئے ہزاروں اشخاص نکل آئیں گے، اگر انھیں اطلاع ہو جائے۔ ہمارے پاس اگر وسیع پیمانہ پر اشتہار و اعلان کے وسائل ہوتے تو چند دن میں ہزاروں نام تعمیر کے رجسٹر میں درج ہو جاتے، اگر ہمارے احباب چند گھنٹے بھی اس کام پر صرف کر دیں تو تعمیر کا حلقۂ اشاعت اتنا وسیع ہو سکتا ہے کہ وہ اطمینان کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے سکے ہمیں اپنے حساس دوستوں اور کرم فرماؤں سے توقع ہے کہ اس بارہ میں ضرور کوشش کریں گے تاکہ اشاعت کی طرف سے مطمئن ہو کر ہم پرچہ کو ظاہری اور معنوی طور پر بہتر سے بہتر بنانے کی فکر کریں۔

سرخ نشان
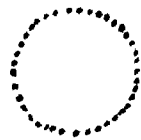
دائرہ میں سرخ نشان اس بات کی علامت ہو کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہو گئی محصولڈاک بڑھ جانے کے باعث وی۔ پی کرنے میں خریدار پر مزید نو آنہ (۹؍) کا بار پڑتا ہے، اس لئے عام وی۔ پی نہیں بھیجا جاتا۔ براہ کرم اپنا سالانہ چندہ روپیہ دعا، بذریعہ منی آرڈر بہت جلد روانہ کر دیجئے، بہت سے حضرات کو ہم مسلسل کئی ماہ سے ختم خریداری کی اطلاع دے رہے ہیں لیکن نہ تو وہ چندہ ہی بھیجتے ہیں اور نہ رسالہ بند کر دینے کی اطلاع کرتے ہیں، کیا یہ مناسب طریقہ ہے اگر کسی وجہ سے آپ خریداری جاری نہیں رکھ سکتے تو ہمیں ایک کارڈ سے مطلع کیجئے۔ خط و کتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

منیجر

عبدالسلام قدوائی ندوی

ہائے مسعود!

●

مولانا مسعود عالم ندوی کی وفات پچھلے مہینے کا ایسا اہم سانحہ ہے جس کا اثر مدتوں علمی اور اسلامی دنیا میں محسوس کیا جائے گا۔ مرحوم اگرچہ بچپن سے دمہ کے مریض تھے لیکن اس مرض کے باوجود انہیں دیکھ کر کسی کو یہ خیال نہیں ہوتا تھا کہ اس قدر جلد وہ دنیا سے اٹھ جائیں گے۔ انتقال سے چند گھنٹے پہلے تک اس کا کوئی گمان نہ تھا کہ وہ تھوڑی دیر کے مہمان ہیں، اچانک یہ خبر سننے میں آئی کہ مسافر کا رختِ سفر بندھ گیا اور عالمِ فانی کا یہ سیاح چشم زدن میں عالمِ جاودانی کے حدود میں داخل ہو گیا۔

راقم الحروف سے مرحوم کے دیرینہ روابط تھے ۱۹۲۸ء میں ان سے پہلی بار ملاقات ہوئی، میں اس زمانہ میں دارالعلوم ندوہ میں زیرِ تعلیم تھا، تعطیلِ کلاں کے بعد مدرسہ کھلا تو جو نئے طلباء داخل ہوئے ان میں ایک مرحوم کی شخصیت بھی تھی۔ اس کی صورت نئی تھی لیکن دل کو کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی، دو چار دن میں تعلقات اتنے بڑھ گئے کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ برسوں کی جان پہچان ہے، خیالات میں ایسا اتفاق تھا کہ کہیں ڈھونڈنے سے بھی اختلاف کا کوئی نشان نظر نہیں آتا تھا، عقائد، افکار، خیالات، تجاویز، طریق کار سب میں پوری ہم آہنگی تھی، درس سے فرصت ہوتی تو خاصہ وقت ان کے ساتھ گزرتا، باتیں ہوتیں، کتابیں پڑھی جاتیں، اخبارات و رسائل کا مطالعہ ہوتا، مضامین سنائے جاتے، پھر اسکیمیں بنائی جاتیں اور اصلاحی تجاویز مرتب ہوتیں۔

اس زمانہ میں ندوہ میں بہت سے ذہین، طباع، شائقینِ علم اور اصلاح پسند طلباء جمع ہو گئے تھے مولانا عبدالرحمٰن نگرامی مرحوم کی پُرتاثیر صحبت نے فکر و خیال پر غیر معمولی اثر ڈالا تھا اور طلباء کے اندر ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا تھا جو اپنے دل میں اصلاح کا غیر معمولی ولولہ رکھتا تھا، اس وقت گو مولانا مرحوم زندہ نہ تھے مگر ان کے خیالات دلوں میں جڑ پکڑ چکے تھے، مسعود آئے تو ان لوگوں کو اس میدان میں ایک نیا ساتھی نظر آیا، اس وقت تک پندرہ طالب علم اصلاحی مقاصد کے لئے ایک جماعت کی شکل میں منظم ہو چکے تھے، مسعود سولھویں شخص تھے جو اس گروہ میں داخل ہوئے، مہینے میں دو بار ان نوجوانوں کا اجتماع کسی جگہ ہوتا تھا، جس میں حالات کا جائزہ لیا جاتا، اصلاحی کوششوں کا ذکر ہوتا اور آئندہ کے لئے لائحہ عمل بنایا جاتا، مسعود مرحوم اس ساری کارروائی میں پیش پیش ہوتے اور پھر جو لائحہ عمل بنتا اسے بروئے کار لانے میں سب کے ساتھ جد و جہد میں مصروف ہو جاتے، زندگی کے ان سنہرے دنوں کی یاد بڑی خوشگوار ہے، تحریکِ خلافت اور ندوہ کے تخیل نے مل جل کر اصلاح اور تنظیمِ ملی کا بڑا دلکش نقشہ نگاہوں کے سامنے کھینچ دیا تھا، الہلال کے داعیانہ مضامین سعی و ہمت کے لئے مہمیز کا کام دیتے تھے۔ تمنا تھی کہ ندوہ ہی ہماری اس سعی کا جولانگاہ ہو اور اس کو مرکز بنا کر جد و جہد شروع کی جائے مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اس زمانہ میں ندوہ کے معتمدِ تعلیم تھے، ان کی خدمت میں ہم لوگ پہلے ہی سے حاضر ہوا کرتے تھے، طالب علمی کے خاتمہ کا وقت قریب آیا تو ایک عریضہ لکھ کر انہیں اپنے مقاصد و خیالات سے اطلاع دی اور رہنمائی کی درخواست کی، مولانا نے اس عریضہ کا بڑا حوصلہ افزا جواب دیا مولانا کا یہ گرامی نامہ محب کرم مولانا سید ... کے

ہے اور ماہنامہ "ریاض" کراچی کے سلیمان نمبر میں شائع کر دیا ہے[1]۔ الغرض حالات بہت امید افزا تھے لیکن کچھ ایسے اتفاقات پیش آ گئے کہ یہ منصوبہ پورے طور پر عمل میں نہ آ سکا اور رفقاء منتشر ہو گئے، بعد کو کچھ احباب جمع ہوئے لیکن ماحول سازگار نہ ہو سکا اور پھر منتشر ہونا پڑا[2]۔ اس انتشار کے بعد کسی ایک مرکز پر جمع ہو کر حسب مرضی کام کا موقع نہ ملا۔ لیکن دین و ملت کی خدمت کا جو جذبہ پیدا ہو گیا تھا وہ بدستور کام کرتا رہا اور جس کو جہاں کام کا میدان مناسب نظر آیا کام میں لگ گیا۔ ندوہ کے بعد مسعود مرحوم پٹنہ چلے گئے اور خدا بخش خاں کی لائبریری میں ملازمت کر لی۔ وہیں جماعت اسلامی کی دعوت سامنے آئی، مقاصد دل کو پسند آئے۔ امیر جماعت مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کو خط لکھا کہ جماعت کے مقاصد دل سے پسند ہیں لیکن اپنی علالت کی وجہ سے شرکت کی ہمت نہیں ہوتی۔ جواب آیا کیا مسلمان بیمار نہیں ہوتا یا بیمار مسلمان نہیں ہوتا ہے، اس جواب کے بعد جو تھوڑا سا تذبذب باقی تھا وہ بھی جاتا رہا! اور پورے طور پر جماعت میں شریک ہو گئے، کچھ دنوں کے بعد ملازمت کو خیرباد کہہ کر پورے انہماک سے جماعت کے کام میں لگ گئے۔ اس زمانہ میں دارالاسلام جمال پور پٹھان کوٹ پنجاب جو جماعت کا مرکز تھا، مسعود نے کچھ دنوں وہیں قیام کیا۔ اس کے بعد آپ دعوت کے لحاظ سے اور کام میں سہولت کے پیش نظر جالندھر میں اقامت اختیار کی۔ ۱۹۴۲ء سے تقسیم ہند تک وہیں قیام رہا، اس کے بعد لاہور، پھر راولپنڈی میں مستقل طور پر رہنے لگے، جماعت کی طرف سے عربی زبان میں نشر و اشاعت کی خدمت سپرد تھی، اس سلسلہ میں دیار عرب کی سیاحت بھی کی، جس کی روداد سفرنامہ کی صورت میں موجود ہے۔

(باقی صفحہ ... کالم ...)

(۱) اس خط پر جو تاریخ غلط شائع ہوئی ہے صحیح تاریخ ۲۲۔ اپریل ۱۹۳۷ء ہے۔

(۲) ... انتشار کے وجوہ و اسباب کے بیان کا موقع نہیں ہے۔

★ شبنم سبحانی

مسعود عالم

مرحوم ندوی

●

اُٹھایا دستِ شفقت کس نے شبنم
نگاہیں ہو گئیں کیوں آج پُر نم

خبر بادِ سحر مغرب سے لائی
زمانہ کھو چکا "مسعود عالم"

عجم میں رہ کے تھا انداز عربی
لبِ گنگا پہ تھا جو چاہِ زمزم

وہ رہ جس پر تلاشِ صبح تھی آج
وہ تھا اُس راہ کا سالارِ اعظم

نہیں باقی ہیں اب اُس کے سہارے
قدم لرزاں نہ ہوں یا رب ہمارے

★ معین الدین سیف اللہ بی۔ اے بیا

اسلام کا سیاسی نظام

●

اسلام دنیا کے سیاسی ماحول میں ایک قوی الاثر واقعہ کی حیثیت سے علی الاعلان ظاہر ہوا ۔" ایک الہام تھا، جو انسانی فطرت کے مقدس رجحان کی شکل میں نازل ہوا اور انسانوں کے پاکیزہ ضمیر تک پہونچ کر از سر نو خدا کی امانت بنا"۔ یہ اجتماعی اعتبار سے سر بسر حیرت انگیز ہے۔ اس کو عقیدہ اور عمل اصول و حکمت علی، سیاست و حکومت، مذہب و سلطنت کے مکمل اتحاد کا معجزہ کہا جاتا ہے اسلام نے اپنی دینی تنظیم کے ساتھ ساتھ ایک دنیاوی نظام کو بھی جنم دیا، اس نے اپنے ظہور کے بعد ایک ایسی امت کی تشکیل کی جس کا کام ساری قوموں کو ایک کر کے انسانیت عامہ کے عقیدہ پر جمع کرنا اور روئے دنیا جہاں کی واحد حکومت قائم کرنا تھا، اس کے ظہور کے چند برسوں کے اندر دنیا کے تمام پرانے نظام ٹوٹ گئے اور [illegible]

کی بدولت دنیا بدل گئی، ایک بڑی اور بے مثال تبدیلی رونما ہوئی جس نے [illegible] کے تصورات اور زمانے کے خیالات و حرص کی تعلیمات نے سالہا سال کی [illegible] دشمنوں کو ختم کر دیا۔ ساری عمر کے دشمن دوست ہو گئے صدیوں کے جنگجو قبائل ایک امت بن گئے آپس میں قتل و قتال کرنے والے ایک دوسرے کی جان اور عزت کے محافظ بن گئے، تمام اچھائیوں کی حکومت قائم ہو گئی اور برائیوں کی عمارت اپنی بنیاد پر بیٹھ گئی" [illegible] دنیا میں سب سے بڑے تھے، سب اچھے ہو گئے [illegible] کاموں کے لئے مشہور تھے ان کے سارے کام اچھے ہونے لگے، ساری دنیا میں ایک ایسا انقلاب آیا کہ اس سے بہتر انقلاب نہ اب تک تاریخ نے دیکھا ہے اور نہ دیکھے گی ۔

دنیا میں وہی حکومت سب سے اچھی ہو سکتی ہے جو سب سے زیادہ انسانوں کی بہتری کا کام انجام دے اور جس کا مدار ایسے پسندیدہ اصولوں پر ہو جو انسانی فطرت اور قدرت کے ابدی قوانین سے مطابقت رکھتی ہو۔ جس کے اصولوں اور سیاسی اعمال میں عدل و اعتدال اور یکسانیت ہو۔ سوائے اسلام کے آج تک کسی مذہب، کسی سوسائٹی اور کسی قوم نے اس قسم کی حکومت کے قیام کے متعلق دعویٰ نہیں کیا۔

اسلام کا نظام حکومت سیاسی دنیا کیلئے ناموس اکبر ہے۔ ساکھت کی جان ہے، اس حکومت کا ماخذ خدا کا آخری قانون ہے جو تمام برائیوں کا خاتمہ کرتا ہے اور تمام بھلائیوں کا حکم دیتا ہے جو انسان کامل کو خدا کا نائب بناتا ہے اور انسانوں کو انسانیت عامہ کی فلاح و بہتری کے لئے اپنے سایہ میں بلاتا ہے، رضی عامہ کو سیاسی اقتدار کے لئے فیصلہ کن قوت قرار دیتا ہے۔ اور خدا کی دنیا کو ہزاروں وطنوں کی جگہ انسانیت کا وطن اکبر بناتا ہے"۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۷)

اب پھر دوبارہ بیا حسے کا ارادہ تھا، تقریباً انتظام مکمل ہو چکا تھا اور عنقریب رونما ہونے والی تھی کہ اچانک سفر آخرت پیش آگیا اور مرحوم اپنے خالق کے حضور میں جا پہنچے امید ہے کہ جس آقا کے نام کی سربلندی کے لئے وہ زندگی بھر تڑپتے رہے اور جس کے کام کو پھیلانے کے لئے وہ دل و جان سے کوشاں رہے اور وہ اس سعی و کوشش کا پورا صلہ عطا فرمائے گا اور انھیں اپنی بے پایاں رحمتوں اور لازوال نعمتوں سے سرفراز فرمائے گا۔

تعلیماتِ قرآنی

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ (پ ۸، ع ۷)

آپ کہہ دیجئے کہ آؤ میں تمھیں وہ چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے وہ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ کے ساتھ احسان کیا کرو اور اپنی اولاد کو افلاس کے سبب قتل مت کیا کرو۔ ہم ان کو اور تم کو رزق دیں گے اور بے حیائی کے جتنے طریقے ہیں ان کے قریب بھی مت جاؤ، خواہ وہ علانیہ ہوں یا پوشیدہ اور جس کا خون کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اس کو قتل مت کرو ہاں مگر حق پر۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ (پ ۳۔ ع ۳)

اے ایمان والو تم احسان جتلا کر یا ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کو برباد مت کرو جس طرح وہ شخص جو اپنا مال خرچ کرتا ہے لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَــيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْھَآ اَوْ رُدُّوْھَا (پ ۵۔ ع ۸)

اور جب تم کو کوئی سلام کرے تو اس سے اچھے الفاظ میں سلام کرو یا ویسے ہی الفاظ کہہ دیا کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا كَثِيْرًا مِّنَ الظَّنِّ ۡ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ (پ ۲۶۔ ع ۱۴)

اے ایمان والو بہت سے گمانوں سے بچا کرو کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں اور سراغ مت لگاؤ اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو۔

اللہ تبارک تعالیٰ نے اسلام کی صورت میں ایک ایسا مستقل ناقابل تغیر و تبدل دستور انسان کو عطا کیا ہے جو اس کی روح کی آزادی کو سلب اور عقل کی فکر کو معطل نہیں کرتا بلکہ اس کے لئے ایک صاف واضح اور سیدھا راستہ متعین کرتا ہے تاکہ وہ اپنی جہالت اور کمزوری کے سبب تباہی کی بھول بھلیوں میں بھٹک نہ جائے اور اس کی قوتیں غلط راستوں پر ضائع نہ ہو جائیں۔ خدا کا مقرر کیا ہوا دستور حکومت ناقابل تغیر و تبدل ہے۔ یہ قیامت تک کے لئے اٹل ہے۔

اسلامی حکومت کا زمانہ اپنے صحیح و سچے آثار کے لحاظ سے دو حصوں میں منقسم ہے، تاریخی و [illegible] کے اعتبار سے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کا عہد دور اول ہے، اور حضرت عثمان غنیؓ و حضرت علیؓ کا عہد دور ثانی ہے، دونوں دور بابرکت دور ہیں اور ہر ایک کی جدا جدا اہمیت ہے لیکن پہلا دور اپنا [illegible] زندگی [illegible] محاسن اور [illegible] کے [illegible] اتفاق کے [illegible]

زیادہ مکمل، زیادہ معیاری اور مثالی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے ہاتھ میں زمام حکومت لینے کے بعد سلطنت اسلامیہ کو چار چاند لگا دیئے، انھوں نے سیاسی حکمت عملی کا ایک ایسا نقشہ پیش کر دکھایا جس نے ساری دنیا سے خراج تحسین حاصل کیا اور دونوں نے ہمیشہ کے لئے یہ ثابت کر دیا کہ اسلامی حکومت ایک ریاست عامہ ہے، یہ عوام کی تنظیم ہے اور عوام کا حق ہے یہی وہ عہد زریں تھا جس میں اسلام کی حکمرانی کے قوانین حاکمیت کے اصول اور حکومت کی طرز سے دنیا کو مکمل تعارف حاصل ہوا اور حکومت کا وہ پودا جو عصر آدم میں زمین پر قائم کیا گیا تھا اس نے تجربات سے پورے طور پر نشو و نما حاصل کرنے کے بعد ایک پر ثمر اور بار آور درخت کی صورت اختیار کر لی اور حکومت و سلطنت کا تصور ترقی کرتے کرتے درجۂ کمال کو پہنچ گیا۔

پرانی دنیا کے مرکز سے ایک ایسی قوم کا ظہور ہوا جو تمام قوموں اور حکومتوں کے مقابلہ میں بے مثال تھی۔ ایک عالمگیر نظام حکومت نے ایک ایسی عالمگیر قوم کو پیدا کیا، جس نے پنولین کے قول کے مطابق "نصف صدی میں نصف دنیا کو فتح کر لیا اور ایک ایسی حکومت قائم کی جس کے اصول و عمل میں مکمل مطابقت تھی"

چونکہ اخلاق و اعمال کے اعتبار سے اسلام کو اسی زمانہ میں مکمل طور سے ظاہر ہونے اور اپنے طرز حکومت کو ظاہر کرنے کا موقع ملا، اس لئے اسکو بجا طور پر اسلامی حکومت کا دور کہا جا سکتا ہے۔

اسلامی حکومت کی عام حقیقت کا پہلا درجہ یہ ہے کہ وہ خدا کی بالادست حکومت ہے، اس کا سرچشمہ پیغام ہے اور اس کی حقیقت خدا کے حکم میں مرکوز ہے اسلامی حکومت دوسرے درجہ میں خلافت ہے جو حکومت در حکومت کے اصول پر اپنے حقیقی اقتدار کو ظاہر کرتی ہو اس میں صحیح رہنمائی کو زبردست دخل ہے۔

اسلامی حکومت و سلطنت میں سب سے پہلی ہستی فرمانروائے اعلیٰ یعنی خدا تعالیٰ ہے۔ یہ ہستی اعتقاد کا مرکز، اعمال کا محور، ضابطہ و دستور کا سرچشمہ، سیاست و سلطنت کا مبدأ، عاملانہ تدبر، حکیمانہ انصافات اور حاکمانہ تشکیلات کا مرجع اولیٰ ہے۔ اسلامی حکومت اپنے تنظیمی دائرہ میں ریاست عامہ کی حیثیت رکھتی ہے، اس کا تعلق عام بندگان خدا سے ہے عوام کے دینی مفاد اور دنیاوی مصلحتوں کو اچھے طرز پر پورا کرنا، عوام کی حکومت کو بہتر سے بہتر طریقہ پر چلانا، اور اس کام میں حکومت بالادست کی بالادستی کا خیال رکھنا اس حکومت کا فرض ہے۔

اسلامی حکومت کی حکمت عملی ایک مکمل بلند و برتر تحریری مجموعۂ قوانین یعنی قرآن حکیم کی پابند ہے انسانی حقوق کے درمیان فیصلہ کرنا اور ریاست و سلطنت کے ربانی مطمح نظر کو نافذ کرنا اسکی ذمہ داری ہے۔

اسلامی حکومت کی غائت خدا کے حکم سے حکمرانی انسانوں کی اجتماعی تنظیم ہے، جس کی قوت سے انسانیت عامہ کی بہتری کا کام پایۂ تکمیل تک پہنچ سکے، اس غائت کے ماتحت ایک بہترین فرد، بہترین افراد کو ایک مرکز پر جمع کرتا ہے۔ بہترین افراد بہترین اجتماع کو عالم وجود میں لاتے ہیں اور بہترین اجتماع ایک بہترین حکومت کو جو انسانی زندگی کے دائرہ تنظیم میں خداوند تعالیٰ اور اس کے قانونی نمائندوں کے ہوتے ہوئے حاکمانہ واجبات کو پورا کرتا ہے۔

اسلامی حکومت میں خلیفہ یا صدر کا تقرر کسی ایک قانونی اصول یا سیاسی حکم کا پابند نہیں ہے، اس کا تقرر ایک عام انتخابی مہم ہے، جس کے لئے چند قانونی اصول اور ایک سے زیادہ صورتیں اور شرطیں معین ہیں جن میں ہر اصول، ہر شرط، ہر صورت اور ہر قانون [illegible]

تحفظ کے بعد مرضی عامہ، رائے عامہ اور اجماع امت کے تابع ہو جس میں شخصیت، خاندانی وراثت اور شہنشاہیت کو کوئی دخل نہیں ہے۔

اسلامی حکومت ایک سرتاپا مذہبی حکومت ہے اور مذہب اسلام کے مکمل، اٹل اور اساسی قانون کی پابند ہے، اس میں مذہب کا تعلق، زندگی کے تمام سیاسی، معاشی، اخلاقی اور تمدنی شعبوں سے ہے۔

اسلامی حکومت اختیار کا سرچشمہ خدا کو قرار دیتی ہے اور اس کی اصل شوریٰ یعنی استصواب رائے عامہ ہے اسلامی حکومت ہی وہ پہلا ادارہ ہے جس نے دنیا میں پہلی دفعہ شاہی کو ختم کرکے استصواب رائے عامہ کا اصول جاری کیا اور بادشاہ کی جگہ عوام کے منتخب کردہ امام یا قائد کو حکومت عطا کی، اسلامی حکومت قومیت پر مبنی ہو نہ بین الاقوامیت پر، بلکہ ابتدا سے انسان اور عمومیت پر مبنی ہے، اسلام ایک مذہب ہے اور اسلامی حکومت ایک مذہبی نظام، جو مذہب کے فطری قوانین کو، انصاف کی بہتری کے لئے اصل قرار دیتا ہے،

اسلامی حکومت کا مقصد خدائے واحد کے نام پر ساری دنیا کو فتح کرکے ایک نظام میں لانا ہے، وہ سرمایہ داری و سرمایہ اندوزی کے خلاف ہے۔ وہ اپنے خاص طریقوں سے جمع شدہ سرمایہ کی مناسب تقسیم کرتی ہے۔ وہ ان لوگوں سے روپیہ لیتی ہے جن کے پاس بہت کچھ ہے اور ان کو دیتی ہے جن کے پاس کچھ نہیں، وہ محدود شخصی ملکیت کو جائز سمجھتی ہے اور مناسب حد تک راس المال رکھنے کی اجازت دیتی ہے

اسلامی حکومت میں امت کا ہر فرد حکومت کی ذمہ داریوں میں براہ راست شریک ہے۔ ہر شخص شوریٰ کی مجلس میں بذات خود پہنچ کر ارکان حکومت کے سامنے اپنی رائے پیش کر سکتا ہے، خلیفہ تمام دنیاوی اختیارات کا مالک ہوتا ہے اور اس کے حکم سے ادھر کی دنیا ادھر ہو سکتی ہو لیکن اس کا ہر حکم و فیصلہ قانون اسلام کے مطابق ہونا چاہئے جمہور کے لئے اسکی اطاعت ضروری ہے، وہ امت کا سب سے بڑا رہنما اور سب سے اعلیٰ ماہر قانون فرد ہوتا ہے اور تازندگی خلیفہ رہتا ہے صرف دو شرطوں کے ساتھ، اللہ کے قانون پر عمل کرتا رہے اور خدا کے فرمانبردار عوام کی مرضی اسکی حامی ہو۔

اسلامی حکومت میں آزادی کا درجہ قانون کے حد تک ہے اور قانون اللہ کی کتاب ہے۔ اسلامی حکومت ایک مکمل تحریری قانون کی پابند ہے جو اٹل ہے۔ اس میں زمین کی تمام پیداوار تمام انسانوں کی ملک ہے۔ شخصی ملک ایک اختیاری امانت ہے جس پر وقتی نزع کے لئے قبضہ کر لینے کا ملک قرار دیا گیا ہے، ورنہ ہر انسان اپنی ضرورت کے مطابق مالک، باقی بحد امانت ہے۔

اسلامی حکومت میں ضمیر و عقیدہ آزاد ہے۔ اسلام اپنی روحانی قوتوں سے دنیا کے ضمیر کو فتح کرتا ہے اور تلوار کو میان میں رکھتا ہے، جب جنگجو قومیں اور سازشی طاقتیں اپنے مرکز میں سازشیں کرتی ہیں تو قانون جہاد سامنے آجاتا ہے اور ان طاقتوں کو جارحانہ حملہ کرکے ان کی سرحدوں کے اندر شکست دیتا ہے۔

★ عبدالسلام قدوائی ندوی

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

●

اس درمیان بعض تاریخی واقعات کی تحقیق کے لئے مآثر عالمگیری کے مطالعہ کا اتفاق ہوا۔ اس میں عالمگیری غربا نوازی کا ایک عجیب پُر اثر واقعہ نظر سے گزرا۔ جی چاہا کہ قارئین تعمیر کو بھی یہ واقعہ سنایا جائے اس لئے درج اشاعت کیا جا رہا ہے۔

یہ واقعہ عالمگیر کے عہد حکومت کے سترھویں سال پیش آیا تھا، اس زمانہ میں صوبہ سرحد میں بعض قبائل کی بغاوت و سرکشی کے انسداد کی غرض سے بادشاہ پشاور کی سمت جا رہے تھے، حسن ابدال نامی مقام کی یہ سرگزشت ہے۔ مؤرخ محمد ساقی مستعد خاں مصنف مآثر عالمگیری کا بیان ہے کہ:۔

جہاں پناہ کو باغ حسن ابدال میں قیام فرمائے ہوئے دو تین روز گزرے تھے کہ ملازمین نے مجھ سے آکر بیان کیا کہ دولت خانہ شاہی کے زیر دیوار ایک ضعیفہ رہتی ہے، اس بڑھیا کے پاس ایک پانی کی چکی ہے جو اسکا ذریعہ معاش ہے، چکی اس پانی سے چلتی ہے جو باغ سے نکل کر نالے میں گرتا ہے۔ شاہی قیام گاہ کے قرب کی وجہ سے اہل نظارت کے ملازمین نے پانی بند کر دیا ہے جس کی وجہ سے چکی کا چلنا بند ہوگیا ہے۔ ہم سپاہی آٹا نہ ملنے سے پریشان ہیں اور غریب بوڑھیا کی روزی کا دروازہ بند ہوگیا ہے۔

راقم الحروف (مستعد خاں مصنف مآثر عالمگیری) نے یہ واقعہ خان والاشان بختاور خاں (میر سامان) سے بیان کیا۔ خان موصوف جب بارگاہ شاہی میں حاضر ہوئے تو انھوں نے سارا قصہ جہاں پناہ سے عرض کیا، حالات سن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ فوراً پانی کی گزرگاہ کھول دی جائے اور تاکید کر دی جائے کہ کوئی شخص اس ضعیفہ کی روزی میں خلل انداز نہ ہو۔

شاہی حکم کی فوراً تعمیل کی گئی، جب جہاں پناہ خاصہ تناول فرمانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھے تو دو قاب طعام اور پانچ اشرفیاں اس ضعیفہ کے پاس بھجوانے کا حکم دیا۔ بختاور خاں کو حکم ہوا کہ ہمارا یہ ہدیہ اس عورت کے پاس پہنچا دو اور اس سے کہو کہ تم ہماری ہمسایہ ہو، ہمارے یہاں کے قیام سے جو تکلیف تم کو پہنچی ہے اس کو معاف کرو۔ ضعیفہ کا مکان وہاں سے کسی قدر فاصلہ پر دوسرے ٹیلہ پر تھا، بختاور خاں یہ تحفہ لے کر آدھی رات کے وقت بڑھیا کے مکان پر پہنچے، وہ اس وقت سو چکی تھی، جگا کر بادشاہ کا تحفہ اور پیغام اس تک پہنچایا۔

دوسرے روز جہاں پناہ نے دربار خاں ناظر کو حکم دیا کہ پالکی روانہ کرکے اس ضعیفہ کو محل میں لے آؤ۔ اس غریب عورت نے کبھی عمر بھر نہ پالکی پالکی کا نام بھی سنا تھا۔ بہرحال وہ محل میں آئی، جب جہاں پناہ کے سامنے حاضر ہوئی تو شاہ غریب نواز نے اس کا حال دریافت کیا اس نے عرض کیا کہ میری دو لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں، لڑکیوں کی اب تک شادی نہیں ہوئی ہے اور لڑکوں کو ٹھیک سے کھانا میسر نہیں آتا۔ قبلۂ عالم نے ضعیفہ کو دو سو روپے مرحمت فرمائے، بوڑھیا دو دن محل میں مقیم رہی، اہل حرم نے اس کو بہت کچھ مزید نقد، زیور اور لباس عنایت کیا۔ اس بوڑھیا نے کسی سے سنا کہ جہاں پناہ تک اسکی سرگزشت میرے واسطے سے پہنچی ہے اس لئے محل سے رخصت ہو کر میرے پاس شکریہ کے لئے آئی اور کہا مجھ کو تعجب ہے کہ میری

خیمہ کے سامنے ایک لق پوش ضعیفہ باوقار انداز سے کھڑی ہے اسکے پاؤں میں کمخواب کی جوتیاں ہیں اور سارا جسم زیور سے لدا ہوا ہے اور دامن اشرفیوں سے بھرا ہوا ہے، میں نے دریافت کیا تو کون ہے، اس نے جواب دیا کہ میں وہی ضعیفہ ہوں جو آپ کی اور آپ کے خان کی بدولت اس مرتبہ کو پہنچی، میں اس کو بختاور خاں کے پاس لے گیا، خان مذکور نے بھی اس کے ساتھ بہت کچھ سلوک کیا دو تین روز کے بعد قبلۂ عالم نے ناظر کو دوبارہ حکم دیا کہ ضعیفہ کو اور اسکی لڑکیوں کو محل میں لائے۔ قبلۂ عالم نے اس مرتبہ دو ہزار روپے لڑکیوں کی شادی کیلئے مزید مرحمت فرمائے، اہل محل نے دو چند نقد و زیور اور لباس اسے اور اس کی لڑکیوں کو عطا کئے، جہاں پناہ نے اس کو ایک مزید حکم مرحمت فرمائی اور ناظر کو حکم دیا کہ معافی محصول کی سند دفتر عالی سے لکھ کر بڑھیا کے پاس بھیجدے۔

جہاں پناہ کے حکم سے شاہی طبیب اس ضعیفہ کی آنکھوں کا علاج کرنے اس کے مکان پر جانے لگا اسکی توجہ سے اس کی بے نور آنکھوں میں پھر روشنی آگئی، کمزوری دور ہوگئی، چہرہ کی جھریاں جاتی رہیں اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ بڑھیا دوبارہ جوان ہوگئی ہو شاہزادوں نے بھی بہت کچھ عطا فرمایا، اس ضعیفہ کا شوہر بھی چاق و چوبند ہوگیا اور سارے موضع کا چودھری اور مکھیا قرار پایا، ضعیفہ نے اپنی لڑکیوں کا اچھی جگہ سے نکاح کیا اور اس کے لڑکے جو کبھی در بدر مارے مارے پھرتے تھے اب مرتبۂ مکمل پہنچ گئے

الغرض شاہ غریب نواز کی فکر عنایت نے بیر زال بوریہ نشین کو سر دفتر شادکام کردیا۔

★ صبا جائسی

غزل

جمالِ رُخ تصور سے بھی میرے دور ہے ساقی
متاعِ زندگانی اب دلِ رنجور ہے ساقی

یہ شاہیں ہے اسے کوئی مقید کر نہیں سکتا
ہر اک کی دسترس سے مردِ مومن دور ہے ساقی

دلِ محزوں نے پایا ہی نہیں جذبِ طلب شاید
جنوں سے کہہ رہا ہے میری منزل دور ہے ساقی

کوئی کب تک دبا سکتا ہے اپنے جوشِ ایماں کو
ترا دیوانہ سرکش ہے مگر مجبور ہے ساقی

سرِ دار و رسن بھی سن لو ہم سے نعرۂ حق کو
ہمیں سے تازہ اب تک سنتِ منصور ہے ساقی

نہیں ممکن صبا ماتم کرے چاک گریباں پر
نشاطِ غم کو پا کر بھی کوئی مجبور ہے ساقی

قاضی محمد زاہد الحسینی

غیروں سے مفید علوم حاصل کرنا

اسلام ایک ایسا تعصب اور بغض و حسد سے پاک مذہب ہے جس کے پیغمبر کو قرآن کریم نے نور مبین اور انجیل نے روشنی سے تعبیر فرمایا ہے اسی واسطے اس نے اپنے پرستاروں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کامل سے سرفراز فرمایا ہے
اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (بقرہ)

"اللہ ایمان لانے والوں کا معاون ہے ان کو تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے۔"

اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے کہ جس نے سب سے پہلے علم حاصل کرنے کا حکم دیا، قرآن کریم کا سب سے اولین حکم جو نازل ہوا وہ اِقْرَأْ ہے جس کے معنی تو پڑھ۔ اسلئے کہا جاتا ہے کہ مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ:۔

اطلبوا العلم ولو کان بالصین = تم علم حاصل کرو اگرچہ وہ علم چین جیسے دور دراز اور غیر مسلم ملک ہی میں کیوں نہ ہو۔

مندرجہ ذیل ہدایات واضح طریقہ پر معلوم ہو سکتی ہیں۔

(۱) علم کا طلب کرنا ضروری ہے خواہ اس کے لئے چین جیسے دور دراز ملک کا سفر کیوں نہ کرنا پڑے، ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں چین کا سفر بہت ہی دشوار تھا۔

(۲) علم سے مراد صرف علوم دین ہی نہیں بلکہ مسلمان جسے کائنات کی اصلاح کرنی ہے، ظلم و ستم مٹا کر عدل و انصاف کی حکومت کرنی ہے، اس کے لئے ان تمام علوم کا حاصل کرنا ضروری اور لازمی ہے جن کا تعلق انسانی معاشرہ کے کسی شعبے سے ہو، چین زمانہ بعثت نبوی میں اسلام سے ناآشنا تھا اور بعد میں بھی اگرچہ وہاں اسلام کی روشنی پہونچی مگر آج تک چین کو دینی علوم کی اشاعت میں کوئی خاص مقام حاصل نہ ہو سکا، البتہ علوم، آرٹ اور نقاشی میں چین اس وقت ایک خاص مرکز کا مقام رکھتا تھا اور آج تک ہے۔

(۳) چین میں غیر مسلموں کی آبادی تھی، وہ اسلام کے نام و نشان سے ناواقف تھے اور اب تک بھی وہاں کسی وقت بھی اسلامی سلطنت قائم نہ ہو سکی اس لئے اس سے یہ بات پوری طور پر واضح ہے کہ حصول علوم و فنون میں مذہب کا کوئی دخل نہیں ہے، دینی علوم میں عدالت، ثقاہت وغیرہ امور شرط ہیں مگر دنیاوی علوم آپ غیروں سے حاصل کرنے میں مختار ہیں بلکہ آپ پر لازم ہے کہ جہاں کہیں بھی علم و حکمت کے موتی دیکھیں ان کو جمع کر لیں بلکہ دوسری اقوام سے زیادہ آپ کا حق ہے اس لئے کہ امامت آپ کا فریضہ ہے
کلمۃ الحکمۃ ضالۃ المؤمن حیث وجدھا فھو احق بھا (الحدیث)

نور و دانش کا ایک کلمہ بھی مومن کی گم شدہ چیز ہے وہ جہاں پائے سب قوموں سے زیادہ مستحق وہی ہے۔
اس لئے قرآن کریم کے حصول علم میں آپ نہ صرف غیر مسلم کا خیال نہ کریں بلکہ اگر کسی غیر انسان سے بھی آپکو کوئی سبق مل سکتا ہے تو اس سے حاصل کریں اور اسکی راہ نمائی میں مدارج طے کریں مثلاً

(۱) آدم علیہ السلام کے بیٹے قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا مگر قتل کے بعد اس کی لاش کو نہ سنبھال سکا۔ پہلا قتل ہونے کی وجہ سے اسکے سامنے کوئی راہ عمل موجود نہ تھی، اللہ تعالیٰ نے اسکی راہ نمائی کیلئے کوے کو بھیجدیا جس کے طرز عمل کو دیکھ کر

انمول موتی

★ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل عمل ابن آدم یضاعف له الحسنة عشر امثالها الی سبع مائة ضعف قال اللہ عز وجل الا الصوم فانه لی وانا اجزی به یدع شھوته وطعامه من اجلی للصائم فرحتان فرحة عند فطرہ وفرحة عند لقاء ربه ولخلوف فیه اطیب عند اللہ من ریح المسک۔۔۔

(مسلم)

• ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ اللہ عز وجل نے فرمایا ہے ابن آدم کے ہر نیک کام کا اجر اس کا دس گنا دیا جائے گا (اور بحسب خلوص و نیت) سات سو گنا تک دیا جائے گا۔ سوا روزہ کے، پس بیشک اس نے روزہ میرے لئے رکھا، میں خود اس کا بدلہ دوں گا اپنی خواہش کو اور کھانے کو محض میرے حکم کی خاطر چھوڑا، روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں، ایک خوشی تو اس کو افطار کے وقت ہوتی ہے اور ایک خوشی اپنے رب سے ملنے کے وقت ہو گی اور روزہ دار کے منھ کی بو اللہ کو بوئے مشک سے بھی زیادہ پسند ہے۔ (مسلم)

★ عن ابی ھریرۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس للہ حاجة فی ان یدع طعامه وشرابه۔

(بخاری)

• ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جھوٹ بولنے کو اور جھوٹ کام (غلط نا جائز کام) کرنے کو نہ چھوڑے تو اللہ کو اس بات کی ضرورت نہیں ہے کہ کوئی شخص اپنا کھانا پینا چھوڑ دے یعنی ایسے شخص کو روزے سے سوائے بھوک اور تکلیف کے کچھ نہیں ملتا۔

قابیل نے لاش سنبھالنے کی راہ پائی۔ قرآن کریم نے اس کو تفصیل فرمایا ہے:۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ الآیات۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا کہ وہ زمین کھودتا تھا تاکہ وہ اس کو بھائی کی لاش چھپانے کا طریقہ بتلا دے کہنے لگا افسوس میری حالت پر۔ کیا میں اس سے بھی گیا گزرا کہ اس کوے کے برابر ہی ہوتا اور اپنے بھائی کی لاش کو چھپا دیتا سو بڑا شرمندہ ہوا (المائدہ)

(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام کو پرند چرند سب پر حکومت حاصل تھی، ایک دن آپ نے ہُدہُد کو موجود نہ پاکر اس کے متعلق غصے کا اظہار کیا جب وہ حاضر ہوا تو اس نے آپ کو ملکہ سبا کے حالات سے اطلاع دی جس کے پورے ملک کو حضرت سلیمان نے فتح کر لیا اور ملکہ سبا خود بھی مسلمان ہو گئی۔ یہ ساری فتح ہُدہُد کی اطلاع پر تھی اگر آپ اس کا اعتبار نہ کرتے تو یہ شاندار فتح حاصل نہ ہوتی، قرآن کریم میں یہ واقعہ مفصل موجود ہے

(۲) وَتَفَقَّدَ الطَّيْرَ الآیات۔

حضرت سلیمان نے پرندوں کی حاضری لی تو ہُدہُد کو نہ دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ کیا بات ہے کہ میں ہُدہُد کو نہیں دیکھتا کیا کہیں غائب ہو گیا ہے میں اس کو سخت سزا دوں گا یا اس کو ذبح کر دوں گا یا وہ کوئی صاف حجت میرے سامنے پیش کرے [illegible]

وہ آگیا اور کہنے لگا، میں ایسی بات معلوم کرکے آیا ہوں جو آپ کو معلوم نہیں ہوئی۔ میں آپ کے پاس قبیلۂ سبا کی ایک تحقیقی خبر لایا ہوں۔ میں نے ایک عورت کو دیکھا کہ وہاں پر بادشاہی کر رہی ہے اور اس کو ہر ایک ضروری سامان حاصل ہے اور اس کے پاس ایک بڑا تخت ہے۔ (النمل)

حضرت سلیمان نے اس کی تحقیق کی، درست ہونے پر بلقیس کو دعوت الی اللہ دی اور اس کے دنیاوی جاہ و جلال کے مقابلہ میں اپنا جاہ و جلال پیش کیا نتیجہ یہ نکلا کہ بلقیس کے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی ملک میں بھی اسلامی پرچم لہرایا۔

قَالَتْ رَبِّ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي وَأَسْلَمْتُ مَعَ سُلَيْمَانَ لِلَّهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝

بلقیس کہنے لگی کہ اے میرے پروردگار میں نے اب تک اپنے نفس پر ظلم کیا تھا اور اب میں سلیمان کے ساتھ ہو کر رب العالمین پر ایمان لائی۔

قرآن کریم میں موجود ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اقوام موجودہ کو خطاب فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو ہمارے سامنے بیان کرو

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا

(انعام)

آپ کہئے کہ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے تو اس کو ہمارے روبرو ظاہر کرو۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلموں کے قواعد و ضوابط سے بعض کو مفید فرما کر ان پر عمل بھی فرمایا ہے بلکہ مذہبی معاملات میں ان پر بعض احکام کا دار و مدار اب بھی ہے، فقہ اسلامی کا ایک اصول ہے کہ جو ضوابط کتب سابقہ میں موجود ہیں اگر اسلام نے انکی تردید نہیں کی تو وہ قابل عمل ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

★ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی

آداب سفر

- راستہ میں جہاں ٹھہرنا ہو سڑک کو چھوڑ کر ٹھہرو۔
- جہاں تک ممکن ہو تنہا سفر مت کرو۔
- جب کام ہو چکے جلدی اپنے ٹھکانے آجاؤ، خواہ مخواہ سفر میں بے آرام مت رہو۔
- دوران سفر میں مصلحت یہ ہے کہ رفیقوں میں سے ایک کو اپنا سردار بنالیں، شاید باہم کچھ تکرار یا اختلاف ہو جائے تو فیصلہ آسان ہو۔
- سالار قافلہ کو چاہیے کہ تمام مجمع کا خیال رکھے، کوئی چھوٹ تو نہیں گیا ہے، کسی کو سواری کی تکلیف تو نہیں ہے وغیرہ۔
- قافلہ جب منزل پر اترے تو متفرق نہ اترے۔ سب قریب قریب مل کر ٹھہریں تاکہ اگر کسی پر آفت آئے تو دوسرے مدد کر سکیں۔
- اگر چلتے چلتے کوئی بات چیت کرنے کے لئے زیادہ ٹھہرنا ہو تو سواری سے اترجانا چاہیے، اس پر بیٹھے بیٹھے گھنٹوں نہ باتیں کرتے رہیں، اس میں جانور کو خواہ مخواہ تکلیف ہوتی ہے۔
- جب منزل پر پہونچو تو دوسرا کام پیچھے کرو۔ پہلے جانور پر سے اسباب زین وغیرہ جدا کرو۔

بعض بعض چند مواقع پر عمل فرمایا ہے مثلاً۔
(۱) جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلاطین کے نام دعوتی خطوط لکھنے شروع فرمائے تو حضرت سلمان فارسیؓ نے یہ مشورہ دیا کہ شاہان عجم اسی خط کو قبول کرتے ہیں جس پر مہر لگی ہوئی ہو۔ چنانچہ حضورؐ نے اس مشورہ کو قبول فرماکر ایک انگشتری بنوائی اور اس میں "محمد رسول اللہ" نقش کروایا۔
(۲) غزوۂ خندق کے موقع پر آپ نے خندق کھودنے کا حکم سلمان فارسیؓ کے مشورہ سے دیا تھا جو انھوں نے شاہان عجم کے طرز عمل کے پیش نظر عرض کیا تھا

ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد قبا میں تشریف لائے اور صحابہ کرام سے پوچھا کہ تم نے وہ کون سا عمل کیا کہ جو اللہ تعالیٰ نے پسند فرماکر قرآن کریم میں تعریف فرمائی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا کہ ہمارے پڑوسی یہودی پیشاب کے بعد پانی سے استنجا کیا کرتے تھے۔ ہم کو بھی یہ عمل پسند آیا اور اس کام کو شروع کردیا اس واقعہ میں بہت ہی کافی دلائل موجود ہیں کہ یہود کے بہتر عمل کو خداوند تعالیٰ نے پسند فرمایا اور یہ تصریح فرمائی کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ التَّوَّابِیْنَ وَیُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْنَ ۔

★ عزیز لکھنوی

غزل

مٹ گئی ہیں اختلافِ باہمی میں اُمتیں
کس لئے غافل بچھاتا ہے حریفانہ بساط

تیرا مستقبل دکھاتا ہے تباہی کی جھلک
شانِ استبداد ہے آئینہ دارِ انحطاط

طے بھی کر آپس کے جھگڑے آہ اس قابل نہیں
یہ رواقِ پُرخطر، یہ دیر، یہ کہنہ رباط

کوئی لغزش ہو تو اظہارِ ندامت چاہیئے
کس لئے تاویلِ مقصد کیوں ہو تعبیرِ مناط

امرِ حق میں لومِ لائم کی نہ کچھ پروا رہے
کارِ باطل میں نہ ہو تحسین سے کچھ انبساط

خودنمائی، خودستائی، خودپرستی تابکے
خاک کا پُتلا ہے تو اور خاک کی ہے کیا بساط

قوم کا شیرازہ مذہب سے استحکام ہے
اصل میں کمزوریِ مذہب ہے قومی انحطاط

کوششِ احقاقِ حق ابطالِ باطل چاہیئے
تاکہ آئینِ صداقت میں ہو پیدا انضباط

ان تمام مثالوں کا نتیجہ نکلا کہ علم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے جس طرح کھانا پینا، سونا جاگنا ایک انسان کے لئے ضروری ہے اسی طرح علم کو بھی اپنا اوڑھنا بچھونا بنا لینا چاہیئے۔ اور علم کے حصول میں تعصب و تنگ نظری کو راہ نہ دینی چاہیے بلکہ جب کبھی جہاں سے بھی جیسے بھی کوئی اچھی بات معلوم ہو اُسے اخذ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

پرنٹر پبلشر ... اشتیاق علی نعیم آبادی

جنگ بدر سے کچھ پہلے نازل ہوئی ہیں، اسوقت مسلمان تیس
دانتوں کے درمیان ایک زبان کی حیثیت رکھتے تھے، ہر
چہار طرف سے ان پر نرغہ تھا، اور مدینہ کی چھوٹی سی مسلم آبادی
لاتعداد دشمنوں کی زد میں تھی، ان پریشان کن حالات کے
باوجود مسلمان اپنے اصول پر ثابت قدمی سے جمے ہوئے
تھے لیکن کبھی کبھی طبیعتوں میں اضطراب بھی ہوتا تھا، اس
موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسکین دیتے تھے
اور آیات الٰہی سُنا کر دلوں میں اطمینان پیدا کرتے تھے
قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حالات، ان کے معاندین
کی مخالفانہ کوششوں کی تفصیلات پھر ان معاندانہ کوششوں
کی ناکامی اور بالآخر انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی کامیابی
کے واقعات بار بار اسی لئے بیان کئے گئے ہیں تاکہ لوگوں
کے دلوں میں یہ یقین مضبوطی سے جاگزیں ہو جائے کہ خواہ
بظاہر حالات کتنے ہی ناموافق نظر آتے ہوں اور انبیاء
علیہم السلام اور ان کے متبعین چاہے کیسے ہی کمزور اور
بے سروسامان محسوس ہوتے ہوں لیکن یہ ناممکن ہے کہ
مخالفین کی پھونکوں سے دعوت ایمانی کی شمع گل ہو جائے
انبیاء علیہم السلام کی دعوت ضرور کامیاب ہوگی اور ہر
قسم کی بے سروسامانی کے باوجود ایک دن حق ضرور
باطل کو پاش پاش کر دے گا

اس موقع پر بھی ان کمزور، پریشان حال اور
بے سروسامان مسلمانوں کو جنھیں دشمنوں نے گھر سے
بے گھر کر دیا ہے جو وطن سے سیکڑوں میل دور غربت کی
زندگی گزار رہے ہیں اور اب مخالفین اس غریبانہ زندگی کو
بھی جاری نہیں رہنے دینا چاہتے ہیں اور کوشش
کر رہے ہیں کہ انھیں بالکل صفحۂ ہستی سے نیست و نابود
کر دیں۔ قصہ طالوت و جالوت سنانے سے یہی مقصود
ہو کہ انھیں یقین دلایا جائے کہ حق و باطل کی کشمکش کا جو
نتیجہ ہمیشہ ہوا ہے وہی اب بھی ہوگا، سرداران قریش
ہوں، خواہ رؤسائے یہود، دعوت حق کو کامیابی
تک پہنچنے سے کوئی بھی نہیں روک سکتا ہے، عنقریب
وقت آرہا ہے جب سارے مخالفین سرنگوں ہو جائیں گے
اور فتح و کامرانی اہل حق کا استقبال کرے گی، اس حقیقت کو
ذہن نشین کرنے کے لئے ذرا زور دے کر فرمایا جا رہا ہے کہ
جس انقلاب کا تمھیں یقین دلایا جا رہا ہے وہ صرف خوش
خیال نہیں ہے بلکہ محض ظن و تخمین کی بنیاد پر یہ پیش گوئی
کی جا رہی ہے۔ بلکہ اس علیم و بصیر ذات کی طرف سے اعلان
ہے جس کا علم یقینی اور جس کی بصیرت قطعی ہے، آپ نبی برحق
ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی پیغامبری کے لئے متعین
کیا ہے، جب یہ صورت حال ہے تو آپ جس دعوت حق کو لے کر
کھڑے ہوئے ہیں اسکی کامیابی یقینی ہے، مخالفین ایڑی
سے چوٹی تک چاہے جتنا بھی زور لگائیں لیکن ان کے لئے
کچھ نہیں ہو سکتا جو شمع حقیقت روشن ہوئی ہے اس کا اجالا
پھیل کر رہے گا، مخالفین اگر چاہیں کہ اپنی پھونکوں سے چراغ
ربانی کو گل کر دیں تو یہ ناممکن ہے کہ ایں خیال است و محال است و جنوں